

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَقَدْ جَاءَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ آيَاتُ الْفُتُوحِ

بُرْهَانُ الْقَدَانِ

عَلَامَةُ قَارِي مُحَمَّد طَيْبِ نَقِشْبَنَدِي

مَدْرَسَةُ مُدَرِّسَةِ شَوْلِيَةِ اِسْلَامِيَّةِ سَمَرَقَنْدِ اَنْجَلِيَّةِ

جُلْدِ پَنْجَم

مَكْتَبَةُ بَرْنِ اَلْفَرَانِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (النساء ۴۰)

تفسیر یُحٰیٰتُ الْقُرْآنِ

جلد پنجم

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ تا سُورَةُ فَاطِر

[مصنف]

مفت قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یو کے

مکتبہ نور القرآن



يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ
 اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے عظیم دلیل آئی ہے (النساء ۴۷)

تفسیر بُرْهَانُ الْقُرْآنِ

جلد پنجم

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ تا سُورَةُ فَاطِر

مصنف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

ناظم جامعہ رسولیہ اسلامک سنٹر مانچسٹر یو کے

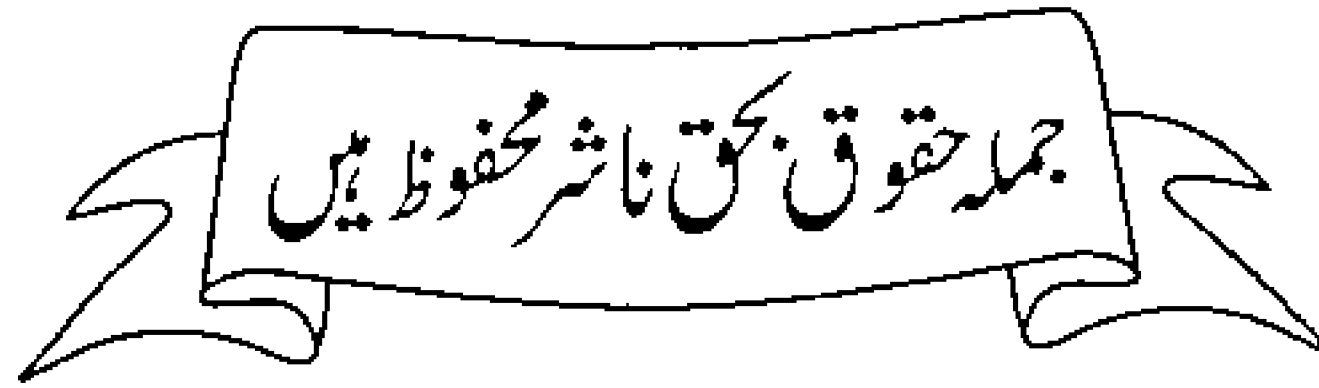
مکتبہ نوری القرآن



154689

11823

۱.۵



Name Book : Tafseer Burhan ul Quran

Author : Qari Muhammad Tayyib Naqshbandi

Book : 5th

Year : August 2016

Edition : 1st (2 Color)

Publisher : Maktaba Burhan ul Quran
Data Darbar Market Lahore

نام کتاب : تفسیر برہان القرآن

مصنف : قاری محمد طیب نقشبندی

جلد : پنجم

سن اشاعت : ذوالقعدہ 1437ھ

ایڈیشن : اول (2 کالر)

الناشر : مکتبہ برہان القرآن
داتا دربار مارکیٹ لاہور
0321-4298570

ملنے کے پتے

نظامیہ کتاب گھر (اردو بازار لاہور)	علامہ فضل حق خیر آبادی (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
نعمیہ بک سٹال (اردو بازار لاہور)	ضیاء القرآن (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ غوثیہ (کراچی)	دارالنور (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
اسلامک بک کارپوریشن (راولپنڈی)	مکتبہ قادریہ (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
فیضان مدینہ (سر دار آباد)	مکتبہ اعلیٰ حضرت (داتا دربار مارکیٹ لاہور)
مکتبہ الفصحی (اردو بازار لاہور)	کتب خانہ امام احمد رضا (داتا دربار مارکیٹ لاہور)

Find us in UK

Jamia Rasoolia Islamic Center
250 Upper Chorlton Road Old Trafford Manchester M16 0BL
Mob: 07999312666 07450005809

فہرست

1	سورہ مومنون	✽
1	فضیلت	✽
2	مضامین	✽
2	ما قبل سے مناسبت	✽
3	مؤمنین کے سات اوصاف کا بیان	✽
3	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز میں خشوع اور حضور قلب	✽
5	بزرگان دین کا نماز میں انہماک اور خشوع	✽
5	نماز میں خشوع کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟	✽
7	متعہ حرام ہے	✽
8	اہل تشیع کے نزدیک متعہ کا عظیم ثواب اور متعہ کرنے والے کے بلند درجات	✽
9	استمناء بالید حرام ہے	✽
11	انسان کی اپنی تخلیق اور اس کے لئے پیدا کی گئی نعمتوں کا بیان	✽
15	وجود باری تعالیٰ کی قوی تردلیل	✽
16	نوح علیہ السلام کی دعوت، قوم کا انکار اور عذاب الہی کا نزول	✽
19	مختلف انبیاء کی تبلیغی مساعی اور ان کی منکر قوموں پر نزول عذاب	✽
23	مومنوں اور کافروں کے اپنے اپنے کام اور ان کا انجام	✽
24	اکل حلال کی اہمیت	✽
24	عمل صالح کی قبولیت اکل حلال پر موقوف ہے	✽
25	فرقہ پرستی کا رد، اور اہل سنت و جماعت کی حقانیت	✽
28	رات گئے تک بیکار جاگنے اور دیر سے سونے کی برائی	✽

31	اللہ کی عظیم قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور اثبات قیامت	✽
34	عرش عظیم کی عظمت	✽
34	مشرکین کے شرک کی وضاحت	✽
35	طریقہ تبلیغ کیا ہونا چاہئے اور احوال قیامت کا بیان	✽
36	فتنوں سے بچنے کی دعاء کرنا	✽
36	رسول اللہ ﷺ کا کرم اور عفو و درگزر	✽
38	اہل تشیع کے عقیدہ رجعت کی تردید	✽
39	روز قیامت اہل ایمان کا نسب منقطع نہیں ہوگا	✽
45	سورۃ نور	✽
45	فضیلت	✽
45	مضامین	✽
46	ما قبل سے مناسبت	✽
47	حد زنا، حد قذف اور حکم لعان کا بیان	✽
48	زنا کا ثبوت کیسے ہوتا ہے؟	✽
48	حد زنا کیسے جاری کی جائے؟	✽
49	رجم کا حد شرعی ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں	✽
51	دین اسلام معاشرہ کو بے حیائی سے پاک کر دیتا ہے	✽
51	کوڑے مارنے کی سزا میں بیجا شدت کی اجازت نہیں	✽
51	زنا کی شرعی سزا میں ایک سال قید کرنا شامل نہیں ہے	✽
52	اجراء حدود میں رعایت نہ برتنے کا حکم	✽
54	حد قذف کے احکام	✽
56	لعان کے چند مزید شرعی احکام	✽

56	✽	ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کے بہتان کا جواب
57	✽	ام المؤمنین پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت زنا کا واقعہ
60	✽	مومن کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے
61	✽	زنا چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے
61	✽	چار گواہوں کے بغیر کسی پر زنا کا الزام رکھنا اللہ کے قانون میں جھوٹ اور تہمت زنی ہے
63	✽	حضرت عائشہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ اور ان کے عمدہ جوابات
64	✽	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات
67	✽	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والوں کی سزا
69	✽	افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
69	✽	رشتہ داروں سے حسن سلوک کی فضیلت
70	✽	نیکی نہ کرنے کی قسم کو توڑ دینا چاہیے
71	✽	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بزبان قرآن
71	✽	پاک دامن عورتوں پہ تہمت زنی کا گناہ
72	✽	ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت
74	✽	ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اہل تشیع کی غلیظ جھوٹے الزامات
74	✽	شیعوں کا لرزہ خیز الزام کہ عائشہ وحفصہ اور ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا (معاذ اللہ)
75	✽	شیعوں کا گھناؤنا بہتان کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم بن محمد کو ولد الزنا قرار دیا (معاذ اللہ)
76	✽	شیعوں کا ایمان سوز الزام کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنازہ امام حسن پہ تیر برسوائے (معاذ اللہ)
76	✽	پردہ داری سے متعلق چھ خدائی حکم نامے
76	✽	پہلا حکم نامہ: کسی کے گھر میں بے اجازت داخلہ کی ممانعت
77	✽	کسی گھر میں داخل ہونے اور اجازت لینے کا اسلامی طریقہ

80	✽	دوسرا حکم نامہ: ہر مرد وزن کو نگاہیں پست رکھنے کی تاکید
80	✽	حدیث میں نگاہ کو قابو میں رکھنے پر تاکید شدید
81	✽	عورتوں کے اعضاء اور ان کے حسن و جمال پر شاعری حرام ہے
81	✽	تیسرا حکم نامہ: عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارے جسم کو چھپائے
83	✽	عورتوں کے لئے چست کپڑوں کی ممانعت
83	✽	چوتھا حکم نامہ: عورت اپنے سینے پر چادر ڈالے
83	✽	پانچواں حکم نامہ: کن مردوں کے سامنے عورت اپنے اعضاء زینت ننگے رکھ سکتی ہے؟
85	✽	دیور، جیٹھ، سمدھی اور کزن سے پردہ لازم ہے
85	✽	پیر اور استاذ سے بھی پردہ فرض ہے
85	✽	عورت کا کھلے سر ٹی وی کیمرے کے سامنے آنا حرام ہے
86	✽	مرد کے لیے غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا گناہ
86	✽	چھٹا حکم نامہ: عورت کو بازار میں کیسے چلنا چاہئے
89	✽	نادار لوگوں کی مالی و اخلاقی مدد اور غلاموں سے حُسنِ سلوک کا بیان
89	✽	اہمیت نکاح کا بیان
89	✽	بیوہ عورت اور رنڈوے مرد کے نکاح کی ترغیب
90	✽	نکاح سے رزق میں وسعت آتی ہے
90	✽	عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنا شرک نہیں
91	✽	اسلام میں متعہ کا کوئی وجود نہیں
91	✽	اسلام نے غلامی کا سلسلہ ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے
93	✽	دین محمدی کے نور کی چمکتے چراغ سے تشبیہ
100	✽	اللہ کا ہر چیز پہ حق مالکیت و رازقیت
105	✽	اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم

109	✽	خلافت راشدہ کے دوران دین کی مضبوطی اور حصول امن کی بشارت
111	✽	آیت خلافت کی تفسیر کتب شیعہ سے
112	✽	آیت خلافت کی تفسیر خود مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی
113	✽	آیت خلافت کی تفسیر میں شیعہ مفسرین کی قلابازیاں
113	✽	آیت استخلاف کے مصداق میں شیعہ اقوال کا رد
115	✽	خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ احادیث از کتب شیعہ
116	✽	خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ اقوال مولا علی رضی اللہ عنہ از کتب شیعہ
119	✽	نوکروں چاکروں اور اولاد کو گھروں میں اجازت لے کر آنے کا حکم
125	✽	صحابہ کرام کا احترام رسول اللہ ﷺ اور منافقین کا گستاخانہ طرز عمل
128	✽	حضور ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارنے کی ممانعت
131	✽	سورة الفرقان
131	✽	مضامین سورت
132	✽	ما قبل سے مناسبت
133	✽	قرآن اور نبوت محمدیہ کی صداقت
133	✽	حضور سید عالم ﷺ ساری کائنات کے لیے رسول ہیں
133	✽	آپ ﷺ تمام مخلوق پر حاکم ہیں
134	✽	اللہ تعالیٰ اپنا تعارف آپ ﷺ کے ذریعے کرواتا ہے
134	✽	ختم نبوت
135	✽	آپ ﷺ کا مقام عبدیت
136	✽	رسول اللہ ﷺ کا امی ہونا آپ کے لیے دلیل نبوت ہے
137	✽	کفار مکہ کا رسول اللہ ﷺ کو مال و دولت حکومت اور شادی کی پیشکش کرنا
139	✽	روز قیامت کفار کیلئے جہنم کا جوش و غضب اور مومنوں کے لئے بہار جنت

140	✽	رسول اللہ ﷺ کو سونے چاندی کے محلات وغیرہ کیوں نہ دیے گئے
141	✽	روز قیامت جہنم کا بڑھکنا اور سب اہل محشر کا گھبرانا
145	✽	کفار کی سرکشی اور روز قیامت ان کا انجام بد
148	✽	عقبہ بن ابی معیط کی گستاخی رسول اللہ ﷺ اور اس کا انجام
150	✽	قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں
152	✽	گزشتہ انبیاء سے کفار کی سرکشی اور ان پر عذاب الہی کا نزول
156	✽	اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور درس توحید
158	✽	کس پانی سے وضوء و غسل جائز ہے کس سے نہیں، چند احکام
160	✽	دو سمندروں کا باہم مختلط نہ ہونا
163	✽	آسمانی بروج کی تفصیل
164	✽	اہل ایمان کی گیارہ اوصاف حمیدہ
164	✽	تکبر کی مذمت
166	✽	اولیاء اللہ کی طرف منسوب بعض دعاوی کا مفہوم
171	✽	سورة الشعراء
171	✽	فضیلت
171	✽	مضامین
172	✽	ما قبل سے مناسبت
173	✽	کفار کی گمراہی پر نبی ﷺ کا دکھ اور اللہ کی طرف سے تسلی
174	✽	محبوبیت مصطفیٰ بدرگاہ خدا جل و علا
175	✽	مبلغ کو لوگوں کی مخالفت سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے
175	✽	انسان کی اختیاری عبادت ہی اسے تمام مخلوق سے برتر کرتی ہے
176	✽	موسیٰ علیہ السلام کا رسول بن کر فرعون کے پاس جانا اور اس کا انکار کرنا

177	طبعی خوف وجہ اعتراض نہیں	✽
178	قرآن میں کبھی ذنب بمعنی الزام بھی آتا ہے	✽
183	جادو گروں کا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں شکست کھا کر ایمان لانا	✽
185	غیر خدا کی قسم اٹھانا جائز نہیں	✽
187	اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کا رد	✽
187	ایمان کی قوت ہر چیز سے زیادہ ہے	✽
188	بنی اسرائیل کیلئے سمندر کا پھٹنا اور قوم فرعون کا اس میں غرق ہونا	✽
188	بنی اسرائیل کن حالات میں فرعونوں سے بچ کر مصر سے نکلے	✽
189	ظلم کی بنیاد پر کوئی معاشرہ پنپ نہیں سکتا	✽
189	تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ	✽
190	فرعونی قوم کے بعد مصر کو بنی اسرائیل نے سنبھالا	✽
192	ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف تبلیغی سرگرمیاں	✽
200	قوم نوح علیہ السلام کی سرکشی اور تباہی	✽
205	دین اسلام کے خلاف عاد و ثمود کی سرکشی اور اس کے نتیجے میں ان کی تباہی	✽
205	بلا معاوضہ تبلیغ دین اصل وراثت نبوت ہے	✽
206	سچا نبی دین کو حصول مال کا ذریعہ نہیں بناتا	✽
206	اونچا اور اچھا مکان بنانا کہاں درست ہے کہاں نہیں	✽
210	حضرت لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوموں کی سرکشی اور بربادی	✽
211	بیوی سے لواطت کی حرمت۔ اور اہل تشیع کا اسے جائز سمجھنا	✽
212	متعہ کی حرمت	✽
215	ناپ تول میں کمی کرنے کا گناہ	✽

217	✽	صداقتِ قرآن اور حقانیت رسالتِ محمدیہ
217	✽	قرآن کو صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت
218	✽	قلبِ رسول ﷺ کا پہاڑوں سے مضبوط تر ہونا
218	✽	قرآن صرف عربی میں ہے غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہوتا ہے
222	✽	حضور ﷺ کا آغاز اسلام میں اپنے قبیلہ کو دعوتِ اسلام دینا
223	✽	کیا وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ میں خلافت علی المرتضیٰ کا اعلان مرد ہے؟
225	✽	رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک کی طہارت
226	✽	آبائے رسول ﷺ کے ایمان پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت نعت
227	✽	شاعری کوئی اچھی ہے اور کوئی بری
228	✽	حمد و نعت اور حمایتِ دین پہ مشتمل شاعری کی فضیلت
229	✽	مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی چار زبانوں پہ مشتمل ایک نعت شریف
231	✽	سورة النمل
231	✽	مضامین
231	✽	ما قبل سے مناسبت
232	✽	قرآن کی صداقت اور ایمان بالآخرت کی اہمیت
234	✽	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصبِ نبوت پر فائز کیے جانے کا واقعہ
235	✽	بیوی اہل بیت میں شامل ہے اور اس کے لیے جمع ذکر کے صیغے بولے جاتے ہیں
239	✽	داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں
240	✽	داؤد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت کب اور کہاں قائم ہوئی
240	✽	انبیاء کی مالی میراث پہ شیعہ استدلال کا رد
241	✽	کتب شیعہ سے انبیاء کی مالی وراثت نہ ہونے کا ثبوت
241	✽	حضور سید عالم ﷺ حیوانات کے علاوہ جمادات و نباتات کی بولیاں بھی جانتے ہیں

244	✽	دور سے سن لینا انبیاء کا معجزہ اور اولیاء کی کرامت ہے
244	✽	ردِ شیعیت عظمت صحابہ
246	✽	سلیمان علیہ السلام کا ملکہ یمن کو ہڈ ہڈ پرندے کے ذریعے حکم اطاعت بھیجنا
246	✽	ہڈ ہڈ پرندے کی فضیلت و افادیت
247	✽	یمن کی ملکہ بلقیس اور اس کے تخت کا تذکرہ
247	✽	عورت کے سربراہ مملکت بننے کی دلیل کا رد
249	✽	اہل تشیع کے لیے درس عبرت
251	✽	سلیمان علیہ السلام کا تخت بلقیس کو ایک لمحہ میں منگوانا اور اس کا آپ پر ایمان لانا
252	✽	ہدیہ قبول کرنا چاہئے بشرطیکہ رشوت نہ ہو
254	✽	حضرت آصف بن برخیا تخت بلقیس کو یمن سے عراق میں کیسے لائے
254	✽	کرامت کی حقانیت
255	✽	قوتِ ولی کے سامنے جنات کی قوت کچھ نہیں ہے
256	✽	عظمتِ قرآن کریم
260	✽	قتلِ صالح علیہ السلام کی سازش کرنے والوں پر عذاب الہی
262	✽	قوم لوط علیہ السلام پر آنے والی تباہی کا بیان
264	✽	اللہ کی پانچ عظیم الشان قدرتوں کا بیان
265	✽	ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے
265	✽	مظلوم کی آہ سے بچنا چاہئے
266	✽	مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے
268	✽	علمِ غیب کے بارے میں سوال کا جواب
269	✽	قرآن اور قیامت کی حقانیت کا بیان
273	✽	احادیث کی روشنی میں مُردوں کا سننا برحق ہے

274	دابة الارض سے کیا مراد ہے
275	قیام قیامت کے چند احوال اور شرکین کو دعوت توحید
279	سورة القصص
279	مضامین
279	ما قبل سے مناسبت
280	موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، رضاعت اور بچپن
281	اس آیت کے تحت شیعہ مفسرین کی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خلاف زہرافشانی
283	موسیٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت قتل سے کیسے بچایا گیا
284	تابوت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا اٹھانا
285	لفظ آل کسی کے بیروکاروں کو بھی شامل ہوتا ہے
286	اللہ تعالیٰ کا نبی شیر خوارگی ہی سے منبج علم ہوتا ہے
289	پنجمبر کا محرمات سے معصوم ہونا
289	انبیاء کا میلاد بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے
290	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک فرعونی شخص کا غیر ارادی قتل اور آپ کا مصر چھوڑنا
291	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعونی کا واقعہ قتل قرآن میں اور بائبل میں
292	عصمت انبیاء اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا
292	معلوم ہوا انبیاء کرام تو اضح کا مجسمہ ہوتے ہیں
293	مظلوم کا ساتھ دیا جائے ظالم کا نہیں خواہ ظالم محسن ہو
296	موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں شعیب علیہ السلام کے ہاں دس برس رہنا
297	عورت کو بلا ضرورت کام کے لئے گھر سے نہیں نکلتا چاہئے
297	اگر عورت مجبوراً کسب معاش کے لئے نکلے تو مردوں سے الگ رہے
298	موسیٰ علیہ السلام کا دختران شعیب علیہ السلام کی مدد کرنا

300	کیا بیوی یا سر کی خدمت کرنے کو حق مہر بنایا جاسکتا ہے؟	✽
304	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس مصر آنا اور راستے میں نبوت کا پانا	✽
304	درخت نور الہی کا مظہر کیسے بنا؟	✽
306	موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کی نبوت کے لیے دعاء مانگنا	✽
307	موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام کیسے سنا؟	✽
309	فرعون کے بناء کردہ بلند ترین ٹاور کا تباہ ہونا	✽
312	تورات اور قرآن کا ہدایت کے لئے نازل ہونا	✽
316	جب حبشہ کے عیسائی ایمان لے آئے اور مکہ کے قریش کفر پہ اڑے رہے	✽
318	ابوطالب کی موت کی کیفیت	✽
319	ابوطالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کی بحث	✽
323	قیامت کے دن مشرکین سے اللہ رب العزت کا پر عتاب خطاب	✽
324	حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اور ان کے فضائل	✽
326	اللہ تعالیٰ کی پسند پر اعتراض یہودیانہ و مشرکانہ طریقہ ہے	✽
326	ہر اہم کام سے قبل استخارہ کی فضیلت	✽
329	قارون کا اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا یا جانا	✽
335	فکر آخرت، وعدہ غلبہ دین اور رد شرک	✽
335	ایک مسلم حاکم کو کیسا ہونا چاہیے	✽
336	اہل تشیع کے عقیدہ رجعت کا رد	✽
339	حضور مصطفیٰ ﷺ کو چالیس برس سے قبل اپنی نبوت کا علم تھا	✽
340	پہلی وحی کے نزول پہ رسول اللہ ﷺ کا گھبرانا کیوں تھا؟	✽
341	سورة العنكبوت	✽
341	مضامین	✽

342	✽ قبل سے من سبت
343	✽ راجح میں استقامت، اطاعت والدین اور رد نفاق کا بیان
346	✽ والدین کا کوئی خلاف شرع حکم ماننا جائز نہیں
346	✽ اطاعت والدین کی اہمیت
347	✽ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت
350	✽ حضرت نوح اور ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں
355	✽ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور لوط علیہ السلام کی تبلیغی مساعی
355	✽ انبیاء کرام جان کی پرواہ کئے بغیر کافرو جابر حکمرانوں سے ٹکر لیتے رہے
356	✽ غنیمت ذریت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
357	✽ رد مرزائیت
357	✽ اہل تشیع کی خانہ ساز امامت منصوصہ کا رد
359	✽ مختلف انبیاء کا ذکر اور ان کے دشمنوں کا بیان
364	✽ مکڑی کی مثال اور حقیقت دنیا
366	✽ حقانیت قرآن پر دلائل اور منکرین کے اعتراضات کا جواب
366	✽ قراءت قرآن نماز میں فرض ہے
367	✽ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے
369	✽ غیر مسلمین میں نفوذ اسلام
372	✽ آخری عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا گیا تھا
372	✽ قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے
373	✽ قرآن کے بعد کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں
374	✽ توحید و رسالت اور قیامت کی حقانیت پر عمومی دلائل
376	✽ دین و ایمان کو قوم، وطن، خاندان اور مال و تجارت سب پر فوقیت ہے

تفسیر برہان القرآن

جلد پنجم

376	جہاں دین پر عمل مشکل ہو وہاں سے ہجرت لازم ہے	✽
377	ساری زمین مسلمان کا وطن ہے	✽
377	میتیں برطانیہ سے پاکستان لے جانا شرعاً قبیح ہے	✽
380	حقیقت دنیا، ردِ شرک اور دعوتِ عملِ خیر	✽
381	صرف مصیبت میں اللہ رب العزت کو یاد کرنا مشرکین کا طریقہ ہے	✽
382	ردِ شرک والی آیات کا مومنین سے کوئی تعلق نہیں	✽
385	سورة الروم	✽
385	مضامین	✽
385	ما قبل سے مناسبت	✽
386	ایرانیوں پر اہل روم کے غلبہ کی پیش گوئی اور دشمنانِ اسلام کو وارننگ	✽
386	اہل روم ایرانیوں پر کیسے اور کب غالب آئے؟	✽
392	آیاتِ قدرت اور احوالِ قیامت کا بیان	✽
393	پانچ نمازوں کی فرضیت	✽
393	اوقاتِ نماز کا فلسفہ	✽
394	صبح و شام تسبیح کہنے کی فضیلت	✽
395	وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی توحید و قدرت پر دلائل	✽
396	عورت مرد کے تابع ہے	✽
396	عورت وہی اچھی ہے جو شوہر کی فرماں بردار ہو	✽
397	میاں بیوی کے درمیان محبت اللہ کی نعمت ہے	✽
400	دلائلِ توحید اور ردِ شرک کا پر مغز بیان	✽
400	حقیقتِ شرک اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی مذمت	✽
402	ہر بچہ فطرتِ اسلام پہ پیدا ہوتا ہے	✽

403	کفار کے نامکھ بچے جنتی ہیں
403	نماز شرک سے بچاتی ہے
403	نماز پڑھنے والا شخص مشرک نہیں ہو سکتا
404	دین میں تفرقہ بازی کی مذمت
404	لفظ شیعہ قابل فخر لفظ نہیں ہے
407	نادار والدین بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا خرچہ قریب ترین عزیزوں پر لازم ہے
408	مالداروں پہ غریبوں مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے
409	رد شرک، تحقیق رسالت اور آیات قدرت کا بیان
413	سماع موتی پہ تحقیق، اور اس کے خلاف شبہات کا رد
415	میت کے پوسٹ مارٹم کی ممانعت، اور اموات کو برطانیہ سے پاکستان لیجانے کی قباحت
418	عظمت ربوبیت اور حقانیت قیامت کا بیان
420	سورۃ لقمان
420	ما قبل سے مناسبت
421	مومنوں اور کافروں کے کام اور انجام میں فرق
422	گانا سننا اور بجانا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا حرام ہے، احادیث کی روشنی میں
425	آلات موسیقی کی حرمت پہ محدثین و فقہاء کے اقوال
425	موسیقی کے بارہ میں شبہات کا ازالہ
427	کیا مروجہ قوالی جو آلات موسیقی کے ساتھ ہوتی ہے جائز ہے؟
428	مروجہ قوالی کے بارہ میں اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ رحمہ اللہ کا فتویٰ
429	کیا خواجگان چشت مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے؟
432	حضرت لقمان رحمہ اللہ کی اپنے بیٹے کو نیک وصیات
433	حضرت لقمان رحمہ اللہ کا تعارف، اور یہ کہ وہ ولی ہیں نبی نہیں

435	✽	اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد حقوق العباد میں سب سے اول ماں باپ کا حق ہے
435	✽	ماں کا حق خدمت باپ سے زیادہ ہے (اور باپ کا حق اطاعت زیادہ)
435	✽	فاسق و فاجر والدین سے بھی حسن سلوک لازم ہے
436	✽	والدین کا خلاف شرع حکم نہ مانا جائے
436	✽	عظمت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی سابقیت فی الاسلام
438	✽	گدھے کی آواز کا سب سے بدتر ہونا
440	✽	اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اور نعمتیں اور کفار کی ہٹ دھرمی
440	✽	انسان مقصود کائنات ہے
444	✽	اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں اور اللہ کے علم کا بیان
445	✽	باپ بیٹے کا روز قیامت فائدہ نہ دینا کفار کے لیے ہے
446	✽	اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء میں سے جسے چاہے علوم غیبیہ خمسہ عطا فرماتا ہے
449	✽	سورة السجده
449	✽	فضیلت
449	✽	مضامین
449	✽	ما قبل سے مناسبت
450	✽	حقانیت قرآن، دلائل توحید اور نعمت ہائے الہیہ کا بیان
451	✽	صداقت قرآن عدالت صحابہ کی دلیل ہے
452	✽	اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے دفاع فرماتا ہے
453	✽	قیامت کا دن کتنا لمبا ہوگا، اس کی تحقیق
455	✽	ملک الموت جانیں کیسے قبض کرتا ہے؟ حدیث کی روشنی میں
456	✽	ملک الموت علیہ السلام کی وسعت علم و اختیار
456	✽	وسعت علم مصطفیٰ ﷺ

457	✽	احوال قیامت اور مومنوں اور کافروں کی جداگانہ صفات
459	✽	نماز تہجد کی فضیلت
460	✽	اللہ کو خوف و امید کے ساتھ پکارنے کی فضیلت
462	✽	فضیلت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
463	✽	اہل کتاب اور مشرکین کو دعوت حق
464	✽	تورات پر قرآن کی برتری
464	✽	امامت کے لئے کوئی عدد مخصوص نہیں، اور یہ ایک کسی منصب ہے
467	✽	سورة الاحزاب
467	✽	مضامین
469	✽	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کیلئے اللہ کی طرف سے ایک ہدایت نامہ
470	✽	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا گیا
470	✽	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے کی ممانعت
470	✽	کفار کی خوشنودی کے لئے دین کے کسی حصہ کا ترک یا اس کا بدلنا جائز نہیں
472	✽	ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا
472	✽	منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے احکام حاصل نہیں کر سکتا
474	✽	النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ کے تین معانی
476	✽	ام المؤمنین سیدہ عائشہ و ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں اہل تشیع کی بدزبانی
476	✽	کیا وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ میں مومنہ عورتیں شامل نہیں ہیں؟
479	✽	غزوہ احزاب میں صحابہ کرام کی جانثاری اور منافقین کی مکاری و عیاری
482	✽	جب غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم و ایران اور یمن کی فتوحات کی بشارات دیں
483	✽	مدینہ طیبہ کو یثرب نہیں کہنا چاہیے، یہ منافقین کا طریقہ ہے
484	✽	جہاد سے منافقین کئی کتراتے ہیں

486	✽	غزوہ احزاب میں منافقین کا شرمناک کردار
486	✽	غزوہ احزاب کا مختصر نقشہ احوال
488	✽	رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ میں مومنوں کیلئے بہترین نمونہ زندگی ہے
488	✽	رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو سے کامل نمونہ حیات ہونا
488	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت باپ
489	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت بیٹا
489	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت بھائی
489	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت شوہر
490	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت آقا
490	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ مملکت
491	✽	رسول اللہ ﷺ بحیثیت کمانڈر انچیف
493	✽	صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبہ شہادت
495	✽	غزوہ بنو قریظہ کا مختصر واقعہ
496	✽	عظمت ازواج رسول ﷺ
497	✽	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر غضبِ فدک کے الزام کی تردید
498	✽	ازواجِ مطہرات کی رسول اللہ ﷺ سے وفاداری و محبت
498	✽	فضیلت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
499	✽	عظمت اہل بیت رسول ﷺ
500	✽	یہ نظریہ کہ اہل بیت پر کوئی پکڑ نہیں، صحیح نہیں ہے
501	✽	افضیلت ازواج رسول ﷺ
501	✽	عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے غیر لچکدار لہجہ رکھنا چاہئے
502	✽	ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر گھر سے نکل کر بصرہ جانے کا اعتراض اور اس کا جواب

503	✽	عورت کا مردوں کے شانہ بشانہ ان سے گھل مل کر کام کرنا جائز نہیں
503	✽	عورت کے بن سنور کر بے پردہ باہر نکلنے کا گناہ
504	✽	کیا آیت تطہیر کا ازواج رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں؟
507	✽	آیت تطہیر سے اہل تشیع کا ائمہ اہل بیت کے معصوم عن الخطاء ہونے پر غلط استدلال
508	✽	شان طہارت ازواج رسول ﷺ
508	✽	شان طہارت پنجتن پاک
508	✽	خوارج زمانہ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور یزید پلید کو جنتی کہنا
509	✽	حدیث مبارک سے حسنین کریمین اور پنجتن پاک کے چند فضائل
510	✽	شان اہل بیت رسول ﷺ میں مفسر کی لکھی ہوئی ایمان افروز منقبت
511	✽	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم
513	✽	مقام حدیث
514	✽	شریعت پر عقل قربان ہے
514	✽	ختم نبوت
517	✽	اسلام میں غلاموں کی عزت افزائی
517	✽	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت
518	✽	حضرت سیدہ زینب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی فضیلت
518	✽	نکاح میں اصل کفو صرف اسلام ہے
520	✽	خاتم النبیین ﷺ کی شان ختم نبوت
521	✽	حضور ﷺ کے بعد آپ کا کوئی حقیقی بیٹا بھی امتی نبی نہیں بن سکتا
521	✽	آپ کے بعد تشریعی وغیر تشریعی ہر طرح کی نبوت کا درواہ بند ہے
522	✽	لفظ خاتم النبیین کی معنوی تحریف کا جواب
523	✽	خود مرزا قادیانی کی زبانی خاتم النبیین کا معنی آخری نبی

523	لفظ خاتم النبیین میں کوئی استثناء نہیں ہے	✱
524	خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کی دونوں قراءات ختم نبوت پہ دلالت کرتی ہیں	✱
524	ختم نبوت آیات قرآن کی روشنی میں	✱
526	ختم نبوت احادیث صحیحہ مشہورہ کی روشنی میں	✱
528	ختم نبوت اور اجماع امت	✱
529	ختم نبوت اور عقل و استدلال	✱
530	ختم نبوت کا اثبات خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے	✱
532	ختم نبوت پر مرزائیوں کے چند شبہات کا ازالہ	✱
532	پہلا شبہ: قول خدا، اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ	✱
533	ختم نبوت پر مفسر کی لکھی ہوئی ایک نظم	✱
534	دوسرا شبہ: قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: لو عاش ابراهيم لكان صديقاً نبيا	✱
535	تیسرا شبہ: قول عائشہ صدیقہ: لا تقولوا الانبي بعدہ	✱
536	چوتھا شبہ: کیا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختم نبوت کے منافی ہے؟	✱
538	مرزا غلام احمد قادیانی کے چند کفریات	✱
538	اللہ تعالیٰ کے بارے میں مرزا کی گستاخیاں	✱
538	تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں	✱
539	حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین	✱
539	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شدید توہین	✱
540	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں	✱
540	قرآن کریم کی توہین	✱
540	حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین	✱
541	ذکر الہی، اوصاف رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور چند احکام نکاح کا بیان	✱

543	✽	رسول اکرم ﷺ کا حاضر و ناظر اور اعمال امت سے باخبر ہونا
545	✽	حقیقت محمدیہ کا ساری کائنات میں جلوہ فرما ہونا
547	✽	رسول اکرم ﷺ کا سراج منیر ہونا
552	✽	جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنے کا جواز
554	✽	ازواج رسول ﷺ کے لئے پردے کا حکم اور تعظیم رسول ﷺ کا بیان
555	✽	کسی کے گھر کھانے کے لئے بن بلائے جانا جائز نہیں
555	✽	کھانے کے لئے دیئے گئے وقت سے پہلے جانا یا کھانے کے بعد وہاں تا دیر بیٹھے رہنا جائز نہیں
555	✽	دعوت کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے
555	✽	نبی اکرم ﷺ کی صفت حیاء
555	✽	اللہ تعالیٰ کو آپ کا تکلیف میں پڑنا گوارا نہیں
557	✽	ازواج رسول اللہ ﷺ سے حرمت نکاح کے تین اسباب
558	✽	نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم
560	✽	آپ ﷺ پہ درود شریف کا تسلسل ازل سے ابد تک
560	✽	ہم حضور مخیر موجودات ﷺ پر درود بھیج کر اپنے لئے رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں
560	✽	درود سنت الہیہ ہے
561	✽	افضل درود وہ ہے جس میں سلام بھی ہو
561	✽	درود شریف کی فضیلت حدیث میں
564	✽	درود شریف پڑھنے کے مواقع
566	✽	درود شریف پڑھنے کا شرعی حکم
566	✽	غیر انبیاء پر مستقلاً ﷺ کہنے کی کراہت
567	✽	اللہ و رسول اور مومنوں کو ایذا دینے کا گناہ
567	✽	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان بازی اللہ و رسول ام المؤمنین کو ایذا دینا ہے

568	صحابہ و اہل بیت کو ایذا دینے والا اللہ و رسول کو ایذا دینے والا اور ملعون ہے	✽
569	خواتین اسلام کو سروں پہ موٹی چادریں رکھنے کا حکم	✽
570	کیا عورت کے لیے چہرے کا پردہ فرض ہے؟	✽
571	نبی اکرم ﷺ کی متعدد بیٹیاں تھیں	✽
571	رسول اللہ ﷺ کی چار حقیقی بیٹیاں تھیں، نہ کہ سوتیلی، کتب شیعہ سے دلائل	✽
574	پردہ عورت کی حفاظت ہے	✽
577	جس شخص کا کفر پہ مرنا معلوم ہو اس کے سوا کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں	✽
577	اب تاقیامت ایک ہی رسول ہے	✽
578	تعظیم رسول ﷺ اور تقویٰ کا حکم	✽
578	رسول اللہ ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ایذا دی گئی	✽
579	رسول کی ذات میں عیب ڈھونڈھنا مومن کا کام نہیں	✽
579	انبیاء جسمانی عیوب سے پاک ہوتے ہیں	✽
580	ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو اللہ کے ہاں چہار سے ذلیل تر کہنے کی مذمت	✽
580	دلیل ختم نبوت	✽
580	رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں کوئی شخص معصوم یا منصوص من اللہ نہیں ہے	✽
582	انسان نے کونسی امانت کو اٹھایا جسے ارض و سما نہ اٹھا سکے؟	✽
584	سورۃ سبا	✽
584	مضامین	✽
584	ما قبل سے مناسبت	✽
585	عظمت باری تعالیٰ اور اثبات قیامت	✽
590	داؤد و سلیمان علیہما السلام پر انعامات الہیہ	✽
591	حضرت داؤد علیہ السلام کے موسیقار ہونے کا رد	✽

591	لوہار یا بڑھئی وغیرہ ہونا کوئی عیب نہیں	✽
592	تخت سلیمانی کی اڑان کیسی تھی	✽
593	جاندار چیز کی تصویر بنانا ہر شریعت میں حرام رہا ہے	✽
594	تصویر کی حرمت پہ بعض شبہات کا رد	✽
595	حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا واقعہ	✽
595	زمین نبی کے جسم کو نہیں کھاتی	✽
597	قوم سبا کی خوش حالی اور ان کا تعارف	✽
599	توحید و رسالت اور قیامت کا اجمالی بیان	✽
602	رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ	✽
603	ختم نبوت	✽
606	روز قیامت کفار کا ایک دوسرے کو الزام دینا	✽
607	اللہ رب العزت نے اپنے دین کو ہمیشہ غرباء سے مدد دی	✽
608	اللہ کے ہاں ذریعہ قرب کی نشاندہی اور کفار کی گمراہی	✽
612	حضور سید عالم ﷺ کے باپ دادا مشرکین نہ تھے	✽
613	توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان کی دعوت	✽
614	حضور سید کائنات ﷺ کی شانِ نذارت	✽
614	دلیل ختم نبوت	✽
616	سورۃ فاطر	✽
616	مضامین	✽
616	ما قبل سے مناسبت	✽
617	اللہ کی نعمتوں اور قدرتوں کا بیان	✽
618	فرشتوں کے پروں کا بیان	✽

618	✽	بندے کی ہر نعمت کا مالک صرف اللہ ہے
621	✽	اللہ رب العزت کی مزید نعمتوں اور احسانات کا بیان
624	✽	انسان کی عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے
626	✽	بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء پہ لگانے کی گمراہی
627	✽	کفار کو حکیمانہ دعوت ایمان
628	✽	کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، کا معنی
629	✽	روز قیامت کوئی حسب و نسب کام نہ آئے گا
629	✽	رشتہ داروں کے حق میں جھوٹی گواہیاں اور جھوٹے ووٹ دینے کی مذمت
631	✽	سماع موتی کی تحقیق، اور اس بارے میں شبہات کا ازالہ
633	✽	اللہ کی قدرتوں اور جنت و نار کا بیان
634	✽	علم خشیت الہی کا سبب ہے
634	✽	فضیلت علماء دین
635	✽	تلاوت قرآن کی اہمیت
636	✽	اعمال کا مدار نیت پر ہے
639	✽	اس آیت کی روشنی میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت
639	✽	دنیا میں مومن مردوں کے لیے زیورات اور ریشم کا حرام ہونا
641	✽	دلائل توحید، رد شرک اور فکر آخرت
642	✽	امت محمدیہ سب سے آخری امت ہے

سورہ مومنون

سورہ مومنون ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 23 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 73 ویں سورت ہے۔ اس میں ایک سو اٹھارہ (118) آیات ایک ہزار آٹھ سو چالیس (1840) کلمات اور چار ہزار آٹھ سو (4800) حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے جو اس دور میں نازل ہوئی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے کیونکہ وہ اس سورت کی بعض آیات کے نزول کے شاہد ہیں۔ اسے سورہ مومنون اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا آغاز مومنین کی صفات سے کیا گیا اور کہا گیا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ①

”بے شک مومنین کامیاب ہو گئے۔“

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ایک بار نماز فجر میں سورہ مومنون پڑھنا شروع کی۔ جب آپ (آیت 45 تا 49 میں) موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ ﷺ کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آپ نے رکوع کر دیا۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۶۳) گویا یہ سورت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پہ خصوصی اثر انداز ہوتی تھی۔

فضیلت

اس سورت کی پہلی دس آیات کی خصوصی فضیلت پر متعدد احادیث وارد ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ پر آثار روحی ظاہر ہوئے جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر دس آیات اتری ہیں جس نے ان پر عمل کر لیا وہ جنت میں چلا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① سے لے کر اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ⑤ تک یہ دس آیات پڑھ کر سنائیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر باب ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے جنت عدن تیار کی تو اس نے کلام کیا اور یہ آیات پڑھیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ② (متدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۳۹۲)

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: کان خلقه القرآن، آپ کا خلق قرآن ہی تھا۔ پھر انہوں نے سورہ مومنون کی یہ ابتدائی دس آیات پڑھیں اور فرمایا: ہکذا کان

خلق رسول اللہ ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ کا خلق ایسا ہی تھا۔ (درمتنور بروایت ادب مفرد، نسائی، ابن نذر وغیرہ)

مضامین

اس سورت کا آغاز صفات مومنین سے کیا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا جو انسانوں کو دی گئیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر خیر لایا گیا اور اس کے ساتھ ہی جملہ انبیاء کی مساعی دینیہ کا اجمالی ذکر ہوا، پھر مومنین کی صفات کا ایک حسین گلدستہ پیش کیا گیا جیسا اس سورت کی ابتداء میں ہے۔ اس کے بعد کفار کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت پہ وارد کیے جانے والے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض قدرتیں اور نعمتیں گنوائیں اور پوچھا کہ ایسے رب کے سوا کون لائق عبادت ہے اور آخر میں قیامت کے حساب کے لیے تیاری کا ذہن دیا گیا۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ حج ہے۔ اس میں اثبات قیامت اور تحقیق توحید پہ زور دیا گیا وہی سلسلہ سورہ مومنون میں ہے۔ اسی طرح سورہ حج میں جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور سورہ مومنون میں نوح علیہ السلام کا اور وہ بھی جد الانبیاء ہیں۔ اسی لیے ایک جگہ قرآن میں دونوں کو اکٹھا بیان کر کے ان کی ذریت میں نبوت کا اجراء بتایا گیا۔ ارشاد ہوا: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوءَ وَالْكِتَابَ۔ ”ہم نے نوح و ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھی۔“ (حدید، ۲۶)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

۱۱۸ آیاتہا ۲۳ سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱۱ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۱۲ وَالَّذِينَ

بلاشبہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ [1] اور جو

هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۱۳ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۱۴

بے کار باتوں سے منہ پھیرتے ہیں۔ [2] اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ [3]

مومنین کے سات اوصاف کا بیان

[1] سورہ مومنون کے آغاز میں مومنین کی سات صفات بتائی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان صفات والے مومنین دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔ یعنی اگر مومنین چاہتے ہیں کہ انہیں کامیابی و کامرانی اور اقوام عالم پہ فتح و نصرت ملے تو انہیں ان صفات کو اپنانا ہوگا۔ مگر افسوس آج مسلمانوں کی غالب اکثریت ان صفات سے محروم نظر آتی ہے۔ تو پھر کامیابی کہاں سے آئے؟

تو مومنین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع یعنی عاجزی اور حضورِ قلب سے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی تشریح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اللہ کی عبادت یوں کرو جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (بخاری کتاب الایمان باب ۳۷) اور حدیث میں قرب قیامت کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوں گی اور کسی کے دل میں خشوع نہ ہوگا۔ (مسندک للحاکم) افسوس آج وہی زمانہ ہے۔ ہماری نمازوں میں حضورِ قلب نام کی کوئی چیز نہیں رہی بس رسمی نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نماز میں خشوع اور حضورِ قلب

جبکہ نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خشوع کا یہ عالم تھا کہ مروی ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے زمین میں لکڑی گڑی ہو۔ (کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۵۲۵)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہ ابولؤلؤ مجوسی نے دوران نماز حملہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں خنجر کے چھ وار کیے۔ آپ مصلیٰ پہ گر کر تڑپنے لگے۔ قریب تھا کہ لوگ نماز توڑ دیں۔ ایسے میں آپ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو انگلی کے اشارہ سے حکم دیا کہ آگے بڑھو اور لوگوں کی نماز مکمل کرواؤ۔ وہ آگے بڑھے اور نماز میں سے ایک رکعت رہ گئی تھی وہ مکمل کر دائی۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی آنتوں کو جو پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں پکڑ کر پیٹ سے لگا لیا اور اکڑوں بیٹھ کر سر کے اشارے سے لوگوں کے ساتھ نماز مکمل کر رہے تھے (اللہ اکبر) اور یہ سارا واقعہ شیعہ مورخ مرزا محمد تقی نے نقل کیا ہے۔ (ناخ التوارخ حالات خلفاء جلد ۳ صفحہ ۴۵ مطبوعہ تہران) یہ صحابہ کرام کا نماز میں خشوع تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسکی ایک رمق عطا فرمادے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی رکعت میں سارا قرآن مکمل کر دیا۔ (کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۱۳ بروایت ابن عساکر و ابن سعد وغیرہ)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا چہرہ نماز شروع کرتے ہوئے زرد ہو جاتا، جسم پہ کپکپی طاری ہو جاتی، لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آیا ہے جس کو اللہ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی اور میں اسے اٹھا رہا ہوں۔ (کیسائے سعادت از امام غزالی صفحہ ۷۷ پہلا رکن چوتھی اصل)

ایک صحابی نماز پڑھ رہا تھا اسے کفار نے تیر مارا وہ نماز پڑھتا رہا اسے کئی تیر لگے مگر اس نے نماز نہ چھوڑی۔ پھر اس کے ساتھیوں کو اس کی حالت پہ اطلاع ملی۔ انہوں نے اسے کہا تم نے پہلا تیر لگنے پر ہمیں کیوں مطلع نہ کیا؟ اس نے کہا میں نے سورہ کہف کی تلاوت شروع کر رکھی تھی۔ میں نے اس کے اختتام سے قبل نماز کا چھوڑنا پسند نہ کیا۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من النوم حدیث ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک سانپ آیا اور ان کے چھوٹے بچے کے جسم پر لپٹ گیا، گھر میں شور مچ گیا، گھر والوں نے بڑی کوشش سے اس سانپ کو مارا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نماز سے فراغت کے بعد پوچھا یہ شور کیا تھا؟ ان کی بیوی نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے آپ کے بچے کی جان جانے والی تھی اور آپ کو خبر ہی نہیں؟ آپ نے فرمایا اگر میں ادھر توجہ دیتا تو نماز کیسے باقی رہتی۔ (حکایات صحابہ بحوالہ ہدایہ) انہی کے بھائی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک عضو میں زخم ہو گیا۔ اطباء نے کہا اس عضو کا ٹٹنا ضروری ہے۔ وہ نماز میں کھڑے ہوئے تو ان کا وہ عضو کاٹ لیا گیا اور انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۳ سورہ فاتحہ مطبوعہ ملتان) امام رازی اس جگہ فرماتے ہیں یہ چیز خلاف قیاس نہیں ہے اگر زنان مصر نے حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے تو جو شخص خالق یوسف کے جمال میں مستغرق ہوا اسے عضو کے کاٹے جانے کا کیسے احساس ہو؟ (تفسیر کبیر یہی مقام)

بزرگانِ دین کا نماز میں اسہاک اور خشوع

حضرت حاتمِ اصم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو یوں سمجھتا ہوں کہ پل صراط میرے قدموں کے نیچے ہے جنت میرے دائیں طرف، جہنم میرے بائیں طرف ہے اور فرشتہ موت میرے سامنے کھڑا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ پھر میں مکمل توجہ سے نماز پڑھتا ہوں اور یہ خوف و امید رکھتا ہوں کہ پتہ نہیں میری نماز قبول ہوئی یا نہیں۔

مشہور قاری قرآن حضرت خلف بن یعقوب رضی اللہ عنہ (جو قراءت ثلاثہ کے ائمہ میں سے ہیں) نماز میں کھڑے ہوتے تو دنیا سے بے خبر ہو جاتے۔ بعض اوقات مکھیاں ان کے چہرے پہ بیٹھ جاتیں تو وہ ذرا بھی حرکت نہ کرتے، نہ ہاتھ ہلاتے (ان کو خبر ہی نہ ہوتی) کسی نے پوچھا: کیا نماز میں مکھیاں آپ کو تنگ نہیں کرتیں؟ فرمایا: فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے۔ بلکہ فخر سے بتاتے ہیں کہ میں نے اتنے کوڑے کھائے اور میں ہلا تک نہیں اور میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کروں؟

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سانپ چھت سے گرا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگے مگر آپ نماز میں مشغول رہے۔ آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۳ سورہ فاتحہ)

نماز میں خشوع کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟

یاد رہے نماز میں ظاہری خشوع یہ ہے کہ نمازی کے اعضاء نماز میں پرسکون ہوں اور وہ اپنے لباس، داڑھی اور دیگر اعضاء سے کھیلتا نہ رہے اودائیں بائیں نظریں گھمانے کی کوشش نہ کرے اور ہر رکن کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے اور باطنی خشوع یہ ہے کہ وہ تمام امور جو نماز کے خشوع اور حضورِ قلب میں مغل ہوں انہیں نماز سے قبل دور کر لیا جائے۔

مثلاً بھوک لگی ہو تو پہلے کھانا کھالیا جائے اگر سردی یا گرمی لگ رہی ہو پہلے ان کے دفاع کا بندوبست کر لیا جائے اگر جوتی یا دوسرا سامان غیر محفوظ ہے تو اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا جائے تاکہ دورانِ نماز دل و دماغ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر نماز میں قرآنی آیات کے معنی پر غور کیا جائے تاکہ آیات عذاب پر دل میں خوف اور آیات رحمت پر دل میں امید پیدا ہو۔

[2] مومنین کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے ہر گناہ مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ہر باطل عقیدہ مراد ہے اور حضرت زجاج رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے ہر وہ قول و فعل مراد ہے جو مومن کے شایانِ شان نہیں یعنی اس میں کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ نہیں۔ معلوم ہوا بیکار کھیلیں کھیلنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے جیسے شطرنج، لڈو، سنوکر وغیرہ کہ ان میں کوئی جسمانی ورزش یا

فائدہ نہیں محض ضیاع وقت ہے اور یہ کھیلیں اس لغو میں سے ہیں جس سے مومنوں کو اعراض کرنا چاہئے البتہ جن کھیلوں میں جسمانی ورزش ہے ان میں حرج نہیں جیسے کشتی، کبڈی، گھڑ سواری، فٹ بال، کرکٹ اور نیزہ بازی وغیرہ۔ بشرطیکہ ان کے کھیلنے میں انہماک، کھلاڑی کو نماز اور دیگر دینی فرائض سے غافل نہ کر دے اور ناف سے گھٹنوں تک جسم ڈھکا ہوا ہو۔

[3] پہلے نماز کا ذکر ہوا پھر لغو سے اعراض کا۔ کیونکہ لغو میں پڑنا انسان کو نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مومنوں کی تیسری صفت ادائیگی زکوٰۃ ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ سورہ مومنوں کی سورت ہے جبکہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر کی سورت میں زکوٰۃ کا ذکر کیسے آ گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکی سورتوں میں جہاں زکوٰۃ کا ذکر ہے وہاں زکوٰۃ معروفہ مراد نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ مال دینا مراد ہے کیونکہ مکہ میں صرف اسی قدر فرض کیا گیا کہ راہ خدا میں اپنی مرضی سے کچھ نہ کچھ دیا جائے اور مدینہ طیبہ میں اس کے باقاعدہ احکام اترے کہ راہ خدا میں کتنا اور کب دیا جائے اور کون دے اور کس کو دے اور وہ زکوٰۃ ٹھہری۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْوَابِهِمْ حِفْظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ صرف اپنی بیویوں اور لونڈیوں پہ ظاہر کرتے ہیں کہ

أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈھا تو وہی لوگ حد سے

الْعُدُونَ ۚ

بڑھنے والے ہیں۔ [4]

[4] مومنوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے سوا کسی عورت یا مرد پہ ظاہر نہیں کرتے کیونکہ بیویوں اور لونڈیوں سے جنسی عمل کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جس نے بیویوں اور لونڈیوں کے سوا جنسی عمل کا راستہ ڈھونڈھا وہ ظالم ہے یعنی گناہ کر کے خود پر ظلم کرتا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ زنا اور لواطت جیسے گناہوں سے مومنوں کا دامن صاف ہوتا ہے اور اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ مومنین اس بُری صحبت، بُرے دوستوں اور بُرے کاموں سے دور رہتے ہیں جو انہیں زنا اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کر دیں جیسے حیا سوز گانے سننا، فلم دیکھنا اور نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا وغیرہ۔

یاد رہے لونڈی بیوی ہی کی مثل ہے البتہ مرد کو بیوی کی نسبت لونڈی پر زیادہ حقوق حاصل ہیں اور لونڈی کو خریدتے ہوئے جو ایجاب و قبول ہوتا ہے وہ نکاح والے ایجاب و قبول ہی کی مثل ہے اور جیسے کسی عورت سے نکاح کے لیے گواہوں

کی موجودگی لازم ہے یونہی لونڈی کی خریداری پہ بھی گواہوں کی موجودگی لازم ہے۔

متعہ حرام ہے:

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ سے معلوم ہوا کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی عورت سے جنسی عمل حرام ہے اور شیعہ لوگ جس عورت سے متعہ کرتے ہیں وہ نہ بیوی ہے نہ لونڈی۔ اس کا لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ لونڈی کو خریدا جاتا ہے جبکہ متعہ والی عورت کو خرید نہیں جاتا۔ وہ آزاد عورت ہوتی ہے اور اس کا بیوی نہ ہونا اس لئے ہے کہ بیوی سے ہمیشہ کے لئے نکاح کیا جاتا ہے مخصوص وقت کے لئے نہیں۔ اس سے نکاح کے لئے دو شرعی گواہوں کی ضرورت ہے۔ وہ شوہر کی موت یا طلاق کے بغیر نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی۔ وہ شوہر کی موت سے اس کی میراث میں سے حصہ پاتی ہے اور ایک مرد کیلئے بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں ہو سکتیں اور بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ بیوی ہے۔ مگر اہل تشیع کی مُتَمَتَّعَہ (متعہ والی عورت) پر ان کے نزدیک ایسا کوئی حکم جاری نہیں ہوتا۔

چنانچہ شیعہ راوی زرارہ کہتا ہے امام جعفر صادق ؑ نے کہا متعہ کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں اس کی ضرورت تب ہے جب حصول اولاد کے لئے نکاح کیا جائے۔ (اہل تشیع کی معتبر کتاب الاستبصار جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ تہران) یونہی شیعہ کتب میں ہے کہ امام جعفر ؑ سے پوچھا گیا کیا متعہ والی عورت چار عورتوں میں سے ہے؟ امام جعفر ؑ نے فرمایا: متعہ والی عورت ان چار عورتوں میں شامل نہیں جن سے بیک وقت نکاح کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ تو کرائے پر لی گئی عورت ہے (یعنی اپنی گاڑی نہیں بلکہ ٹیکسی ہے) اور اسے طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں نہ ہی متعہ والی عورت کو متعہ کرنے والے مرد کی میراث ملتی ہے۔ (شیعوں کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی صفحہ ۸۵۲ کتاب النکاح مطبوعہ دار مجتبیٰ نجف اشرف)

زرارہ کا باپ روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا متعہ والی عورت شادی والی چار عورتوں میں سے نہیں متعہ کے لئے بیک وقت ہزار عورتیں بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ (فروع کافی صفحہ ۸۵۳) اور زرارہ نے امام جعفر ؑ سے روایت کیا انہوں نے کہا: لَا تَكُونِ الْمُتَمَتَّعَةُ إِلَّا بِأَمْرَيْنِ أَجَلٌ مُّسَمًّى وَأَجْرٌ مُّسَمًّى کہ متعہ میں صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ مقرر وقت اور مقرر اجرت (Fixed time and Fixed payment) (فروع کافی صفحہ ۸۵۴) یعنی متعہ کروانے والی عورت سے طے کرنا پڑتا ہے کہ اسے کتنی دیر استعمال کیا جائے گا اور کتنا کرایہ دینا ہوگا؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

ہم یقین سے کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایات شیعہ راویوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر امام جعفر صادق ؑ کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ امام صاحب ؑ کا دامن ان سے پاک ہے مگر ان سے یہ واضح ہو گیا کہ شیعوں کے نزدیک متعہ کا کیا تصور ہے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان روایات سے ثابت ہونے والا متعہ دوسرے لفظوں میں خالص زنا ہے۔ جب متعہ میں نہ گواہوں کی ضرورت ہے، نہ طلاق کی، نہ یہ ان چار عورتوں میں سے ہے جن سے بیک وقت نکاح

کیا جاسکتا ہے اور نہ مستمتعہ عورت کا میراث سے کوئی تعلق ہے تو پھر اس میں اور زنا میں کیا فرق رہا؟۔ جب متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی تو متعہ کرنے والوں کو اس خدائی وارنگ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ﴿۲۳﴾ کہ جس نے بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈھا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔ انہیں سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

حرمت متعہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَيَسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ ”جو لوگ نکاح کی توفیق نہیں پاتے وہ اپنی پاک دامنی محفوظ رکھیں (صبر سے کام لیں) تا آنکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے (اور وہ نکاح کر سکیں)“ (نور، ۳۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غربت کی وجہ سے نکاح نہ کر سکنے والوں کو صبر کے ساتھ انتظار کا حکم فرمایا ہے۔ اگر شریعت میں نکاح کے علاوہ متعہ کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ جو نکاح نہیں کر سکتا وہ متعہ کر لے۔ مگر اللہ نے ایسا نہیں فرمایا۔ لہذا اسلام میں متعہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص آزاد عورت سے شادی نہیں کر سکتا وہ لونڈی سے شادی کر لے۔ (نساء، ۲۵) الغرض اللہ رب العزت نے نکاح کے نعم البدل کے طور پر متعہ کا کہیں ذکر نہیں فرمایا۔ اس سے اہل تشیع کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

اہل تشیع کے نزدیک متعہ کا عظیم ثواب اور متعہ کرنے والے کے بلند درجات

جبکہ شیعہ لوگ عبرت پکڑنے کی بجائے اپنے مزعومہ متعہ کا عظیم ثواب بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے کہا اللہ تعالیٰ نے شب معراج نبی اکرم ﷺ سے فرمایا عورتوں سے متعہ کرنے والے کی بخشش کردی گئی ہے۔ (اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ تہران) اسی کتاب میں اسی جگہ دو صفحہ کے بعد ایک اور جھوٹی (من گھڑت) حدیث لکھی ہے کہ متعہ کے بغیر مومن کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔ (من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۷) مزید شیعہ کتب میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک بار متعہ کرنے والے کا درجہ امام حسین رضی اللہ عنہ والا ہے۔ دو بار متعہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ کا درجہ ملتا ہے تین بار متعہ سے درجہ علی رضی اللہ عنہ حاصل ہوتا ہے اور چار بار متعہ کرنے والے نے میرا درجہ پالیا (ممکن ہے پانچ بار متعہ سے درجہ خدا مل جائے اور چھ بار متعہ سے آدمی خدا سے بچے) (رچلا جائے معاذ اللہ)

(اہل تشیع کی معتبر تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ تہران)

اسی جگہ یہ جھوٹی (من گھڑت) حدیث بھی لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک بار متعہ کیا وہ غضب خداوندی سے محفوظ ہو گیا۔ جس نے دو بار متعہ کیا وہ صالحین میں سے اٹھایا جائیگا اور تین بار متعہ کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

اور بقول شیعہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک بار متعہ سے بخشش ہو جاتی ہے۔ جب متعہ کرنے والے مرد و عورت باہم جمع ہوتے ہیں تو فرشتے ان کا پہرہ دیتے ہیں۔ اس دوران ان کی گفتگو ذکر و تسبیح کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر جب وہ ایک دوسرے

کا بوسہ لیتے ہیں تو ہر بوسہ پر انہیں حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے اور جب مباشرت کرتے ہیں تو ہر لذت پر پہاڑ جیسی عظیم نیکی لکھی جاتی ہے۔ (لا حول والاقوة الا باللہ) (منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۱)

یہ جھوٹی حدیث بھی گھڑی گئی ہے کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ متعہ کا کیا ثواب ہے؟ فرمایا: جب مرد و عورت متعہ سے فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں تو ہر قطرہ آب سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو تا قیامت ان کے لیے استغفار کرتا رہے گا۔ پھر فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ متعہ میری سنت ہے جس نے میری یہ سنت پوری نہ کی وہ میرا شیعہ نہیں ہے اور میں اس سے بیزار ہوں۔ (منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۴۸۲) ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر یہ روایت سچی ہے تو کوئی شیعہ عالم بتائے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس عورت سے (معاذ اللہ) متعہ کیا اس کا نام کیا تھا؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی غلیظ باتیں منسوب کرتے ہوئے ان لوگوں کا دل کیوں نہیں کانپتا؟

ان تمام جھوٹی روایات پر ہم لعنة الله على الكاذبين کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ متعہ کے بارے میں مفصل بحث میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی بن عبد اللہ متوفی 1418ھ کی کتاب ”فقہ جعفریہ“ جلد 2 میں دیکھیں۔ علاوہ ازیں ہم نے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ الخ (نساء، ۲۴) کے تحت متعہ کے بارے میں کافی کلام کیا ہے وہاں بھی دیکھ لیں۔ تاکہ اس بارے میں ساری معلومات ذہن میں اکٹھی ہو جائیں۔

استمناء بالید حرام ہے

جب یہ آیات بتا رہی ہیں کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی بھی طریقہ سے شرمگاہ کی حفاظت مومنوں کی صفت ہے تو ہاتھ سے لذت حاصل کرنا بھی ممنوع ٹھہرا۔ ابن جریج، عطاء اور سعید بن جبیر جیسے تابعین کرام نے اس آیت کے تحت استمناء بالید کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۲)

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝۵ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ

اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ [5] اور جو اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُونَ ۝۶ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝۷ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ۝۸ هُمْ

حفاظت کرتے ہیں۔ [6] وہی لوگ وارث ہیں جو جنت فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ وہاں

فِيهَا خَالِدُونَ ۝۹

ہمیشہ رہیں گے۔ [7]

[5] مومنوں کی پانچویں اور چھٹی صفت: امانت کی ادائیگی اور وعدے کی پاسداری ہے۔ یاد رہے ہمارے ہاتھ

پاؤں آنکھیں کان و دیگر اعضاء ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہیں۔ ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے ورنہ ہم امانت میں خیانت کریں گے تو اللہ سے خیانت سب سے بڑی خیانت ہے۔ اس کے بعد عوام المسلمین کی اجتماعی امانت (سرکاری املاک اور اموال) میں خیانت کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ افسوس آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمران اور سرکاری افسران سرکاری خزانے کو دونوں ہاتھوں سے بقدر ہمت لوٹ رہے ہیں۔ یہ حقوق العباد میں سب سے بڑی خیانت ہے۔ اس کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کی انفرادی امانت میں خیانت کا درجہ ہے جبکہ وعدے کی پاسداری میں بھی آج مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہے۔

[6] مومنوں کی ساتویں صفت نمازوں کی حفاظت ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے نمازیں ضائع ہو جائیں مثلاً دکھاوے سے نمازیں اور دیگر نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دوسروں کی غیبت کرنے، ان کا مال کھانے اور ان کی دل آزاری کرنے سے بھی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے جس نے نماز روزہ کے ساتھ لوگوں سے دھوکہ دہی، گالی گلوچ اور تہمت زنی کی اس کی نیکیاں لوگوں میں بانٹ دی جائیں گی اگر اس سے حساب برابر نہ ہوا تو لوگوں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ (مسلم کتاب البر حدیث ۵۹)

[7] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر انسان کی دو منزلیں بنائی گئی ہیں ایک جنت میں ایک دوزخ میں۔ جب کوئی شخص کفر پہ مرکردوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کی جنتی منزل کے وارث ہو جاتے ہیں اور بعض احادیث کے مطابق جب کوئی ایمان پہ مرتا ہے تو اس کی جہنمی منزل کفار کو دے دی جاتی ہے“ (بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۳) یہ معنی ہے اس آیت کا کہ مذکورہ سات صفات والے مومنین فردوس کے وارث ہوں گے۔ یہاں یہ حدیث بھی یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے وارث کو میراث سے محروم کیا وہ جنتی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔“ (ابن ماجہ کتاب الوصایا باب ۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے چناؤ سے پیدا کیا۔ [8] پھر ہم نے اسے پانی کی بوند بنا کر

قَرَارٍ مَّكِينٍ ۖ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

محفوظ جگہ میں ٹھہرایا۔ [9] پھر پانی کی بوند کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی سے بدلا، پھر

الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۖ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۖ فَتَبَرَكَ

گوشت کی بوٹی میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اسے نئی تخلیق میں اٹھایا [10] تو برکت والا ہے

اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۖ ط

اللہ سب سے بہتر خالق [11]

انسان کی اپنی تخلیق اور اس کے لئے پیدا کی گئی نعمتوں کا بیان

[8] مومنین کی سات صفات بتانے کے بعد ہر انسان کو اس کی تخلیق اور اس پر ہونے والی خدائی نعمتیں یاد دلانی جاری ہیں تاکہ وہ ایمان لائے اور اپنے اندر مذکورہ ایمانی صفات پیدا کرے تو فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی کے چناؤ سے پیدا کیا۔ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی زمین کے مختلف حصوں سے چنی گئی۔ یہی چیز یہاں مراد ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جو اللہ نے تمام زمین سے اٹھائی تھی اسی لیے اولادِ آدم میں مختلف طبقات ہیں کوئی سرخ ہیں کوئی سفید اور کوئی کالے۔ پھر کوئی خبیث فطرت والے لوگ ہیں کوئی اچھی فطرت والے اور کوئی درمیان میں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۱) یعنی کسی انسان میں جیسی مٹی ہو ویسا ہی اس کا مزاج ہوتا ہے۔

انسان کی مٹی کے چنے جانے کا وہ معنی بھی ممکن ہے جو حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ اللہ کے فرشتے ہر انسان کی مٹی بحکم الہی چن کر لاتے اور اسے رحم مادر میں اس انسان کے نطفہ پر ڈال دیتے ہیں پھر جب وہ انسان مرتا ہے تو جہاں سے اس کی مٹی اٹھائی گئی ہو وہ وہیں دفن ہوتا ہے۔ (درمنشور جلد ۵ صفحہ ۵۸۴)

[9] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی تخلیق کے دوسرے مرحلہ میں ہم نے انسان کو پانی کے چند قطرے بنا کر رحم مادر کے محفوظ مقام میں رکھا اور اسے محفوظ اس لئے کہا گیا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کئی تہوں میں چھپا کر رکھا ہے پہلے جسم کا ظاہری

چڑا ہے پھر چربی کی تہیں ہیں پھر رحم ہے اور نطفہ کے قطروں کو لے کر رحم اپنا منہ یوں بند کر لیتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے پر ہی کھولتا ہے۔

[10] یعنی اللہ تعالیٰ رحم مادر میں پانی (مادہ منویہ) کے قطروں کو چالیس دن بعد خون کے لو تھڑے میں بدل دیتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد خون کا لو تھڑا بحکم الہی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد اس گوشت کو اللہ تعالیٰ انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد اس ڈھانچے پر گوشت کا لباس چڑھا کر اس پر انسانی صورت نقش فرما دیتا ہے پھر اس میں روح ڈال کر اسے مکمل زندہ انسان بنا دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر کسی کی خلقت رحم مادر میں چالیس دن تک بشکلِ نطفہ رہتی ہے پھر چالیس دن تک بشکلِ علقہ (خون کا لو تھڑا) پھر چالیس دن بشکلِ مضفہ (گوشت کی بوٹی) پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے جو اس پر اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے۔“ (بخاری کتاب البدائع باب ۶ مسلم کتاب القدر حدیث ۱) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ مرد کا پانی غلیظ (گاڑھا) ہوتا ہے اس سے بچے کی ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا پانی پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۴۶۵)

[11] حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار مقامات پر میں نے اپنے رب کے موافق کلام کیا۔ (یعنی میری رائے کے مطابق قرآن اترا) ان میں سے آپ نے آخری مقام یہ بتایا کہ جب یہ آیات اتریں: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۱۴ اٰلِیٰ قَوْلِهٖ: خَلَقًا اٰخِرًا، تو میں نے کہا: فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝۱۴ تو اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ نازل کر دیئے۔ (درمنشور جلد ۶ صفحہ ۹۴ بحوالہ طرابلسی ابن ابی حاتم ابن مردودہ ابن عساکر) اس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے کا علم ہوا گویا ان کا مزاج اور فکرو حی نبوت سے قریب تر تھا۔ اسی لیے حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو عمر نبی ہوتا۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ کراچی)

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝^ط ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ۝^{١٩} وَلَقَدْ

پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو پھر بلاشبہ روز قیامت تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا [12] اور ہم نے

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۝^ق وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ۝^{١٢} وَأَنْزَلْنَا

تم پر سات آسمان پیدا کیے۔ اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ [13] اور ہم نے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَهُ فِي الْأَرْضِ ۝^ق وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ

آسمان سے مقرر انداز کے ساتھ پانی اتارا پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے واپس لے جانے پر بھی

لَقَدِيرُونَ ۝^ج فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا

قادر ہیں [14] پھر ہم نے تمہارے لیے اس کے ساتھ کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے جن میں تمہارے لیے کثیر پھل ہیں۔

فَوَاكِهَ كَثِيرَةٍ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝^{لا}

اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔ [15]

[12] یعنی جس رب نے پانی کے چند قطروں کو زندہ انسان بنا دیا کیا وہ انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ اٹھا نہیں سکتا؟

[13] قبل ازیں انسان کو اس کی اپنی تخلیق کے حوالے سے اللہ کی قدرت و عظمت بتائی گئی اب اسے تخلیق کائنات

کے حوالے سے اللہ رب العزت کی عظمت بتائی جا رہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي

أَنْفُسِهِمْ ”ہم انہیں کائنات میں اور خود ان کے اپنے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔“ (فصلت ۵۳)

تو فرمایا گیا کہ ہم نے انسانوں کے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق طریقتہ کی جمع ہے یعنی تہہ بہ تہہ رکھی ہوئی

چیزیں۔ (قرطبی) گویا سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے گئے ہیں۔ آگے فرمایا گیا کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں یعنی ہم

ہر مخلوق کی جملہ حاجات سے واقف ہیں۔ اس میں یہ درس بھی ہے کہ اللہ بندے کی ہر حالت سے واقف ہے لہذا اسے

شیطان کے پیچھے چلتے ہوئے شرم کرنی چاہئے۔

[14] جب اللہ بندوں سے غافل نہیں اور ان کے احوال سے واقف ہے تو وہ ان کی ضرورت کے مطابق مقرر

اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اسے چشموں، وادیوں، نہروں اور دوسرے آبی ذخیروں میں ٹھہراتا

ہے تاکہ لوگ اس سے پی کر زندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس پانی کو واپس بھی لے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کہ

شدید گرمی پڑے اور سارا پانی بھاپ بن کر اڑ جائے اور زمین کی تہہ میں موجود پانی سوکھا دیا جائے پھر کہیں سے پانی نہ نکلے۔ لہذا انسانوں کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہ کر اس کی اطاعت اور بندگی کا حق ادا کرنا چاہئے۔

[15] یعنی پانی سے انسان کے لئے ہر طرح کے پھل پیدا کئے گئے مثلاً کھجور اور انگور، ان دو پھلوں کا نام خصوصیت کے ساتھ اس لئے لیا گیا کہ جس سرزمین میں قرآن نازل ہوا وہاں ان دونوں کی افزائش بہت ہے اور ضرورت تھی کہ قرآن کے پہلے مخاطبین کو زیادہ تنبیہ کی جائے اور گفتگو میں ان کے ماحول کو سامنے رکھا جائے کیونکہ آگے سارے عالم کو انہی لوگوں نے قرآن سکھلانا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کھجور اور انگور میں تمام پھلوں سے زیادہ غذائیت ہے کسی دوسرے پھل پر انحصار کر کے انسان زندہ نہیں رہ سکتا مگر کھجور اور انگور سے زندہ رہ سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ کھجوروں اور انگوروں میں انسان کے لئے کئی پھل ہیں یعنی ان کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ آپ مدینہ طیبہ کی کھجور منڈی میں جائیں تو وہاں کھجور کی ان گنت اقسام نظر آتی ہیں اسی طرح انگوروں کی بھی متعدد اقسام ہیں اور ان دونوں سے مزید کئی پھل بنتے ہیں جیسے کھجور سے چھوارے اور انگور سے منقی۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذُّهْنِ وَصَبْغٍ لِلْأَكْلَيْنِ ۝۱۶

اور ہم نے وہ درخت پیدا کیا جو سینا کے پہاڑوں سے نکلتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے [16]

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا

اور تمہارے لیے جانوروں میں عبرت ہے، ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اس میں سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لیے

مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝۱۷ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝۱۸

ان میں بہت سے فوائد ہیں اور اس میں سے کچھ تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔ [17]

[16] اس سے زیتون مراد ہے یہ صحرائے سینا میں طور نامی پہاڑوں کے کوہستانی سلسلہ میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تیل بھی بنتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن بھی کیونکہ زیتون کا ذائقہ تیز نمکین ہے۔ اسے کچا بھی کھایا جاتا ہے اور پکا کر اس کا سالن بھی بنایا جاتا ہے۔ اس کا کھانا معدہ و نظام ہضم کے لئے مفید تر ہے۔ قرآن میں اس کی فضیلت یوں وارد ہے: شَجَرَةٌ مُّبَارَكَةٌ زَيْتُونَةٍ ۖ زَيْتُونِهَا مَبَارَكٌ ۖ وَرُوحُهَا رُوحُ الرَّسُولِ ۖ نَزَلَ مِنْهَا لَقْنٌ طَيِّبٌ ۚ إِنَّهَا كَنْزٌ بَرٌّ ۚ (نور ۳۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”زیتون کا سالن بنایا کرو اور اس کا تیل بھی استعمال کیا کرو کہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔“

(ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب ۳۴)

[17] جانوروں میں انسان کے لئے سامانِ عبرت ہے کہ بعض جانور انسان سے کئی گنا طاقتور ہونے کے باوجود انسان

کی سواری بنتے، اس کا بوجھ اٹھاتے اور اس کی مار سہتے ہیں۔ آخر انہیں اللہ کے سوا کس نے انسان کا اس قدر مطیع بنایا ہے؟ پھر جانور جو کچھ کھاتے اور اپنے پیٹ میں اتارتے ہیں اس میں سے اللہ تعالیٰ میٹھا دودھ پیدا کرتا ہے جسے انسان پیتے اور اس سے کھانے کی کئی چیزیں تیار کرتے ہیں۔

وجودِ باری تعالیٰ کی قوی تر دلیل

یہاں سے وجودِ باری کی قوی دلیل معلوم ہوئی۔ دیکھئے جانور کے پیٹ میں جانے والی غذا میں سے کچھ حصہ خون بن کر رگوں میں چلا جاتا ہے کچھ فضلہ بن کر مقعد میں پہنچ جاتا ہے اور کچھ دودھ بن کر جانور کے تھنوں میں آ جاتا ہے۔ اب اللہ کے سوا کون سی طاقت ہے جو جانور کے معدے میں غذا کے اجزاء کو یوں الگ الگ کرتی ہے کہ خون میں دودھ یا گوبر کا کوئی ذرہ نہیں اور دودھ میں خون یا گوبر کا کوئی نشان نہیں اور گوبر میں خون یا دودھ کا کوئی امکان نہیں اگر کہا جائے کہ یہ فطرت نے ایسا کیا ہے تو ہم کہتے ہیں غذا کی فطرت تو ایک ہی تھی پھر اس کے بعض اجزاء دودھ کی طرف بعض گوبر کی طرف اور بعض خون کی طرف کیوں متوجہ ہو گئے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿۶۶﴾ ”ہم تمہیں جانوروں کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے اندر سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوش ذائقہ ہوتا ہے۔“ (نحل ۶۶)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۶۷﴾ کہ جانوروں میں تمہارے لئے کثیر منافع ہیں یعنی جیسے سواری، گوشت، بار برداری، اون، چمڑہ، دودھ وغیرہ۔

آگے وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۶۸﴾ میں فرمایا گیا کہ قانون الہی ہے کہ جانوروں کا کچھ حصہ کھانے کے لئے ہوتا ہے کچھ حصہ نہیں ہوتا چنانچہ جانور کا مثانہ، خون، پتہ اور شرمگاہ کا کھانا جائز نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿۶۹﴾ کہ اللہ تمہیں جانوروں اور کشتیوں پہ سواری عطا کرتا ہے یعنی جیسے اللہ نے جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم ان پہ سواری کرو۔ یونہی اللہ نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ کشتیوں کے ذریعہ تم سمندروں کو عبور کر سکو۔ اگر اللہ رب العزت سمندر کو مسخر نہ کرتا تو اس قدر روزنی کشتیاں اور بحری جہاز پانی میں ڈوب جاتے اور انسان کبھی اپنی منزل پہ نہ پہنچتا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہاریے لیے اسکے سوا

إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُوا الَّذِينَ كَفَرُوا مِّنْ قَوْمِهِ مَا

کوئی معبود نہیں، تو تم ڈرتے کیوں نہیں، تو ان سرداروں نے جو ان کی قوم میں سے کفر کرنے والے تھے (قوم سے) کہا

هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

یہ تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ [18] اور اگر اللہ چاہتا

لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ

تو فرشتے اتارتا، ہم نے تو یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں (بھی) نہیں سنی، بس یہ ایک عام آدمی ہے جسے

بِهِ جَنَّةٌ فَبَصَّوْا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝

جنون ہو گیا ہے تو تم کچھ مدت تک اس کا انتظار کرو [19]

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت، قوم کا انکار اور عذاب الہی کا نزول

[18] حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ قریباً پانچ ہزار قبل مسیح ہے۔ آپ جزیرہ عرب میں بھیجے گئے۔ عراق آپ کا علاقہ تھا۔ آپ نے کفار کو دعوتِ توحید دی۔ کفار کے جو بڑے سردار تھے انہوں نے لوگوں سے کہا نوح علیہ السلام کو نبی مت سمجھو یہ تمہارے ہی جیسا عام بشر ہے بس یہ خود پہ نبوت کا لیل لگا کر تم پر سرداری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ معلوم ہوا انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا اہل ایمان کا نہیں کفار کا طریقہ ہے۔ انبیاء اگر اپنے بارے میں کہیں کہ وہ عام لوگوں جیسے بشر ہیں تو یہ ان کا تواضع ہے ہمارا حق نہیں کہ انہیں اس طرح پکاریں اور کفار کے پیروکار بنیں۔

[19] قوم نوح کے کفار نے مزید کہا کہ اگر اللہ نے کوئی نبی بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔ ایک انسان کو نبی بنانے کا کیا معنی ہے۔ ہم نے تو اپنے باپ دادا میں بھی کہیں نہیں سنا کہ کوئی انسان نبی بن کر آیا ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ نوح کو جنون ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ انتظار کرو کہ اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں یا موت اس کا کام تمام کر دے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کفر انسان کی مت ماردیتا ہے۔ ان جہلاء نے بے جان پتھروں کو خدا مان لیا مگر ایک انسان کو نبی نہ مانا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَبُونَ ﴿۲۱﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلْكَ

نوح نے کہا: اے میرے رب! میری مدد فرما کہ انہوں نے مجھے جھٹلادیا ہے، تب ہم نے اسے وحی کی کہ

بَاعِينَا وَوَحِينَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ

ہماری حفاظت اور ہماری وحی کے ساتھ کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور جوش مارے تو کشتی میں ہر جانور کا

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطَبُنِي

ایک جوڑا سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو سوا اس کے جس پر ان میں سے پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اور مجھے

فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۲۲﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ، أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ

ظلم کرنے والوں کے بارے میں مت پکارو، وہ غرق ہونے والے ہیں۔ [20] پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پہ

عَلَى الْفُلْكَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۳﴾

ٹھیک طرح بیٹھ جائیں تو کہو سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دے دی۔ [21]

وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنْزَلًا مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۴﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ

اور کہو اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ پر اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس میں

لَايَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۲۶﴾

بڑی نشانیاں ہیں اور بے شک ہم آزمائے والے ہیں۔ [22] پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگ پیدا کیے۔

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ ط

تو ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۷﴾

کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ [23]

[20] جب وہ قوم کئی صدیوں تک حضرت نوح علیہ السلام کو مسلسل جھٹلاتی رہی تو آپ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! میری مدد فرما میری قوم نے مجھے مکمل جھٹلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب تنور جوش مارے اور پانی ابل کر ہر طرف پھیل جائے تو آپ اپنی کشتی میں ہر جانور اور ہر پرندے کا ایک ایک جوڑا سوار کر لیں کیونکہ ایسا طوفان آنے والا ہے کہ اس میں پہاڑ بھی ڈوب جائیں گے اور انسانوں کے ساتھ سب جانور بھی مر جائیں گے تو ضروری ہے کہ طوفان تھمنے کے بعد ہر جانور کی نئی نسل چلے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب جانور اور پرندے آپ کے گرد جمع کر دیے۔ آپ علیہ السلام ہاتھ ڈالتے اور ہر جانور اور پرندے کا ایک نر اور ایک مادہ پکڑ کر کشتی میں سوار کر لیتے۔

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ، کہ اے نوح علیہ السلام اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لیں مگر جس پر اللہ کا حکم پہلے سے صادر ہو چکا ہے یعنی اس کے مسلسل کفر کی وجہ سے اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے اور وہ غرق ہونے والوں میں ضرور شامل ہوگا اسے اپنے خاندان میں سے اپنے ساتھ مت سوار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ کشتی میں سواری کے لئے ایمان شرط ہے۔ یہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کنعان اور آپ کی بیوی کی طرف اشارہ ہے وہ دونوں آپ پر ایمان نہ لائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو ان کے بارے میں اے نوح علیہ السلام مجھے مخاطب نہ کریں یعنی ان کی سفارش نہ کریں کیونکہ وہ غرق ہو کر رہیں گے کیونکہ یہ ان کے صد ہا برس کے کفر کی سزا ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) کفار اللہ کے ہاں کتوں خنزیروں سے بھی بدتر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ کشتی میں ہر جانور سوار کیا جائے مگر کسی کافر کو سوار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کشتی میں ہر درندے پرندے کو سوار کیا گیا جن میں کتے، بے، خنزیر، شیر بھیڑیے سب شامل ہیں، مگر نوح علیہ السلام کے سگے بیٹے کو سوار نہ کیا گیا جب تک کہ ایمان نہ لائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٥﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔“ (بینہ، ۶)

(۲) ایمان کے بغیر نسب کا اعتبار نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو ایمان نہ ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار نہ کیا گیا۔ معلوم ہوا نبی کا نسب بھی ایمان کے بغیر مفید نہیں۔ بعض لوگ خود کو سادات کہتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ صحابہ کرام کو گالیاں دیتے، قرآن کو تحریف شدہ قرار دیتے اور ائمہ اہل بیت کو انبیاء و مرسلین سے بدرجہ باا فضل جانتے ہیں۔ ان عقائد کفریہ کی وجہ سے ان کی نسبت سادات اور نسب رسول منقطع ہے۔ جب نبی (نوح علیہ السلام) کا سگا بیٹا کفر کی وجہ سے نسب

رسول سے خارج ہے تو چودہ صدیوں کے بعد آج ایک شخص کفر یہ عقائد رکھنے کے باوجود نسب رسول سے کیسے منسلک رہ سکتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ہر فضیلت کی بنیاد ایمان ہے۔

[21] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح علیہ السلام! جب آپ کی کشتی تمام مومنین کو لے کر صحیح طرح تیرنے لگے تو آپ اللہ کی حمد بجالائیں کہ اس نے ظالموں کو غرق کر کے مومنوں کو نجات دی معلوم ہوا دشمنانِ دین کی ہلاکت پر خوش ہونا اور اللہ کی حمد بجالانا چاہئے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے ابو جہل کی ہلاکت پر سجدہ شکر ادا کیا۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

[22] یعنی اے نوح علیہ السلام! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ آپ کو طوفان کے تھمنے کے بعد مبارک جگہ اتارے۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور کشتی سے اترنے پر آپ سے کہا گیا: يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ أُمَّةٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ط ”اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی و برکات لے کر اتر و جو تم پر اور تمہارے ساتھ والی قوموں پر ہیں۔“ (ہود ۴۸) اور مروی ہے کہ آپ کے کشتی سے اترنے کے بعد زمین خوب غلہ اگانے لگی اور ہر طرف برکت دکھائی دینے لگی اور یہ طوفان والے پانی کا اثر تھا۔

[23] جب قوم نوح علیہ السلام طوفان سے غرق ہو گئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد جزیرہ عرب کے جنوب میں حدودِ یمن میں نئی قوم بسائی گئی یعنی قوم عاد اور ان میں ایک رسول کو مبعوث کیا گیا یعنی ہود علیہ السلام انہوں نے لوگوں کو وہی پیغام تو حید دیا جو نوح علیہ السلام دیتے رہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالْآخِرَةُ وَآثَرُفْنَهُمْ

اور اس کی قوم کے ان سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ

دنوی زندگی میں نعمتیں دی تھیں کہ یہ تمہارے جیسا بشر ہی تو ہے جو تم کھاتے ہو وہی وہ کھاتا ہے۔

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۚ وَلَٰكِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخٰسِرُونَ ۚ

اور جو تم پیتے ہو وہی وہ پیتا ہے۔ اور اگر تم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کرو تو ایسے میں تم ضرور خسارے میں پڑو گے [24]

مختلف انبیاء کی تبلیغی مساعی اور ان کی منکر قوموں پر نزولِ عذاب

[24] حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر گزشتہ رکوع کے آخر سے شروع ہوا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی قوم کے سرداران کی

نبوت سے انکار اور روز قیامت کے جھٹلانے پر مثل گئے حالانکہ ہم نے انہیں دنیوی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا اور قوم کا

کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ہم اس پر ایمان نہیں لاسکتے مگر کوئی ان شریر لوگوں سے پوچھتا کہ بتوں کی خدائی پر انہیں اللہ کی طرف سے کوئی سند یا وحی ملی تھی؟ گویا وہ خود اللہ پر افتراء کرنے والے تھے اور الزام انبیاء کو دیتے تھے۔

قَالَ الْمَلَأُ سے معلوم ہوا انبیاء کی مخالفت ہمیشہ امراء، سرمایہ داروں اور وڈیرے لوگوں نے کی جبکہ اکثر غرباء ہی انبیاء کے ساتھی بنے۔ آج بھی مساجد میں اکثر غریب یا متوسط طبقہ ہی آتا ہے۔ وڈیرے نہیں آتے۔ وہ خود کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ گویا خانہ خدا میں سما ہی نہیں سکتے۔

[26] جب قوم عاد اپنے سرداروں کے دام تزویر میں پھنس کر اللہ کے سچے رسول سے منکر ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد کے لئے فریاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ہود علیہ السلام عنقریب یہ لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوں گے یعنی جب عذاب آئے گا تو انہیں اپنے کفر پر ندامت ہوگی مگر اس وقت کی ندامت بیکار ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے ان پر ایک خوفناک چیخ ماری جس کی دہشت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور ان کے مردہ لاشے کوڑا کرکٹ بن کر رہ گئے۔ سورہ احقاف رکوع ۳ میں ہے کہ قوم عاد کو تیز آندھی سے ہلاک کیا گیا اور یہاں چیخ کی بات کی گئی ہے ممکن ہے یہ دونوں چیزیں اکٹھی آئی ہوں۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۖ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں کوئی قوم اپنی مقررہ موت سے آگے نہیں جاسکتی اور نہ وہ پیچھے

يَسْتَأْخِرُونَ ۖ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رَسُولًا ثَلَاثًا ۚ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولًا كَذَّبُوهُ

رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے، جب بھی کسی قوم کے پاس انکا رسول آتا تو وہ اسے جھٹلاتے۔

فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبَعْدَ الْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ

تو ہم نے انہیں یکے بعد دیگر ہلاک کیا اور ہم نے انہیں قصے کہانیاں بنا کر رکھ دیا تو ایمان نہ لانے والے لوگوں کے لئے دوری ہے [27]

[27] قوم عاد کے بعد ایسی کئی قومیں آئیں جن میں انبیاء مبعوث ہوئے مگر انہوں نے انبیاء کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر کسی کے لئے ایک مقررہ مدت رکھی تھی کہ اگر وہ اس کے اندر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس مدت کے پوری ہونے پر انہیں ہلاک کر دیا جاتا تھا کیونکہ نہ کسی قوم کو مقررہ مدت سے قبل ہلاک کیا جاتا ہے نہ کسی کو اس کے بعد مہلت دی جاتی ہے۔ ان قوموں کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ ان میں لگا تار رسول بھیجے گئے مگر انہوں نے انہیں جھٹلایا اور دین اسلام کا چراغ بجھانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کا چراغ یوں بجھا دیا کہ وہ قصے کہانیاں بن کر رہ گئے جیسے قوم ثمود، قوم مدین اور قوم لوط وغیرہ۔

اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کے لئے درس عبرت ہے کہ اللہ کسی دین دشمن قوم کو تادیر مہلت

نہیں دیتا مہلت کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ ۖ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون

وَمَلَايِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۖ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ

اور اسکے ساتھی سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑائی پسند لوگ تھے وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں کی بات

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِدُونَ ۖ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۖ

مان لیں اور انکی قوم تو ہماری پوجا کرتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے دونوں کو جھٹلایا تو وہ ہلاک کردہ لوگوں میں سے ہو گئے۔ [28]

[28] پھر مصر میں قبیلہ قومی آباد ہوئی انہوں نے جادو کے زور پر سرکشی شروع کی اور ان کے سردار فرعون نے دعویٰ

خدائی کر دیا تب موسیٰ و ہارون علیہ السلام کو جو باہم لگے بھائی تھے۔ اللہ نے فرعون اور اس کے ساتھی وڈیروں کی طرف بہت

سی کھلی نشانیاں دے کر (جیسے عصا، ید بیضا، اور فرعونوں پہ مختلف عذابات کا آنا منجملہ مکڑیاں، خون اور جوئیں وغیرہ) اور

کھلے غلبہ کے ساتھ بھیجا۔ کھلا غلبہ یہ تھا کہ فرعون کا سب جادو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے برباد ہو گیا، مگر انہوں نے اللہ کی دعوت

کے بالمقابل تکبر دکھایا۔ قرآن مجید میں ہے کہ قَالَ لِّیْنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَا جَعَلْنَاكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۖ

”فرعون نے کہا: اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو تمہیں قید میں ڈال دیا جائے گا۔“ (شعرا، ۲۹)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون اور اس کے ساتھی سرداروں نے موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ یہ

دونوں ہمارے ہی جیسے بشر ہیں اور ان کی قوم کے لوگ (بنی اسرائیل) تو ہماری پرستش (اطاعت) کرتے ہیں پھر ہم

انہیں رسول مان کر ان کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں؟ عربی میں عبادت کا معنی اطاعت بھی ہے اور اللہ کی عبادت کا مفہوم

بھی اللہ کی مکمل اطاعت ہی ہے۔ معلوم ہوا تکبر انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۖ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تاکہ لوگ ہدایت پائیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو نشانی بنایا

وَأُمَّهُ آيَةً ۖ وَأَوْيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۖ

اور انہیں بلند مقام کی طرف پناہ دی جو اچھی رہائش گاہ اور چشمہ دار جگہ تھی [29]

[29] سیدہ مریم علیہا السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے بغیر شوہر اور بغیر شادی عیسیٰ علیہ السلام جیسا بیٹا دیا تو بنی اسرائیل (یہود) نے

اسے تسلیم نہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے بنائے تب سیدہ مریم علیہا السلام نے اپنے بچے کو لے کر فلسطین سے نکل کر مصر میں پناہ لی اور وہاں قریباً عرصہ بارے برس رہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اس سے مصر مراد ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے دمشق مراد ہے تاہم اکثر تاریخی روایات کے مطابق سیدہ مریم علیہا السلام نے مصر ہی میں پناہ لی تھی اور مصر کی زمین دریائے نیل کی برکت سے خوب چشمہ دار ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ

اے رسولان گرامی! حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے خوب

عَلِيمٌ ۝۵۱ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝۵۲

واقف ہوں۔ [30] اور یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو۔ [31]

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۝۵۳ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝۵۴

تو ان لوگوں نے اپنے دین کو باہم ٹکڑے کر لیا ہر گروہ کے پاس جو ہے، وہ اس پر خوش ہے۔

فَذَرَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۵۵ أَيْحَسِبُونَ أَنَّ مَا نُفِذُهُمْ بِهِ مِنْ

تو تم انہیں ایک مقرر وقت تک اپنی غفلت میں ڈوبا رہنے دو [32] کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم مال و اولاد کے ذریعے جو انکی مدد کرتے ہیں

مَالٍ وَبَنِينَ ۝۵۶ نَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۝۵۷ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۵۸

ہم ان کے لیے بھلائیاں لانے میں کوشاں ہیں؟ نہیں، بلکہ انہیں (معاملہ کا) شعور ہی نہیں۔ [33]

مومنوں اور کافروں کے اپنے اپنے کام اور ان کا انجام

[30] اس سے قبل حضرت نوح، ہود، موسیٰ، ہارون اور عیسیٰ علیہم السلام کا خصوصاً اور دوسرے انبیاء کا عموماً ذکر ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان رسولان گرامی سے اللہ نے یہی فرمایا تھا کہ پاک حلال چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ میں تمہارے ہر عمل سے واقف ہوں۔ یہ ارشاد بظاہر رسولوں سے تھا مگر حقیقت میں ان کی امتوں سے کہا گیا کہ حلال کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وزراء سے کہتا ہے کہ ملک میں امن قائم کرو بد امنی نہ پھیلاؤ تو اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں سے امن قائم کرو اور انہیں بد امنی نہ پھیلانے دو۔ یونہی اللہ تعالیٰ انبیاء سے فرما رہا ہے کہ لوگوں کو اکل حلال کی تعلیم دو اور اکل حرام سے بچاؤ، ورنہ انبیاء کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ حرام کھائیں گے۔

اکلِ حلال کی اہمیت:

اس آیت میں اکلِ حلال پہ زور دیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اس کی اہمیت پہ بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک اعمال کو پسند رکھتا ہے اور وہ مومنوں کو وہی حکم دیتا ہے جو اس نے انبیاء کو دیا اس نے انبیاء سے فرمایا: يَأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ اور مومنوں سے فرمایا: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ ”اے مومنو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا اس سے میں سے پاک چیزیں کھاؤ۔“ (بقرہ، ۱۷۲) اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص (جہاد و تبلیغ میں) لمبے سفر کرتا ہے اس کے کپڑے اور بال غبار آلود ہو جاتے ہیں مگر اس کا کھانا حرام، پینا حرام اور لباس حرام ہے اور وہ حرام کھا کر پلتا ہے پھر وہ آسمان کی طرف لمبے ہاتھ کر کے دعائیں مانگتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! مگر اس کی دعا کیسے قبول کی جائے۔“ (مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۶۵، ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۳۶)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے دودھ کا پیالہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ افطار کا وقت تھا۔ آپ نے پیالہ واپس بھیج دیا اور پیالہ لانے والے سے فرمایا: جاؤ پوچھو کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ وہ کہنے لگیں کہ میں نے اپنی بکری سے خود دودھ کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ بکری کیسے حاصل کی گئی؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے مال سے خریدی تھی۔ تب آپ نے وہ دودھ پیا۔ اگلے دن وہ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے کل آپ کی خدمت میں دودھ بھیجا تھا وہ آپ نے واپس لوٹا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے قبل تمام رسولوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ پاک حلال کھاؤ اور عمل صالح اپناؤ۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۰۲ بروایت حاکم، ابن ابی حاتم) اس کا یہ معنی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہدیہ لانے والے سے پوچھتے تھے کہ کہاں سے لائے ہو۔ البتہ جہاں آپ کو شک ہو وہاں آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی۔

عملِ صالح کی قبولیت اکلِ حلال پر موقوف ہے

اس جگہ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا میں اکلِ طیب کا ذکر پہلے اور عملِ صالح کا ذکر بعد میں کیا گیا گویا اکلِ طیب کو قبولیت عمل کی بنیاد بتایا گیا ہے اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کوئی نشہ والی چیز پی چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ کی جائے گی۔“ (ابوداؤد کتاب الاشرار باب ۵)

[31] یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسولانِ گرامی! یہ تمہارے پیروکاروں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے جس کا نام ہے مسلمین۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا۔ ”اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اس کتاب میں اور اس سے پہلے۔“ (ج ۸) گویا سب امتیں حقیقت میں ایک ہی امت ہے یعنی مسلم

امت، سب کا ایک ہی رب اور ایک ہی دین ہے، ”دین اسلام۔“ البتہ اس کے احکام میں مختلف ادوار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں حقیقی روح ایک ہی رہی ہے یعنی اللہ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھنا اور اللہ اور اس کے رسولوں کی کامل اطاعت بجالانا۔

[32] انبیاء کا دین تو ایک ہی تھا مگر ان کے پیروکاروں نے دین کو ٹکڑے کر دیا ہر گروہ کے پاس جو ٹکڑا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔ دین کے ٹکڑے کرنا یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ لے لیا جائے دوسرا چھوڑ دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں سے جس حصہ کو چاہا باقی رکھا جس کو چاہا نکال دیا۔ پھر یہود نے صرف تورات کو لے لیا اور نصاریٰ نے صرف انجیل کو۔ یہ بھی دین کا ایک ایک ٹکڑا لے کر باقی کو چھوڑ دینا ہے۔ مگر امت مسلمہ الحمد للہ سب خدائی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے پھر عیسائیوں اور یہودیوں میں مختلف فرقے بن گئے ہر فرقے نے اپنی کتاب الگ بنالی جو دوسرے فرقوں کی کتاب سے مختلف ہے اور ہر فرقہ دوسرے سب فرقوں کو جہنمی کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا: فَذَرُوهُمْ فِي غَمَرَاتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾ اے پیارے نبی! دین کے ٹکڑے کرنے والوں کو ایک مدت تک یعنی ان کی موت تک مہلت دیں کہ بھٹکتے رہیں یعنی آپ ﷺ ان کی ہلاکت کی دعا میں جلدی نہ فرمائیں۔ کیونکہ موت کے بعد انہیں پکڑ ہی لیا جائے گا۔

فرقہ پرستی کا رد، اور اہل سنت و جماعت کی حقانیت

اس آیت میں فرقہ پرستی کا شدید رد ہے۔ پچھلی قویں فرقہ پرستی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرقہ پرستی یوں پیدا ہوتی ہے کہ کتاب اللہ کی من مانی تشریح کی جائے اور اس تشریح کو نہ مانا جائے جو خود قرآن والے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے مروی ہے۔ آج امت مسلمہ میں اسی غلط روش کی وجہ سے بیسیوں فرقے بن گئے ہیں۔ مگر ان میں ہدایت والی جماعت صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی من مانی تشریح نہیں کرتے۔ بلکہ اسے احادیث صحیحہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔“ (مائدہ، ۳۵) اب نجدی فکر کے حاملین نے اس کو صرف وسیلہ اعمال میں بند کر دیا اور انبیاء و اولیاء کے وسیلہ سے دعاء کرنے کو شرک قرار دیا۔ یوں فرقہ بندی شروع ہوئی۔ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کے وسیلہ سے دعاء کرنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، آپ ﷺ نے نابینا صحابی کو تعلیم دی کہ میرے وسیلہ کے ساتھ دعاء کرو اور صحابہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی و دیگر متعدد کتب حدیث میں موجود ہے، تو کیا رسول اللہ ﷺ نے شرک کی تعلیم دی ہے؟ یہ ایک مثال ہے۔ اسی طرح اہل سنت و جماعت اپنے ہر عقیدہ کو قرآن و حدیث کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔

[33] یعنی کفار اپنے پاس اموال اور افراد کی کثرت دیکھ کر اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ اللہ ان کے لئے بھلائیاں جمع

کر رہا ہے اور ان سے خوش ہے نہیں۔ انہیں اصل معاملہ کا شعور نہیں۔ دراصل اللہ نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہے تاکہ وہ بھٹکتے رہیں یہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں اللہ کا عذاب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ يَوْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يَشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُوْتُونَ
مَّا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ
دَلَّاسَ فِي هَٰذَا فِي هَٰذَا ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝
فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝
جلدی کرتے اور ان کی طرف سبقت لے جاتے ہیں [34]

[34] کفار کے عذاب کے بعد مومنین کی چار صفات حمیدہ اور ان کا انعام بیان کیا جا رہا ہے۔

اول: مومنین ہر وقت خوفِ خدا سے سہمے رہتے ہیں یعنی انہیں خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا کوئی عمل حکمِ خدا کی نافرمانی میں نہ شمار ہو جائے اور اگر ان سے کوئی نافرمانی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں۔

دوم: وہ اپنے رب کی تمام آیات پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں یہ نہیں کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب میں سے مرضی کا حصہ رکھیں باقی نکال دیں۔

سوم: وہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نظامِ زندگی کے مقابل کسی دوسرے نظام کی پیروی نہیں کرتے۔

چہارم: وہ اپنے رب کی راہ میں کچھ دیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کے پاس واپس جانا ہے وہ کہیں ان کا سارا عمل ان کے منہ پر نہ ماردے اور یہ نہ کہہ دے کہ یہ عمل دکھاوے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ گویا وہ ہر عمل صرف رضائے الہی کے لئے کرتے ہیں اور اپنے اعمال پر اترا تے نہیں ہیں۔ نیکی بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ان کلمات وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَّا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ کے بارے میں پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے وہ شخص مراد ہے جو چوری زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے

ڈرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی (سبحان اللہ) ایسا نہیں بلکہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا، صدقہ دیتا اور نماز پڑھتا ہے مگر اس کے ساتھ ڈرتا ہے کہ کہیں اللہ اس کا عمل رد نہ کر دے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مؤمنون باب ۴) تو یہ مؤمنین کی صفت ہے کہ وہ نیکی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں مگر افسوس آج ہم گناہ کرتے ہیں اور نہیں ڈرتے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے مؤمنین ہی نیکیوں میں تیزی دکھاتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ

اور ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس سچ بولنے والی کتاب ہے اور ان پر ظلم

لَا يُظْلَمُونَ ۝۳۰ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ

نہیں کیا جائے گا۔ [35] بلکہ ان کے دل اس (قرآن) سے غفلت میں ہیں اور ان کے اعمال

ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمَلُونَ ۝۳۱ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ

اس کے برعکس ہیں، جو وہ ضرور کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرداروں کو عذاب میں

يَجْرُونَ ۝۳۲ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تَنْصَرُونَ ۝۳۳ قَدْ كَانَتْ آيَتِي

پکڑیں گے تو پھر وہ واویلا کریں گے۔ آج واویلا مت کرو آج ہماری طرف سے تمہیں کچھ مدد نہ ملے گی [36] تم پر ہماری

تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ ۝۳۴ مُسْتَكْبِرِينَ ۝۳۵ بِهِ

آیات پڑھی جاتی تھیں، تو تم الٹے پاؤں بھاگ اٹھتے تھے۔ مجاوری حرم پر اترتے اور رات بھر

سِمْرًا تَهْجَرُونَ ۝۳۶

بکواسات کرتے تھے۔ [37]

[35] یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ چار صفات کو اپنی مجبوری کے تحت کامل طور پر نہ اپنا سکے تو جس قدر اپنا سکتا ہے اپنائے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتا ہے اللہ کے پاس ہر شخص کی کتاب (نامہ عمل) موجود ہے اس کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا سے معلوم ہوا دین کسی ناقابل عمل حکم کا اجرا نہیں فرماتا۔

[36] یعنی دشمنانِ دین کے دل قرآن سے غفلت میں مبتلا ہیں اور ان کے اعمال اس سے متصادم ہیں اور یہ اعمال وہ ضرور کریں گے کیونکہ ان کی مسلسل اسلام دشمنی کے سبب ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگ گئی ہے اور وہ قرآن سے مخالفت کے اعمال ہی کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب روز قیامت ہم ایسے دشمنانِ دین کے سرداروں کو پکڑیں گے تو وہ بہت واویلا کریں گے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ واویلا مت کرو تم پر قرآن کی آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم ان سے منہ موڑتے تھے لہذا اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

[37] کفار مکہ کی حالت بتائی جا رہی ہے کہ مُسْتَكْبِرِينَؓ یہ یعنی وہ مجاوری کعبہ پر اترتے ہوئے قرآن کی مخالفت کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ مجاوری کعبہ ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے (یہ کامرج بیت اللہ ہے جو کلام سابق میں اگرچہ مذکور نہیں ہے مگر جس ماحول میں یہ آیات اتریں تب وہ سامعین کے ذہنوں میں خوب واضح تھا)۔ آگے فرمایا: سَمِعُوا تَهَجَّرُونَ، کہ کفار مکہ (حرم کعبہ میں) رات گئے تک بکواسات کی محفل سجائے رکھتے ہیں اور اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ سامر، رات گئے تک باتیں کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں، یہ اسم جمع ہے۔ (منجد)

رات گئے تک بیکار جاگنے اور دیر سے سونے کی برائی

اس میں یہ اشارہ ہے کہ رات گئے تک باتیں کرنا، فلمیں ڈرامے دیکھنا، کھیلیں کھیلنا اور دیر سے سونا اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے قبل سونا اور اس کے بعد باتیں کرنے میں لگ جانا پسند رکھتے تھے۔ (بخاری کتاب المواعیت باب ۲۳ مسلم کتاب المساجد حدیث ۳۳۵) دراصل رات کو دیر سے سونا نماز فجر کے لئے اٹھنے میں مانع ہوتا ہے۔ اور دیکھا گیا ہے کہ رات گئے تک فلمیں ڈرامے دیکھنے میں وہی لوگ مگن رہتے ہیں جن کو نماز پڑھنے کی عادت ہی نہیں، نمازی آدمی کو اپنی نماز کی فکر ہوتی ہے جو اسے جلد سونے پہ مجبور کرتی ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۚ أَمْ

کیا انہوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا؟ کیا ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہ آئی تھی؟ کیا

لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۚ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۖ بَلْ

انہوں نے اپنے رسول کو پہچان نہیں لیا کہ اس سے بیگانگی کر رہے ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے۔ بلکہ

جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَآكَثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۚ وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ

وہ ان کے پاس حق لایا ہے اور ان میں اکثر حق کو ناپسند رکھتے ہیں۔ [38] اور اگر حق ان کی خواہشات کی

لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ

پیروی کرتا تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہے تباہ ہو جاتا، بلکہ ہم نے تو انہیں انکا ذکر دیا ہے۔

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۚ

تو وہ اپنے ذکر سے منہ موڑتے ہیں۔ [39]

[38] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا قرآن جیسا کلام پہلے لوگوں پر نہ اتر ا تھا؟ یعنی قرآن کوئی نئی کتاب نہیں اس سے قبل بھی اللہ نے کتابیں اتاریں پھر قرآن سے اعراض کا کیا معنی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی صداقت، امانت، عفت اور شرافت کے ذریعے پہچان نہیں لیا ہے؟ پھر وہ ان سے اجنبی کیوں بن رہے ہیں؟ چنانچہ کفار مکہ حضور ﷺ پہ ایمان نہ لانے کے باوجود آپ ﷺ کو صادق و امین جانتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ اس لیے ہجرت کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں انہیں لوٹا کر تم میرے پیچھے چلے آنا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے ان سے تیسرا سوال یہ کیا کہ ان کے پاس رسول محمد مصطفیٰ ﷺ تو قرآن و حدیث کی صورت میں عمل و حکمت کے خزانے لے کر آئے ہیں پھر کفار کا انہیں جنون میں مبتلا کہنا کس طرح درست ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضور ﷺ ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور کفار کو حق پسند نہیں ہے۔

[39] کفار اگر حق کو ناپسند رکھتے ہیں اور اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتے تو حق بھی ان کی پیروی نہیں کر سکتا ورنہ آسمان و زمین اور دنیا کی ہر چیز تباہ ہو جائے مثلاً کفار کا نظریہ ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہیں۔ اب اگر ایسا ہی ہو تو کئی خدا باہم لڑ لڑ کر آسمان وزمین کے ٹکڑے کر ڈالیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کفار کے پاس ان کا ذکر لائے ہیں یعنی

قرآن ساری کائنات کے لئے ذکر ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾ (تکویر ۲) مگر کفار اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ کفار اگر ایمان لے آئیں تو ان کا ذکر دنیا آخرت میں بلند ہوگا مگر وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں چنانچہ جو لوگ دامنِ رسول ﷺ سے وابستہ ہو گئے آج ان کے ناموں سے پورے عالم کے محراب و منبر گونج رہے ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَّاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ﴿۱۶﴾ وَإِنَّكَ

کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں۔ تو آپ کے رب کی اجرت ہی بہتر ہے۔ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۷﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

اور بلاشبہ آپ انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں اور جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے

عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَّجُوا

وہ اس راہ سے ہٹتے ہیں۔ [40] اور اگر ہم ان پر رحم کرتے اور ان کو جو تکلیف لاحق ہے دور کر دیتے تو وہ

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا

اپنی سرکش میں اور بھٹکنے لگتے۔ [41] اور ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا، مگر وہ

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۲۰﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ

اپنے رب کی طرف نہ جھکے، اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھولیں گے۔

شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۲۱﴾

تو پھر وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ [42]

[40] اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ سوال بھی کیا کہ کیا اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ان سے اپنی تبلیغی مساعی کے عوض کوئی اجرت مانگتے ہیں جو وہ دے نہیں سکتے اس لئے ان کی مخالفت کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ آپ کو کسی انسان سے اجرت کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کو آپ کے رب کا دیا ہوا اجر ہی کافی ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر روزی رساں ہے۔

معلوم ہوا دنیوی مفاد سے بالاتر ہو کر تبلیغ دین کرنا ہی طریقہ نبویہ ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ آپ کا کام صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینا ہے وہ آپ دیتے رہیں اور کفار اس راستے سے اس لئے انکار کرتے

ہیں کہ ان کا آخرت پہ یقین نہیں کیونکہ پرشش آخرت میں جواب دہی کا خوف ہی انسان کو نافرمانی مولا سے روکتا ہے۔
 [41] امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم کفار کو روز قیامت جہنم سے بچا کر واپس دنیا میں بھیجتے تو وہ واپس آ کر اپنی سرکشی میں مزید بڑھ جاتے دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے: وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا۔ ”اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو وہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔“ (انعام ۲۸)
 [42] یعنی دشمنانِ دین کو اللہ تعالیٰ مختلف حوادث میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ متنبہ ہو کر اس غلط راستہ سے باز آ جائیں مگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ طاغوتی قوتیں خدائی تنبیہات سے سبق نہیں لیتیں اور آخر اللہ کی پکڑ میں آ جاتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے، تم بہت ہی کم

تَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٤٩﴾ وَهُوَ

شکر بجالاتے ہو۔ [43] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اللہ

الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٠﴾ بَلْ

وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں رات اور دن کا بدلنا ہے تو تم عقل کیوں نہیں کرتے؟ [44] مگر

قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

کفار نے اسی طرح کہا جس طرح پہلے کافروں نے کہا تھا، انہوں نے کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٥٢﴾ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِن قَبْلُ ۚ إِن هَذَا إِلَّا

تو ہمیں پھر اٹھایا جائے گا؟ یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے قبل کیا گیا تھا۔ یہ پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٣﴾

کچھ نہیں ہے۔ [45]

اللہ کی عظیم قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور اثباتِ قیامت

[43] انسانوں کو بت پرستی اور ہر طرح کے شرک سے باز رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی نعمتیں یاد دل رہا ہے

تو فرمایا کہ اے انسانو! اللہ نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے لہذا انسان کو چاہئے کہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار ہو اور اس کے سوا کسی کو الہ نہ مانے۔ یاد رہے کانوں کا شکریہ ہے اس رب کی بات سنی جائے جس نے کان بنائے اور شیطانی آوازوں سے کانوں کو محفوظ رکھا جائے۔

گزر گاہِ قرآن و پندست گوش بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

یعنی کان قرآن و حکمت کی گزر گاہ ہیں۔ ان سے بہتان اور باطل چیزیں سننے کی کوشش مت کرو۔ اسی طرح آنکھوں کا شکریہ ہے کہ ان سے آنکھیں دینے والے رب کا راستہ دیکھا جائے۔ کائنات کا پچشم عبرت نظارہ کیا جائے، قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے اور والدین، اقرباء اور سب لوگوں کو بنظر محبت دیکھا جائے اور جن چیزوں کا دیکھنا اللہ نے حرام کیا ہے ان سے آنکھیں بند کر لی جائیں، کسی کو بنظر حقارت نہ دیکھا جائے اور کسی کے عیب پر نظر نہ ڈالی جائے اور کبھی کبھی ان آنکھوں سے تنہائی میں خوفِ خدا سے آنسو بہائے جائیں۔ اور دل کا شکریہ ہے کہ اسے بُرے خیالات اور باطل نظریات و عقائد سے پاک رکھا جائے اور اسے محبتِ خدا و رسول کا گہوارہ بنایا جائے الغرض اللہ کی عطا کردہ ہر نعمت کا اپنا الگ شکر ہے مگر انسان بہت کم شکر کرتا ہے۔ اس لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ ﴿۱۳﴾ ”میرے بندوں میں سے شکر گزار بہت کم ہیں۔“ (سبا ۱۳)

[44] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نسل در نسل زمین میں پھیلا یا اور اسی کی طرف سب کو اٹھایا جائے گا کیونکہ اسی کی شان ہے کہ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اسی نے ہمیں زندہ کیا وہی ہمیں مارے گا اور پھر دوبارہ اٹھائے گا اور اللہ ہی دن رات کو بدل رہا ہے یعنی اس کے حکم سے شمس و قمر چل رہے ہیں اور زمانہ گردش میں ہے تو پھر اللہ فرماتا ہے اے انسانو! تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود کیوں مانتے ہو؟ ان آیات سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) لاندہیت کا رد:

یعنی یہ سمجھنا کہ کائنات از خود معرضِ وجود میں آئی ہے اور خود چل رہی ہے غلط ہے اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کی اور وہی اسے چلا رہا ہے۔ لاندہیت کے عفریت نے عیسائیوں کی اکثریت کو اور یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد کو خدا کا منکر بنادیا اور بعض مسلم نوجوان بھی اس کی وجہ سے تذبذب کا شکار ہو گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلم نوجوان زیادہ سے زیادہ قرآن کا مطالعہ کریں۔

(۲) زمین ہی انسان کا مسکن ہے:

اس جگہ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ سے پتہ چلا انسان زمین ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی سے پھر

اٹھائے جائیں گے۔ زمین کو چھوڑ کر کسی دوسرے سیارے میں جا کر انسان کا آباد ہونا ایک احمقانہ خیال ہے۔
 [45] یعنی منکرینِ قیامت وہی بات کہتے ہیں جو پہلی امتوں میں ایسے منکرین کہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہم مر کر ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جائے گا اور یہ قیامت کے آنے کا وعدہ ہمارے اگلے باپ دادا سے بھی کیا جاتا تھا مگر ہزاروں برس بیت گئے قیامت نہ آئی تو اب کیا آئے گی۔ بس یہ قیامت کا آنا پہلے لوگوں کی بنائی ہوئی کہانی ہے جو اب تک چلی آرہی ہے۔ اَسَاطِيرُ سَطُورۃ کی جمع ہے جس کا معنی دل کے بہلانے کو گھڑی جانے والی کہانی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے عصفورۃ کی جمع عصافیر ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ط

آپ فرمائیں زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے اگر تم جانتے ہو۔ (تو بتاؤ) وہ ضرور کہیں گے کہ یہ اللہ کا ہے۔

قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

آپ کہہ دیجئے پھر تم نصیحت کیوں نہیں لیتے۔ آپ کہہ دیجئے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا

الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ مِّنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ

رب کون ہے؟ وہ کہیں گے یہ اللہ کے لیے ہے۔ آپ کہہ دیجئے پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں [46] آپ کہیے ہر شے کی بادشاہی

كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ

کس کے ہاتھ میں ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور اسکے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ وہ ضرور کہیں گے یہ اللہ

لِلّٰهِ ط قُلْ فَأَنِّي تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾

کے لئے ہے۔ آپ کہہ دیجئے پھر تم کہاں جادو زدہ ہوتے ہو۔ بلکہ ہم نے انہیں سچ عطا کیا اور وہ جھوٹے ہیں۔ [47]

[46] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! اگر آپ مشرکین سے پوچھیں کہ زمین کس نے بنائی اور اس پر آباد ہر مخلوق کا مالک و خالق کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ وہ اللہ ہے تو پھر آپ انہیں فرمائیں کہ تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے کہ جب زمین کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے تو زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اسے معبود بنانے کا کیا معنی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ! آپ مشرکین سے یہ بھی پوچھیں کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے تو وہ اسکا جواب بھی یہی دیں گے کہ وہ اللہ ہے تب آپ انہیں فرمائیں کہ تم اللہ کی پکڑ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ عرش کا مالک اللہ تمہارے شرک پر تمہیں جیسے پکڑ سکتا ہے تو تم باز کیوں نہیں آتے۔

عرش عظیم کی عظمت

یاد رہے عرش عظیم سمات آسمانوں سے اوپر ایک مقام ہے جس کی وسعت و عظمت اللہ ہی جانتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ فر دس جنت کا بلند تر مقام ہے اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔ (بخاری کتاب التوحید باب ۲۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جالیئن عرش فرشتے اس قدر عظیم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے کندھے سے اس کے کان تک کا فاصلہ سمات سوبرس کا ہے۔ (ابوداؤد کتاب السنہ باب ۱۸) جب ان کے کندھے اتنے بڑے ہیں تو سارا جسم کتنا بڑا ہوگا، اور جب عرش کو اٹھانے والے فرشتے اتنے بڑے ہیں تو خود عرش کتنا بڑا ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے وہ تو لاکھوں کروڑوں سال کی مسافت پہ مشتمل ہوگا۔

[47] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کفار سے تیسرا سوال یہ کریں کہ ہر چیز کی ملکیت کس کے ہاتھ میں ہے اور کون ہے کہ اس کی پناہ و توندی جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں کس کو پناہ نہیں دی جاسکتی یعنی جسے وہ پناہ دے دے اسے کوئی زند نہیں پہنچ سکتا اور جسے وہ پکڑنا چاہے اسے کوئی بچا نہیں سکتا تو اس کے جواب میں بھی مشرکین یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو آپ ان سے فرمائیے پھر تم پر کیا جاوے گا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے جھوٹے خداؤں سے پناہ مانگتے اور ان سے مصائب کے نکلنے کی التجائیں اور فریادیں کرتے ہو؟

مشرکین کے شرک کی وضاحت

اگر سوال کیا جائے کہ جب مشرکین اللہ کو خالق ارض و سما، مالک عرش علاء بادشاہ بر دوسرا اور ہر چیز کا حاجت روا مانتے تھے تو پھر وہ شرک کیوں اور کیسے ٹھہرے؟ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اپنے دوسرے خداؤں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ (زمر ۲) تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ کو یہ سب کچھ ماننے کے ساتھ اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ کے ایسے وزراء و نائبین سمجھتے تھے جن کے تعاون کے بغیر اللہ نظام کائنات نہیں چلا سکتا اسی لئے ان کے رد میں فرمایا گیا: وَلَٰكِنْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّلَىٰ۔ کہ ”اللہ نے کمزوری کے باعث کوئی مددگار نہیں پکڑا۔“ (بنی اسرائیل ۱۱) پھر وہ اللہ کے لئے اولاد مانتے تھے جیسے نیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین مکہ فرشتوں کو اولاد خدا مانتے تھے اور آج ہندو خدا کا پورا کنبہ مانتے ہیں اور کسی کے لئے اولاد ماننا بھی اس کے لئے شرکاء ماننے کے برابر ہے کیونکہ طاقتور اولاد اپنے باپ کے فیصلوں میں پوری دخیل و شریک ہوتی ہے اور وہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ رہا مشرکین مکہ کا یہ کہنا کہ وہ صرف حصول قرب خدا کے لئے بتوں کو پوجتے ہیں۔ تو یہ ان کی محض حیلہ سازی اور جھوٹ تھا وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر جانتے تھے اسی لئے فرمایا گیا کہ ”کفار کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو ورنہ وہ اللہ کو گالی دیں گے۔“ (سورہ انعام، ۱۰۸)

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا الذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنا رکھی۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا

خَلَقَ وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ ۙ عَلِيمٌ

اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو کفار بتاتے ہیں۔ وہ ہر چہی

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے اور ان کے شرک سے بلند تر ہے [48]

[48] اگر اللہ کی اولاد ہوتی یا کوئی اس کا شریک ہوتا تو وہ بھی اللہ کی طرح بعض چیزوں کا خالق و مالک ہوتا اور وہ اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا یعنی کائنات کے مختلف حصوں کے الگ الگ خدا ہوتے اور ہر خدا خود کو دوسرے خداؤں سے طاقتور و برتر ثابت کرنے کے لئے دوسرے خداؤں پر چڑھ دوڑتا اور یوں کائنات مختلف خداؤں کی لڑائی میں ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ ہو جاتی لہذا مشرکوں کے نظریات و عقائد سے اللہ تعالیٰ بلند اور پاک ہے وہ ہر خفیہ و ظاہر چیز کا جاننے والا ہے تو اس جیسا کون ہو سکتا ہے؟

قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيْنِي مَا يُوعَدُونَ ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ

اے محبوب (ﷺ) آپ کہیں اے میرے رب! اگر تو مجھے دکھائے جو کفار سے وعدہ عذاب کیا گیا ہے، مجھے ظالم قوم کے ساتھ

الظَّالِمِينَ ۙ وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِي

نہ رکھنا۔ اور بے شک ہم قادر ہیں کہ آپ کو دکھائیں جو ہم نے کفار سے وعدہ عذاب کیا ہے۔ [49] آپ برائی کو بھلائی والے

هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۖ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۙ

طریقہ سے دور کریں، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (کفار) کرتے ہیں۔ [50]

طریقہ تبلیغ کیا ہونا چاہیے اور احوال قیامت کا بیان

[49] اللہ تعالیٰ نے کفار کو بار بار متنبہ کیا تھا کہ اگر وہ اسلام دشمنی سے باز نہ آئے تو ان پر خدائی پکڑ آ سکتی ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ دعا فرمائیں کہ اے اللہ! اگر تو دنیا میں میری موجودگی

کے اندر کفار پہ وہ عذاب لے آئے جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے تو مجھے اس کی لپیٹ میں شامل نہ کرنا اور اے پیارے رسول ﷺ! ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس عذاب سے ہم کفار کو ڈراتے ہیں وہ ہم آپ ﷺ کو دکھا دیں یعنی آپ کی دنیا میں موجودگی ہی میں وہ عذاب لے آئیں۔ گویا وہ عذاب دور نہیں۔ چنانچہ بدر میں کفار پہ وہ عذاب آ گیا اور پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد دور خلافت راشدہ میں اس کا دائرہ پھیلتا گیا اور کفار ہر طرف ذلت و خواری کا شکار ہوتے چلے گئے۔

فتنوں سے بچنے کی دعاء کرنا

یاد رہے نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ دعا سکھانا کہ اے اللہ! مجھے کفار کے ساتھ شامل عذاب نہ فرما۔ محض تعلیم امت کے لئے ہے تاکہ امت کو یہ دعا معلوم ہو جائے کیونکہ جب مجرموں پہ عذاب آتا ہے تو بسا اوقات اس کی لپیٹ میں صالحین بھی آ جاتے ہیں۔ تو صالحین کو اس سے بچنے کی دعا کرنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایسی دعائیں اکثر فرمایا کرتے تھے۔

حضور سید عالم ﷺ کی ایک دعایوں مروی ہے کہ اللھم اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فَعَلَ الْخِیْرَاتِ وَتَرَكَ الْمُنْکِرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَکِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَ فِی النَّاسِ فِتْنَةً فَاقْبِضْ نِیْیَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے نیک اعمال کا بجالانا، بُرے اعمال سے باز رہنا اور مساکین سے محبت کرنا مانگتا ہوں اور جب تو لوگوں کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالے تو مجھے اس میں مبتلا کیے بغیر وفات دے دینا۔“ (موطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۸۶) اور مسلمانوں کو یہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔

[50] نبی اکرم ﷺ کو کفار نے جادو گر، کاہن، شاعر اور مجنون تک کہا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ برائی کا جواب بھلائی کے ساتھ دیں یعنی گالیوں کے بدلے دعائیں دیں۔ کفار جو کہتے ہیں ہمیں معلوم ہے مگر آپ ﷺ کا اخلاق کریمانہ ہی لوگوں کو آپ ﷺ کے قریب لاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا کرم اور عفو و درگزر

چنانچہ حضور رحمت عالم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے زیادتی کا بدلہ نہ لیا بلکہ ہمیشہ درگزر فرمائی بلکہ دعا دی۔ وادی طائف میں آپ ﷺ کا جسم مبارک کفار کی سنگ باری سے لہو سے تر ہو گیا۔ آپ کے پاس ملک جبال (پہاڑوں پر مقرر فرشتہ) بحکم الہی حاضر ہوا اور کہا اگر آپ چاہیں تو میں یہ دو پہاڑ اٹھا کر ان پر رکھ دوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے امید ہے کہ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو ایک رب کی عبادت کریں گے۔

(بخاری کتاب بدأ الخلق جاب ۷ مسلم کتاب الجہاد حدیث ۱۱۱)

اسی طرح منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول حضور ﷺ کو مدنی دور میں قریباً نو برس تک مسلسل تکالیف پہنچاتا رہا۔ مگر جب وہ مرا تو آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا، اسے اپنی قمیص پہنائی اور فرمایا: میری قمیص سے اسے فائدہ تو نہ

ہوگا مگر مجھے امید ہے کہ میرے حسن خلق سے اس کی قوم کے ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔
(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۶ صفحہ ۴۴۰ سورہ توبہ زیر آیت وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ آیت ۸۴)
یہاں سے عفو و درگزر کی فضیلت معلوم ہوئی۔ افسوس آج ہم میں سے ہر کوئی بقدر طاقت انتقام ہی لینے کا سوچتا ہے۔ درگزر کا سبق کسی کو یاد نہیں الا ماشاء اللہ۔

وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۙ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ

آپ فرمائیں اے اللہ! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ

اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۙ

میرے قریب آئیں۔ [51]

[51] نبی اکرم ﷺ شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شیاطین پر قبضہ دے دیا ہے۔ پھر بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کا سکھایا جانا تعلیم امت کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ شیطانی وساوس سے بچنے کی کثیر دعائیں فرماتے تھے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کو یہ دعا سکھلاتے تھے کہ نیند میں ڈرنے کے وقت یہ پڑھا کریں:

بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔ ”اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے اس کے غضب، اس کے عذاب اور اس کے بندوں کی شر سے پناہ مانگتا ہوں اور شیاطین کے وسوسوں اور ان کے قریب آنے سے پناہ مانگتا ہوں۔“ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۹۳، ابوداؤد کتاب الطب باب ۱۹) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ خواب میں ڈر جاتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا سونے سے قبل یہ دعا پڑھا کرو (آپ نے یہی دعا تعلیم فرمائی) اور فرمایا جو شخص یہ دعا پڑھ لے شیطان کے لائق نہیں کہ اسے کچھ نقصان دے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۷) معلوم ہوا شیطانی وساوس سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ان وساوس سے نہیں بچا جاسکتا۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۙ لَعَلِّي أَعْمَلُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہتا ہے، اے اللہ! مجھے واپس لوٹا دے۔ تاکہ میں وہ

صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۚ وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ

نیک عمل کر لوں جو میں نے چھوڑا تھا ہرگز نہیں یہ بس ایک بات ہے جو اسنے کہی ہے اور انکے پیچھے ایک آڑ ہے اس دن تک

إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ۚ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ

جب وہ اٹھائے جائیں گے۔ [52] تو جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ رہے گا

وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۙ

اور نہ وہ اس کا سوال کریں۔ [53]

[52] یعنی کفار اپنی ضد پہ اڑے رہتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے پھر جب انہیں موت آتی ہے تو ان پر حقیقت واضح ہوتی ہے تب وہ کہتے ہیں اے اللہ! ہمیں ایک بار واپس دنیا میں بھیج تاکہ جو نیک عمل (ایمان) ہم اختیار نہ کر سکے وہ کریں۔ تب انہیں کہا جاتا ہے کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ وہ واپس جا کر نیک عمل کریں گے (ایمان لائیں گے) محض ان کے منہ کی بات ہے اگر انہیں بالفرض واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر کفر ہی کریں گے اور موت کے پیچھے لوگوں کو وہ برزخ (آڑ) لاحق ہو جاتی ہے جو روز قیامت تک انہیں وہیں روکے رکھتی ہے واپس دنیا میں نہیں آنے دیتی اور اس سے مراد عالم قبر ہے یعنی جو قبر کی آڑ میں چلا جائے وہ واپس نہیں آ سکتا۔ برزخ کا معنی آڑ ہے جیسے قرآن مجید میں ہے بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۙ ”دونوں (سمندروں) کے درمیان آڑ ہے جسے وہ عبور نہیں کر سکتے۔“ (رحمن ۲۰) گویا دنیا و قیامت کے درمیان عالم برزخ ایک آڑ ہے۔

اہل تشیع کے عقیدہ رجعت کی تردید

اس سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع کا عقیدہ رجعت قرآن کے خلاف ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے بارہ امام واپس دنیا میں آئیں گے، دنیا میں شیعہ مذہب کا راج ہوگا، ہر شیعہ کے پاس مال و دولت کی انتہاء ہو جائے گی، ایک ایک شیعہ کے پاس ہزار ہزار بچے ہونگے، امام مہدی آئیں گے اور معاذ اللہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو قبروں سے نکال کر ان کو سولی دیں گے (معاذ اللہ) اور نہ جانے انہوں نے کیا کیا غلیظ اور خیالی پکاؤ پکائے ہوئے ہیں، (حوالہ کے لیے دیکھیں، انوار نعمانیہ، حق الیقین وغیرہ) حالانکہ یہ سب غلط اور خلاف قرآن ہے، جب دنیا و آخرت کے درمیان برزخ کی آڑ ہے تو

بارہ امام کیسے واپس دنیا میں آجائیں گے، اس موضوع پہ تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورہ قصص آیت ۸۵ کے تحت آئے گی، وہیں دیکھیں۔ اور پیچھے سورہ انبیاء آیت ۹۵ کے تحت بھی ہم اس پہ کچھ کلام کر آئے ہیں، وہاں بھی دیکھ لیں۔

[53] کفار کی موت کے بعد اب ان کی آخرت کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب صور پھونک دیا جائے گا تو کفار کے درمیان نہ کوئی نسب باقی رہے گا نہ وہ نسب کی بنیاد پر کسی سے سوال کریں گے، یعنی باپ بیٹے سے نہ کہے گا کہ میری مدد کرو نہ بیٹا باپ سے مدد کا سوال کرے گا کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ مدد مانگنے کا فائدہ نہیں ہے، کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی، مدد کرنا تو ایک طرف رہا قرآن تو کہتا ہے کہ کافر روز قیامت تمنا کرے گا کاش وہ اپنے بچوں، بیوی، بھائی اور مددگار خاندان کو اپنی جگہ دے کر خود کو عذاب سے چھڑوا لے۔ (معارج ۱۱)

روز قیامت اہل ایمان کا نسب منقطع نہیں ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کا نسب روز قیامت منقطع نہ ہوگا۔ آیت ۹۶ میں مَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۹۶﴾ سے معلوم ہوا یہ کفار کا حال بتایا گیا ہے کہ روز قیامت ان کے درمیان کوئی نسب باقی نہ رہے گا۔ مومنین کا یہ حال نہیں، ان کے بارہ میں فرمایا گیا: وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کی ذریت کو ان کے ساتھ ملائیں گے۔ (طور ۲۱) اور فرمایا: اِلَّا خِلَافُ يَوْمٍ مِّنْ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۹۷﴾ اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیز گاروں کے۔ (زخرف ۶۷) اور احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ حافظ قرآن اور شہید اور بچپن میں فوت ہونے والا بچہ اپنے خاندان اور والدین کو بخشوائے گا۔ معلوم ہوا مومنین کا نسب قیامت میں منقطع نہ ہوگا۔

اگر سوال کیا جائے کہ حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا روز قیامت ہر نسب منقطع نہ ہو جائے گا سوا میرے نسب اور میرے تعلق کے۔ (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۱ کتاب النکاح مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) اگر قیامت میں تمام متقین اور شہداء اور حفاظ کا نسب اور تعلق منقطع نہیں تو پھر نسب رسول کے منقطع نہ ہونے کی خصوصیت کیوں بتائی گئی تو اس کا جواب امام بغوی علیہ الرحمہ نے یہ دیا کہ متقین اور مومنین کا باہمی تعلق حقیقت میں حضور ﷺ ہی کا تعلق ہے یعنی آپ سے ایمانی تعلق ہی وہ رشتہ ہے جو قیامت میں مسلمانوں کو باہم کام آئے گا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۴۴) یہاں مقام غور ہے جب عام متقین اور شہداء اپنے خاندان کے لئے روز قیامت باعث برکت و برکت ہوں گے تو حضور ﷺ کا نسب اپنے خاندان اور اپنی اولاد کے لئے کس قدر باعث برکت و بخشش ہے، اور اس حدیث میں اگر خود رسول اللہ ﷺ ہی کا نسب مراد کیا جائے تو اس کا یہی مفہوم ہے۔ اس موضوع پر میں نے اپنی کتاب عظمت اہل بیت رسول میں مفصل روشن ڈالی ہے یہ کتاب خوبصورت پیرایہ میں چھپ چکی ہے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۴﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

پھر جن کے تول بھاری رہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور جن کے تول ہلکے رہے،

فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۵۵﴾ تَلْفَحُ

تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ [54] ان کے چہروں کو

وَجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۵۶﴾ أَلَمْ تَكُنْ أَيْتِي تَتْلِيٰ عَلَيْهِمْ

آگ لپیٹ لے گی اور وہ اس میں سوختہ رہوں گے۔ [55] (کہا جائے گا) کیا تم پر میری آیات نہ پڑھی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُونَ ﴿۵۷﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا

اور تم انہیں جھٹلاتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم

ضَالِّينَ ﴿۵۸﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾ قَالَ اخْسَءُوا

گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے (ایک بار) نکال اگر ہم نے پھر کفر کیا تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے، اللہ فرمائے گا

فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونَ ﴿۶۰﴾

یہیں ذلت میں رہو اور مجھ سے مت بات کرو [56]

[54] یعنی روز قیامت جس کے نیک اعمال کا وزن ایمان کی وجہ سے بھاری ہو اور وہ کامیاب ہو جائے گا اور جس کا وزن

ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہلکا رہا تو ایسے ہی لوگ دائمی خسارے میں رہیں گے اور جہنم کا ابدی ٹھکانہ ہے۔ یاد رہے

روز قیامت کافر کا کفر اتنا بھاری ہوگا کہ اس کے مقابلہ میں اس کے تمام نیک اعمال روزن ہو جائیں گے اسی لئے دوسری

جگہ فرمایا گیا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ وَزَنًا ﴿۵۵﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات سے انکار کیا تو ان کے اعمال (صالحہ) ضائع ہو گئے

اور روز قیامت ہم ان کے لئے کچھ وزن نہ قائم کریں گے۔“ (سورہ کہف، آیت: ۱۰۵)

[55] جہنم میں کفار کے چہرے بھون کر رکھ دیئے جائیں گے۔ اس آیت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کفار

کو آگ پکڑے گی تو ان کے گوشت ان کے جسم سے بننے لگیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے اس آیت کے تحت فرمایا آگ کافروں کا چہرہ یوں جلادے گی کہ ان کا اوپر والا ہونٹ آدھے سر تک چڑھ

جائے گا اور نیچے والا لٹک کر ناف تک پہنچ جائے گا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ مؤمنون باب ۵) اس آیت سے معلوم ہوا جہنم میں منہ کا جلایا جانا صرف کفار کی سزا ہے مومن کا چہرہ جہنم میں بھی محفوظ رہے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے انہیں آگ جلانے کی مگر ان کے چہرے کا حلقہ نہیں جلانے کی پھر وہاں سے نکال لئے جائیں گے۔“ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۱۹)

[56] کفار جب دوزخ میں واویلا کریں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر میری آیات قرآن پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔ وہ بصد حسرت جواب دیں گے کہ ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ ہو گئے تھے۔ اے اللہ! ایک بار ہمیں جہنم سے نکال اگر ہم دوبارہ کفر کریں تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ اللہ رب العزت فرمائے گا اب تمہیں اسی مقام ذلت میں ہمیشہ رہنا ہوگا لہذا مجھ سے مزید کلام مت کرو یعنی منہ بند رکھو اور کفار یہ جھوٹ کہیں گے کہ اگر وہ ایک بار دنیا میں جائیں تو کفر نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَیْمَانِہُمْۙ اَعْنٰہُ۔ ”اگر کفار کو لوٹا دیا جائے تو وہ اسی کفر کی طرف لوٹ جائیں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔“ (سورہ انعام، آیت: ۲۸)

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

بلاشبہ میرے بندوں میں سے ایک گروہ یوں دعا کرتا ہے اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہماری بخشش فرما اور ہم پر

وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۹﴾ فَاتَّخَذُوا لَهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُم ذِكْرِي

رحم فرما کہ تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تو تم ان سے ٹھٹھا (مذاق) کرتے تھے۔ تا آنکہ (مذاق) تم ان کی وجہ سے میرا ذکر بھول گئے

وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۲۰﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا ۖ إِنَّهُمْ هُمُ

اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔ آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے، بے شک وہی

الْفَائِزُونَ ﴿۲۱﴾ قُلْ كَمْ لَبِئْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿۲۲﴾ قَالُوا لَبِئْنَا

کامیاب ہیں۔ [57] اللہ (کفار سے) فرمائے گا تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے ہم

يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِ الْعَادِثِينَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنْ لَّبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ

ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، تو گنتی جاننے والوں سے پوچھ لے، اللہ فرمائے گا تم تھوڑا ہی عرصہ ٹھہرے تھے۔

أَنْكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾

اگر تم جانتے ہو تے (تو کفر نہ کرتے) [58]

[57] اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ جب میرے مومن بندے مجھ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم ایمان لائے

ہیں لہذا ہماری بخشش فرما اور ہم پر رحمت فرما تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ یعنی بندہ ہونے کے ناطے تمہارا حق تو یہ تھا کہ تم

اپنے رب پر ایمان لا کر اس سے اپنی حاجات مانگتے۔ اس کی بجائے تم نے بتوں سے حاجات مانگنا شروع کر دیں اور اللہ

سے مانگنے والوں کا مذاق اڑانے کا وطیرہ اپنالیا حتیٰ کہ ان کی وجہ سے تم ہمارا ذکر بھول گئے اور انہی کا مذاق اڑانے میں

لگ گئے۔ آج دیکھو ہم نے انہیں ان کے صبر کا کیا عظیم اجر دیا ہے آج انہی کو کامیابی ملی ہے۔

[58] اللہ تعالیٰ روز قیامت کفار سے پوچھے گا تم دنیا میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے: اے اللہ! برسوں کی بات تو

بہت لمبی ہے ہم تو وہاں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں تم وہاں (آخرت کے مقابلہ میں)

بہت ہی کم رہے تھے۔ دراصل قیامت کے پچاس ہزار سالہ دن کے مقابلہ میں کفار کو دنیا کی ساٹھ ستر سالہ زندگی چند گھنٹے

نظر آئے گی۔ جبکہ حدیث کے مطابق مومنین کے لئے قیامت کے پچاس ہزار برس نماز عصر پڑھنے کے برابر وقت میں بدل جائیں گے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٩﴾ فَتَعَلَى اللَّهِ

کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ تو اللہ بلند تر ہے جو

الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿٦٠﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ

سچا بادشاہ ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ صاحب عرش کریم ہے۔ [59] اور جو اللہ کے ساتھ

اللَّهُ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

دوسرے خدا کو پوجے حالانکہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب ہی کے پاس ہے۔ بے شک منکرین کامیاب

الْكَافِرُونَ ﴿٦١﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿٦٢﴾

نہیں ہو سکتے اور آپ فرمائیں اے میرے رب! بخشش فرما اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ [60]

[59] اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کیا تم سمجھتے تھے کہ ہم نے تمہیں دنیا میں بیکار پیدا کیا تھا کہ تم دنیا میں جانوروں کی طرح کھاپی کر مر جاؤ اور تم سے تمہارے اعمال کا کچھ حساب نہ ہو اور نہ تم ہمارے پاس لوٹ کر آؤ؟ حالانکہ اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی بیکار کام کرے پھر وہ انسان جیسی افضل مخلوق کو کیسے بیکار پیدا کر سکتا ہے۔ وہ تو سچا بادشاہ ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے ایک عام حاکم بھی بیکار اقدام نہیں اٹھاتا تو رب عرش عظیم کا کوئی عمل بیکار کیسے ہو سکتا ہے۔

[60] یعنی جہنم میں کفار کے ہمیشہ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ جھوٹے خداؤں کی پرستش کرے اللہ کے ہاں اس کا حساب یعنی عذاب مقرر ہے اور اس کا عذاب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے کیونکہ کسی بادشاہ کے جاری کردہ کسی حکم سے نافرمانی تو قابل معافی ہے مگر بادشاہ ہی کو نہ ماننا یا اس کے ساتھ ایک اور بادشاہ ماننا ناقابل معافی جرم ہے یہی مثال شرک کی ہے اور عذاب کا مدار نیت پر ہے کافر مشرک کو اگر دنیا میں دائمی زندگی دی جاتی تو وہ دائمی کفر و شرک کرتا لہذا اس کی نیت کے مطابق اسے دائمی عذاب ہوگا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اپنے رب سے اپنی امت کے لئے بخشش و رحمت مانگتے رہیں کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

سورہ مومنون کی آخری آیات أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ سے آخر تک اس قدر عظمت والی ہیں کہ حدیث میں

ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک مرگی زدہ پر پڑھا تو وہ تندرست ہو گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص ان آیات کو یقین کے ساتھ پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہل جائے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۱۳ حدیث ۱۳۵۷۵ مطبوعہ مکہ)

الحمد للہ آج 28 محرم الحرام 1429ھ مطابق 5 فروری 2008ء بروز بدھ سورہ مومنون کی تفسیر مکمل

ہوئی۔ اس سورت کی تفسیر پہ دس دن صرف ہوئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم

سورة نور

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی چوبیسویں (24) سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 102 ویں سورت ہے۔ یہ مدنی سورت ہے اور اس کا زمانہ نزول قریباً 5 ھ ہے کیونکہ اس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے لگائی جانے والی تہمت کا رد ہے اور تہمت زنی کا یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر پیش آیا اور یہ غزوہ ماہ شعبان پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اسے سورہ نور اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ کو آسمانوں اور زمین کا نور قرار دیتے ہوئے کہا گیا: **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ط (آیت ۳۵) اور یوں بھی اس سورت میں زنا و قذف اور پردے کے احکام ہیں اور جہاد کا بیان ہے اور بلاشبہ اس میں مومنین کے لئے ایمانی نور ہے۔

فضیلت

اس سورت کی فضیلت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اپنے بچوں کو سورہ مائدہ سکھاؤ اور اپنی بچیوں کو سورہ نور کی تعلیم دو۔“ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۲۴) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ حکم جاری فرمایا کہ سب لوگ سورہ مائدہ، سورہ احزاب اور سورہ نور کی تعلیم ضرور حاصل کریں۔ (متدرک جلد ۲ صفحہ ۳۹۵)

مضامین

اس سورت کی ابتداء میں حد زنا اور حد قذف اور حکم لعان کا بیان ہوا، پھر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کی طرف سے لگائے جانے والے غلیظ جھوٹے بہتان کا ردّ شدید کیا گیا اور یہ سلسلہ اس سورت کے تیسرے رکوع کے آخر تک چلا گیا ہے۔ اس کا تفصیلی واقعہ تفسیر میں آگے آرہا ہے۔ اس کے بعد والے رکوع میں زیادہ تر پردے کے احکام ہیں اور بے حیائی پھیلانے والے امور کے سد باب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے نور کی ایک چراغ سے مثال دی گئی ہے اس نور سے دین اسلام بھی مراد لیا گیا ہے اور پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ بھی، پھر دین کے مراکز یعنی مساجد کی عظمت بتائی گئی، پھر اللہ کی بعض قدرتوں کا ذکر چلا، پھر اللہ و رسول کی اطاعت پر خوب زور دیا گیا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں خلافتِ راشدہ کے قیام کی خوشخبری سنائی گئی جو لفظ بلفظ پوری ہوئی، پھر پردہ کے بعض ضروری احکام اور گھروں میں داخلہ کے آداب کا ذکر ہوا اور آخر میں بارگاہِ سید الانبیاء رضی اللہ عنہ کی حاضری کے کچھ آداب اور تقاضے بتائے گئے اور بتایا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں کیسے لب کشائی کی جائے۔

ما قبل سے مناسبت

سورہ مومنون میں مومنین کی صفات بیان کی گئیں جن میں اس بات پہ زور دیا گیا کہ وہ اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہیں اور سورہ نور میں احکام پردہ مذکور ہیں جن کے بغیر پاکدامنی کا تحفظ ممکن ہی نہیں۔ یہی ان دونوں سورتوں میں بڑی مناسبت ہے، اس کے علاوہ سورہ مومنون میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی وزینتی نعمتیں بیان فرمائیں اور سورہ نور کا چھٹا رکوع بھی اسی مضمون پہ مشتمل ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

۶۴ آیاتہا ۲۴ سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رُكُوعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ①

یہ سورت ہے جو ہم نے نازل کی اور اس کے (احکام) کو فرض کیا اور اس میں واضح آیات نازل کیں تاکہ تم نصیحت کرو۔ [1]

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۚ وَلَا تَأْخُذْكُمْ

زنا کار عورت اور زنا کار مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ [2] اور تمہیں ان پر

بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ

اللہ کا دین نافذ کرنے میں کوئی رحمہلی نہ پکڑے، اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو

وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

اور چاہیے کہ انکی سزا پر مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔ [3]

حد زنا، حد قذف اور حکم لعان کا بیان

[1] اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس سورہ نور کو ہم نے اتارا اور اس کے احکام فرض کئے جیسے زنا کی سزا، قذف کی سزا، لعان کا حکم، پردے کے احکام اور حکم جہاد وغیرہ اور اس میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کی واضح نشانیاں بیان کی ہیں جیسا کہ اس سورت مبارکہ کے رکوع چھ اور سات کا یہی موضوع ہے۔ قرآن کی کسی دوسری سورت کی تعریف میں یہ انداز نہیں اپنایا گیا۔ اس سے اس سورت کی غیر معمولی قدر و قیمت واضح ہے۔

[2] امت مسلمہ کے حکمرانوں قاضیوں اور دیگر ذمہ داران امت سے فرمایا جا رہا ہے کہ زنا کار مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگاؤ۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ غیر شادی شدہ ہوں اگر ان میں سے کوئی شادی شدہ ہو تو اسے رجم (سنگسار) کیا جائے گا یعنی پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے گا۔ آگے ہم اس کے دلائل لا رہے ہیں۔

زنا کا ثبوت کیسے ہوتا ہے؟

یاد رہے زنا یہ ہے کہ کوئی مرد ایسی عورت سے مخصوص جنسی عمل کرے جو نہ اس کی بیوی ہو نہ لونڈی اور نہ اس میں بیوی یا لونڈی ہونے کا شبہ ہو۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ ملتان)

زنا ایسے چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے جو عاقل، بالغ، مسلم اور باکردار ہوں یعنی کبھی کسی جھوٹی گواہی یا تہمت زنی میں ملوث نہ ہوئے ہوں اور قاضی اپنی خفیہ تحقیقات سے معلوم کر لے کہ چاروں گواہ باکردار ہیں اور گواہوں کے بیانات میں زنا کے وقت، جگہ اور کیفیت کے بارے میں کوئی تضاد نہ ہو۔ جب چاروں گواہ ایک جیسی جگہ، وقت اور کیفیت بتاتے ہوئے کہیں کہ انہوں نے فلاں مرد کو فلاں عورت کے ساتھ اس طرح شرمناک حالت میں دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی داخل ہوتی ہے تب ان مرد و عورت پہ حد زنا جاری کی جائے گی۔ (کنز الدقائق حوالہ مذکورہ)

اگر شرعی گواہی کا مذکورہ معیار قاضی کے سامنے ثابت نہ ہو مگر کیس کی مجموعی حالت اور خارجی شواہد سے قاضی کو کامل اطمینان ہو جائے کہ زنا ہوا ہے تو وہ مناسب تعزیر نافذ کر سکتا ہے جیسے سو سے کم کوڑے یا قید وغیرہ۔ مثلاً ایک عورت سے زبردستی بدکاری کی گئی۔ وہ عدالت میں زانی کے خلاف دعویٰ کرتی ہے اور اس کے پاس کوئی گواہی نہیں ہے۔ جبکہ کئی قرائن (شواہد) موجود ہیں کہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے مثلاً میڈیکل ٹیسٹ اور ڈی این اے ٹیسٹ میں ثابت ہو گیا کہ اس شخص کا پانی اس عورت کے رحم میں موجود ہے تو جج اس شخص کو مناسب تعزیر دے سکتا ہے۔ مثلاً سو کوڑوں کی بجائے اس میں سے کچھ کم کر دیے جائیں اور یہ سمجھا جائے کہ اس شخص نے اس عورت کو ستایا یا جنسی تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے زنا ہی کا نام دیا جائے۔ کیونکہ شرعی ثبوت زنا کے لیے چار گواہیاں یا اقرار ضروری ہے۔

بہر حال قاضی اسے کوئی مناسب سزا دے سکتا ہے اور یہ ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو زبردستی بدکاری کا دروازہ کھل جائے گا اور معاشرہ بے حیائی کے سمندر میں ڈوب جائے گا۔ کیونکہ جب مجرم کو یقین ہے کہ شرعی طریقہ سے اس کا زنا ثابت نہیں ہو سکتا اور اسے کوئی سزا نہیں مل سکتی تو وہ جرم پہ دلیر ہو جائے گا۔

زنا یوں بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک شخص چار مرتبہ قاضی کے سامنے چار مختلف مجالس میں زنا کا اقرار کرے۔ البتہ اگر وہ نفاذ حد سے قبل اپنے اقرار سے پھر جائے تو حد جاری نہ کی جائے گی۔

حد زنا کیسے جاری کی جائے؟

جب زنا ثابت ہو جائے تو سو کوڑے یوں مارے جائیں کہ کسی درخت کی شاخ یا سادہ لاٹھی سے سو ضربات لگائی جائیں۔ لکڑی پہ کوئی گرہ یا شاخ نہ ہو جو چڑی کو ادھیڑ سکے بلکہ صاف لاٹھی ہو۔ یہ ضربات جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائیں۔ البتہ چہرے، سر اور نازک اعضاء کو بچایا جائے۔ جس لکڑی سے ضرب لگائی جائے وہ نہ بہت باریک ہو نہ بہت

موٹی بلکہ متوسط ہو۔ اور حد جاری کرنے والا متوسط قوت سے ضرب لگائے اور بہتر ہے کہ وہ علم والا آدمی ہو جو آداب ضرب کی رعایت کر سکے۔ جاہلانہ انداز میں مارنے والے حد سے بڑھ سکتے ہیں۔

جبکہ رجم کرنا یہ ہے کہ اگر ایک آزاد بالغ مرد یا عورت نکاح صحیح کے ساتھ اپنے جیون ساتھی سے ہم بستری کر چکا ہو پھر اس پر زنا ثابت ہو جائے تو اسے کھلے میدان میں پتھر مارے جائیں۔ اگر گواہی سے زنا ثابت ہوا ہے تو پہلے چاروں گواہ پتھر ماریں اگر وہ انکار کریں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ ان کے بعد حاکم یا اس کا نائب مارے پھر دوسرے لوگ ماریں تا آنکہ وہ مر جائے۔

اگر زنا اقرار سے ثابت ہوا تو پہلے حاکم یا اس کا نائب مارے۔ اگر مجرم پہلے چند پتھر کھا کر بھاگ اٹھے تو اس کا راستہ کھول دیا جائے۔ اگر مجرم بیمار ہو تو اسے رجم کیا جاسکتا ہے مگر کوڑے اس کے صحت یاب ہونے کے بعد ہی مارے جائیں گے۔ اگر صحت مند ہونے کا امکان نہ ہو تو بس ایسی شدت سے کوڑے مارے جائیں جو اس کے لئے قابل برداشت ہوں۔ حاملہ عورت جب تک بچہ نہ جن لے اسے حد نہ لگائی جائے گی۔ (کنز الدقائق صفحہ ۱۸۱)

رجم کا حد شرعی ہونا قرآن و سنت کی روشنی میں

آج کچھ نام نہاد مسلمان رجم کو غیر شرعی بلکہ غیر انسانی سزا سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس یہ دلیل ہے کہ رجم کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ قرآن ہمارے سامنے نہیں اترا۔ قرآن ہمیں زبان رسول ﷺ سے ملا ہے۔ اگر ہمیں اس زبان پر اعتبار ہے تو اسی زبان نے شادی شدہ مرد یا عورت کے زنا پر حد رجم بیان کی ہے اور قرآن خود فرماتا ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ”تم کو رسول اللہ ﷺ جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔“ (حشر) اور قرآن بار بار کہتا ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ۔ ”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔“ جب رسول اللہ ﷺ نے حکم رجم جاری فرمایا ہے تو اسے نہ ماننے والا کس منہ سے قرآن کے ماننے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

رجم کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا قرآن میں آیت رجم تھی ہم نے اسے پڑھا اور یاد کیا۔ (بعد میں قرآن کے لفظوں سے وہ آیت اٹھالی گئی) پھر کہا: رَجِمَ رَسُولُ اللَّهِ وَرَجِمْنَا بَعْدَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ پھر کہا: مجھے ڈر ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ ہم قرآن میں حکم رجم نہیں پاتے۔ یوں وہ اللہ کا اتارا ہوا حکم ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے۔ رجم اللہ کی کتاب میں شادی شدہ شخص پر لازم ہے۔

(بخاری کتاب الحدود باب ۳۱ مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۵، ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۲، ابن ماجہ کتاب الحدود باب ۹ ترمذی کتاب الحدود باب ۷)

فراست فاروقی پر قربان جائیں۔ آپ ﷺ نے چودہ صدیاں قبل محسوس کیا کہ کسی زمانہ میں لوگ رجم سے انکار کریں گے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے پہلے یہودی اتباع میں رجم کیا پھر چھوڑ دیا تھا۔ ان گمراہ لوگوں کو مذکورہ حدیث سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ اگر آپ ﷺ نے رجم چھوڑ دیا تھا تو بقول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے کیوں رجم کیا؟ کیا انہیں اس نسخ کا علم نہ ہوا؟

(۲) سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جمعہ والے دن ایک عورت کو رجم کیا اور کہا: رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ بِمَا شَبَّهَ فِيهِ مِنْ أَسَمَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ کے مطابق رجم کیا ہے۔ (بخاری کتاب الحدود باب ۲۱ حدیث ۶۸۱۲) سنت رسول وہ کام ہوتا ہے جو آپ نے ہمیشہ کیا ہو۔ اسی لیے حدیث منسوخ ہو سکتی ہے مگر سنت منسوخ نہیں ہوتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجم کو سنت رسول کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے منسوخ نہیں قرار دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کے آخر میں خلیفہ بنے آپ ﷺ کا رجم کرنا بتاتا ہے کہ تمام دور خلافت راشدہ میں حد رجم جاری رہی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے، آپ نے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار بار یہی بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے جنون تو نہیں؟ کہنے لگا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ کہنے لگا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: فاذهبوا به فارجموه، جاؤ اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔

(بخاری کتاب الحدود باب ۲۲، مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۶، دارمی کتاب الحدود باب ۱۲، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۳)

(۴) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ انہیں حضور ﷺ کے پاس لایا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری کتاب تورات میں اس کی سزا مقرر ہے۔ کہنے لگے: ہمارے علماء نے یہ سزا رکھی ہے کہ زنا کاروں کا منہ کالا کر کے انہیں گھمایا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو سابق یہودی عالم تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انہیں فرمائیں کہ تورات لائیں۔ تو تورات لائی گئی۔ جب آیت رجم آئی تو ایک یہودی عالم نے اس پہ ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھ دیا حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے آیت رجم موجود تھی۔ چنانچہ ان دونوں کو حکم رسول ﷺ کے مطابق رجم کیا گیا۔

(بخاری کتاب التوحید باب ۵۱، مسلم کتاب الحدود حدیث ۱۲، ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۵، دارمی کتاب الحدود باب ۱۵، موطا امام مالک کتاب الحدود باب ۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵)

اور یہودی مرد و عورت کے رجم کا واقعہ مدنی دور کے آخر کا ہے۔ کیونکہ اسی واقعہ کے بارے میں سورہ مائدہ کی آیات 41 تا 50 نازل ہوئیں اور سورہ مائدہ نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری سورت ہے۔ معلوم ہوا رجم کی سزا دور

رسالت کے آخر تک نافذ تھی۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ حضور ﷺ نے ابتداء میں ایک بار یہود کی موافقت میں رجم کیا تھا پھر اسے ترک کر دیا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نوجوان مزدور کسی شخص کے گھر میں کام کرتا تھا وہ غیر شادی شدہ تھا۔ اُس نے گھر والے کی بیوی سے بُرا تعلق قائم کر لیا اور اس سے بدکاری کی۔ انکا جرم پکڑا گیا اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنا جرم مان لیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قَضِيْنَ بَيْنَكُمَا بَكْتَابِ اللَّهِ۔ اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے نوجوان پہ اُسی (80) کوڑے جاری کیے اور عورت کو رجم کیا گیا۔ (بخاری کتاب الحدود باب ۳۰، مسلم کتاب الحدود حدیث ۲۵، ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۵) صاف معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ زنا کار کی سزا سو کوڑے ہے اور شادی شدہ زنا کار کی سزا رجم ہے۔

دین اسلام، معاشرہ کو بے حیائی سے پاک کر دیتا ہے

کیونکہ زنا کے ثابت ہونے پہ کڑی سزا جاری کی جاتی ہے یعنی سو کوڑے یا سنگساری۔ اسی لیے آج کے دور فسق و فجور میں بھی اسلامی معاشروں اور اسلامی ممالک میں اس بے حیائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جو ہم مغربی غیر اسلامی ممالک میں دیکھتے ہیں۔ یورپین قانون کے مطابق اگر عورت اپنے ساتھ اپنے آشنا کو لے آئے تو اس کا شوہر دم نہیں مار سکتا۔ ورنہ پولیس اسے پکڑ کر لے جائیگی۔ وہاں ہر مرد ہر عورت سے اس کی رضاء کے ساتھ بدکاری کر سکتا ہے۔ یہ اس کا قانونی حق ہے۔ اسی لیے وہاں نصف کے قریب انسان حرامی ہیں جنہیں معلوم نہیں کہ ان کا باپ کون ہے؟ یعنی ہر دوسرا تیسرا انگریز حرامی ہوتا ہے۔ اسی لیے وہاں پاسپورٹ میں سے ولدیت کا خانہ نکال دیا گیا ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ بتا نہیں سکتے کہ ان کا باپ کون ہے۔ پھر ان لوگوں کو اسلامی سزاؤں پہ اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

کوڑے مارنے کی سزا میں بیجا شدت کی اجازت نہیں

کوڑے کو عربی میں سووٹ، مقررۃً اور درۃً بھی کہا جاتا ہے مگر یہاں قرآن میں جلدۃً کا لفظ بولا گیا اور جلدۃ جلد بمعنی چمڑی سے نکلا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کوڑا وہ ہونا چاہیے جس کا اثر صرف چمڑی تک رہے، ہڈی تک نہ جائے۔ اسی لیے حکم ہے کہ کسی جاہل طاقتور شخص سے کوڑے نہ لگوائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور صحابہ میں جلیل القدر اہل علم کوڑے لگاتے تھے جیسے حضرت علی المرتضیٰ، زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔

زنا کی شرعی سزا میں ایک سال قید کرنا شامل نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ تَمَّ زَنَاكَارِ مَرْدٍ وَعَوْرَتٍ كَوْسُو كَوْضَا مَارُو۔

حدِ قذف کے احکام

یاد رہے جب کوئی دعویٰ کرے کہ فلاں نے اس پر زنا کی تہمت رکھی ہے تو اسے چار (4) عاقل بالغ مسلم اور باکردار گواہ پیش کرنا لازم ہیں یا مجرم خود اعتراف کرے کہ اس نے تہمت لگائی تھی اور جس پر تہمت لگی وہ عاقل بالغ مسلمان اور حد زنا سے پاک ہو تو تہمت لگانے والے کو اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔ زنا کی تہمت یہ ہے کہ کسی سے کہا جائے اوزانی! یا کسی کے خلاف زنا کا جھوٹا مقدمہ قائم کیا جائے اور مقدمہ شرعاً ثابت نہ ہو تو تہمت لگانے والے کو اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اگر کسی سے کہا اوزنا کار عورت کے بیٹے اور اس کی ماں مرچکی ہے تو اس عورت کا باپ یا بیٹا حد قذف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے کہا اوزانی اس نے جواب میں کہا تو خود زانی، اور یہ بات عدالت میں ثابت ہوگئی تو دونوں کو حد قذف لگے گی۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۸۷)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) پاک دامنی کی عظمت۔

لفظ الْمُحْصَنَاتِ سے معلوم ہوا جس مرد یا عورت پہ ایک بار زنا ثابت ہو جائے اس پر زنا کی تہمت زنی سے حد قذف لازم نہ آئے گی کیونکہ وہ مُحْصَن (پاک دامن) نہیں ہے۔

(۲) زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔

یعنی جو شخص کسی پہ زنا کی تہمت رکھے اسے چار مرد عاقل بالغ مسلم باکردار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اگر وہ تین گواہ لائے تو زنا ثابت نہ ہوگا بلکہ ان سب پر حد قذف (اسی کوڑے) جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً۔ ”یعنی چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی (80) کوڑے مارو۔“ (سورہ النور: ۴)

(۳) مومن کی عزت کی اہمیت:

زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی لازم کی گئی تاکہ ہر کوئی اٹھ کر دوسروں کی عزت داغدار نہ کر سکے اور زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کو اسی (80) کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجة الوداع میں بہت زور دے کر فرمایا کہ لوگو یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی محترم ہیں جیسے آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر مکہ اور آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر فرمایا: اے کعبہ! تم کیا ہی جمیل ہو تمہاری خوشبو کیا ہی عمدہ ہے، مگر بندہ مومن کی عزت و ناموس اللہ کے ہاں تم سے بڑھ کر ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲، ترمذی کتاب البر باب ۸۵)

[6] جو شخص کسی پہ زنا کی تہمت رکھے اور اس سلسلہ میں اسے حد قذف کے اسی کوڑے لگیں تو اس کی یہ سزا بھی ہے کہ

آئندہ کسی معاملہ میں عدالت اس کی گواہی قبول نہ کرے گی اور اگر وہ توبہ کر کے اچھا انسان بن جائے تو اللہ اس کی اخروی سزا معاف کر دے گا مگر دنیا میں وہ ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، حسن بصری، مکحول، محمد بن سیرین، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن جریج (رضی اللہ عنہم) جیسے کبار تابعین نے اس آیت کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ بیروت)

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور جو لوگ اپنی بیویوں پہ تہمت زنا رکھیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے

أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ① وَالْخَامِسَةُ أَنَّ

کوئی شخص چار بار اللہ کے نام سے گواہی دے کر کہے کہ وہ یقیناً سچے لوگوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَذِبِينَ ② وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کی بیوی خود سے یوں سزا دور کرے کہ اللہ کے نام سے

تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ③ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ

چار بار گواہی دے کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ سچا ہے

اللَّهُ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ④ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

تو اس پر (یعنی بیوی پر) اللہ کا غضب ہو۔ [7] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو وہ تمہیں رسوا کرتا)

وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ⑤

اور بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے [8]

[7] اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت رکھے تو اس کے احکام مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی پہ تہمت زنا رکھے اور اس کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو وہ عدالت میں جا کر چار مرتبہ کہے: میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں اس تہمت زنا میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر اس کی بیوی عدالت میں اپنی صفائی کے لئے چار بار کہے میں اللہ کے نام سے گواہی دیتی ہوں کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے اگر اس کا شوہر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ اس کے بعد قاضی ان کے درمیان نکاح فسخ کر دے گا۔

اس طرح مرد حدِ قذف سے بچ جائے گا اور عورت حدِ زنا سے بچ جائے گی۔ اور یہ نسخِ نکاح طلاقِ بائن کے حکم میں ہے۔ عورت عدت گزارنے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اگر وہ میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو دورانِ عدت یا عدت کے بعد جب بھی چاہیں نکاح کر سکتے ہیں کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لعان کے چند مزید شرعی احکام

جب شوہر بیوی پر تہمت زنا رکھے یا کہے کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے اور دونوں عاقل بالغ ہوں اور کسی پہ پہلے سے حدِ زنا نہ لگی ہو اور بیوی عدالت میں حدِ قذف کا سوال اٹھاتی ہے تو لعان لازم آئے گا۔ اگر شوہر لعان سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا تا آنکہ لعان کرے یا خود کو جھوٹا کہے تب اسے حدِ قذف لگائی جائے گی۔ اگر عورت لعان سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا تا آنکہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔ جب دونوں نے لعان کر لیا تو بحکم قاضی عورت کا شوہر سے نکاح ختم ہو جائے گا اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے کسی اور کا ہے تو قاضی اس سے اس بچے کا نسب ختم کر دے گا اور اسے ماں سے لاحق کر دے گا یعنی اس کی ولدیت صرف ماں سے بیان کی جائے گی۔ (کنز الدقائق کتاب الحدود صفحہ ۱۴۳) ان آیات سے معلوم ہوا جھوٹے شخص پر اللہ کی لعنت اور غضب الہی ہے۔

[8] یعنی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے لعان کا حکم جاری کر کے شوہر اور بیوی دونوں کو رسوائی سے بچالیا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۖ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ

بیشک جو لوگ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑائے وہ تمہی میں سے ایک گروہ ہے تم اُسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي

وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ [9] ان میں سے ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جو ان میں سے

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار ٹھہرا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [10]

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین کے بہتان کا جواب

[9] گزشتہ رکوع میں جھوٹی تہمت کی شرعی حد بتائی جا رہی تھی۔ یہ دراصل تہمتِ زنا کے ایک افسوس ناک واقعہ کے بیان کیلئے تمہید تھی جواب بتایا جا رہا ہے۔ یہ واقعہ 5ھ میں پیش آیا جب غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کیساتھ گناہ میں ملوث ہونے کا عظیم بہتان گھڑا۔ اللہ تعالیٰ

اقب کا واقعہ

غزوہ بنو مُصطلق (خزاعہ کی شاخ)

غزوہ مُریسج (شعبان 5ھ)

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾¹ ”بے شک وہ لوگ جو کفر لائے ہیں جھوٹ (بیہتان) ایک گروہ ہے تم ہی میں سے نہ گمان کرو تم اسے برا اپنے لئے بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے واسطے ہر ایک شخص کے ان میں سے (سزا ہے اس کی) وہ جو کمایا اس نے گناہ سے، اور وہ شخص جس نے اٹھایا برا بوجھ اس (گناہ) کا ان میں سے، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔“

﴿وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾² ”اور کیوں نہیں جب سنا تم نے اس کو، کہا تم نے نہیں لائق ہمارے یہ کہ کلام کریں ہم ساتھ اس بات کے، پاک ہے تو (اے اللہ!) یہ تو بہتان ہے بہت ہی بڑا“

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾³ بلاشبہ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں یہ کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے، ان کے لئے عذاب ہے نہایت دردناک دنیا میں اور آخرت میں۔“ (النور: 19، 16، 11/24)

جہانگیر

اول اور خزرج

مدینہ منورہ

ذوالخلیفہ (آبار علی)

مزینہ

نیم

البواء

بدر

الجحفہ

راغ البحر

مرسج

خزاعہ

قدید

رج

کدید

عسقلان

جدیبہ

جدہ

قریش

مکہ مکرمہ

عزہ

ہوازن

طائف

بہصنہ

مازن

سراۃ کے ارد

بحیرہ احمر (قلمزم)

اس کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جن لوگوں نے بہتان گھڑا اے مسلمانو! وہ بظاہر تم ہی میں سے ہیں یعنی تمہاری صفوں میں گھسے ہوئے منافقین ہیں اگر کوئی کھلا کافر یہ بہتان گھڑتا تو اور بات تھی مگر یہ کس قدر شرانگیز بات ہے کہ زبانی کلمہ پڑھنے والوں نے اپنے نبی کی بیوی پہ کیچڑ اچھالا۔ اس سے بڑی منافقت کیا ہو سکتی ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم اس واقعہ سے پریشان نہ ہو اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے کہ تم نے صبر کیا اور اللہ نے تمہیں اس کا عظیم اجر عطا فرمایا۔ معلوم ہوا جو شخص نشانہ تہمت بننے پر صبر کرے وہ اجر عظیم پاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں اور حضور ﷺ نے منافقین کی تہمت زنی پہ صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلیم قلب کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت زنا کا واقعہ

بخاری شریف میں یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تفصیل سے مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ کسی غزوہ پر جاتے تو اپنی ازواج میں قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق یعنی غزوہ مریسیح) میں میرے نام قرعہ نکلا۔ میں آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سفر پہ گئی۔ یہ حکم حجاب کے اترنے کے بعد کی بات ہے غزوہ سے واپسی پر مدینہ طیبہ سے قریب آ کر ہم نے ایک جگہ رات کو پڑاؤ کیا۔ جب کوچ کا اعلان ہوا تو مجھے رفع حاجت کو جانا تھا۔ میں لشکر سے کچھ دور نکل گئی جب میں واپس پلٹنے لگی تو مجھے اپنا گلے کا ہار گم محسوس ہوا میں اسے ڈھونڈھنے لگی اور مجھے دیر ہو گئی۔ اس دوران جو لوگ میرا کجاوہ اٹھاتے تھے وہ آئے اور یہ سمجھ کر کہ میں کجاوے ہی میں ہوں اسے اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا اور لشکر روانہ ہو گیا۔ میں ان دنوں بہت دہلی پتلی اور کم عمر تھی۔ انہیں میرے کجاوے میں عدم موجودگی کا پتہ نہ چلا۔

میں نے جب واپس آ کر دیکھا کہ لشکر جا چکا ہے تو میں وہیں بیٹھ گئی جہاں میرا کجاوہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اہل لشکر جب مجھے نہ پائیں گے تو یہیں واپس آئیں گے وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی۔ صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے آ رہے تھے صبح کے وقت وہ پڑاؤ والی جگہ پہنچے (اس زمانہ میں ایک آدمی لشکر کے پیچھے پیچھے آتا تھا تاکہ اگر لشکر کا کوئی آدمی یا سامان کہیں رہ جائے تو اسے ساتھ لے لے) اس نے مجھے پہچان لیا اس نے مجھے نزول حجاب سے قبل دیکھا ہوا تھا اس کے منہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا میں اس کی آواز سے بیدار ہوئی اور اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ بخدا اس کے انا للہ پڑھنے کے سوا میں نے اس کی کوئی آواز نہ سنی نہ میں نے اس سے کوئی بات کی۔ اس نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ میں اس پر سوار ہو گئی اور ہم نماز ظہر سے قبل لشکر سے جا ملے۔

ہمیں دیکھ کر کئی لوگ ہلاک ہو گئے (یعنی بہتان لگانے لگے) ان میں سب سے مرکزی کردار عبداللہ بن ابی بن

سلول (منافقوں کا سردار) کا تھا۔ اور کئی مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ گئے۔ مجھے کسی بات کا علم نہ ہوا اور ایک ماہ گزر گیا البتہ نبی اکرم ﷺ کا مجھ پر پہلے والا لطف و کرم نہ تھا۔ میں اس دوران بیمار رہی۔ ایک دن افاقہ ہوا تو میں اُمّ مسطح کے ساتھ قضاء حاجت کے لئے باہر گئی۔ واپسی پر مجھے ایک جگہ ٹھوکر لگی۔ اُمّ مسطح کے منہ سے نکلا: مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا مسطح بدری صحابی ہے تم نے ایسا کیوں کہا؟ کہنے لگی: بیٹی کیا تم نہیں جانتی مسطح نے کیا کہا ہے؟ میں نے پوچھا کیا کہا ہے؟ تب اس نے بتایا کہ بہتان لگانے والے کیا کہہ رہے ہیں (اور مسطح بھی ان کی باتوں میں آ گیا ہے) یہ سن کر میری مرض شدید تر ہو گئی اور میں بستر سے لگ گئی۔ پھر میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی اور والدہ سے پوچھا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ والدہ نے کہا بیٹی پریشان نہ ہو لوگ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ میں نے رونا شروع کر دیا اور رات بھر روتی رہی۔

ادھر نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے میری پاک دامنی کے بارے میں اچھی باتیں کہیں (میں اختصاراً بات کو سمیٹ رہا ہوں) نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تاکہ عبداللہ بن ابی بن سلول کا محاسبہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کرے جس کی ایذا رسائی میرے اہل بیت (بیوی) تک آپہنچی ہے وَاللّٰهُ مَا عَلِمْتُ فِيْ اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا اللّٰهُ کی قسم! میں اپنے گھر والوں کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔“ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں ان دنوں روتی رہتی تھی۔ آنسو تھمتے نہ نیند آتی۔

آخر ایک روز حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے جب سے میرے بارے میں باتیں شروع ہوئی تھیں آپ ﷺ میرے پاس نہ بیٹھے تھے اور ایک ماہ سے وحی رکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد فرمایا اے عائشہ! میں نے تمہارے بارے میں یہ باتیں سنی ہیں اگر تم ان سے پاک ہو تو عنقریب اللہ تمہاری پاکی بیان کر دے گا اور اگر تم سے گناہ ہوا ہے تو اللہ سے معافی مانگو اللہ تو بہ قبول کرنے والا ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کے عدل و انصاف اور تحمل پر قربان جائیں) میں نے اپنے والدین کی طرف دیکھا کہ شاید وہ آپ ﷺ سے کچھ عرض کریں گے مگر انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ آپ سے کیا کہیں، تب میں نے کہا: آپ لوگوں کے دلوں میں میرے بارے میں جو بات ہے اگر میں اس کی تردید کرتی ہوں تو آپ لوگ تصدیق نہیں کریں گے اگر میں اس کا اعتراف کرتی ہوں تو آپ میری تصدیق کریں گے۔ لہذا میں یعقوب علیہ السلام کے مطابق یہی کہتی ہوں فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۝ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝ (۱۸) ”صبر اچھا ہے اور جو تم کہتے ہو اس پر اللہ سے مدد مطلوب ہے۔“ (یوسف ۱۸)

یہ کہہ کر میں بستر پر جا لیٹی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ ﷺ پر آثار وحی نمودار ہو گئے۔ جب وہ ختم ہوئے

تو حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: عَائِشَةُ أَمَّا اللَّهُ فَقَدْ بَرَأَكَ، یعنی اے عائشہ! اللہ نے تمہیں اس الزام سے بری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ سے لے کر دس آیات نازل ہوئیں۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ نور باب ۶، مسلم کتاب التوبہ حدیث ۵۶، ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب ۱۲۱)

[10] یعنی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ تہمت زنا میں جس نے جتنا حصہ لیا اسے اسی قدر گناہ ہوگا اور جو اس بہتان بازی کا اہم کردار ہے یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول (منافقوں کا سردار) اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس موقع پر جن بعض مخلص مسلمانوں کی زبان سے منافقین کے اس بہتان کی تائید نکل گئی اس میں شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ پھر جب قرآن مجید نے اہل بیت رسول کی پاک دامنی بیان کی تو حضرت حسان زندگی بھر اپنی غلطی پر کفِ افسوس ملتے رہے۔ چونکہ وہ اسلام و پیغمبر اسلام کی عظمت اور دفاع میں خوبصورت اشعار کہتے تھے اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اچھے اشعار پسند فرماتی تھیں اس لئے آپ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتی تھیں۔ آپ ﷺ فرماتی تھیں حسان رضی اللہ عنہ کو بُرا نہ کہو وہ اپنی زبان سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۵۸)

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بہتان سنا تو سب مومن مرد و عورت اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرتے اور کہتے کہ

هَذَا أَفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

یہ کھلا بہتان ہے۔ بہتان لگانے والے اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے جب وہ گواہ

بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

نہیں لائے۔ تو اللہ کے ہاں وہی جھوٹے ہیں۔ [11] اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَفَضْتُمْ فِيهِ

اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بہتان میں تم پڑے تھے اس میں تمہیں

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنِّينَ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا

بڑا عذاب آپہنچتا۔ جب تم اسے اپنی زبانوں پہ لا رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی

لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝

حقیقت کا تمہیں علم نہ تھا تم اسے ہلکا سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔ [12]

[11] یعنی اے مسلمانو! جب تم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ بہتان سنا تو تم سب مرد و زن کو اپنے لوگوں کے

بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے تھا اور بیک زبان کہنا چاہئے تھا کہ یہ کھلا بہتان ہے جب بہتان گھڑنے والے چار گواہ نہ

لائے تھے تو اللہ کے قانون میں وہ صریح جھوٹے ہیں۔ یعنی بعض مسلمانوں کو منافقین کی تائید میں زبان نہیں کھولنی چاہئے تھی۔

مومن کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۖ لَمَّا فَسَّسَ آج اگر ہم کسی کی بُرائی سنیں

تو اس پر فوراً یقین لاتے اور اسے بلا تحقیق دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور اگر کسی کی اچھائی سنیں تو اس پر ہمیں یقین نہیں آتا

نہ اسے ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا ۚ اے ایمان والو!

تفسیر برہان القرآن

منزل ۴

جلد پنجم

زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی ٹوہ نہ لگایا کرو۔“ (حجرات، ۱۲)

زنا چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے

بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ میں شہداء میں مذکر صیغہ ہے۔ معلوم ہوا کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار مرد گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور ابھی گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لَكُمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر وہ چار گواہ نہ لائیں۔ (سورہ نور، آیت: ۴) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: وَالَّتِي يَأْتِيَنِ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاُسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِّنْكُمْ ۚ اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان پہ چار مرد گواہ قائم کرو۔“ (نساء، ۱۵)

چار گواہوں کے بغیر کسی پر زنا کا الزام رکھنا اللہ کے قانون میں جھوٹ اور تہمت زنی ہے اگر کسی کو کسی کے کردار پر شک ہو مگر اس کی بدکرداری پر گواہی نہ ہو تو اسے اپنی زبان بند رکھنی چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ۝ اور جو شخص چار شرعی گواہوں کے بغیر کسی پر تہمت زنا رکھے اسے حد قذف (اسی کوڑے) لگے گی۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت مسطح، حضرت حسان و دیگر کو اسی کوڑے لگائے گئے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۴۶ بروایت بزار و ابن مردودہ)

[12] یعنی اے واقعہ افک میں منافقین کی تائید کرنے والے مومنو! اگر شرفِ صحابیت کی صورت میں تم پر اللہ کا عظیم فضل اور رحمتِ خاصہ نہ ہوتی تو تم پر بڑا عذاب آجاتا۔ تم نے اپنے منہ سے جو بات نکالی وہ تم نے ہلکی سمجھی مگر اللہ کے ہاں وہ بہت عظیم ہے یعنی اللہ کے ہاں یہ بہت خطرناک جرم ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کی زوجہ محترمہ پر زبانِ طعن دراز کی جائے۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

- (۱) صحابی رسول ہونا اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم اور رحمتِ عظیمہ ہے اسی لئے سب صحابہ کے لئے قرآن نے جنت کا اعلان کیا فرمایا: وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط ”اللہ نے سب صحابہ سے وعدہ جنت فرمایا ہے۔“ (حدید ۱۰)
- (۲) اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ فی النبیؐ پر زبانِ طعن دراز کرنے والے اہل تشیع کے لئے لمحہ فکریہ۔

ازواجِ رسول ﷺ کے بارے میں طعنہ زنی منافقین کا کام ہے۔ دور رسالت میں منافقین کو جرأت ہوئی کہ سید المرسلین ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی طرف انگلی اٹھائیں اور اسکے بعد شیعہ لوگوں کو جرأت ہوئی جو ازواجِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں (ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کو گالیاں دینے والوں کو) عذابِ عظیم کا مرثدہ سنارہا ہے۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۚ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِلِثْلَةِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ۚ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ إِنَّ

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر عذاب آتا) اور اللہ مہربان رحمت والا ہے۔ [14]

الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝

حضرت عائشہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور ان کے عمدہ جوابات امام نسفی نے تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف صحابہ سے اس بارہ میں مشورہ لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ”منافقین مکمل جھوٹے ہیں کیونکہ اللہ نے مکھی کو آپ ﷺ کے جسم پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ نجاست پر بیٹھتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس قدر معمولی گندگی سے بھی دور رکھا ہے تو اللہ کسی ایسی عورت کو آپ ﷺ کے قریب کیوں آنے دے گا جو بے حیائی کی گندگی میں ملوث ہو۔“

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تا کہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ آجائے جب آپ ﷺ کے سائے پر کسی انسان کا قدم رکھنا ممکن نہیں تو کسی کا آپ ﷺ کی زوجہ کو داغدار کرنا کیسے ممکن ہے۔“ (برسبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ گواہی دے رہے ہیں کہ جسم رسول مقبول ﷺ کا سایہ نہ تھا اور اس روایت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی مدارج النبوت میں درج فرمایا ہے)

اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کو بھیج کر آپ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ آپ کی نعلین (پاک) میں کچھ گندگی لگی ہے آپ نعلین اتار دیں۔ جب یہ ادنیٰ گندگی کا آپ ﷺ کے قریب رہنا اللہ کو گوارا نہیں تو کیا بے حیائی میں ملوث عورت کو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے گھر سے نکال نہ دیتا؟“

(تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان سے اس بارے میں مشورہ لینا ان کے لئے باعثِ اذیت جانا تو ان سے مشورہ نہ لیا۔ معلوم ہوا حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا شروع سے مکمل علم تھا۔ جب ہر مسلمان کا حق تھا کہ یہ الزام سنتے ہی کہہ دے هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ تو حضور سید عالم ﷺ کے اپنی بیوی کی برأت کے بارے میں علم بلکہ یقین کا کیا عالم ہوگا۔

لہذا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ کو علم ہوتا تو چالیس دن تک تحقیقات کیوں فرماتے، غلط ہے۔ آپ کا تحقیقات فرمانا تقاضائے عدل کی تکمیل کے لئے تھا۔

[14] یعنی جن منافقین نے یہ بہتان گھڑا انہوں نے اسلامی معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے کی کوشش کی۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ جب نبی ﷺ کا گھر ہی پاک نہیں تو کسی اور کا گھر اگر پاک نہ ہو تو کیا قباحت ہے اور جو لوگ مسلمانوں کے اندر بے حیائی پھیلانا پسند رکھتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے جسے اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں جان سکتے کہ وہ کس قدر دردناک عذاب ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ فلموں ڈراموں گانوں اور سٹیج شوز کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو بے حیائی کا درس دیتے اور ان کے اخلاق تباہ کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے دردناک عذاب کی وارنگ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اصحاب رسول! اگر شرفِ صحابیت کی صورت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے جن کی زبان سے اس بہتانِ عظیم کی تائید نکلی تھی انہیں عذاب آ پکڑتا مگر اللہ مہربان رحیم ہے اس نے معاف فرمایا۔

یاد رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف دو مردوں اور ایک عورت سے یہ خطا ہوئی۔ حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ (جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے) اور ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اسی لئے طبرانی میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس بارے میں دو مردوں اور ایک عورت پر حد قذف لگائی۔

(طبرانی کبیر جلد ۲۳ حدیث ۲۶۳)

برسبیل تذکرہ ہم یہاں ام المومنین سیدہ طاہرہ عتیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات ذکر کرتے ہیں جو قرآن اور حدیث نے بتائی ہیں اور صحابہ کرام جن کا چرچہ کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

اول: آپ رضی اللہ عنہا کی برأت میں قرآن کریم کی سولہ آیات نازل ہوئیں

سورہ نور کی آیت 11 سے 26 تک آپ کی پاک دامنی میں نازل ہوئیں۔ اس جگہ کثر شیعہ مفسر ملاح اللہ کا شانی لکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کی برأت تین طریقوں سے ظاہر فرمائی۔ یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے تہمت رکھی تو اس کے خاندان کے ایک بچے نے یوسف علیہ السلام کی برأت پر گواہی دی۔ قرآن میں ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا (یوسف ۲۶) حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر تہمت آئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں ان کی برأت بیان کی مگر چونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ الانام علیہم السلام کی زوجہ ہیں اس لئے ان کی برأت خود اللہ نے قرآنی آیات سے بیان فرمائی۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ صفحہ ۲۶۸ مطبوعہ تہران ایران)

دوم: آپ کی برکت سے آیت تیمم نازل ہوئی۔

فتح مکہ کے موقع پر 7ھ میں دورانِ سفر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا اور یہ ہار کی گمشدگی کا دوسرا واقعہ ہے۔ صحابہ کرام بحکم رسول خدا ﷺ ہار کی تلاش میں لگے رہے۔ اتنے میں نماز فجر کا وقت تھوڑا رہ گیا اور وضوء کے لئے پانی بھی نہ تھا تب آیت تیمم نازل ہوئی (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰ فضل عائشہ رضی اللہ عنہا) یہ دیکھ کر حضرت سعید بن صغیر رضی اللہ عنہ نے کہا مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَةٍ كُنْتُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والو! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (تمہاری وجہ سے امت کو پہلے بھی برکات ملتی رہی ہیں)۔

سوم: آپ رضی اللہ عنہا نے ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے رضاء خدا اور رسول اختیار کی۔

9ھ میں رسول اکرم ﷺ اپنی ازواج سے کسی بات پر ناراض ہوئے اور ان سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی فرمائی۔

آخر سورہ احزاب کی آیات 28 اور 29 نازل ہوئیں اور حضور ﷺ نے اپنی ازواج پر ان آیات کو پیش کرتے ہوئے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ مال دنیا اختیار کر لیں یا صحبت رسول کو۔ تو سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہمیں مال نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا چاہئے۔ پھر آپ کی پیروی میں تمام ازواج نے یہی عرض کیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب) شیعہ مورخ مرزا محمد تقی ایرانی نے بھی یہ واقعہ ناخ التواریخ جلد 3 صفحہ 179 میں تفصیلاً نقل کیا ہے، پھر علیحدگی ختم کرنے کے بعد حضور سید عالم ﷺ سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہی تشریف لائے تھے۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کے وہ فضائل و خصائص ہیں جن کا بیان یا اشارہ قرآن مجید میں ہے۔ اب آپ رضی اللہ عنہ کے چند مزید خصائص حدیث سے ملاحظہ ہوں۔

چہارم: نبی اکرم ﷺ کو تمام ازواج میں سے آپ سے زیادہ محبت تھی۔

نبی اکرم ﷺ تمام ازواج میں نان و نفقہ برابر تقسیم فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ فرماتے۔ اے اللہ! جس معاملہ میں میرا اختیار ہے میں اس میں برابر تقسیم کرتا ہوں مگر جس چیز میں میرا اختیار نہیں (یعنی محبت قلبی) اس میں مجھ پر پکڑ نہ فرمانا۔ (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۳۸ ترمذی کتاب النکاح باب ۴۱) سب شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا اشارہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا اور مروی ہے کہ آیت مبارکہ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ”تم بیویوں میں مکمل برابری نہیں کر سکتے خواہ تم اس کی شدید خواہش رکھو (یعنی قلبی محبت سب سے برابر نہیں ہو سکتی)“ (نساء ۱۲۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ اسی لئے ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ پر خود کو مست قیاس کیا کرو۔ نبی پاک ﷺ ان کا جو لحاظ فرماتے ہیں کسی اور کا نہیں فرماتے۔

پنجم: ازواج رسول ﷺ میں سے صرف آپ کے والدین مہاجرین ہیں

کئی ازواج مطہرات کے والدین اہل ایمان نہ تھے جیسے حضرت سودہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما، بعض کے والدین مومن ہیں مہاجر نہیں ہیں۔ جیسے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ بعض کے والدین میں سے ایک مہاجر ہے ایک نہیں۔ جیسے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا۔ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے والدین دونوں نے ہی دین کے لئے ہجرت کی۔ بلکہ یہ خصوصیت صحابہ میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔

ششم: دیگر ازواج کے پاس حضور ﷺ ایک دن جاتے تھے اور آپ کے پاس دو دن۔

حضور ﷺ نے باری مقرر کر رکھی تھی ہر زوجہ مطہرہ کے پاس ایک رات بسر فرماتے تھے مگر حضرت عائشہ کے ہاں آپ کا قیام دو رات ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ایک بار سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ایک غلطی کی وجہ سے طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ انہیں طلاق نہ دی جائے وہ اپنی باری حضرت عائشہ کے لئے وقف کرتی ہیں۔

چنانچہ ان کی باری بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مل گئی۔ اس کے باوجود آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی گاہے گاہے تشریف لے جاتے تھے۔

ہفتم: آپ رضی اللہ عنہا کے بستر پر قرآن اترتا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اس دن کا انتظار کرتے تھے جب حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانا ہوتا تھا اور اس دن تحائف (کھانے پینے کی چیزیں) زیادہ بھیجتے تھے۔ چنانچہ تمام ازواج مطہرات نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ لوگوں سے فرمائیں کہ آپ جس بھی زوجہ کے ہاں ہوں لوگ برابر تحائف بھیجا کریں۔ حضور ﷺ نے یہ بات سن کر اعراض فرمایا۔ حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تین بار یہ بات عرض کی۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دیا کرو۔ اللہ کی قسم! مجھ پر ایسی حالت میں کبھی وحی نہیں آئی کہ میں تم میں سے کسی کے بستر میں ہوں سوا عائشہ کے۔ (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰، ترمذی کتاب المناقب باب ۶۲)

ہشتم: زبان رسالت سے افضلیت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی بیان۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو تمام عورتوں پر یوں فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔“ (بخاری کتاب الفضائل باب ۳۰، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۷۰) نہم: آپ کی تصویر آسمانوں سے اتاری گئی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! میں نے مسلسل تین رات خواب دیکھا۔ فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تمہاری تصویر لاتا رہا اور کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے اور جب میں نے تمہیں دیکھا تو پہچان لیا تم وہی تھیں۔

(مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۵ بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۴)

دہم: آپ کے سینے پر حضور ﷺ نے وصال فرمایا۔

جب حضور ﷺ کا وقت وصال قریب آیا تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر مستقل قیام کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے تمام ازواج مطہرات سے کہا کہ وہ آپ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام کی اجازت دے دیں تو سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ (بخاری کتاب الوضوء باب ۴۵، مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۹۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کا سر میری گردن اور میرے سینے کے درمیان تھا اور آپ کو میرے گھر میں دفن کیا گیا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۹۶، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۸۵)

گویا آج جو روضہ مصطفیٰ ﷺ ہے وہ اصل میں حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہاں دس خصائص پر اکتفا ہے مزید خصائص بھی کتب سیرت میں مذکور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ

اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پہ مت چلو کیونکہ وہ

الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

بے حیائی اور بُری بات کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ ط

تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا مگر اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے۔ [15]

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُوتُوا

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے اور تم میں سے فضیلت اور وسعت رزق والے لوگ قسم نہ اٹھالیں

أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا

کہ قریبی رشتہ داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خرچہ نہ دیں گے۔

وَلْيَصْفَحُوا ۖ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

وہ معافی اور درگزر سے کام لیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری بخشش فرمائے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [16]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والوں کی سزا

[15] گزشتہ رکوع میں ان چند مومنین کو تنبیہ فرمائی گئی جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے میں منافقین کے جھانے میں آگئے تھے اور ان کے لئے معافی کا اعلان کیا گیا۔ اب اُن منافقین پر پھٹکار ڈالی جا رہی اور ان کی دنیوی و اخروی سزا بتائی جا رہی ہے۔ البتہ اس سے قبل مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں پہ مت چلا کرو بعض شیطانی بہکاوے میں آ کر اس طرح کی بہتان تراشی و تہمت زنی میں ملوث نہ ہوا کرو۔ کیونکہ شیطان بے حیائی اور بُری بات ہی کا درس دیتا ہے اور شیطان کا مکر و فریب اس قدر گہرا ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص گناہوں سے پاک نہ رہ سکتا مگر اللہ اپنے فضل سے بعض لوگوں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے جیسے انبیاء کرام گناہوں سے معصوم اور اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔

یہاں سے دونوں کا حاصل ہوئے

(۱) درس محاسبہ نفس:

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۖ سَے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو روزانہ سونے سے قبل محاسبہ کرنا چاہئے کہ آج اس کا کون سا عمل شیطان کی پیروی میں تھا اور کون سا رحمن کی پیروی میں۔ پھر جو شیطان کی پیروی میں تھا اسے چھوڑنے کا عہد کرے۔

(۲) شیطان کے مقابلہ میں اللہ سے مدد چاہنا۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ سَے معلوم ہوا اللہ کی مدد کے بغیر شیطان کے داؤ سے بچا نہیں جاسکتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں ہر وقت مدد لینا چاہئے اور جو شیطان سے بچ جائے وہ اسے اپنی بڑائی نہیں اللہ کا فضل سمجھے اور مزید اللہ کے حضور جھکے اور شکر بجالائے۔ یہاں وہ واقعہ ذہن میں رکھا جائے جب شیطان بادلوں میں ایک حسین تخت پر بیٹھ کر حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کے سامنے آیا اور کہا میں تمہارا رب ہوں اور خوش ہو کر تمہاری بخشش کا اعلان کرتا ہوں۔ اب تمہیں مزید عبادت کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ تم شیطان ہو مجھے گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ شیطان بھاگ گیا اور آواز آئی اے عبدالقادر! تمہیں تمہارے علم نے بچا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میرے علم نے نہیں میرے رب کے فضل نے بچایا ہے۔ (بجۃ الاسرار)

[16] یہ آیت مکمل طور پر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی یارِ غار رسول ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں حدیثِ افک کے آخر میں ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی اور محتاج و نادار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی کفالت کرتے تھے۔ جب منافقین نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو حضرت مسطح بھی ان کے جھانے میں آگئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے زوجہ رسول ﷺ کی برأت کا اعلان کیا تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کا خرچہ بند کر دیا اور قسم اٹھالی کہ آئندہ انہیں خرچہ نہیں دیں گے۔ آپ کو یہ صدمہ پہنچا کہ اس شخص نے میرا رشتہ دار اور میری کفالت میں ہونے کے باوجود منافقین کا ساتھ کیوں دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَلَا يَأْتِلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ نور باب ۶ مسلم کتاب التوبہ حدیث ۵۶)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! تم میں جو لوگ (ابو بکر صدیق کی طرح) فضیلت اور وسعت رزق والے ہیں انہیں یہ قسم نہیں اٹھالینی چاہئے کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خرچہ نہ دیں گے۔ (یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت مسطح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار، غریب و نادار اور مہاجر تھے) بلکہ مومنوں کو معافی

ودر گزر سے کام لینا چاہئے۔ اے مومنو! کیا تم اللہ سے بخشش کی امید نہیں رکھتے؟ جب رکھتے ہو تو تمہیں بھی معافی و درگزر سے کام لینا چاہئے۔“ حدیث میں ہے کہ یہ آیت اترنے پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: واللہ انی احبُّ اَنْ یَغْفِرَ اللہُ لِی۔ اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری بخشش فرمائے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا خرچہ بحال کر دیا (اور اپنی قسم کا کفارہ دیا) اور کہا واللہ میں زندگی بھر مسطح کا خرچہ قائم رکھوں گا۔ (بخاری و مسلم حوالہ مذکورہ)

یہاں لطف کی بات یہ ہے کہ مشہور کٹر شیعہ مفسر علامہ فضل بن حسن طبرسی نے بھی اس آیت کے تحت لکھا: نزلت فی ابی بکر و مسطح بن اثاثہ۔ یہ آیت ابو بکر صدیق اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

(تفسیر مجمع البیان جلد ۷ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ تہران)

افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ کے الفاظ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتارے اور مِنْكُمْ سے مراد تمام اہل ایمان ہیں گویا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب اہل ایمان میں سے فضیلت والا قرار دیا گیا۔ اسی لئے اس آیت کے تحت امام اسماعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

فثبت انه افضل الخلق بعد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس سے یہ ثابت ہوا ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (امت میں) سب سے افضل ہیں۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۱۳۳) حکیم سنائی رحمہ اللہ نے اس جگہ خوب کہا:۔

بود چنداں کرامت و فضلش کہ اولوا الفضل خواند ذوا الفضلش

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل و کرامت کا یہ عالم ہے کہ خدائے ذوا الفضل نے انہیں اولوا الفضل کہا۔ یاد رہے کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ اجماعی ہے۔ اس پہ تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے اور کثیر احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت سے افضل قرار دیا ہے۔ اور ائمہ دین نے افضلیت صدیق اکبر کے ماننے کو اہل سنت میں سے ہونے کی اہم تر نشانی بتایا ہے اور اس کے منکر کو رافضی شیعہ گردانا ہے۔ ان موضوع پہ مفصل بحث ان شاء اللہ العزیز آیت مبارکہ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اللیل، ۱۷) کے تحت آئیگی۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رشتہ داروں سے حُسن سلوک کی فضیلت

اس آیت میں قریبی رشتہ داروں کا ذکر مساکین و مہاجرین سے پہلے کیا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ عام مساکین کی نسبت غریب رشتہ داروں کو دینے کا اجر زیادہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر آیا وہاں سب سے قبل قریبی رشتہ داروں کا ذکر ہے، جیسے وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ۔

الح (بقرہ، ۱۷۷)

نیکی نہ کرنے کی قسم کو توڑ دینا چاہیے

وَلَا يَأْتِلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ۖ الْح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غصے میں قسم اٹھالے کہ وہ فلاں کام نہ کرے گا اور وہ کام اچھا ہو تو ایسی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور نیکی کے کام سے کنارہ کش نہیں رہنا چاہئے جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچہ نہ دینے کی قسم اٹھائی تو یہ آیت اتار کر انہیں قسم توڑنے کی ہدایت کی گئی اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا ۖ ”تم اپنی قسموں کو اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنا لو کہ نیکی نہ کرو گے اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو گے۔“ (بقرہ ۲۲۴)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْفُجُولِ الْمُسِيئَاتِ لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا

بے شک جو لوگ پاکدامن گناہ سے بے خبر اور ایمان والی عورتوں پہ تہمت زنی کرتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں

وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۳۱ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ

لغت کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے [17] جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں

وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۳۲ يَوْمَ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمْ

ان کے خلاف گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے اس دن اللہ انہیں پوری قرار واقعی سزا دے گا اور وہ جان لیں گے

الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝۳۳ الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ

کہ اللہ ہی کھلا حق ہے۔ [18] خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں

وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۖ

اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔ [19] یہ لوگ ان برائیوں سے پاک ہیں

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۳۴

جو لوگ کہتے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت والی روزی ہے۔ [20]

[17] یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی پاک دامن گناہ سے بے خبر اور ایمان والی عورتوں پر برائی کی تہمت رکھنے

والے اللہ کے ہاں دنیا و آخرت میں ملعون (رحمت خدا سے دور) ہیں اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بزبان قرآن

یہ آیت آپ رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور آپ کو پاک دامن، گناہ سے بے خبر اور ایمان والی قرار دیا گیا۔

اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

نزلت فی عائشہ رضی اللہ عنہا خاصۃ، یہ آیت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خصوصی طور پر نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور اسی آیت کے تحت شیعہ مورخ مرزا محمد تقی جو قدرے منصف مزاج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

نقل کرتا ہے کہ فرمایا:

من اذنب ذنباً ثم تاب منه قبلت توبته الا من خاض فی امر عائشہ۔ جس نے بھی کوئی گناہ کیا

پھر توبہ کی تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا سو اس کے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں بُرا سوچے۔

(ناخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۲ صفحہ ۸۳ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران)

جب یہ آیت شیعہ سنی دونوں کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ

سیدہ پاک پہ طعنہ زنی کرنے والا دنیا و آخرت میں ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) ہے۔

پاک دامن عورتوں پہ تہمت زنی کا گناہ

لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سے معلوم ہوا کہ پاک دامن عورتوں پہ تہمت زنی کرنے والے لوگ دنیا و آخرت

میں ملعون ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ان کے لیے اسی کوڑوں کی سزا ہے اور آخرت میں ایذا مسلم کی وجہ سے عذاب جہنم اور

حدیث کے مطابق یہ گناہ سات تباہ کن کبائر میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”سات تباہ کن گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کو

اللہ نے حرمت دی اسے ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا اور پاک دامن گناہ سے بے خبر اور ایمان

والی عورتوں پر برائی کی تہمت رکھنا۔“ (بخاری کتاب الوصایا باب ۲۳، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۴)

[18] پاک دامن عورتوں پہ بہتان بازی جیسے جرائم کے مرتکب لوگوں کے خلاف روز قیامت ان کی زبانیں اور ان

کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے یعنی ان کی زبانیں ان کی مرضی کے خلاف بول کر ان کے گناہ بیان کریں گی اور ان کے

ہاتھ پاؤں بولیں گے کہ ان سے کیا برے کام لئے گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز قیامت انہیں ان کے گناہوں کی

پوری سزا دی جائے گی۔ آخر میں اللہ کو الْحَقُّ الْمُبِينُ کہا گیا جس کا مفہوم یہ ہے اللہ ہی سچا خدا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات

ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے الحق بھی ہے۔

[19] مروی ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کی بیوی بھی اس کی طرح منافقہ اور بہتان بازی میں بہت تیز تھی۔ تو فرمایا گیا خبیث (یعنی بد کردار و بد اطوار) عورتوں کو خبیث مرد ہی پسند رکھتے اور ان سے نکاح کرتے ہیں۔ نیک آدمی کسی خبیث الفطرت عورت سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح خبیث مردوں کو خبیث عورتیں ہی پسند رکھتی ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے پیچھے کہا گیا: **الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً** ”زانی مرد زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے نکاح کرتا ہے۔“ (نور: ۳)

آگے فرمایا کہ پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں ہوتی ہیں اور پاک عورتوں کے لئے پاک مرد، یعنی پاک دامن لوگ آپس میں مل بیٹھنا اور رشتہ نکاح میں منسلک ہونا پسند رکھتے ہیں اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ دیندار لوگ اپنے بچوں کے لئے دیندار گھرانے تلاش کرتے ہیں اور بے دین لوگ بے دینوں کو ڈھونڈھ لاتے ہیں۔

ازواج رسول ﷺ کی طہارت

الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ میں یہ اشارہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ساری مخلوق سے پاکیزہ تر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے وہی عورتیں بطور بیویاں منتخب فرمائیں جو سب سے پاکیزہ تر تھیں۔ لہذا منافقوں کا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بہتان رکھنا غلط ترین حرکت ہے۔ اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو ازواج مطہرات کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ بیویاں جن کو اللہ نے پاکیزہ قرار دیا۔

اور ان کی طہارت کے بارے میں اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ یعنی ”اے رسول اللہ (ﷺ) کے اہل خانہ! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ کو دور کر دے اور تمہیں یوں پاک کر دے جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔“ (احزاب، ۳۳)

بلکہ حدیث کے مطابق ازواج رسول ﷺ شیطانی بُرے خوابوں سے بھی محفوظ تھیں یہ ان کی طہارت کا عالم تھا۔ جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو ان میں سب سے افضل ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پہ ایسے ہے جیسے ثرید کھانے کی فضیلت تمام دوسرے کھانوں پہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

[20] یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسے پاکیزہ لوگ اس الزام سے جو خبیث مرد اور خبیث عورتیں ان پر لگاتی ہیں پاک ہیں۔ یہ آیت بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ان کی برأت کا اعلان فرمایا۔ اور آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے بخشش اور رزق کریم یعنی جنتی نعمتوں کا اعلان فرمایا اور کیوں نہ ہو

وہ جنت میں بھی سید المرسلین ﷺ کی زوجہ ہیں اور اسی درجہ میں ہیں جس میں خود حضور ﷺ ہیں (یعنی حضور ﷺ کے ساتھ ہوں گی۔)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اہل تشیع کی غلیظ جھوٹے الزامات

اس جگہ بادلِ نحواستہ میں ان غلیظ بہتانات و الزامات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو شیعہ مفسرین و مورخین نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے ہیں اور میں یہ باتیں صرف یہ واضح کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں تاکہ اہل اسلام کو پتہ چلے کہ یہ فرقہ خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین پہ کیسے سنگین جھوٹے الزامات لگاتا ہے۔ کیونکہ میں نے اس فرقہ کی کتابیں پڑھنے میں جس قدر وقت صرف کیا ہے اور جو کچھ ان کے بارے میں میں جانتا ہوں وہ سب لوگ نہیں جانتے۔ منافقین نے جب سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پہ ایک جھوٹا الزام رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں قرآن مجید کی اٹھارہ آیات نازل فرمائیں اور منافقین کے لیے دنیا و آخرت میں لعنت کا اعلان کیا۔ جبکہ یہ فرقہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد گرامی جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہ اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز بہتانات تراشا رہتا ہے، مثلاً:

شیعوں کا لرزہ خیز الزام کہ عائشہ و حفصہ اور ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہم) نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید کیا (معاذ اللہ)

(۱) چنانچہ شیعہ راویوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: انہما سقتاہ قبل الموت یعنی الامرأتین لعنہما اللہ و ابویہما۔ بیشک ان دو عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو موت سے قبل زہر پلایا تھا۔ اللہ ان دونوں پہ اور ان کے باپوں پہ لعنت کرے۔ تو ہم نے کہا وہ دونوں اور ان کے باپ اللہ کی ساری مخلوق سے بدتر ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

(تفسیر الصافی جلد اول صفحہ ۳۰۴ سورہ آل عمران آیت ۴۵ مطبوعہ تہران۔ تفسیر عیاشی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ تہران۔ تفسیر البرہان جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ دار مجتبیٰ تہران)

اب کون نہیں جانتا کہ اہل تشیع کے نزدیک ان دو عورتوں اور ان کے باپوں سے کیا مراد ہے۔ ہر علم والے پر روشن ہے کہ اہل تشیع ان دو عورتوں سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کو اور ان کے باپوں سے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اور اس کی دلیل وہ واقعہ ہے جو کتب شیعہ میں اس طرح ملتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مباشرت فرمائی تو انہیں غصہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں راضی کرنے کے لیے فرمایا: اے حفصہ میں تمہیں راز کی بات بتاتا ہوں۔ وہ کسی کو نہ بتانا۔ میرے وصال کے بعد ابو بکر خلیفہ بنے گا اور اس

کے بعد تمہارا باپ عمر خلیفہ بنے گا۔ مگر حفصہ نے یہ بات عائشہ کو بتادی۔ عائشہ نے ابو بکر کو بتادی، ابو بکر نے عمر کو بتادی، آگے لکھا ہے: فَاجْتَمَعُوا اَرْبَعَةً عَلٰی اَنْ یَسْمُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، تو ان چاروں نے اس بات پہ اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو زہر دیدیں (استغفر اللہ)

(تفسیر فی سورہ التحریم زیر آیت لہ تحریر ما احل اللہ لك صفحہ ۶۸۷ مطبوعہ تہران، تفسیر الصافی جلد ۲ صفحہ ۷۱۷ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ تہران) اندازہ کریں کہ ان لوگوں کے دلوں میں خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کے بارے میں کس قدر نارحقد و حسد بھڑک رہی ہے اور وہ ان نفوسِ قدسیہ پہ کس قدر لرزہ خیز بہتانات رکھتے ہی۔ ایسے ملحدین کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بقول قرآن یہ لوگ ملعون ہیں۔ کیونکہ ایسے جھوٹے الزامات رکھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَعْنُوا فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ۔

شیعوں کا گھناؤنا بہتان کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے

حضرت ابراہیم بن محمد کو ولد الزنا قرار دیا (معاذ اللہ)

(۲) اور امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف شیعہ راوی زرارہ نے یہ جھوٹی روایت منسوب کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا پر الزام رکھا کہ ان سے ایک غلام ابن جرتج نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) بدکاری کی اور اس سے ابراہیم پیدا ہوا اور جب ابراہیم فوت ہوا تو حضرت عائشہ نے حضور ﷺ سے کہا آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ وہ آپ کا نہیں ابن جرتج کا بیٹا تھا۔ نبی ﷺ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن جرتج کے قتل کے لئے بھیجا وہ تلوار لے کر گئے۔ وہ ان کے خوف سے درخت پہ چڑھ گیا۔ وہ بھی پیچھے چڑھے۔ اس نے درخت سے چھلانگ لگادی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کا تو عضو تناسل ہی نہیں ہے۔ انہوں نے آکر حضور ﷺ کو بتایا تب آپ کو اطمینان ہوا۔ (تفسیر فی سورہ نور صفحہ ۴۳۵۳ مطبوعہ تہران سن طباعت ۱۳۱۳ھ) یاد رہے یہ شیخ قمی (علی بن ابراہیم) اہل تشیع کے امام المحدثین یعقوب کلینی صاحب اصول کافی کا استاذ ہے۔

یہ کس قدر سنگین بہتان ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاتم بدہن ولد الحرام قرار دیا۔ اس سے زیادہ لرزہ خیز الزام کیا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ رسول اللہ ﷺ پہ الزام ہے کہ آپ ﷺ معاذ اللہ اس قدر کان کے کچے تھے کہ بیوی کے کہنے پہ ایک شخص کے قتل کا حکم دیدیا؟ کیا اللہ کے سچے رسول کی یہ شان ہے؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نام نہاد شیعہ مورخین و محدثین کس قدر غلیظ روایات گھڑ کر انہیں امام باقر و جعفر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر ائمہ کی طرف منسوب کرتے اور اس کی آڑ میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج

رسول و اصحاب رسول پر کیچڑا چھالتے ہیں اللہ انہیں ہدایت دے۔

اگر شیعہ لوگ کہیں کہ تمہاری صحیح مسلم میں بھی لکھا ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی ام ولد (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ متہم کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کو بھیجا کہ جاؤ اس کو قتل کر دو۔ وہ گئے تو اسے کنوئیں میں نہاتے ہوئے پایا۔ حضرت علی نے اس کو کنوئیں سے پکڑ کر نکالا تو دیکھا کہ اس کا عضو تناسل ہی نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کو جا کر ماجری سنایا۔ (صحیح مسلم حدیث ۲۷۷۱)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شارحین کے مطابق واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ بعض منافق لوگ آپ کی لونڈی سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا پہ فلاں شخص کے ساتھ ملوث ہونے کا الزام رکھتے ہیں تو آپ نے حقیقت حال کو واضح کرنے کے لیے حضرت علی کو بھیجا۔ یعنی آپ جانتے تھے کہ حضرت علی اسے نہاتے پائیں گے اور یوں منافقین کے جھوٹے الزام کی قلعی کھل جائے گی۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم جلد ۸ صفحہ ۳۰۴) کہاں یہ واقعہ اور کہاں شیعوں کا حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ یہ لرزہ خیز الزام رکھنا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کو ولد الزنا قرار دیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

شیعوں کا ایمان سوز الزام کہ سیدہ عائشہ نے جنازہ امام حسن پہ تیر برسوائے (معاذ اللہ) (۳) اسی طرح شیعہ مؤرخ شیخ عباس قمی نے یہ الزام گھڑا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ رسول میں تدفین کے لئے لایا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے ان کے جنازہ پر تیر برسائے گئے۔ آخر انہیں مجبوراً جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ (منتہی الآمال جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ تہران)

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل وصیت کی تھی کہ انہیں روضہ رسول ﷺ میں دفن کیا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن دیا جائے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ رسول ﷺ میں دفن کیا جائے۔ سیدہ نے فرمایا:

نعم و کرامۃ، ہاں کیوں نہیں یہ میرے لیے وجہ کرامت ہے۔ مگر مروان نے ایسا نہ کرنے دیا، اور دیگر بنو امیہ بھی آگئے۔ انہوں نے کہا ہم ان کو روضہ رسول ﷺ میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ عثمان غنی کو روضہ رسول ﷺ میں دفن نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ ادھر بنو ہاشم نے کہا ہم انہیں یہاں ضرور دفن کریں گے۔ جب یہ جھگڑا بڑھا تو صحابہ کرام نے کہا: مناسب ہے کہ انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا جائے۔ تو انہیں جنت البقیع میں ان کی والدہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا

کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴ وفات الحسن بن علی مطبوعہ مصر)

یہی بات ”البدایہ والنہایہ“ جلد 8 صفحہ 44 مطبوعہ بیروت اور ”الکامل فی التاریخ“ جلد 3 صفحہ 460 ودیگر کتب تاریخ میں مرقوم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا

اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو

وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ فَإِنْ لَمْ

اور گھر والوں کو سلام نہ کہہ لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ [21] پھر اگر تم وہاں

تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ

کسی کو نہ پاؤ تو وہاں داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ

ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ لَيْسَ

تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر راستہ ہے۔ [22] اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ تم پر

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ

گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جو کسی کی جائے سکونت نہیں ہیں اور وہاں تمہارے کچھ منافع ہیں۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٣﴾

اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہو۔ [23]

پردہ داری سے متعلق چھ خدائی حکم نامے

پہلا حکم نامہ: کسی کے گھر میں بے اجازت داخلہ کی ممانعت

[21] اس سے قبل زنا اور قذف کی سزائیں بیان کی گئیں۔ درمیان میں منافقین کے اس بہتان کا ذکر آیا جو زوجہ

رسول ﷺ پر لگایا گیا تھا۔ اب پردہ داری کے احکام بتائے جا رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ اسلامی

معاشرہ کو بے حیائی سے پاک کیسے رکھا جائے تو پردہ داری کے بارے میں یہاں چھ حکم نامے جاری کئے گئے ہیں۔ پہلا حکم نامہ یہ ہے کہ اے مومنو! اپنے گھروں کو جہاں تم خود رہتے ہو، چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اہل خانہ سے اجازت نہ لو اور انہیں سلام نہ کہہ لو۔

حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کے گھر میں بے اجازت داخل ہو جاتے تھے اور داخل ہونے کے بعد کہتے کہ میں آ گیا ہوں اس سے گھر والوں کو بے اوقات تکلیف ہوتی تھی اور اہل جاہلیت سلام کہنے کی بجائے حُیِّیْت صَبَاحاً اور حُیِّیْت مَسَاءً کہتے تھے یعنی تم صبح جیو یا شام جیو۔ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی ممانعت میں یہ آیت اتاری: لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَيْرَ بُیُوتِكُمْ۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۶۶ حدیث ۱۴۳۴۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اس کی بجائے اجازت کے ساتھ گھروں میں داخل ہونے اور السلام علیکم کہنے کا حکم فرمایا۔

ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات میں اس حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی میرے پاس بلا اجازت آجائے خواہ میرا باپ یا بیٹا ہو۔ پھر بھی کئی لوگ آدھمکتے ہیں۔ تو میں کیا کروں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَيْرَ بُیُوتِكُمْ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۲۹۶)

کسی گھر میں داخل ہونے اور اجازت لینے کا اسلامی طریقہ

گویا اسلام سے قبل گھر کی چار دیواری کا کچھ تقدس نہ تھا۔ اسلام نے آ کر انسانوں کو جینے کا طریقہ سکھایا۔ یہاں دو حکم فرمائے گئے ہیں کہ کسی کے گھر داخلہ کے لئے اجازت لینا اور سلام کہنا۔ اجازت لینا یہ ہے کہ دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ آج کل دروازوں پہ گھنٹی (Door Bell) لگی ہوتی ہے وہ دبائی جائے یا کوئی بچہ اندر بھیج کر اجازت طلب کی جائے اور جب دروازہ کھول دیا جائے تو دوسرا حکم یہ ہے کہ گھر والوں کو سلام کہا جائے۔

یاد رہے تین بار اجازت لینا چاہئے اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہئے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بار اذن (اجازت) مانگو اگر نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب ۱۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ اندر سے جواب نہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار مزید سلام کہا اور جواب نہ ملنے پر آپ واپس جانے لگے تو حضرت سعد نے دوڑ کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا میں آپ کے سلام کا آہستہ جواب دے رہا تھا میں چاہتا تھا کہ آپ کا سلام (سلامتی کی دعا) زیادہ حاصل کر لوں۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۹۷)

معلوم ہوا دروازے پہ آنے والے کو چاہئے کہ گھر والوں کو اپنی آمد کے بارے میں تین بار مطلع کرے۔ خواہ دروازہ کھٹکھٹا کر یا سلام کہہ کر۔ اگر جواب نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ بعض جاہل لوگ مسلسل دروازہ کھٹکھٹاتے جاتے ہیں

حالانکہ ممکن ہے گھر والا طہارت خانہ میں ہو یا گھر پر نہ ہو اور اس کی بیوی غیر مرد سے بات نہ کرنا چاہتی ہو۔

اور دروازہ کھٹکھٹا کر دائیں بائیں ہٹ کر کھڑا ہو جانا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کی بجائے دائیں بائیں ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۹۷)

سامنے کھڑا ہونا اس لئے نامناسب ہے کہ ممکن ہے دروازہ کھلنے پر کسی نامحرم پہ نظر پڑ جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی،

بہن یا والدہ کے گھر جائے تو وہ بھی اجازت کے ساتھ اندر داخل ہو۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں والدہ

کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں میں تو ہر وقت اس کی خدمت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے برہنہ دیکھ سکتے

ہو؟ کہا نہیں، فرمایا: تو پھر اجازت لے کر جاؤ۔ (موطاء امام مالک کتاب الاستیذان باب ۱)

اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے سوراخ وغیرہ سے دیکھنا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے کسی کے گھر میں بلا اجازت جھانکا اور گھر والوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی آنکھ ضائع

چلی گئی (قصاص طلب نہیں کیا جاسکتا)“ (ابوداؤد کتاب الاستیذان باب ۱۲۷)

آج کل کئی بدکردار نوجوان لوگوں کے گھروں میں عورتوں کو جھانکتے ہیں یہ بڑی بے حیائی اور بڑا گناہ ہے۔

[22] یعنی اگر تم دروازہ کھٹکھٹاؤ اور جواب نہ ملے تو تم خود دروازہ کھول کر اندر جانے کی کوشش نہ کرو یا اگر دروازے کی

بجائے پردہ لٹک رہا ہو جیسے دیہات میں ہوتا ہے اور تم سلام کہو اور جواب نہ ملے تو اندر جانے کی کوشش نہ کرو بلکہ واپس مڑ

جاؤ کیونکہ اس طرح بے اجازت داخل ہونے سے بے حیائی پھیلتی ہے جھگڑے جنم لیتے اور فسادات ہوتے ہیں۔ ہاں اگر

تمہیں اجازت دی گئی ہو کہ تم بہر حال داخل ہو سکتے ہو خواہ گھر پہ کوئی نہ ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم دروازہ

کھٹکھٹاؤ اور تمہیں کہا جائے کہ ابھی آپ چلے جائیں صاحب خانہ مصروف ہیں بیمار ہیں یا گھر پر نہیں ہیں تو تم واپس چلے

جاؤ۔ وہاں جم کر نہ کھڑے ہو جاؤ کہ میں تو ملے بغیر کبھی نہ جاؤں گا یعنی جس طرح تم برداشت نہیں رکھتے کہ کوئی تمہاری نجی

زندگی میں مداخلت کرے اسی طرح تمہیں بھی مداخلت سے باز رہنا چاہئے یہی پاکیزہ طریقہ ہے جو ہر جھگڑے سے

پاک ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

[23] اگر ایسی جگہ ہو جو کسی کی رہائش کے لئے نہ ہو اور وہاں تمہیں آنے جانے کی ضرورت ہو جیسے دوکانیں، کارخانے

اور دفاتر وغیرہ تو وہاں تم بلا اجازت بھی داخل ہو سکتے ہو کیونکہ ایسے مقامات کسی کے داخلہ ہی کے لئے بنائے گئے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو یعنی کسی کے گھر دفتر یا دوکان میں جا کر اگر

تمہارے ہاتھ یا تمہاری آنکھیں کچھ چرانے کی کوشش کریں تو اللہ اس سے واقف ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۖ ذَٰلِكَ

آپ مومنوں سے فرما دیں کہ اپنی آنکھیں پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لیے

أَزْكٰى لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۲۴﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ

پاکیزہ تر راستہ ہے اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ [24] اور آپ مومنہ عورتوں سے فرما دیں کہ اپنی نگاہیں

مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ

پست رکھیں اور اپنی شرمگاہیں محفوظ کر لیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوا اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہے۔ [25]

مِنْهَا وَلِيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا

اور وہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پہ ڈالے رکھیں۔ [26] اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوا اپنے

لِبَعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ

شوہروں کے یا اپنے باپ دادا کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے، یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا

إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنی

أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّبِيعِينَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ

لوٹڈیوں کے یا اپنے نوکروں کے جو بے شہوت بوڑھے مرد ہوں یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کی خفیہ باتوں

يُظْهِرُوا عَلَىٰ عَوْرَتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ

پر مطلع نہیں ہوئے۔ [27] اور عورتیں اپنے پاؤں یوں زمین پہ مار کر نہ چلیں کہ ان کی

مِنْ زِينَتِهِنَّ ۖ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۵﴾

خفیہ زینت ظاہر ہو۔ اور اے مومنو اللہ کی جناب میں سب توبہ کرو تاکہ کامیابی پاؤ۔ [28]

دوسرا حکم نامہ: ہر مرد وزن کو نگاہیں پست رکھنے کی تاکید

[24] پردہ داری کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم نامہ یہ ہے کہ مومن مرد اپنی نگاہیں پست رکھیں یعنی عورتوں کے چہرے اور جسم کو بار بار دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ اسی طرح بے حیائی کی ہر وہ چیز جس کا دیکھنا حرام ہے اسے دیکھنے کے لئے نگاہ مت اٹھائیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَحْفَظُوا أْفُرُوجَهُمْ ۖ اور وہ اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھیں۔ معنی یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نگاہ کو پست نہ رکھیں گے بلکہ بے حیائی کے دیکھنے میں لگیں گے تو ممکن ہے ان کی شرمگاہیں گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ کیونکہ پہلے نگاہیں بہکتی ہیں پھر دل ایک دوسرے کی طرف کھینچتے ہیں پھر شرمگاہیں گناہگار ہوتی ہیں۔ اگر پہلے مرحلہ پر نگاہوں کو پست رکھا جائے تو کوئی بڑا گناہ واقع ہی نہیں ہو سکتا اسی لئے آگے عورتوں سے الگ کہا گیا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں پست رکھیں یعنی اگر کوئی انہیں دیکھتا ہے تو وہ اپنی نگاہیں پست کر لیں اسے واپس دیکھنے کی کوشش نہ کریں اور اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھیں یعنی اگر وہ اپنی نگاہیں پست نہ رکھیں گی تو نتیجہ میں ان کی عزت محفوظ نہ رہے گی اور وہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔

اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”ابن آدم کو زنا کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ملتا ہے۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا بولنا (دعوت گناہ دینا) ہے، کانوں کا زنا سننا (دعوت گناہ میں دل چسپی لینا) ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پاؤں کا زنا چلنا ہے پھر شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“ (بخاری کتاب الاستیذان باب ۱۲، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۵)

حدیث میں نگاہ کو قابو میں رکھنے پر تاکید شدید

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! ایک بار نظر پڑ جانے پر دو بارہ مت دیکھو تمہارے لئے پہلی نظر حلال ہے دوسری حلال نہیں۔“ (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۲)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: اَصْرِفْ بَصَرَكَ اپنی نگاہ کو فوراً پھیر لو۔ (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بات کہو تو سچ بولو، وعدہ کرو تو اسے نبھاؤ، امانت میں خیانت نہ کرو، شرمگاہوں کی حفاظت کرو، نگاہیں نیچی رکھو اور ہاتھوں پر کنٹرول کرو (کسی پہ ظلم نہ کرو)“ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس مسلمان کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑی اور اس نے نگاہ پھیر لی تو اللہ اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس کی لذت اسے (قلب و روح میں) محسوس ہوگی۔“ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روز قیامت ہر آنکھ روتی ہوگی صرف تین آنکھیں مسکراتی ہوں گی۔ (ان میں کامیابی کی چمک ہوگی) اول: وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے باز آ گئی۔ دوم: وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں (جہاد یا عبادت میں) رات کو بیدار رہی۔ سوم: وہ آنکھ جس سے خوف خدا کے ساتھ ایک آنسو بہا۔“ (الترغیب والترہیب جلد ۳ صفحہ ۳۳ بروایت طبرانی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اپنی آنکھوں کو جھکا کر رکھو شرمگاہوں کی حفاظت کرو اور خیالات درست رکھو ورنہ اللہ (جہنم میں) تمہارے چہرے مسخ کر دے گا۔“ (طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۸۰۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عورتوں کے اعضاء اور ان کے حسن و جمال پر شاعری حرام ہے

جب مردوں پر حرام کیا گیا کہ وہ عورتوں کے چہرے اور جسم پر اپنی نظر گاڑیں کیونکہ یہ بے حیائی ہے تو عورتوں کے خدو خال اور حسن و جمال پر شاعری کرنا ان اعضاء کے دیکھنے کی دعوت دینے کے مترادف ہونے کی وجہ سے حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسی طرح نوجوان لڑکے اور لڑکی کی باہم محبت و پیار اور ان کی خفیہ ملاقاتوں جیسے بے حیائی کے حرام کاموں کی حوصلہ افزائی پہ مشتمل شاعری کرنے والے اور ایسی عشقیہ کہانیاں لکھنے والے شعراء اور قصہ نویس لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں جو معاشرے میں بے حیائی کو فروغ دیتے ہیں۔ ہیرا رنجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال اور ایسی دیگر عشقیہ کہانیاں اسی زمرے میں ہیں۔ لوگ ان کو پنجابی ادب کے فروغ کے لیے پڑھتے ہیں، مگر اس سے اسلامی آداب کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

تیسرا حکم نامہ: عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارے جسم کو چھپائے

[25] یعنی مومنہ عورتیں اپنے شوہروں اور محارم کے سوا کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر وہ زینت جو از خود ظاہر ہے یعنی جسے خواہی نہ خواہی ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

الا ما ظہر منها سے چہرہ اور ہاتھ مراد ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے ہاتھ اور چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں اس سے دونوں ہاتھ اور چہرہ مراد ہیں۔ یہی حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ (در منثور جلد ۶ صفحہ ۱۸۰)

حضرت ضحاک اور اوزاعی نے بھی اس سے چہرہ اور ہاتھ ہی مراد لئے ہیں۔ (تفسیر بغوی اور خازن جلد ۵ صفحہ ۶۹)

حضرت عبداللہ بن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی الفاظ بھی اس معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص جلد ۵ صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

گویا عورت پہ لازم ہے کہ جب غیر محارم کے سامنے آئے تو چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا ہو اور یہی حدیث میں وارد ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آئیں تو ان کے کپڑے باریک تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اُن سے منہ پھیر لیا اور فرمایا:

ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح ان يُرَى منها الا هذا واشار الى وجهه وكفيه.
یعنی جب عورت کو حیض آجائے (وہ بالغہ ہو جائے) تو اس کے جسم سے اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے، آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداؤد کتاب اللباس باب ۳۱ حدیث ۴۱۵۴)

یہ احادیث اس بات پر نص صریح ہیں کہ عورت کے چہرے کا پردہ فی ذاتہ فرض نہیں ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عورت دوران نماز اپنے چہرے اور ہاتھوں کو برہنہ رکھ سکتی ہے اگر اس کا چہرہ اور ہاتھ بھی اعضاء پردہ میں سے ہوتے تو ان کے چھپائے بغیر اس کی نماز درست نہ ہوتی کیونکہ نماز میں ستر عورت فرض ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک نوجوان عورت کو اپنا چہرہ چھپانا بوجہ خوفِ فتنہ لازم ہے کیونکہ فتنہ قتل سے بڑا گناہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

قال في التاتار خانية: وفي شرح الكرخي النظر الى وجه الاجنبية الحرة ليس بحرام ولكنه يكره لغير حاجة، وظاهرة الكراهة ولو بلا شهوة، قوله والا فحرام اي ان كان من شهوة فحرام، قوله واما في زماننا فمنع من الشابة لالا نه عورة بل لحوف الفتنة.

تاتارخانیہ میں ہے: شرح کرخی میں لکھا ہے کہ آزاد اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں، البتہ بلا حاجت ضروریہ دیکھنا مکروہ ہے اور ظاہر یہی ہے کہ جوان عورت کو دیکھنا بہر حال مکروہ ہے خواہ بلا شہوت ہی ہو، اور والا فحرام کا یہ معنی ہے کہ اگر جوان عورت کو شہوت سے دیکھا جائے تو وہ بہر حال حرام ہے۔ البتہ آج کے زمانہ میں جوان عورت کا دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے اس لیے نہیں کہ اس کا چہرہ عورت ہے بلکہ اس لیے اس سے فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔ (رد مختار جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جوان عورت کا چہرہ مردوں کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔

اور عورت کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ سارا چہرہ کھولے بلکہ اسے سر کی چادر سے اپنا ماتھا چھپانا بھی بحکم قرآن فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ط ”اے نبی (ﷺ) آپ اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور تمام مومنوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ اپنے اوپر موٹی چادریں اوڑھا کریں۔“ (احزاب ۵۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ عورتیں اپنے سروں پہ یوں چادریں اوڑھیں کہ ان کا کچھ حصہ ان کے چہروں پر پڑا رہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۹)

عورتوں کے لئے چست کپڑوں کی ممانعت

جب چہرے اور ہاتھوں کے سوا سارے جسم کی زینت کا چھپانا عورت پر فرض ہے تو ایسے کپڑے پہننا جن سے عورت کے اعضاء جسم نمایاں ہوں صریحاً حرام ٹھہرا۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دوزخ میں سب سے بڑا عذاب دو گروہوں کو ہوگا۔ اول: وہ لوگ جو گائے کی دم جیسے ڈنڈوں سے لوگوں کو ناحق ماریں گے (ظالم حکام) دوم: وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود تنگی ہوں گی لوگوں کو اپنی طرف کھینچیں گی اور خود ان کی طرف مائل ہو جائیں گی۔ ان کے سراونٹوں کی کوبانوں جیسے ہونگے (بالوں کے سٹائل ایسے بنائیں گی) وہ جنت میں نہ جائیں گی بلکہ جنت کی خوشبو نہ پائیں گی۔“ (مسلم کتب الجہنہ حدیث ۵۲)

جب عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا سارا جسم جائے ستر ہے تو آدھے سر کے پردے اور آدھے بازو والی قمیص میں اس کی نماز نہ ہوگی۔ بلکہ فقہاء کے نزدیک اگر سر کے دوپٹے سے اس کے بالوں کی سیاہی چمک رہی ہو تو اسکی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ ستر عورت کی شرط پوری نہ ہوئی۔ (عالمگیری باب شروط الصلوٰۃ)

چوتھا حکم نامہ: عورت اپنے سینے پر چادر ڈالے

[26] یعنی عورتیں اپنے سر کی چادروں کو اپنے گریبانوں یعنی سینوں پر ڈال لیں۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ اگر عورت نے لباس تو مکمل پہنا ہو مگر اس کا سینہ ابھرا نظر آئے تو یہ بے حیائی ہے لہذا سر کی چادر کو سینے پر ڈال لینا ضروری ہے تاکہ مردوں کی نظریں اس کی طرف نہ اٹھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر گردن، کانوں اور کندھوں کا پردہ بھی فرض ہے کیونکہ جب وہ سر کی چادر سینے پر ڈالے گی تو گردن اور کان وغیرہ بھی چھپ جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ وَلْيَضْرِبَنَّ بِخُمْرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ کے الفاظ سن کر مسلمان عورتوں نے اپنی لمبی چادریں پھاڑ کر انہیں اپنے اوپر لپیٹ لیا۔ (بخاری کتاب التفسیر باب ۱۲)

پانچواں حکم نامہ: کن مردوں کے سامنے عورت اپنے اعضاء زینت ننگے رکھ سکتی ہے؟

[27] اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون سے مرد ہیں جن کے سامنے ایک عورت اپنے وہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے جن پر وہ زینت کرتی ہے جیسے وہ اپنے سر کے بالوں میں مختلف آرائش کرتی ہے، چہرے پہ ٹکا، بندیا، نتھی، کانوں میں کانٹے، بالیاں، گلے میں ہار اور کلائی میں کنگن اور کڑے پہن لیتی ہے تو ان اعضاء کو وہ درج ذیل مردوں پر ظاہر کر سکتی ہے۔ لہذا اس آیت میں زینت سے اعضاء زینت مراد ہیں اور وہ یہ ہیں: سر، ماتھا، کان، گردن، گلہ، کلائی کا کچھ حصہ جہاں کنگن پہنے جاتے ہیں۔

اول: (لِبُعُولَتُهُنَّ) شوہر، شوہر کے سامنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھے جاسکتے ہیں بلکہ شوہر تو بیوی کا سارا جسم دیکھ

سکتا ہے اس جگہ لفظ بعول میں لونڈی کا مالک بھی داخل ہے وہ بھی لونڈی کے مذکورہ اعضاء دیکھ سکتا ہے۔

دوم: (آبَاءُ هُنَّ) باپ دادا، اس میں چچا اور ماموں بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی عرفاً آباء میں شمار ہوتے ہیں اور وہ محارم بھی ہیں ان کے سامنے بھی عورت اپنے مذکورہ اعضاء ننگے رکھ سکتی ہے۔

سوم: (آبَاءُ بُعُولَتُهُنَّ) شوہر کے باپ دادا، یعنی سر، کیونکہ سر بھی باپ کے حکم میں ہے اور چونکہ سر کے پاس گھر میں اکثر آنا جانا ہوتا ہے اور کبھی عورت کے مذکورہ اعضاء ڈھکے ہوئے نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ نرمی بتائی گئی، مگر یہ صرف بیان جواز ہے۔ افضل یہی ہے کہ عورت اپنے سر گردن اور کلائی وغیرہ کو ہمیشہ ڈھانک کر رکھے

چہارم: (أَبْنَاءُ هُنَّ) سگے بیٹے۔

پنجم: شوہر کے بیٹے، یعنی عورت کے سوتیلے بیٹے بلکہ أَبْنَاءُ هُنَّ میں داماد بھی داخل ہے کیونکہ وہ بھی شرعی بیٹا (SON IN LAW) ہے اور محرم بھی ہے۔ البتہ فقہاء جو ان ساس کو داماد کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے سے منع کرتے ہیں۔ (در مختار جلد ۶ صفحہ ۳۹۰)

مگر اس میں منہ بولا بیٹا داخل نہیں ہے خواہ اس کو عورت نے بچپن سے پالا ہو وہ بہر حال غیر محرم ہے ہاں اگر اس کو عورت نے دو برس کی عمر میں اپنا دودھ پلا دیا تھا تو پھر وہ اس کی رضاعی ماں ہے اور وہ اس کا شرعی محرم ہے اس سے پردہ لازم نہیں۔

ششم: (أَخَوَاتُهُنَّ) سگے بھائی، خواہ وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے اس میں منہ بولا بھائی شامل نہیں وہ غیر محرم ہے۔

ہفتم: (بَنَاتُ أَخَوَاتِهِنَّ) بھتیجے۔

ہشتم: بھانجے، یہ سب رشتہ دار محارم ہیں ان کے سامنے عورت اپنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے اور ان میں دودھ کے حوالے سے بھائی بھتیجے اور بھانجے بھی شامل ہیں۔

نہم: (الْتَّبَعِيْنَ) یعنی نوکر چاکر، مگر اس کے لئے شرط ہے کہ وہ بڑھاپے یا دماغی فتور کی وجہ سے خواہش نکاح سے عاری ہوں۔ گویا اگر نوکر چاکر نو جوان اور ہوش مند ہوں تو ان سے پردہ لازم ہے ان کا حکم اجنبی مرد والا ہے۔

دہم: (الْطِّفْلِ) وہ اجنبی چھوٹے بچے جو بھی عورتوں کے خفیہ امور سے ناواقف ہیں۔ یعنی وہ نہیں جانتے کہ عورت بچہ کیوں اور کیسے جنتی ہے۔ گویا مواہق (قریب البلوغ) لڑکوں سے پردہ واجب ہے کیونکہ ان میں یہ شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے أَوْ نِسَاءً هُنَّ بھی فرمایا ہے۔ اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں اور مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ سے لونڈیاں مراد ہیں یعنی ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ گویا کافرہ عورتوں کے سامنے مومنہ عورت کو مذکورہ اعضاء زینت کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

دیور، جیٹھ، سدھی اور کزن سے پردہ لازم ہے

اس آیت میں صرف شوہر، سر، باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا اور دیگر وہ مرد بیان کئے گئے ہیں جن کے سامنے عورت بے حجاب رہ سکتی ہے یعنی سر، بازو اور گلانگہ رکھ سکتی ہے۔ گویا ان کے سوا دوسرے رشتہ دار مردوں کے سامنے وہ بے پردہ نہیں رہ سکتی۔ لہذا دیور (شوہر کے بھائی) جیٹھ (بہن کے شوہر) سدھی (بیٹی یا بیٹے کے سر) اور کزن (چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بھائی) سے پردہ فرض ہے۔ نہ وہ ان کے سامنے مذکورہ اعضاء برہنہ رکھ سکتی ہے نہ ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے نہ ان کے ساتھ سفر پہ جاسکتی ہے اور اکثر عورتیں انہی رشتہ داروں کے ساتھ ملوث گناہ ہوتی ہیں کیونکہ ان سے ملنا ملنا زیادہ رہتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عورتوں کے پاس تنہائی میں مت جاؤ۔ ایک انصاری صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیور کے بارے میں کیا خیال

ہے؟ آپ نے فرمایا: الْحَبْوُ الْمَوْتُ دیور تو نری موت ہے۔“ (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۶)

پیر اور استاذ سے بھی پردہ فرض ہے

اس آیت میں جن مردوں کے سامنے عورت کا بے حجاب آنا جائز کہا گیا ان میں پیر اور استاذ داخل نہیں ہیں لہذا ان سے پردہ فرض ہے بلکہ جوان عورت کو اپنے پیر و استاذ سے اپنا چہرہ چھپانا بھی لازم ہے۔ مگر افسوس آج کئی نام نہاد پیر عورتوں کو مرید کر کے ان سے آزادانہ اختلاط رکھتے ہیں۔ جس سے کئی فتنے جنم لیتے ہیں۔ لہذا جو پیر اپنی مریدہ عورتوں سے آزادانہ اختلاط رکھے اور ان سے ٹانگیں دبوائے وہ شیطان کا چیلہ ہے ایسے نام نہاد پیروں کو جوتے مار کر گھر سے نکال دینا چاہیے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے باپ ہیں اور سید المعصومین ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے کبھی کسی نامحرم عورت کو خلوت میں اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ نہ ہی کبھی آپ کا ہاتھ ان سے مس ہوا۔ تو کسی دوسرے شخص کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ نامحرم عورتوں کے پاس خلوت میں بیٹھے؟ خواہ وہ پیر ہو یا استاذ۔

عورت کا کھلے سر ٹی وی کیمرے کے سامنے آنا حرام ہے

قرآن و سنت کی ان تعلیمات سے ان مسلمان عورتوں کو عبرت لینی چاہیے کہ جو ٹی وی کیمرہ کے سامنے ننگے سر بیٹھ کر خبریں پڑھتی یا دوسرے پروگرام کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ عورتیں بھی عبرت پکڑیں جو ننگے سر اور چست لباس کے ساتھ فلموں اور ڈراموں میں کام کرتی ہیں۔ وہ معاشرہ میں بیجائی کو فروغ دے کر اللہ کے عذاب کی دعوت دے رہی ہیں۔ اور مردوں کے لیے ایسا ٹی وی پروگرام دیکھنا بھی جائز نہیں۔ جب حکم قرآن کے مطابق ایک مسلمان عورت مذکورہ بالا مردوں کے سوا کسی مرد کے سامنے بے حجاب نہیں آ سکتی تو ساری دنیا کو ٹی وی کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کیسے کرا سکتی

ہے اور جس فلم، ڈرامہ یا ٹی وی پروگرام میں ننگے سر عورتیں ہوں اس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔

مرد کے لیے غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا گناہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن قریبی رشتہ دار مردوں سے عورت کو حکم پردہ سے مستثنیٰ کیا ہے ان کے سوا سب مردوں سے پردہ کرنا عورت پہ فرض ہے اور پردے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں نہیں بیٹھ سکتی، نہ اس کے جسم کو چھو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں مت بیٹھے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم رشتہ دار (یا شوہر) نہ ہو۔“ (بخاری کتاب النکاح باب ۱۱، مسلم کتاب الحج ۴۲۴)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کا سوا مارا جائے تو یہ درد اس عذاب سے آسان تر ہے جو اجنبی عورت کو ہاتھ لگانے میں ہے۔“ (الترغیب جلد ۳ صفحہ ۳۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے بچو، اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھتا ہے تو شیطان بھی درمیان میں آ بیٹھتا ہے اور اگر تم میں سے کوئی شخص گندگی سے لتھڑے ہوئے خنزیر کو گلے لگائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنا کندھا اجنبی عورت کے کندھے سے (قصداً) ٹکرائے۔ (الترغیب حوالہ مذکورہ)

آج کل کالجوں یونیورسٹیوں کے طلباء اور دفاتروں میں کام کرنے والوں میں مردوں عورتوں کا باہمی اختلاط بلائے عظیم ہے اس میں لڑکوں لڑکیوں اور مردوں عورتوں کو عموماً تنہائی میسر آتی اور ایک دوسرے کو چھونے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں اور اس سے برائیوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ کاش مسلمان ان باتوں کو سمجھیں اور اپنی بیٹیوں، بہنوں کو مخلوط ماحول میں داخل نہ کریں۔

چھٹا حکم نامہ: عورت کو بازار میں کیسے چلنا چاہئے

[28] امام بغوی روایت فرماتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں عورت جب بازار میں چلتی تو زمین پر زور سے پاؤں مارتی تاکہ لوگوں کو اس کے پاؤں میں پڑی پائل کی جھنکار سنائی دے یا پائل نظر آئے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے مسلمان خواتین کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷ مطبوعہ دارالفرق بیروت)

معلوم ہوا عورت کا بن سنور کر خوشبو لگا کر زلفیں لہراتے ہوئے غیر مردوں کے سامنے نکلنا حرام ہے کہ اس سے بھی

لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بے حیائی پھیلتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر آنکھ زنا کرتی ہے۔ (جب وہ کسی عورت کو بُری نظر سے دیکھتی ہے) اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر مردوں کی

مجلس سے گزرتی ہے تو وہ ایسی ہی ہے (زنا کاروں میں شامل ہے)۔“

(ترمذی کتاب الادب باب ۳۵، ابوداؤد کتاب الترجل باب ۷، نسائی کتاب الزینت باب ۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو عورت خوشبو لگا کر مسجد آئی اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔ جب تک وہ واپس جا کر ایسا غسل نہ کرے جیسا

ناپاکی کے بعد کیا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد کتاب الترجل باب ۷)

اور حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو عورت اپنے گھر والوں کے سوا دوسروں کے

لئے بن سنور کر نکلتی ہے وہ روز قیامت سراپا سیاہی ہوگی اس کے لئے کچھ نور نہ ہوگا۔ (ترمذی کتاب الرضاعہ باب ۱۳)

وَأَنْكِحُوا الْأَيَّامِي مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۖ إِنَّ

اور اپنے میں سے بے نکاح لوگوں اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرو اگر وہ

يَكُونُوا فَقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳۱

فقیر ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے مالدار کر دے گا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ [29]

وَلَيْسَتْ تُعْفَفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ

اور جو لوگ نکاح کے لئے اسباب نہیں رکھتے وہ گناہ سے بچیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهِ ۖ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ

مالدار کر دے [30] اور جو لوگ تمہارے غلاموں میں سے (آزادی کی) تحریر چاہیں انہیں تحریر دے دو

إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۖ وَلَا

اگر تم ان میں بھلائی دیکھو اور انہیں اللہ کے (عطا کردہ) مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا۔ [31] اور

تُكْرَهُوا فَتَيْتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِيَبْتَغُوا عَرَضَ

اپنی لونڈیوں کو بد کاری پر مجبور مت کرو جب وہ بچنا چاہتی ہیں کہ اس طرح تم دنیوی زندگی کا

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَنْ يُكْرِهْنَنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ

مال چاہو (تو یہ جائز نہیں) اور جو انہیں مجبور کرے تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشنے والا

رَحِيمٌ ۝۳۲ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا

مہربان ہے۔ اور یقیناً ہم نے تمہاری طرف واضح آیات اور جو تم سے پہلے گزر گئے ان کی مثالیں

مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝۳۳

نازل کی ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت نازل کی ہے۔ [32]

نادر لوگوں کی مالی و اخلاقی مدد اور غلاموں سے حسن سلوک کا بیان

[29] پردہ داری کے تحفظ کے سلسلہ میں ایک اور حکم فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے جو لوگ نکاح سے محروم ہیں ان کا نکاح کرو یعنی اگر وہ نادر ہیں تو شادی کے سلسلے میں ان کی مالی مدد کرو اور اگر کسی مناسب رشتہ کے طلب گار ہیں تو ان کی اخلاقی مدد کرو تاکہ وہ اپنا دامن عزت بچالیں اور بے حیائی سے دور رہیں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح ہوں یعنی نکاح کی صلاحیت رکھیں اور اس سلسلہ میں سنجیدہ ہوں ان کا بھی نکاح کرو تاکہ وہ کسی بے حیائی میں مبتلا نہ ہوں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ اس وقت فقیر ہیں اور تمہارے خیال میں وہ نکاح کی مالی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے تو اس سے نہ گھبراؤ اللہ انہیں اپنے فضل سے اس قدر غنی کرے گا کہ وہ اپنا پیٹ بھی پال سکیں گے اور اپنے اہل و عیال کا بھی۔

اہمیت نکاح کا بیان

اَنْكِحُوا الْاَيَّامِي صِغَةً امر ہے جو حکم خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم فرما رہا ہے کہ جو شخص مالی مشکلات کی وجہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ نکاح کر سکے۔ اس سے اہمیت نکاح واضح ہے۔ ایک بار بعض صحابہ نے باہم فیصلہ کیا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے۔ رات بھر شب بیداری کیا کریں گے اور کبھی شادی نہیں کریں گے اور دنیا سے الگ ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تم یہ باتیں کر رہے تھے؟ سنو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں مگر میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ رات کو تہجد پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي تو جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میرے پیروکاروں میں سے نہیں ہے۔ (بخاری کتاب النکاح باب ۱، مسلم کتاب الصیام حدیث ۷۴)

عیسائیوں میں سے کیتھولک فرقہ کے پادری اور راہبہ عورتیں شادی نہیں کرتیں۔ وہ اپنی زندگی کو چرچ کی خدمت کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ مگر انسانی بشری تقاضوں کو دبایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ اخبارات اور ٹی وی میں اکثر ایسے واقعات آتے رہتے ہیں کہ پادری اور راہبہ عورتیں باہم زنا کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یعنی دین اسلام کی تعلیمات اور سنت مصطفیٰ ﷺ کی پیروی ہی میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔

بیوہ عورت اور رنڈوے مرد کے نکاح کی ترغیب

وَأَنْكِحُوا الْاَيَّامِي میں الایامی ایتھ کی جمع ہے۔ جو اصل میں بیوہ عورت کو کہتے ہیں تاہم یہ لفظ نکاح سے محروم رنڈوے مردوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ معلوم ہوا اگر عورت یا مرد کا پہلا نکاح ختم ہو جائے اور وہ نکاح کی عمر میں ہوں تو انہیں دوسرا نکاح کرنے سے روکنا گناہ ہے۔ آج ہمارے معاشرہ میں یہ برائی عام ہے کہ بیوہ عورت سے شادی کرنے کو عار سمجھا جاتا ہے اور اگر بیوہ دوسرا نکاح کرے تو اسے شرم دلائی جاتی ہے اور طعن و تشنیع کیا جاتا ہے۔ یونہی اگر کسی شخص کی

بیوی فوت ہو جائے تو اس کے جوان بیٹے اسے دوسری شادی نہیں کرنے دیتے۔ ان قباحتوں کی وجہ سے بیوہ عورتیں اور رنڈوے مرد گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ ہمیں قرآن کے حکم وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ کی پیروی کرتے ہوئے بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کے نکاح ثانی کی مخالفت کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

نکاح سے رزق میں وسعت آتی ہے

إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط سے معلوم ہوا نکاح کرنے والا فقیر اللہ کے فضل سے غنی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا حق ہے کہ تین افراد کی مدد کرے۔ وہ نکاح کرنے والا جو گناہ سے بچنا چاہتا ہے، وہ غلام جو آقا کو مال دے کر اس سے آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔“ (ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب ۳۰۔ نسائی کتاب النکاح باب ۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ نے تمہیں نکاح کا حکم دیا ہے تم وہ پورا کرو اور اللہ نے تم سے غنی (مالداری) کا وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا کرے گا اسی لئے اس نے فرمایا: إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط“ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۵۸۲)

عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنا شرک نہیں

مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط میں عباد اور اماء کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور یہاں عبد بمعنی عبادت گزار نہیں بلکہ بمعنی غلام اور خدمت گزار ہے۔ معلوم ہوا جب لفظ عبد بمعنی غلام استعمال ہو تو اس کی نسبت مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔

اور عبد بمعنی خادم حدیث میں بھی بکثرت آتا ہے۔ جیسی من قتل عبدا قتلناہ جس نے اپنے عبد (غلام) کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے۔ (ابوداؤد کتاب الدیات باب ۷) اور فرمایا: العبيد اخوانکم یہ عبید (غلام) تمہارے بھائی ہیں۔ (بخاری کتاب العتق باب ۱۵)

تاہم یہ بھی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے:

اطعم ربك اپنے رب (آقا) کو کھلاؤ اور وَضِي رَبِّكَ اپنے رب (آقا) کو وضو کراؤ، اس کی بجائے یوں کہو سیدی و مولائی اور تم میں سے کوئی یہ نہ کہے عبدی و امتی، یعنی میرا عبد اور میری امت، بلکہ یوں کہے فتای و فتائی و غلاہی۔“ (بخاری کتاب العتق باب ۱۷۔ مسلم کتاب الافاظ حدیث ۱۳)

اس لئے امام ابن بطلال نے کہا یہ کہنا الرجل عبدی یہ شخص میرا عبد ہے۔ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۝ اور حدیث میں جو نبی وارد ہے وہ کراہت کے لئے ہے حرمت کے لئے نہیں۔
(حاشیہ بخاری جلد اول صفحہ ۳۴۶ مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ عبدالرسول یا عبدالنبی نام رکھنے کو شرک اور کفر بتاتے ہیں وہ سخت غلطی غلو فی الدین اور انتہاء پسندی پر ہیں تاہم احسن یہ ہے کہ اس کی بجائے عبداللہ اور عبدالرحمن وغیرہ نام رکھے جائیں۔
[30] یعنی جو رنڈوے مرد نکاح کی مالی ذمہ داریاں اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے مگر نکاح کے طلب گار ہیں یا جنہیں کوئی رشتہ نہیں مل رہا انہیں چاہئے کہ جب تک اللہ ان کے لئے فراخی نہیں لاتا وہ کسی گناہ میں ملوث نہ ہوں بلکہ اپنا دامن بچائے رکھیں۔

اسلام میں متعہ کا کوئی وجود نہیں

اللہ تعالیٰ نے رنڈوے مردوں کو نکاح نہ کر سکنے کی صورت میں پاک دامن رہنے کا حکم فرمایا۔ یعنی اگر نکاح کا نعم البدل متعہ ہوتا جیسا کہ اہل تشیع سمجھتے ہیں تو اللہ رب العزت اسے بیان فرماتا اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کر سکتا ہے وہ ضرور شادی کرے اور جو نہیں کر سکتا وہ روزے رکھے یہ اس کے لئے بڑی حفاظت ہے۔“ (بخاری کتاب النکاح باب ۳)

اور یہ حدیث شیعہ مفسر ملاح اللہ کا شانی نے تفسیر صافی جلد 2 صفحہ 168 میں ذکر کی ہے۔ معلوم ہوا نکاح نہ ہو سکنے کی صورت میں متعہ کا کوئی جواز نہیں بلکہ خواہش نکاح کے دبانے کے لئے روزے رکھنے کا حکم ہے۔

[31] یعنی تمہارا جو غلام تم سے کتابت کا تقاضا کرے یعنی یہ کہے کہ میں تمہیں اتنا مال دیتا ہوں اس کے بدلے مجھے آزادی کی تحریر دے دی جائے تو اسے تحریر دے دو بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی مدد بھی کرو یعنی جو مال طے پایا اس میں سے کچھ معاف کر دو یا عام مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کے عطا کردہ مال سے ایسے غلام کی مالی مدد کرو تاکہ وہ آزادی حاصل کر لے بشرطیکہ تم اس میں بھلائی دیکھو یعنی اگر تم دیکھو کہ یہ کافر غلام آزاد ہو کر کفار کا مددگار بن جائے گا یا دوسرے گناہوں میں ملوث ہوگا تو اسے تحریر نہ دو۔ یاد رہے کہ ایسے غلام کو جسے مذکورہ تحریر دے دی جائے مکاتب کہا جاتا ہے۔

اسلام نے غلامی کا سلسلہ ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے

معلوم ہوا کہ اسلام نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے مٹانے میں کوشش کی ہے۔ البتہ غلامی کی اجازت اس لئے دی گئی کہ دور نزول قرآن میں کفار سے جنگیں جاری تھیں جن میں کفار مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لیتے تھے اگر اس کے مقابلہ میں کفار کو غلام نہ بنایا جاتا تو بڑا فساد لازم آتا۔ اہل اسلام گرفتار ہو کر کفار کے غلام بنتے رہتے اور

کفار آزاد ہوتے جاتے۔ مگر اس کیساتھ اللہ تعالیٰ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی اس قدر رغبت دلائی اور اس قدر غلام آزاد کیے گئے کہ دھیرے دھیرے دنیا سے غلام ہی ناپید ہو گئے۔ یعنی اسلام نے غلامی کے ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ [32] بے حیائی کے سد باب کے حوالہ سے دور نزول قرآن میں کفار عرب میں پائی جانے والی ایک غلیظ رسم کی سرکوبی کی جارہی اور مسلمانوں کو اس سے دور رہنے کی تاکید کی جارہی ہے۔ وہ یہ کہ اہل جاہلیت اپنی لونڈیوں سے جبراً زنا کرواتے تھے اور بڑے رئیسوں اور سرداروں کو لونڈیاں پیش کر کے ان سے سیاسی مراسم پیدا کرتے تھے اور جب لونڈیوں کو حمل ہو جاتا تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ بھی ان کا غلام ہوتا اور وہ اسے بیچ کر مال کماتے۔ اسلام نے آ کر ان فواحش کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت سدی سے مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی ایک لونڈی تھی جب اس کے پاس کوئی بڑا مہمان آتا وہ اپنی لونڈی اسے پیش کرتا تا کہ بدلے میں اس سے بڑا معاوضہ حاصل کرے۔ اس لونڈی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے دکھ کی فریاد کی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ماجری عرض کیا: آپ ﷺ نے فرمایا عبد اللہ کو قیمت دے کر اس سے لونڈی آزاد کروائی جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيَاتِكُمْ۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۹۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے لوگو! اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مت مجبور کرو جب وہ اپنا دامن پاک رکھنا چاہتی ہیں اور اگر تم ان کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر ان سے بدکاری کرواتے ہو تو اللہ انہیں معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ مجبور تھیں۔ معلوم ہوا جس سے جبراً گناہ کروایا جائے اس کے لئے معافی کا دروازہ ہے اور گناہ اس کے سر آئے گا جو گناہ کروائے جیسے اگر سرکاری افسران کسی کو اس کا جائز حق رشوت لئے بغیر نہ دیں اور وہ رشوت دینے پر مجبور ہو جائے تو اسے رشوت دینے کا گناہ نہ ہوگا تاہم ایسے حرام خور افسران کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ط

اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے۔ [33] اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے جس میں چراغ ہے۔

الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ط الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ

وہ چراغ شیشے میں ہے، شیشہ ایسا ہے جیسے چمکتا ستارہ۔ [34] یہ چراغ برکت والے درخت

شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ لَا يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ

زیتون (کے تیل) سے جلایا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بھڑک اٹھے

لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُورٌ عَلَى نُورٍ ط يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يُشَاءُ ط وَيَضْرِبُ

خواہ اسے آگ نہ چھوئے، یہ نور بالائے نور ہے، اللہ اپنے نور کے لئے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ

اللَّهُ الْأَمْثَالُ لِلنَّاسِ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۳۵

لوگوں کو مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [35]

دین محمدی کے نور کی چمکتے چراغ سے تشبیہ

[33] گزشتہ رکوعات میں اسلامی حدود اور اسلامی پردے کی بات کی گئی جو ایک دینی و ایمانی روشنی ہے اور جس قدر دین اسلام دنیا میں پھیلتا ہے اسی قدر جہالت کی تاریکی دور ہوتی اور علم و معرفت کا اجالا پھیلتا ہے۔ اس لئے اب دین محمدی کو چمکتے چراغ سے تشبیہ دی جا رہی ہے تو فرمایا اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اب یہاں سوال ہے کہ نور ایک عرض ہے جو قائم بالغیر ہے جبکہ اللہ قائم بالذات بلکہ قیوم کائنات ہے۔ تو اللہ کو نور کیسے کہہ دیا گیا؟ اللہ کو تو نور والا کہنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ اہل ارض و سما کا ہدایت دینے والا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ آسمان کو فرشتوں سے اور زمین کو انبیاء سے روشن کرنے والا ہے اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اللہ آسمان و زمین کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ [34] اللہ رب العزت کا وہ نور جس سے اس نے اہل ایمان کے دل روشن کئے، اسکی مثال یوں ہے جیسے دیوار میں ایک مشکوٰۃ (طاق یعنی خانہ) ہے جس میں مصباح (روشن چراغ) جل رہا ہے اور اس چراغ کے گرد ایک شیشہ لگا ہوا

ہے اور شیشہ اس قدر چمک دار ہے جیسے آسمان کا روشن ستارہ ہو۔ یعنی اس شیشے کی وجہ سے دیوار میں وہ چراغ یوں چمکتا نظر آ رہا ہے جیسے آسمان میں روشن ستارہ اور اس چراغ کو مبارک درخت زیتون سے تیل دیا گیا ہے اور وہ درخت بھی کسی شرقی یا غربی جگہ پر نہیں بلکہ کسی کھلے میدان یا پہاڑ کی چوٹی پر ہے تاکہ اسے ہر طرف سے ہوا اور روشنی ملے کیونکہ ایسے زیتون کے درخت کا تیل بہت عمدہ ہوتا ہے (اور جو درخت کسی پہاڑ کے مشرق یا مغرب میں ہو اسے نہ مکمل دھوپ ملتی ہے نہ مکمل ہوا اس سے نکلنے والا زیتون بہت عمدہ نہیں ہوتا) لہذا اس درخت زیتون کا تیل اس قدر عمدہ ہے کہ لگتا ہے خود ہی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ بھی چھوئے جب ایسے عمدہ تیل سے وہ چراغ جلایا گیا ہے تو اس کی روشنی کا کیا کہنا۔

اب اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ نُورِ مُحَمَّدٍ ﷺ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مَصْبَاحٌ، یعنی نور محمد ﷺ کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو۔ آگے انہوں نے فرمایا کہ طاق سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، اس میں روشن چراغ آپ کا قلب مبارک ہے اور اس پہ شیشہ آپ کا صدر مبارک ہے اور آپ کے قلب مبارک کے چراغ کو نور نبوت کے تیل سے روشن کیا گیا ہے جو اس قدر عمدہ ہے کہ اگر آپ خود کو نبی نہ بھی کہیں تو قریب ہے کہ آپ کی صورت و سیرت ہی آپ کے نبی ہونے کی خبر دے دے (اور دیکھنے والا پکاراٹھے کہ یہ کسی رسول ہی کا چہرہ ہو سکتا ہے اور یہ کسی رسول ہی کی سیرت ہو سکتی ہے)

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۲۳ حدیث ۲۶۱۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت بچپن ہی سے روشن ہو چکی تھی۔ آپ کی ولادت پہ آپ کی والدہ نے وہ نور دیکھا جس میں انہیں شام کے محلات نظر آ گئے۔ (ترمذی) آپ کی ولادت سے قبل آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب کی پیشانی سے وہ نور نکلا جس کے آگے ابرہہ کے ہاتھی سرنگوں ہو گئے۔ (دلائل النبوة)

پھر بچپن میں آپ کا شق صدر کیا گیا، بارہ برس کی عمر میں آپ شام گئے تو بحیرا راہب نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، یہ بچہ رسول رب العالمین اور رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہونے والا ہے۔ (ترمذی) اعلان نبوت سے قبل آپ کے چچا ابوطالب آپ کو دیوار کعبہ کے ساتھ کھڑا کر کے بارش کی دعا کرتے تو بارش برسے لگتی تھی۔ (بخاری)

آپ سفر پہ جاتے تو بادل آپ پہ سایہ کرتا تھا، یہ سب اعلان نبوت سے قبل کی باتیں ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی نبوت کا چراغ ایسے تیل سے جلایا گیا ہے جو آگ دکھانے سے قبل ہی جل اٹھنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مشکوٰۃ (طاق) حضور ﷺ کا باطن ہے۔ شیشہ آپ کا قلب ہے اور چراغ وہ نور نبوت ہے جو آپ کے قلب میں روشن ہے اور درخت زیتون جو نہ شرقی ہے نہ غربی، سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں جو نہ یہودی ہیں نہ عیسائی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا (آل عمران ۶۷) تو یہ چراغ نور علی نور ہے کیونکہ قلب مصطفیٰ ﷺ بھی نور ہے اور قلب ابراہیم علیہ السلام بھی نور ہے۔

(تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۷۸۔ درمنثور جلد ۶ صفحہ ۱۹۸، خازن جلد ۵ صفحہ ۷۸)

چراغ محمدی کے لئے ابراہیمی زیتون کے تیل کی بات اس لئے کی گئی کہ حضور ﷺ دین ابراہیمی کے وارث بن کر تشریف لائے اسی لئے آپ کے دین کو ملت ابراہیمی کہا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے درخت زیتون سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مراد ہونے کو مزید یوں واضح کیا ہے کہ آپ نہ عیسائی ہیں نہ یہودی کیونکہ عیسائی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہودی مغرب کی طرف (اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرو۔) (بقرہ ۱۷۷)

ان تفسیری اقوال کو امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے اس خوبصورت شعر میں سمو دیا ہے:

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا
اس آیت سے دونوں حاصل ہوئے:

(۱) نورانیت مصطفیٰ ﷺ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کو نور محمدی سے تعبیر قرار دیا جیسا کہ ابھی بیان ہوا اور بلاشبہ حضور سید عالم ﷺ کا جسم مبارک بھی سراپا نور ہے۔ اسی لیے آپ کے جسم منور کا سایہ نہ تھا۔ صحابی رسول حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول الله ﷺ لم يكن يُرى له ظلٌّ في شميسٍ ولا قمرٍ۔ ”نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ سورج کے سامنے ظاہر ہوتا تھا نہ چاند کے سامنے۔“ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸ باب ۳۴ بروایت حکیم ترمذی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور اسی سورت کے دوسرے رکوع کے تحت گزر چکا ہے کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ منافقین نے تہمت رکھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے جھوٹا قرار دیتے ہوئے ایمان افروز باتیں کہیں۔ ان میں سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کے جسم مقدس کا سایہ نہیں بنایا، تا کہ اس پہ کسی انسان کا قدم نہ پڑے، جب اللہ کو آپ کا اس قدر لحاظ ہے تو وہ کسی ناپاک عورت کو آپ کے قریب کیسے آنے دے گا۔

(تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ دار الکفر بیروت، مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۷۷۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جب بھی رسول اللہ ﷺ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کا نور سورج کے نور پہ غالب آ جاتا۔ (الوفاء باحوال

المصطفیٰ لابن الجوزی صفحہ ۳۵۷)

اس کی مکمل تحقیق راقم الحروف کی کتاب ”عقائد اہل سنت“ تیسری فصل میں دیکھیں۔

(۲) درخت زیتون کی فضیلت:

یہاں زیتون کو شَجَرَةٌ مُّبَارَكَةٌ فرمایا گیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”زیتون کھایا کرو اور اس کا تیل لگایا کرو کہ یہ برکت والا درخت ہے۔“ (ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب ۳۴)

[35] یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ نور علی نور ہیں مگر سب کو یہ نور نظر نہیں آتا بلکہ اللہ جسے چاہے اس نور کی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور اللہ رہنمائی کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے جیسے اس نے ابھی طاق میں چراغ کی مثال بیان فرمائی۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ لَا يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا

یہ نور ان گھروں (مسجدوں) میں چمکتا ہے کہ اللہ نے انہیں بلند کرنے اور ان میں اپنے نام کے ذکر کیے جانے کا حکم فرمایا ہے۔ [36]

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۚ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

وہاں ایسے مرد دن کے پہلے اور پچھلے پہر اللہ کی تسبیح کہتے ہیں جنہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے

وَأَقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَا الزَّكَاةَ ۚ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ

اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں

وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَهمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ ط

بدل جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کی بہترین جزا دے اور ان پر اپنا مزید فضل فرمائے

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸

اور اللہ جسے چاہے بے حساب عطا فرماتا ہے۔ [37]

[36] یعنی قلب مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں جو چراغِ نبوت روشن کیا گیا ہے اس کی روشنی کہاں نظر آتی ہے تو فرمایا یہ

نور ان گھروں (یعنی مسجدوں) میں روشن ہے جن کے بلند کرنے کا اور ان میں اللہ کے نام کے ذکر کئے جانے کا اللہ نے

حکم فرمایا ہے۔ (مسجدوں کا بلند کرنا دونوں طرح سے ہے، ظاہری طور پر بلند کرنا، کہ ان کے اونچے منار بنائے جائیں اور

روحانی طور پر بلند کرنا کہ انہیں صاف ستھرا رکھا جائے۔ وہاں خرید و فروخت، دنیوی گفتگو، شور و غل اور دیگر منافی آداب

مسجد کاموں سے بچا جائے۔ یعنی ان کی عظمت اور قدر و منزلت بلند کی جائے۔ اور مسجدوں کا بلند کرنا یہ بھی ہے کہ انہیں

آباد کیا جائے اس طرح کہ نماز باجماعت کا شوق ہر مسلمان کے دل میں موجزن ہو جائے۔

[37] یعنی ان گھروں (مسجدوں) میں مردانِ خدا صبح و شام اللہ کی تسبیح کہتے ہیں مطلب یہ کہ نماز پنجگانہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ غُذُو صیغہ واحد ہے یعنی صبح کا وقت اور اَصَال اَصیل کی جمع ہے یعنی شام کے اوقات، کیونکہ صبح کے وقت ایک نماز ہے نماز فجر اور شام کے وقت یعنی پچھلے پہر چار نمازیں ہیں۔ اس لیے صبح کو بصورت واحد اور شام کو بصورت جمع لایا گیا۔ اور یسبح لہ فیہا اس لیے فرمایا گیا کہ نماز میں بکثرت تسبیح کہی جاتی ہے جیسے سبحانک اللہم وبحمدک، سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ اور نماز کے بعد کہی جانے والی تسبیحات وغیرہ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تُلْهِیْہُمْ تِجَارَةً وَلَا بَیْعًا۔ الخ یعنی یہ مردانِ خدا اس لئے مسجدوں میں نماز ادا کرنے آتے ہیں کہ انہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور اقامتِ صلوٰۃ اور ادائیگیِ زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی کیونکہ ان کے دل میں روز قیامت کا ڈر ہے۔ یعنی وہ دن جب لوگوں کے دل اور ان کی آنکھیں بدل جائیں گی یعنی سب عزیز رشتہ دار اور احباب آنکھیں پھیر لیں گے کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ (سوا پرہیزگاروں کے) اس لئے وہ مسجدوں میں نماز پنجگانہ کی حاضری دے کر اس دن کی کامیابی کے لئے تیاری کرتے ہیں۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) نماز باجماعت کی اہمیت۔

اس آیت میں مسجدوں میں آکر نماز پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی۔ اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت گھر میں نماز پڑھنے پر بہت زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”آدمی کی نماز باجماعت اپنے گھر میں نماز پڑھنے پر پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔“ (بخاری کتاب الاذان باب ۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اللہ نے ہدایت کے لیے تمہارے نبی محمد ﷺ کے طریقے جاری کیے ہیں۔ ان میں نماز باجماعت بھی ہے۔ اگر تم بیماروں کی طرح گھر میں نماز پڑھنے لگو تو تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اور یوں تم گمراہ ہو جاؤ گے اور ہم نے وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے منافق ہی پیچھے رہتا تھا، صحابہ میں سے اگر کوئی بیمار ہوتا تو وہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں پہنچ جاتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔“ (مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۵۷)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی اسے نصف شب عبادت کا ثواب دیا جائے گا اور جس نے (اس کے بعد) فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی اسے تمام رات عبادت کا ثواب دیا جائے گا۔“ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”منافقوں پہ سب سے بھاری نمازیں عشاء اور فجر ہیں اور اگر انہیں ان کی فضیلت کا علم ہوتا تو وہ گھٹنوں کے بل بھی چل کر مسجد میں ضرور آتے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ کسی کو مصلیٰ پہ کھڑا کروں اور کچھ لوگوں کے سروں پہ لکڑیاں اٹھوا کر

انہیں ساتھ لیجاؤں اور ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو نماز کے لیے (مسجد میں) نہیں آئے۔“

(بخاری کتاب الاذان باب ۲۹)

(۲) عورت کی نماز مسجد کی بجائے گھر میں افضل ہے

يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۳۶﴾ سے معلوم ہوا کہ مردوں ہی کا مسجد میں آنا عند اللہ محبوب ہے۔ رہی عورتیں تو ان کا آنا اگرچہ جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ عورت گھر میں نماز پڑھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں کی نماز کے لئے سب سے بہتر جگہ ان کے گھر کی بند کوٹھڑی ہے۔“ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۷) تاہم عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا نہیں چاہیے کہ اس سے حدیث میں نہیں وارد ہوئی ہے۔ البتہ از خود عورتوں کو احساس ہونا چاہیے کہ ان کے لیے گھر میں نماز کا ثواب زیادہ ہے۔

(۳) کاروبار چھوڑ کر نماز پڑھنا سب سے افضل نماز ہے

لَّا تُلْهِهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ سے معلوم ہوا کہ عین تجارت کے درمیان سے اٹھ کر نماز کے لئے مسجد میں پہنچنا بندے کی وہ ادا ہے جس کی تعریف اللہ قرآن میں فرماتا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ندا آئے گی کون ہیں وہ لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی تو وہ انھیں گے اور بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے۔“

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۱۰ حدیث ۱۳۶۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ بازار میں خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ مگر جیسے ہی اذان کی آواز آئی تو سب اپنی خرید و فروخت کو چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ نے یوں فرمائی ہے: لَّا تُلْهِهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۰۷ حدیث ۱۳۶۶۳)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کھلے صحراء میں چمکتی ریت، جسے پیاسا آدمی (دور سے) پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ

إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۖ وَاللَّهُ

جب کافر اس کے پاس آئے گا تو اسے کچھ نہ پائے گا اور وہاں اللہ کو پائے گا جو اس سے پورا پورا حساب لے گا اور اللہ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كُظِّلَتْ فِي بَحْرِ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ ۝

جلد حساب لینے والا ہے۔ [38] یا (کافر کے اعمال) طوفانی سمندر میں تاریکیوں کی طرح ہیں جسے موج نے

مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ

ڈھانپا ہے اس کے اوپر پھر موج ہے اس کے اوپر بادل ہیں۔ اوپر تلے تاریکیاں ہیں جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو قریب نہیں کہ اسے

يَكْدِرُهَا ۖ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۝ ع

دیکھ سکے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہ بنائے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔ [39]

[38] مومنین کے مسجدوں میں آ کر نماز پڑھنے کا اجر بتانے کے بعد اب کفار کی عبادات و صدقات اور دیگر نیکیوں کے ضیاع پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تو فرمایا کہ کفار کے اعمال ایسے ہیں جیسے پیاسے شخص کو ریگستان میں دور سے چمکتی ریت پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر جب وہ قریب جاتا ہے تو وہاں گرم ریت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی حال کافر کا ہے روز قیامت اسے اپنے اعمال کی بربادی پر وہی حسرت و مایوسی ہوگی جو پیاسے کو پانی کی بجائے ریت دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہاں انہیں اعمال کا اجر تو نہیں ملے گا مگر اللہ وہاں ضرور ہوگا جو ان کے کفر و شرک اور اسلام دشمنی کی انہیں پوری سزا دے گا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے جو ساری مخلوق سے چھ گھنٹے میں حساب لے لے گا۔

[39] کفار کے اعمال کی بربادی اور ان کی گمراہی کی دوسری مثال یوں ہے کہ جیسے طوفانی سمندر کی تہہ جس کے اوپر موج پہ موج چڑھی ہے۔ اس کی تہہ میں شدید تاریکی ہے۔ کیونکہ سمندر کی تہہ خود ہی بے حد تاریک ہے پھر اس پر موج پہ موج چڑھ آئے پھر اس کے اوپر بادل چھا جائیں تو تاریکیاں تہہ در تہہ گہری ہو جاتی ہیں۔ یہی حال کفار کی گمراہی کا ہے کہ وہ خود گمراہ، ان کے آباء و اجداد گمراہ اور آس پاس کے سب اقرباء اور دوست گمراہ۔ اب ان میں سے روشنی اسے ہی مل سکتی ہے جسے اللہ روشنی دے۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے اسے کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔ مروی ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ربیعہ بن اُمیہ کے بارے میں اتری وہ جاہلیت میں سچے دین کی تلاش کرتا تھا وہ ٹاٹ کے کپڑے پہنتا تھا مگر جب نور

محمدی کا ظہور ہوا تو وہ کفر میں مبتلا ہو گیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۸۲)

یہی حالت یہودی کی ہے وہ ظہور نور محمدی ﷺ سے قبل آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے تھے مگر آپ ﷺ کی تشریف آوری پر وہ آپ کے دشمن ہو گئے اور مدینہ طیبہ کے بت پرستوں کو نور ایمان مل گیا اور وہ انصار کہلائے۔ گویا ہدایت کی روشنی اسے ہی ملتی ہے جسے اللہ دینا چاہے۔

الْمُتَرَّانَ اللَّهُ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَتْ ط

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے لیے تسبیح کہتا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔

كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝۳۱ وَاللَّهُ

اور پرندے پر پھیلائے ہوئے اس کی تسبیح کہتے ہیں۔ ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح سے واقف ہے اور اللہ

مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالِىَّ اللَّهُ الْمَصِيرُ ۝۳۲ اَلْمُتَرَّانَ اللَّهُ يُزْجِي

ان کے افعال سے واقف ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی کی طرف

سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

سب نے پلٹنا ہے۔ [40] کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ بادلوں کو خراماں خراماں چلاتا ہے پھر انہیں جمع کرتا پھر انہیں تہہ بہ تہہ

خَلِيلِهِ ۚ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ

کردیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے پانی بہہ نکلتا ہے اور اللہ آسمان سے برف کے پہاڑ جو اس میں ہیں اتارتا ہے

يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ط يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ط

پھر اسے جن لوگوں پر چاہے پہنچا دیتا ہے اور جن سے چاہے پھیر دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھیں ضائع کر دے۔ [41]

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝۳۳

اللہ رات دن کو ادا بدل کر رہا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔ [42]

اللہ کا ہر چیز پہ حق مالکیت و راز قیت

[40] گزشتہ رکوع میں نور محمدی ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی گئی اور اہل مساجد کی فضیلت بتائی گئی۔ اب اللہ رب

العزت اپنی قدرتیں اور عظمتیں بیان کر کے اپنے بندوں کو عبادت کی طرف متوجہ فرما رہا ہے تاکہ ان کے دل میں اپنے خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہونے اور مسجدوں کی طرف کشاں کشاں آنے کی رغبت پیدا ہو۔ تو فرمایا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کہتی ہے۔ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ میں مَنْ برائے ذوی العقول ہے مگر اس جگہ یہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ (صف ۱) اور فرمایا گیا: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ۔ (اسراء ۴۴)

اگر کہا جائے کہ کفار بھی مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں شامل ہیں مگر وہ کس طرح اللہ کی تسبیح کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ قدرت خداوندی کے سامنے ان کی بے کسی و بے بسی ان کی زبان حال سے تسبیح الہی ہے اور ان کے سائے زمین پہ دائیں بائیں جھک کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں يَتَفَتَّيْوْا ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ۔ ”ہر چیز کا سایہ دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔“ (نحل، آیت: ۴۸)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پرندے پر پھیلائے ہوئے اللہ کی تسبیح کہتے ہیں اور پرندے ہی نہیں ہر چیز کو اپنی صلوٰۃ یعنی طریقہ عبادت اور اپنی تسبیح کا علم ہے یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو الگ ذکر عطا فرمایا ہے۔ چڑیوں کے چہچہے، بلبلوں کی آہ و فغاں، کوئل کے نغمے، کلیوں کا تبسم، موجوں کی روانی اور پہاڑوں کی بلندی سب اللہ ہی کی حمد و ثناء ہے اور اللہ سب کے حال سے آگاہ ہے۔ کیونکہ کائنات ارضی و سماوی میں اسی کی حکومت ہے اور سب نے اسی کی طرف پلٹنا ہے لہذا ہر کوئی اس کی تسبیح میں منہمک ہے معلوم ہوا جب ہر مخلوق اللہ کی عبادت و تسبیح میں لگی ہوئی ہے تو اشرف المخلوقات انسان کا اس کی عبادت سے منہ موڑنا کس قدر افسوسناک ہے۔

[41] اللہ تعالیٰ اپنے مستحق عبادت ہونے کی ایک دلیل بیان فرما رہا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہوا کے دوش پر آہستہ آہستہ چلا کر لاتا ہے پھر انہیں اکٹھا کر کے انہیں تہہ بہ تہہ گہرا بادل بنا دیتا ہے پھر اس سے پانی برسنے لگتا ہے اور پانی سے ہر جاندار مخلوق کی زندگی وابستہ ہے۔ پانی نہ برے تو دریا خشک، کنوئیں بند اور چشمے خاموش ہو جائیں۔ تو اللہ کے سوا کون ہے جو کروڑوں اربوں ٹن وزنی بادل بناتا اور ان سے پانی برساتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِزَّابًا فِيهَا مِزْرٌ، یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ بادلوں میں برف کے پہاڑ ہوتے ہیں جن سے زمین پر اگلے پڑتے ہیں اور اللہ برف کے پہاڑوں کو جس قوم کی طرف چاہے لے جاتا ہے اور ان کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اور جس قوم سے چاہے ان کا رخ موڑ دیتا ہے اور وہ بچ جاتے ہیں۔ لہذا ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادلوں ہی

میں بجلی چمکتی ہے جو اس قدر روشن ہوتی ہے کہ ممکن ہے دیکھنے والوں کی آنکھیں اُچک لے تو پانی اور برف میں یہ آگ کہاں سے آئی؟ یہ قدرتِ خداوندی نہیں تو کیا ہے۔

[42] اللہ ہی رات دن کو پھیر پھیر کر لا رہا ہے یعنی سلسلہ شب و روز اور نظام شمس و قمر اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس میں لامذہبیت کا مکمل رد ہے۔ تو جو لوگ خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود غیر اسلامی نظریات سے متاثر اور اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات کے قائل ہیں کیا وہ قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے؟۔ اگر وہ قرآن نہیں پڑھتے تو کم از کم اپنی عقل پہ زور دیں کہ جب ایک ادنیٰ سی مشین کسی کے چلائے بغیر از خود نہیں چلتی تو اتنا بڑا نظام شمسی اور سلسلہ شب و روز کسی تفاوت کے بغیر ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر سے پاک ہزاروں برس سے کیسے از خود چل رہا ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اللہ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کوئی جانور اپنے پیٹ پہ چلتا ہے اور کوئی

مَّن يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ ۖ يَخْلُقُ اللَّهُ

دو پاؤں پہ چلتا ہے اور کوئی چار پاؤں پہ چلتا ہے اللہ جو چاہے پیدا کرے۔ بے شک اللہ

مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٣﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۖ

ہر چیز پر قادر ہے [43] بلاشبہ ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ

وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٤﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ

کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور منافقین کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر

وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ وَمَا

ایمان لائے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد منہ پھیر لیتا ہے اور وہ لوگ

أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا

مومن نہیں ہیں۔ [44] اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول (ﷺ)

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ

ان کے مابین فیصلہ کر دیں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر ان کے حق کی بات ہو تو آپ (ﷺ) کی طرف

مُذْعِنِينَ ﴿٤٧﴾ أَفَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ

دوڑے آتے ہیں۔ [45] کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا ان کو شک ہو گیا ہے یا وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ

اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٨﴾

اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے؟ نہیں بلکہ وہی ظالم ہیں۔ [46]

[43] اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا کیونکہ ہر جانور نطفہ کے پانی سے پیدا ہوتا ہے اور گندگی میں پیدا ہونے والے حشرات الارض کی پیدائش میں بھی پانی کا دخل ہے اگر گندگی میں نمی نہ ہو تو کوئی کیڑا پیدا نہ ہو سکے۔ پھر زمین پہ چلنے والے جانوروں میں سے کوئی جانور اپنے پیٹ پر چلتا ہے جیسے سانپ اور سانپ جیسی چیزیں۔ بعض جانور دو پاؤں پہ چلتے ہیں جیسے مرغیاں، شتر مرغ اور پرندے اور انسان بھی زمین پہ دو قدموں ہی سے چلتا ہے حقیقت میں وہ بھی ایک دابہ ہے۔ اور بعض جانور چار قدموں پہ چلتے ہیں جیسے گھوڑے، خچر، گدھے، اونٹ وغیرہ۔ اسی سے لفظ چوپائے نکلا یعنی چار پاؤں والے جانور۔ تو اللہ جو چاہے پیدا کرے اس نے جسے جس طرح چاہا پیدا کر دیا یہ اس کی قدرت ہے۔ اللہ کے نہ ماننے والوں کے لئے یہاں بڑی عبرت ہے۔

اللہ کے منکرین کہتے ہیں ہر چیز کو فطرت پیدا کرتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ فطرت کا تقاضا تو ایک جیسا ہوتا ہے جیسے انسان کی فطرت جس قسم کا کھانا کھانے کا تقاضا کرتی ہے وہ اس سے بدل نہیں سکتی کوئی انسان جانوروں کی طرح چارہ کھانے کی طرف رغبت نہیں رکھ سکتا اور کوئی جانور انسانوں جیسا کھانا کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا یعنی فطرت اپنا تقاضا بدل نہیں سکتی۔ اگر جانوروں کو فطرت نامی کوئی خیالی چیز پیدا کرتی ہے تو اس نے سب جانوروں کو ایک جیسا کیوں نہ بنایا۔

[44] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں واضح آیات اتاری ہیں مگر اس کے باوجود منافقین کے دلوں میں قرآن نہیں اترتا۔ وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں مگر جب ان میں سے کسی گروہ کے مفاد میں زد پڑے تو وہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں دراصل وہ اللہ و رسول پر ایمان نہیں رکھتے وہ اپنے مفادات پر ایمان رکھتے ہیں۔

[45] حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ آیات منافقین مدینہ میں سے ایک شخص کے بارے میں اتری۔ اگر اس کا کسی شخص سے جھگڑا ہو جاتا اور وہ منافق حق پر ہوتا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرواتا اور اگر وہ ظالم ہوتا اور اسے کہا جاتا کہ چلو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرواتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا اور کہتا کہ فلاں شخص سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ (اس سے یہودی سردار کعب بن اشرف مراد ہے) (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں اللہ و رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جائے تو وہ منہ موڑ لیتے ہیں لیکن اگر بات ان کے حق کی ہو تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑتے آتے ہیں۔ معلوم ہوا صرف مقصد کی نیکی کرنا منافقین کا کام ہے۔

[46] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا ان منافقین کے دل میں کفر کا مرض ہے یا اب انہیں کوئی نیا شک پڑ گیا ہے یا وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ و رسول ان سے انصاف نہیں کریں گے حالانکہ وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتے بلکہ منافقین خود ہی ظلم کرنے والے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

مومنوں کی بات تو یہی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلا یا جائے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ فرمائے

أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ

تو وہ کہہ دیں کہ ہم نے حکم سنا اور مان لیا اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ [47] اور جو شخص اللہ

وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ

اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ مقصد پانے والے ہیں۔ [48]

جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ لِنِ أَمْرَتِهِمْ لِيُخْرِجَنَّ قُلٌّ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةً مَّعْرُوفَةً ط

اور منافقوں نے نام خدا پر مضبوط قسمیں اٹھائیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (جہاد کے لیے) ضرور نکلیں گے۔ آپ فرمادیں قسمیں نہ اٹھاؤ،

إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ج

بھلائی والی اطاعت مطلوب ہے۔ [49] اللہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ آپ فرمادیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ط وَإِنْ تُطِيعُوهُ

پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول پر اس کی ذمہ داری لازم ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری، اور اگر تم اس کی اطاعت کرو تو

تَهْتَدُوا ط وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

ہدایت پالو گے۔ اور رسول ﷺ کے ذمے تو صرف کھلے طور پر حکم کا پہنچانا ہے۔ [50]

اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم

[47] گزشتہ آیات میں منافقین کی اللہ اور اس کے رسول سے نافرمانی بتائی جا رہی تھی اب مومنین کی اللہ و رسول سے

اطاعت بتائی جا رہی ہے کہ جب انہیں عوت دی جائے کہ آؤ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں تو وہ پکار

اُٹھتے ہیں کہ ہم نے اللہ و رسول کا حکم دل کے کانوں سے سن کر اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کتاب و سنت کی حاکمیت

یعنی تاقیامت مومنین کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی روشنی میں اپنے ہر جھگڑے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ لہذا کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور قانون و آئین کو نہیں مانتے، نہ ہی کسی غیر اسلامی قانون کو اسلامی قانون پہ بالادستی دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی کورٹ کے جاری کردہ فیصلہ کو کسی غیر شرعی کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) مومنوں کی کامیابی کا راز۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کامیابی اللہ و رسول کی اطاعت میں ہے۔ آج ہماری ذلت و نامرادی کا یہی سبب ہے کہ ہم نے اللہ و رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہے۔ اگر آج بھی ہم ان کی غلامی و اطاعت کا پٹہ گلے میں ڈال لیں تو ہر میدان میں کامیابی ہمارے قدم چومنے کو تیار ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ اطاعت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ كَالْفَاظِ اگرچہ تاقیامت سارے مومنوں کو شامل ہیں مگر یہ صحابہ کرام کے حق میں اترے اور بلاشبہ صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج پر گئے تو انہوں نے میدان عرفہ میں اونٹنی کو ایک جگہ گھمایا لوگوں نے پوچھا یہ کیا؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دن میدان عرفہ میں اپنی اونٹنی گمائی تھی میں نے ان کی سنت پوری کی ہے۔

[48] یعنی جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے اور اللہ کی نافرمانی سے بچے تو یہ لوگ دنیا و آخرت میں اپنا مقصد پا گئے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) ختم نبوت۔

اس رکوع میں إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ (آیت ۵۱) وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (آیت ۵۲) قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (آیت ۵۳) اور وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (آیت ۵۶) کے الفاظ میں پانچ بار اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا۔ معلوم ہوا اللہ کے بعد صرف آپ کی اطاعت ہی مسلمانوں پہ لازم ہے باقی سب امت خواہ صحابہ ہوں یا دوسرے لوگ سب مبلغ ہیں حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی مبلغ ہی بن کر آئیں گے۔ اطاعت صرف اللہ عز و جل اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

اب اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول مانا جائے تو سوال یہ ہے کہ آپ کا حکم چھوڑ کر اس کا حکم مانا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں مانا جاسکتا تو پھر وہ رسول ہی نہیں کیونکہ رسول تو اطاعت ہی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ ”ہم کسی رسول کو اسی لیے بھیجتے ہیں تاکہ حکم الہی سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ (نساء، ۶۴)

جب اس کی اطاعت لازم نہیں تو وہ رسول ہی نہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم چھوڑ کر اس نئے نبی کا حکم مانا جاسکتا ہے تو پھر أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کے حکم کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ بلکہ اس مفہوم کی تمام آیات کو منسوخ ماننا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ اب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ختم ہوگئی ہے بلکہ نئے رسول کی اطاعت لازم ہوگئی ہے اور آپ کی اطاعت کو لازم نہ ماننا آپ کی رسالت سے نفی کرنا ہے۔

پھر یہاں بار بار رسولہ اور الرسول کہا گیا۔ اور یہ دونوں معرفہ کے صیغے ہیں جو ایک ہی ذات پہ بولے جاسکتے ہیں۔ معلوم ہوا قرآن کے مخاطبین میں آپ ﷺ کے سوا لفظ رسول کا کوئی مصداق نہیں۔ اگر کوئی اور مصداق بھی ہوتا تو وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ اور مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ کہا جاتا۔

(۲) حجیت حدیث

اللہ و رسول دونوں کی اطاعت کا حکم دے کر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح نبی کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔ مگر سب سے پہلے پرویز فرقہ نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے حدیث کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ حدیث رسول بھی اصل میں حکم خدا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ ”جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ (نساء، ۸۵)

(۳) عصمت رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی مطلق اطاعت کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول و عمل نفسانی یا شیطانی خواہش کی بنیاد پہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کا ہر حکم وحی خدا کی بنیاد پہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ معصوم ہونا رسول ہی کا خاصہ ہے کسی اور کو یہ منصب حاصل نہیں۔

(۴) شیعوں کی وضع کردہ امامت منصوصہ کا رد۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول ہی اللہ کا منتخب اور نص کردہ نمائندہ ہے اسی لیے صرف رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی طرح مطلقاً فرض قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا منصوص و منتخب نہیں ہے۔ لہذا اہل تشیع کا رسول ﷺ کے بعد بارہ (۱۲) اماموں کو منصوص من اللہ کہنا قرآن کے ساتھ زیادتی کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سارے قرآن میں کسی جگہ یہ بھی فرماتا: واطيعوا الله والرسول والامام، اللہ اور رسول اور امام کی

اطاعت کرو۔ مگر ایسا نہیں کہا گیا۔

[49] منافقین، اللہ تعالیٰ کے نام سے پکی قسمیں اٹھا کر حضور سید عالم ﷺ سے کہتے کہ اگر آپ نے انہیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو وہ ضرور نکلیں گے مگر جب وہ وقت آتا تو وہ گھروں میں بیٹھ جاتے اور جھوٹے بہانے کر کے معذرتیں کر لیتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے رسول ﷺ! آپ منافقین سے فرمادیں کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں دیگر مسلمانوں کی طرح تم بھی اطاعت بجالاؤ اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ معلوم ہوا جھوٹی قسمیں اٹھانا منافقین کا کام ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن قسمیں اٹھانے کی بجائے کام کر کے دکھاتا ہے اور منافق صرف قسمیں اٹھاتا ہے۔

[50] یعنی سب مومنوں اور منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت بجالاؤ اور اگر تم ان کی اطاعت سے منہ موڑو تو رسول اللہ ﷺ کا کام صرف تم تک پیغام خدا کا پہنچانا ہے اور انہوں نے اپنا کام باحسن طریق ادا کر دیا ہے۔ اب تمہارا منہ موڑنا تمہیں لے ڈوبے گا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں

الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ

خلافت دے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی۔ اور ان کے لیے انکا دین مضبوط کر دے گا

الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي

جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور ان کو خوف کے بعد امن عطا فرما دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے

لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥١﴾

میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو یہی لوگ بدکردار رہیں۔ [51]

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٢﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، یہ مت سمجھو کہ

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ

کفر کرنے والے (ہمیں) زمین میں بے بس کر دیں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٣﴾

اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ [52]

﴿خلافت راشدہ کے دوران دین کی مضبوطی اور حصول امن کی بشارت﴾

[51] گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن و سنت کی حکمرانی قائم کی جائے اور اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں میں ایسی خلافت جاری کی جائے جو آپ کے طریقہ (منہاج النبوة) کے مطابق قرآن و سنت کا قانون نافذ کرے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ نے مومنوں سے (صحابہ سے) وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں (نبی مکرم ﷺ کے بعد) زمین میں خلافت (رسول اللہ ﷺ کی

نیابت و جانشینی) دے گا جیسا کہ پہلے انبیاء کی امتوں میں ہوا کہ انبیاء کرام کے بعد ان کے جانشین ان کا دین قائم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء کے لئے اس دین کو مضبوط کر دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے (جیسے فرمایا گیا وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) ”میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔“ (مائدہ، ۳) اور انہیں خوف کی جگہ امن دے گا اور اللہ جن کو یہ خلافت دے گا وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے یعنی اللہ کے قانون کے سوا کوئی دوسرا قانون نافذ نہیں کریں گے اور جو حاکم اس طریقہ سے انکار کرے یعنی قانون خدا کے ہوتے ہوئے نیا قانون جاری کرے تو یہ لوگ بدکردار ہیں۔

اس جگہ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي لَفْظِ مَنْكُمْ بتا رہا ہے کہ خلافت دینے کا یہ وعدہ اللہ رب العزت نے ان لوگوں سے فرمایا جو اس آیت کے نزول کے موقع پہ موجود تھے۔ اور بلاشبہ وہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ لہذا یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ کھلی دلیل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں خوف امن سے بدل گیا اور دین نہایت مضبوط طریقہ سے زمین پر نافذ ہو گیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا:

”جب رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین مدینہ طیبہ آئے اور انصار نے انہیں پناہ دی تو سارے عرب نے ان پر حملے شروع کر دیے (غزوات بدر واحد و خندق کی طرف اشارہ ہے) وہ رات کو سوتے ہوئے بھی اسلحہ بدن سے جدا نہ کرتے تھے، آخر وہ کہنے لگے کیا ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم امن سے رہیں گے اور ہمیں اللہ کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ۔“ الخ (متدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ کتاب التفسیر سورہ نور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابوالعالیہ (تابعی) کہتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت خفیہ کرتے تھے۔ وہ خوف زدہ رہتے تھے۔ مگر انہیں اذن جہاد نہ تھا۔ پھر مدینہ طیبہ میں انہیں اذن جہاد دیا گیا۔ مگر انہیں صبح و شام اسلحہ زیب تن رکھنا پڑتا تھا جس سے انہیں بہت تشویش ہوتی، حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوف ہی میں رہیں گے؟ کیا ایسا دن نہیں آئے گا کہ ہمیں امن ملے گا اور ہم اسلحہ اتاریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تشویش کا وقت کم ہی رہتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب تم میں سے کوئی شخص بڑی محفل میں چوڑی مار کر بیٹھے گا اور اسلحہ نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہوگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ - الخ۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جزیرہ عرب پہ غلبہ دیدیا تو صحابہ کو امن ملا اور انہوں نے اسلحہ اتار دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو وفات دیدی تو صحابہ کرام کو خلافت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم میں یہی امن حاصل رہا۔ تا آنکہ وہ حادثات ہوئے (یعنی واقعات جمل و صفین) پھر بعد کے لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے پھر ان پہ وہ خوف اتار دیا جو ان سے اٹھالیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۲۹ حدیث ۷۷۲۷ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ)

گویا اس آیت مبارکہ میں جو وعدہ ہوا وہ عہد صحابہ میں خلافت راشدہ کے دوران دین کی مضبوطی کی صورت میں پورا کر دیا گیا۔

اسی لئے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے ایک شخص نے آ کر بھوک کی اور دوسرے نے آ کر ڈاکہ زنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ (یمین) سے سونے میں لدی ہوئی چلے گی اور آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔ اور تم کسریٰ کے خزانے فتح ہوتے دیکھو گے۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حیرہ سے عورت ولہن بن کر نکلتی اور آ کر طواف کعبہ کرتی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوتا اور جن مجاہدین نے (دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں) شاہ ایران کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح کیا میں بھی ان میں شامل تھا۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۵)

اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں خلافت کے قیام، دین اسلام کی زمین پر مضبوطی اور خوف کے امن سے بدلنے کا وعدہ اللہ رب العزت نے خلافت راشدہ کی صورت میں پورا فرمایا کیونکہ اسی دور میں قیصر و کسریٰ کے تخت الٹائے گئے اور مسلمانوں کو خوف میں مبتلا کرنے والی تمام غیر اسلامی سیاسی قوتوں کا سر کچل دیا گیا۔

آیت خلافت کی تفسیر کتب شیعہ سے

اس آیت کے تحت مشہور شیعہ مفسر علامہ فیض اللہ کاشانی ایرانی نے لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ کی تفسیریوں کی لَیَجْعَلَنَّ لَهُمْ خُلَفَاءَ بَعْدَ نَبِيِّهِمْ کہ اللہ مومنوں کو ان کے نبی (کے وصال) کے بعد خلافت دے گا۔ (تفسیر صافی جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ تہران ایران)

اور علامہ کاشانی نے آگے یہ بھی لکھا:

عن الباقر علیہ السلام لقد قال الله في كتابه لولا اية الامر بعد محمد صلى الله عليه وسلم خاصة وعد الله الذين امنوا منكم - الخ یعنی امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے یہ آیت وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ حضور ﷺ کے بعد حکومت سنبھالنے والوں ہی کے بارے میں ارشاد فرمائی۔ (تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)

لہذا اب اہل تشیع کو بھی یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کو اللہ کی قائم کردہ خلافت قرار دے رہی ہے۔

پھر ایک اور شیعہ مفسر ملا فیض اللہ کاسانی نے اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا:

”و در اند کے وقت حق تعالیٰ بوعدہ مومناں وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسری و بلاد روم بایشان ارزانی داشت“

یعنی پھر تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ وفا کرتے ہوئے جزائر عرب، ممالک کسری اور شہر ہائے روم پر ان کو حکومت عطا فرمادی۔ (تفسیر منہج السادقین جلد ۶ صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ تہران)

اب شیعہ علماء خود ہی بتائیں کہ جزائر عرب ممالک کسری اور شہر ہائے روم اگر خلافت راشدہ میں فتح نہیں ہوئے تو کب فتح ہوئے اور اب اس میں کیا شک باقی رہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کی صورت میں یہ قرآنی بشارت پوری فرمائی کہ وہ مومنوں کو زمین میں خلافت دے گا اور ان کے لیے اللہ کے پسندیدہ دین کو مضبوط کرے گا۔

آیت خلافت کی تفسیر خود مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی

جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایران میں جاری جنگ میں بذات خود شریک ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور فرمایا:

و نحن على موعود من الله والله منجز وعده وناصري جنداه.

اور ہمیں اللہ نے وعدہ نصرت دے رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کی مدد کرنے والا ہے۔ آگے آپ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا کہ آپ حاکم ہیں اور حاکم کا مقام حکومت میں ایسے ہوتا ہے جیسے دھاگے کا تسبیح کے دانوں میں، اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں، تو آپ مرکز اسلام بن کر یہیں ٹھہریں اور جنگ کو کمان کریں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۶ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کہ اللہ نے ہمیں وعدہ دے رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا، کے تحت مشہور شیعہ عالم علامہ کمال الدین میثم بن علی بن میثم متوفی ۶۷۹ھ لکھتا ہے

ثم وعدنا بموعد وهو النصر والغلبة والاستخلاف في الارض كما قال الله وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

پھر اللہ نے جو وعدہ کیا اس سے مدد، غلبہ اور زمین میں خلافت کا حصول مراد ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ دار الثقلین بیروت)

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم حاجی سید علی نقی اپنی فارسی شرح فیض الاسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس خطبہ کی شرح میں لکھتا ہے:

وما بوعدهء از جانب خدا منتظر ایم در قرآن کریم سورہ 24 آیت 55 میفرماید: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ - ہم اللہ کے ایک وعدہ کے منتظر ہیں جو اللہ نے سورہ 24 آیت 55 میں یوں فرمایا: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ الخ (شرح فیض الاسلام صفحہ ۴۴۴ مطبوعہ انتشارات فیض الاسلام تہران)

تو اب کیا شک باقی رہا کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قرآن کی اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ان کی خلافت اللہ کی قائم کردہ خلافت تھی۔ پھر اہل تشیع مولانا علی المرتضیٰ شیر خدائے رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پس پشت ڈال کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو کس منہ سے غاصبانہ قرار دیتے ہیں۔

آیت خلافت کی تفسیر میں شیعہ مفسرین کی قلابازیاں

بعض شیعہ علماء کہتے ہیں کہ آیت خلافت کا مصداق حضرت علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما ہیں۔ کیونکہ وہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے خلافت حاصل کی اور دین کو مضبوط کیا اور خوف کو امن سے بدلا۔ مگر ہم شیعہ علماء سے پوچھتے ہیں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور انہیں بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی جانشینی اور خلافت حاصل ہوئی اور انہوں نے استحکام دین اور قیام امن کا جو بے مثال نقشہ زمین پہ قائم کیا وہی حضرت علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما کو ورثہ میں ملا، تو پھر شیعہ علماء کس منہ سے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے مصداق سے نکالتے ہیں؟

آیت استخلاف کے مصداق میں شیعہ اقوال کا رد

بعض شیعہ علماء کے نزدیک اس آیت کا مصداق امام مہدی ہیں کہ وہ قرب قیامت میں دین کو مستحکم کر کے امن قائم کریں گے۔ مگر یہ عذر لنگ ہے۔ اس آیت میں جمع کے صیغے ہیں جیسے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ، وَلَيُمْكِنَنَّ لَهُمْ دِينُهُمْ، وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ وَغَيْرَ، تو اکیلے امام مہدی ان کا مصداق کیسے بن سکتے ہیں۔ پھر اہل اسلام اس آیت کے نزول کے وقت کفار کی طرف سے جس شدید خوف و ہراس میں مبتلا تھے انہیں قرب قیامت میں قیام امن کے وعدہ سے تسلی دینا اسے کون سمجھ دار قبول کر سکتا ہے؟ یا رو کوئی معقول بات کرو، خوف اب ہے اور امن قرب قیامت میں آئے گا؟

بعض شیعہ علماء کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو گزشتہ امتوں کی جگہ زمین میں خلافت دے گا یعنی اس میں گزشتہ امتوں کی خلافت مراد ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت اور پوری امت کی خلافت مراد ہے نہ کہ چند خاص شخصیات کی مگر یہ تفسیر نہیں تحریف ہے اور الفاظ قرآن کے خلاف ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔

اول: اس آیت میں ان مومنین سے خطاب ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، پھر مِنْكُمْ کہہ کر بتا دیا کہ ان مومنین میں سے بعض کو خلافت ملے گی سب کو نہیں، اگر پوری امت کی خلافت مراد ہوتی تو مِنْكُمْ نہ فرمایا جاتا۔

دوم: اگر پوری امت کی خلافت مراد ہوتی تو پھر عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی قید نہ لگائی جاتی۔ کیا ساری امت عمل صالح کرنے والی ہے؟ اور کیا کوئی ذی ہوش انسان اس تاویل کو قبول کر سکتا ہے؟

سوم: قرآن میں چند جگہ امت محمدیہ کو گزشتہ امتوں کے لیے خلیفہ قرار دیا گیا ہے مگر وہاں پوری امت کا ذکر ہے اس میں عمل صالح کی یا کسی اور چیز کی قید مذکور نہیں۔ جیسے فرمایا گیا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ وَاللَّهُ وَهَّابٌ ۖ (انعام، ۱۶۵) ایک اور جگہ فرمایا گیا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَاللَّهُ وَهَّابٌ ۖ (فاطر، ۳۹) اگر آیت خلافت میں بھی ساری امت کی خلافت مراد ہوتی تو اس میں مِنْكُمْ اور عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور یعبدوننی وغیرہ کی قیدیں نہ لگائی جاتیں۔

چہارم: اگر اس میں ساری امت کی خلافت مراد ہے تو شیعی روایات کا وہ انبار کہاں گیا جو شیعہ تفاسیر صافی، منہج الصادقین، مجمع البیان، المیزان اور البرہان وغیرہ میں ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق امام مہدی ہے کہ اسے اللہ خلافت دے گا اور وہ اپنے زمانہ میں دین کو مستحکم کرے گا؟ صاف معلوم ہوا کہ شیعہ موقف نہایت کمزور اور تضادات سے پُر ہے۔ نہ اس آیت میں امت کی خلافت مراد ہے نہ امام مہدی کی خلافت بلکہ اس میں خلفاء راشدین کی خلافت کی بشارت دی گئی ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔

جب شیعہ علماء ہر طرف سے بے بس ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں ابو بکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) اس آیت کا مصداق اس لیے نہیں بن سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا: يَعْْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُ كُونٍ بِيْ شَيْئًا ۖ وہ خلفاء میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ جبکہ یہ تینوں تو ماضی میں ایک عرصہ تک کفر و شرک میں مبتلا رہے۔

مگر یہ بھی سخت نامعقول بہانہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت بطور پیش گوئی ہے جس کا مستقبل سے تعلق ہے ماضی سے نہیں۔ پھر جب ایک شخص اسلام لے آتا ہے تو اس کی سابقہ زندگی کا ہر نقش اسلام کی برکت سے مٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ ”اے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کفار سے فرمادیں کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو اس سے قبل جو ہو چکا وہ ان سے معاف کر دیا جائے گا۔“ (انفال، ۳۸)

اور یہاں يَعْْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُ كُونٍ بِيْ شَيْئًا ۖ ایک خاص مفہوم میں ہے۔ یعنی وہ خلفاء اللہ ہی کا قانون نافذ

کریں گے اور مرضی مولا سے ہٹ کر کوئی حکم جاری نہیں کریں گے اور یہ بات خلفاء راشدین پہ جس طرح صادق آتی ہے اس میں کوئی منصف شک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا جو نقشہ خلافت راشدہ میں قائم ہوا دوبارہ امت کو وہ نظارہ اس طرح دکھائی نہیں دیا۔

خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ احادیث از کتب شیعہ

(۱) علامہ ابوالحسن علی بن حسین مسعودی متوفی 346ھ مشہور شیعہ مورخ ہے۔ اس نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو خلافت راشدہ میں سے شمار کرتے ہوئے کہا:

وَصَحَّ الْخَبَرُ عَنِ الْخَبَرِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح خبر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی۔

اس کے بعد علامہ مسعودی نے تفصیل سے بتایا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس تین ماہ آٹھ دن رہی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت دس برس چھ ماہ چار دن رہی، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت گیارہ برس گیارہ ماہ دس دن رہی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت چار برس سات ماہ ایک دن کم رہی اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت آٹھ ماہ دس دن رہی۔ فذلک ثلاثون شهرا۔ یوں تیس برس پورے ہوئے۔ (مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۷۸ ۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ مسعودی کٹر شیعہ ہے۔ چنانچہ غالی شیعہ مورخ قاضی نور اللہ شوستری نے علامہ مسعودی کو شیعہ مصنفین میں شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ شیعہ عقیدہ امامت کے اثبات پہ متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں، الصفوة فی اثبات الامامة، الهدایہ فی تحقیق الولا یہ اور ”اثبات الوصیۃ“۔

(مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران)

یہ ہم نے اس لیے لکھ دیا کیونکہ آج کل بعض شیعہ علماء کج بحثی کرتے ہوئے علامہ مسعودی کو سنی مصنفین میں سے شمار کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتب اہل سنت میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی پھر اللہ جسے چاہے بادشاہی دے گا۔ (سنن ابی داؤد کتاب السنہ باب ۸ حدیث ۴۹۴۶)

اس حدیث سے خوب واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام سے جس خلافت کا وعدہ کیا وہ صرف تیس سال تک چلنے والی تھی۔ کیونکہ وہ صحیح معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت (جانشینی و نیابت) تھی۔ اس کے بعد جو خلافتیں آئیں (امویہ، عباسیہ، سلجوقیہ اور عثمانیہ وغیرہ) وہ برائے نام خلافت تھیں حقیقت میں وہ بادشاہتیں تھیں۔

(۲) اہل تشیع کا شیخ الطائفہ علامہ ابو جعفر طوسی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس حدیث کا ذکر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ دوبارہ آنا، اس نے کہا اگر میں دوبارہ آؤں اور

آپ کو نہ پاؤں (آپ کا وصال ہو چکا ہو) تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ان لحد یجدینی فاتی ابا بکر، اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس چلی آنا۔ (تلخیص الشافی جلد ۳ صفحہ ۳۹ مطبوعہ قم)

(۳) ابو جعفر طوسی نے ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کہیں بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں اندر آنے دو اور انہیں جنت کی اور میرے بعد خلافت کی بشارت دیدو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں بھی جنت کی بشارت سنادو اور ابو بکر کے بعد خلافت کا مژدہ بھی سنادو۔ (تلخیص الشافی حوالہ مذکورہ)

ابو جعفر طوسی نے ان احادیث پر صرف یہ جرح کی کہ یہ اخبار احاد ہیں لہذا ناقابلِ حجت ہیں، مگر ابو جعفر طوسی کا یہ اعتراض غلط ہے۔ خبر واحد اگر حدیث صحیح ہو تو وہ قابلِ حجت ہے بلکہ اس کے ساتھ حلال و حرام اور واجبات شرعیہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں خصوصاً جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ والی حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ (۴) شیخ ابراہیم بن حاجی حسین اربلی نے لکھا ہے:

فلما اشتد به المرضُ أمرَ ابا بکرٍ ان یصلی بالناس، جب رسول اللہ ﷺ کا مرض وصال شدت اختیار کر گیا تو آپ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو ابو بکر صدیق رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں موجودگی کے دوران دو دن تک آپ کے مصلیٰ پر نمازیں پڑھاتے رہے۔ (درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ تہران)

یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پہ کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم فرمایا بخاری کتاب الاعتصام باب 5، ترمذی کتاب المناقب باب 16، اور ابن ماجہ کتاب الامامة باب 42 میں بھی مروی ہے۔

خلفاء راشدین کی خلافت حقہ پہ اقوال مولا علی رضی اللہ عنہ از کتب شیعہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متعدد خطوط لکھے۔ جن میں آپ نے اپنے موقف کی وضاحت کی تھی۔ ان میں سے ایک خط میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اما بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔

واحسننا السیرة وعدلا فی الامۃ وقد وجدنا علیہما ان تولیا الامر دوننا ونحن آل الرسول و احق بالامر فغفرنا ذالک لہما۔ دونوں نے بہترین سیرت اپنائی اور امت میں عدل قائم کر دیا اور ہمیں ان سے گلہ تھا کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ کر (ہمارے مشورہ کے بغیر) حکومت سنبھال لی جبکہ ہم آل رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے حکومت کے زیادہ حقدار تھے، تو ہم نے انہیں معاف کر دیا (اپنا گلہ ختم کر دیا)

(وقعۃ صفین صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ عظمیٰ قم مصنف نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس گلہ کا جواب بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتب میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود حصول خلافت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس کے لیے مجلس مشاورت بلائی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے مشاورت میں بلاتے۔

مگر واقعہ یہ ہوا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا ایک مہاجرین میں سے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو سخت گھبرائے کہ یہ تو مسلمانوں کی قوت کو دو حصوں میں کاٹ دینے والی بات ہے، تو وہ دوڑتے ہوئے وہاں گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش میں سے ہونگے، لہذا خلیفہ کوئی قریشی ہی ہوگا تو تم سب لوگ عمر بن خطاب، ابوعبیدہ یا کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرلو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے مصلیٰ پہ کھڑا کر کے گئے ہیں تو آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تو سب انصار ابوبکر صدیق کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور کوئی ایسا شخص نہ رہا جس نے بیعت نہ کی ہو سوا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے وہ اسی رائے پہ قائم رہے کہ ایک امیر انصار سے ہو ایک مہاجرین میں سے۔ پھر اسی وقت سب لوگ سقیفہ کی مجلس سے جو مسجد نبوی کے ساتھ ہی تھی، اٹھ کر مسجد میں آگئے اور وہاں موجود لوگوں کو جب پتہ چلا تو لوگ دھڑا دھڑ بیعت کرنے لگے۔

اس قدر ہجوم تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دونوں بازو پھیلانے پڑے۔ کچھ لوگ دائیں ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے کچھ بائیں پر، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا سارا خاندان بنو ہاشم بھی شامل تھا۔ خود شیعہ مورخ فضل بن حسن طبری نے احتجاج طبری میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ بنو ہاشم میں سے کوئی نہ رہا جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی ہو۔ (احتجاج طبری جلد اول صفحہ ۷۳ مطبوعہ موسسة الانليسي بيروت)

یہاں سوچنے کا مقام ہے کہ آخر سارے خاندان بنو ہاشم جو اہل بیت رسول کہلاتا ہے کیونکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں جلدی دکھا رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے مصلیٰ پہ کھڑا کیا تھا۔

ایک اور خط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

انه بايعنى القوم الذين بايعوا ابا بكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم عليه وانما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل وسموه اماما كان ذلك لله رضا۔

بیشک میری بیعت انہی لوگوں نے انہی شرائط پہ کی ہے جن پہ انہوں نے ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور مشورہ سے امیر مقرر کرنا مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی شخص پہ اتفاق کر لیں اور اسے امام (خلیفہ) مقرر کر دیں

تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہوتا ہے۔ (نیج البلاغہ خط ۶ صفحہ ۵۲۶ مطبوعہ دار البلاغہ بیروت) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لئے میرے والد گرامی محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی بن عبد اللہ متوفی 1418ھ کی کتاب ”تحفہ جعفریہ“ جلد اول کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں سے صداقت قرآن بھی معلوم ہوئی۔ کہ قرآن مجید نے اہل ایمان کے نہایت سیاسی کمزوری کے دور میں ان کے لئے غلبہ کی پیش گوئی فرمائی جو چند ہی برس میں پوری ہو گئی۔ یہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

[52] جب یہ آیت اتری کفار شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی کوشش کر رہے تھے یہ 5ھ کی بات ہے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل ایمان یہ مت سمجھیں کہ کفار اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں۔ بلکہ اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اسی لئے اس سے قبل والی آیت میں خلافت راشدہ کے قیام اور اس میں غلبہ دین کی بشارت دی گئی۔ یہ آیت آج بھی مسلمانوں کو تسلی دیتی ہے کہ کفار کی ساری سیاسی طاقتیں اللہ کے سامنے لایعنی ہیں لہذا مسلمانوں کو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ بس وہ اللہ و رسول کی اطاعت بجالائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ

اے ایمان والو! تمہارے غلام اور باندیوں کو اور تمہارے اپنوں میں سے جو بلوغت کو نہیں پہنچے،

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ

کو چاہیے کہ تین اوقات میں تم سے اجازت لے کر اندر آئیں نماز فجر سے قبل اور جب تم

تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۖ ثَلَاثُ

ظہر کے وقت (زائد) کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین اوقات

عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ۖ طُوفُونَ

تمہارے پردے کے ہیں ان کے بعد نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر (کیونکہ) تم ایک دوسرے کے پاس

عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۖ ط

بکثرت آنے جانے والے ہو۔ [53] اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۳ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور جب تم میں سے لڑکے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ (ہر وقت) اجازت لے کر آئیں جیسے

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۖ ط

ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے آئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہیں اپنی آیات بیان کرتا ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۴

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ [54]

﴿نوکروں چاکروں اور اولاد کو گھروں میں اجازت لے کر آنے کا حکم﴾

[53] اس سورت کے رکوع 4 میں حکم ہوا تھا کہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں اجازت لے کر جایا کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے گھر میں کیسے داخل ہونا چاہئے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت سیدہ اسماء بنت مرشد رضی اللہ عنہا کا غلام ان

کے پاس ایسے وقت آیا جو ان کے لئے باعثِ ناگواری بنا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے خادمین اور غلام ہمارے پاس ایسے وقت میں آ جاتے ہیں جو ہمیں ناگوار ہوتا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِلَيْسَتْ اَذُنُكُمْ اَلَّذِينَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۸۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تمہارے غلام یعنی نوکر چاکر اور تمہارے اپنے اہل خانہ میں سے جو بچے ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے یعنی تمہارے بیٹے، بیٹیاں، بھتیجے، بھانجے، بھتیجیاں، بھانجیاں جب تمہارے ہاں آئیں تو تین اوقات میں انہیں اجازت لے کر آنا چاہئے۔ اول: نماز فجر سے پہلے کیونکہ اس وقت تم عموماً بستر میں ہوتے ہو اور پوری طرح کپڑے زیب تن نہیں ہوتے۔ دوم: دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لئے آرام کرتے اور زائد کپڑے اتار دیتے ہو۔ سوم: نماز عشاء کے بعد یعنی جب تم سونے کے لئے بستر میں چلے جاتے ہو۔ کیونکہ یہ تینوں اوقات تمہارے پردے کے ہیں یعنی ان تین اوقات میں تم خود کو پردے میں (Privacy) میں رکھنا چاہتے ہو۔ ان اوقات کے بعد تم پر یا ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ تمہارے پاس بے اجازت آئیں جائیں۔

اس جگہ غلاموں جن میں نوکر چاکر بھی شامل ہیں سے نابالغ غلام اور نوکر مراد ہیں کیونکہ نابالغ غلام کے لئے ہمہ وقت اجازت لے کر ہی آنا لازم ہے آگے آیت 59 میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔ یہاں نابالغ غلاموں اور بیٹوں بیٹیوں کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ اپنے مالکوں اور بزرگوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے ہیں اور نا سمجھ بھی ہوتے ہیں اور نابالغ غلاموں اور بچوں کی نسبت ان سے پیار بھی زیادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ زیادہ گھلے ملے (Free) ہوتے ہیں اور وہ نا سمجھی کے سبب ایسے وقت بھی آدھمکتے ہیں جب انسان مکمل لباس میں نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری اس وقت دروازوں پہ پردے نہیں ہوتے تھے۔ کسی شخص کا خادم بیٹا یا یتیم لڑکا اس کے پاس اچانک آ جاتا اور وہ اپنے اہل خانہ کے پاس (بستر میں) ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات میں بچوں کو اجازت لے کر اندر آنے کا حکم فرمایا۔ پھر جب اللہ رب العزت نے لوگوں پر رزق کشادہ کر دیا تو انہوں نے دروازوں پر پردے لگا لئے اور انہیں ہمہ وقت اجازت لینے کی ضرورت نہ رہی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۳۲ روایت ۱۴۷۸۷) گویا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان تین اوقات میں بچوں کے اجازت لے کر اندر آنے کا حکم استحبابی ہے اور لوگ اپنے حالات کو مد نظر رکھ کر اپنی پردہ داری کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

اس آیت سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام ہر انسان کی خانگی زندگی (Private life) کا تحفظ کرتا ہے وہ بچوں کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ والدین کی نجی زندگی میں مداخلت کریں۔

(۲) بچوں کو بچپن سے آداب زندگی و احکام اسلام کی تربیت دینی چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر ان کی پابندی کریں جو

لوگ بچوں کو بچپن سے پردہ نہیں سکھاتے ان کی اولاد بڑی ہو کر دین سے باغی ہو جاتی ہے۔
(۳) نماز کی تاکید: اس آیت میں مذکورہ تین اوقات کو اوقات نماز سے تعبیر کر کے لطیف پیرایہ میں نماز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

[54] یعنی جب تمہارے بچے بچیاں جو ان ہو جائیں تو وہ مذکورہ تین اوقات کی قید کو بالائے طاق رکھ کر ہر وقت تمہارے پاس اجازت لے کر ہی آیا کریں۔ جیسے کہ ان سے قبل بالغ ہونے والے لوگ اجازت لے کر ہی آتے تھے تو جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ ان کے بعد بالغ ہونے والوں کو اپنانا چاہئے اس طرح آداب پردہ داری کا تحفظ نسل در نسل جاری رہنا چاہئے اور اللہ اپنے احکام بیان فرماتا ہے کیونکہ وہی سب علم و حکمت کا مالک ہے۔ پیچھے رکوع 4 کے تحت ہم حدیث نبوی لکھ آئے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت کے ساتھ جایا کروں میں تو ہر وقت اس کی خدمت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تم اسے نگاہ دیکھ سکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اجازت ہی لے کر جایا کرو۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ حدیث ۲۵۹۲۶)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ

اور (جوانی سے گذر کر) بیٹھ جانی والی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ

أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ

(سر سے) اپنی چادریں اتار رکھیں جبکہ بناؤ سنگار نہ دکھائیں اور اگر وہ اس سے بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ [55]

[55] عورتوں کے لئے پردے کے احکام میں سے ایک چیز مستثنیٰ کی جا رہی ہے کہ جو خانہ نشین عورتیں بڑھاپے کی وجہ سے نکاح کی عمر سے گزر گئی ہیں وہ اگر اپنے گھر میں اوپر والی موٹی چادر اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں جب تک کہ اس کا مقصد اظہارِ زینت نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس سے بچیں یعنی اجنبی مردوں کے سامنے اپنے اوپر چادر ڈالے رکھیں تو یہ افضل اور زیادہ بہتر طریقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

لا جناح عليهما ان تجلسا في بيتهما بدرع وخمار وتضع عنهما الجلباب مالم تتبرجا ما يكره

اللہ۔ بوڑھی عورت پہ کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے گھر میں قمیص اور دوپٹہ لیکر بیٹھے اور اوپر والی موٹی چادر اتار دے جب تک

کہ ایسی بات ظاہر نہ کرے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۱ حدیث ۱۳۸۳۳ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ) یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور مجاہد رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

(تفسیر درمنثور، یہی مقام)

حضرت سدی (تابعی) فرماتے ہیں مجھے ایک شخص ملا جس کا نام مسلم تھا اس کے ہاتھ میں مہندی لگی تھی۔ میں نے سبب پوچھا اس نے کہا میں نے اپنی مالکہ کو مہندی لگائی ہے۔ وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بیوی کا غلام تھا۔ میں نے کہا یہ غلط ہے۔ وہ مجھے اپنی مالکہ کے پاس لے گیا۔ وہ ایک بزرگ خاتون تھیں۔ میں نے پوچھا یہ مسلم کہتا ہے کہ اس نے آپ کے بالوں میں مہندی لگائی ہے؟ وہ کہنے لگیں: ہاں درست ہے، اے میرے بیٹے! میں ان عورتوں میں سے ہوں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۲۹ حدیث ۱۳۸۳۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بوڑھی بیوی اپنے گھر میں اپنے غلام سے اپنے سر کے بالوں کا پردہ نہیں کرتی تھیں۔

معلوم ہوا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو یہ اجازت دی گئی کہ اپنے گھروں میں غیر مردوں کے سامنے اوپر والی چادر اتار لیں (جیسا کہ لفظ القواعد اس پہ دلالت کر رہا ہے) گویا جب بوڑھی عورتیں بازار میں آئیں تو انہیں بھی اوپر والی موٹی چادر کا سر پہ رکھنا ضروری ہے۔ جب بوڑھی عورت بھی بازار میں ننگے سر نہیں نکل سکتی تو جوان عورت کا ننگے سر بازار میں نکلنا کس قدر گناہ ہے، اسے سمجھا جاسکتا ہے۔

الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا کے تحت یاد رہے کہ نکاح کی عمر سے گزر جانا کہ جب عورت کو نکاح کی خواہش نہ رہے اور نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کی رغبت رہے عموماً ساٹھ برس کے بعد متصور ہوتا ہے تاہم اس میں ہر عورت کی صحت کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ

نہ اندھے پر گناہ ہے نہ اپاہج پر اور نہ مریض پر - [56] اور نہ خود تم پر

حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ

کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ - [57] یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا

بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ

اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے

أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلَتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ

یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے - [58]

مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ

یا جس گھر کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے گھرے دوست کے گھر سے - [59] تم پر گناہ نہیں کہ اکٹھے کھاؤ یا

أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ

جدا جدا - [60] پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنوں کو سلام کہو یہ اللہ کی طرف سے

مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۚ

بارکت یا پاکیزہ دعا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔ [61]

[56] حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض لوگ کسی اندھے، معذور یا مریض کو اپنے ساتھ اپنے والدین اور دیگر

اعزہ کے گھر لے جاتے (تاکہ ان کو کھانا کھلائیں) وہ لوگ کسی کے گھر میں اس کی دعوت کے بغیر جانا پسند نہ رکھتے، وہ

کہتے: یہ لوگ ہمیں دوسروں کے گھروں میں یونہی لے جاتے ہیں۔ ہمیں نہیں جانا چاہئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری

اور انہیں رخصت عطا فرمائی کہ اندھے، اپاہج اور مریض کو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۵ حدیث ۳۸۶۹)

یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ کہ ”آپس میں ایک

دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔“ (بقرہ ۱۸۸) تو لوگ کسی اندھے اپاج یا مریض کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں رکھتے تھے۔ وہ کہتے کہ اندھا دیکھ نہیں سکتا اپاج صحیح بیٹھ نہیں سکتا اور مریض زیادہ کھانا نہیں سکتا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے والا اگر صحت مند ہو تو زیادہ کھالے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰی حَرَجٌ

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۴۳ حدیث ۱۴۵۸)

یعنی معذوروں اور ایسے مریضوں کے بارے میں جو خود کما نہیں سکتے ہدایت فرمائی گئی کہ اگر وہ معروف طریقہ سے کسی کے گھر میں جائیں تاکہ انہیں کھانا کھلایا جائے تو اس میں حرج نہیں، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں بھی حرج نہیں بلکہ اس میں ان کی حوصلہ افزائی و عزت افزائی ہے۔

[57] اس جگہ مِنْ بُيُوتِكُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم پر اپنے بیٹوں کے گھروں سے کچھ کھانے پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ تمہارے ہی گھر میں رہتے ہیں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نوجوان سے فرمایا تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی تمہارے باپ کا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب التجارة باب ۶۴)

[58] حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کئی مالدار صحابہ کرام اپنے فقیر رشتہ داروں کے گھر جاتے تو وہاں سے کچھ نہ کھاتے اور کہتے کہ ہم ان کے لئے کچھ حرج نہیں پیدا کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر انہیں سمجھایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۶) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے باپ دادا یعنی والدین دادا دادی، نانا نانی، یونہی اپنے بہن بھائیوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے کھا سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آج بھی کئی لوگ اپنی بیٹی یا بہن کے گھر جائیں تو وہاں کچھ کھانا تو کجا پانی پینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جاہلانہ طرز عمل کا رد کرتے ہوئے ہمیں مروت و اخلاق کا درس دیا کہ رشتہ داروں کے گھر سے جب وہ کچھ کھانا چاہیں تو کھالینا چاہئے اور نہ کھانا قطع رحمی میں آتا ہے۔

[59] ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد پر جاتے تو گھروں کی چابیاں اپنے قریبی رشتہ داروں یا دوستوں کو دے جاتے اور کہہ جاتے کہ ان کے گھر سے اگر وہ کچھ کھانے کی حاجت رکھتے ہوں تو کھا لیں مگر وہ کہتے کہ ہم امین ہیں ہمیں کچھ نہیں کھانا چاہئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ تم ایسے گھروں سے کچھ کھا سکتے ہو۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۴۶) گویا جب گھر والے نے اگر کسی کو اپنے گھر کی چابی دی ہوتا کہ وہ اس کی نگرانی رکھے اور گھر والے کی طرف سے اجازت ہو کہ وہاں سے کچھ کھایا جاسکتا ہے تو وہاں سے کھانے میں حرج نہیں۔

[60] مروی ہے کہ بعض قبائل اکٹھے کھانا کھانے کو معیوب جانتے تھے وہ الگ الگ کھانے پر زور دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال باطل کا رد فرمایا۔

[61] یعنی جب تم مذکورہ رشتہ داروں کے گھر جاؤ تو سب سے پہلے اہل خانہ کو سلام کہو یہ سلام وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ

نے جاری کی ہے جو بہت بابرکت اور پاکیزہ ہے یعنی اسے جس قدر پھیلا یا جائے اسی قدر برکت بھیتی ہے۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ عموماً لوگ قریبی رشتہ داروں کو سلام کہنا ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی زحمت گوارا نہیں کرتے وہ دوسرے لوگوں کو سلام کہہ لیتے ہیں حالانکہ قریبی اعزہ ہماری دعاؤں کے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہو اور جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو۔ جب تم ایسا کرتے ہو تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے نہ تمہیں یہاں رات گزارنے کو جگہ ملی نہ کھانے کو کچھ میسر آیا اور جو شخص گھر میں داخلہ کے وقت سلام نہیں کہتا اور کھانے پہ بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تمہیں رات گزارنے کو جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی۔“

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۲۶ بروایت حاکم)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ

مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (صدق دل سے) ایمان لائے۔ [62] اور جب وہ کسی اجتماعی معاملہ میں

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ

رسول (ﷺ) کے ساتھ ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے بے شک جو لوگ آپ سے اجازت چاہتے ہیں

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ

وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ لہذا جب وہ اپنے بعض کاموں کے لیے آپ سے اجازت مانگیں

فَأَذِنُ لِمَنْ شِئْتُ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۶

تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت فرمادیں اور آپ ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [63]

صحابہ کرام کا احترام رسول ﷺ اور منافقین کا گستاخانہ طرز عمل

[62] گزشتہ سے پیوستہ رکوع میں منافقین کے طرز عمل کی وضاحت کی گئی اب اس بات کو پھر دہرایا جا رہا ہے اور ساتھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور ﷺ سے سچی عقیدت و تعظیم پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تاکہ اس کے مقابلہ میں منافقین کا منافقانہ طرز عمل کھل کر سامنے آئے تو تمہیداً فرمایا گیا کہ اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر صحیح طرح صدق دل سے ایمان لائے ہیں۔ یعنی ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں نہ یہ کہ منافقوں کی طرح حیلے بہانے ڈھونڈتے اور فرار کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کا طرز عمل بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر

ایمان رکھنے کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

[63] یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل یہ ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی معاملہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتے ہیں مثلاً آپ ﷺ کا خطبہ جمعہ سنتے یا جنگ میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور انہیں کہیں جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ آپ سے اجازت لئے بغیر نہیں جاتے۔ تو ان کا یہ اجازت لینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ لہذا اے پیارے محبوب ﷺ جب وہ آپ سے کسی کام کے لئے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ جسے مناسب سمجھیں اسے اجازت دے دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگے بغیر چلے جاتے ہیں حالانکہ آپ نے انہیں کسی اہم معاملہ کے لئے بلایا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مومن نہیں منافق ہیں۔

اسی لئے مروی ہے کہ خندق کھودنے کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہیں جانے کے لئے اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے (منافقین کو سنانے کے لئے) بلند آواز سے فرمایا عمر جاؤ تم منافق نہیں ہو اور صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ اگر نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے اور کسی صحابی کو کوئی ماجری پیش آتا تو وہ انگلی کے اشارہ سے آپ سے اجازت طلب کرتا اور آپ ہاتھ کے اشارہ سے اسے اجازت دے دیتے مگر وہ بے اجازت نہیں جاتے تھے۔

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۶ حدیث ۱۳۹۳۳)

اس آیت سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ کے آداب سکھاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو سکھایا کہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کے آداب کیا ہیں۔ اگر وہاں سے اٹھنا پڑے تو کیسے اٹھا جائے؟ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو رَاعِنًا کہہ کر مت پکارو بلکہ انْظُرْنَا کہا کرو۔ (بقرہ ۱۰۴) کہیں فرمایا اے مومنو! نبی کی آواز سے اپنی آواز مت اونچی کرو اور انہیں یوں بلند آواز سے مت پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے اعمال ضبط کر لئے جائیں گے اور تمہیں شعور تک نہ ہوگا۔ (حجرات: ۲)

دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے اور موجود ہیں مگر ان کے درباروں کے آداب ان کے کارندے اور حکومتی افسران سکھاتے ہیں جبکہ حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کا دربار وہ ہے جس کے آداب قرآن مجید میں اللہ رب العزت خود سکھاتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا۔

نفس گم کردہ سے آید جنید و بایزید ایں جا

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

(۲) تعظیم رسول ﷺ اصل ایمان ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ بے شک جو لوگ آپ ﷺ سے

اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں“ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں وہی ایمان والے ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ ”آپ کے رب کی قسم! لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے ہر جھگڑے میں آپ کا حکم نہ مان لیں پھر آپ کے حکم کے بارے میں دل میں کوئی کھٹکانہ پائیں اور یوں مانیں جیسے ماننے کا حق ہے۔“ (نساء: ۶۵)

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام رسول ﷺ کا احترام رسول ﷺ کی تقاضے پورے کرتے تھے۔ احادیث میں ہے کہ وہ آپ کی بارگاہ میں ایسے بیٹھے ہوتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں کہ اگر انہوں نے کچھ حرکت کی تو وہ پرندے اڑ جائیں گے۔

(۴) شاگرد کو استاذ کی اجازت کے بغیر کلاس سے نہیں جانا چاہیے۔

صحابہ کرام حضور ﷺ کی مجلس سے بے اجازت نہیں نکلتے تھے کیونکہ آپ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران ۱۶۴) تو آپ کے بعد قرآن و سنت کی تعلیم دینے والے مدرسین من جملہ حفاظ، قرآء، علماء، محدثین اور مشائخ آپ کے جانشین ہیں تو ان کے تلامذہ اور اہل مجلس کو بھی چاہیے کہ ان کی اجازت کے بغیر اٹھ کر نہ جائیں۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۖ قَدْ يَعْلَمُ

رسول (ﷺ) کی پکار کو اپنے مابین یوں (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ [64] اللہ انہیں

اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ

خوب جانتا ہے جو تم میں سے کسی کی آڑ لے کر کھستے ہیں، تو آپ کے حکم سے مخالفت

أَمْرَةٍ أَنْ تَصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يَصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ إِلَّا إِنْ لَكُمْ مَا فِي

کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں انہیں کوئی مصیبت یا دردناک عذاب نہ آپہنچے۔ [65] خبردار اللہ ہی کے لیے ہے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ

جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے تم جس حالت پر ہو اور جس دن لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں

فَيَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۚ

تو وہ انہیں ان کے اعمال سے خبردار کرے گا اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [66]

[64] اے مومنو! جب حضور ﷺ تمہیں پکاریں یعنی کسی کام کے لئے بلائیں تو آپ کی پکار کو یوں معمولی نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کی پکار کو سمجھتے ہو بلکہ آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے آؤ۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ۔ ”جب رسول اللہ (ﷺ) تمہیں بلائیں تو فوراً اللہ اور اس کے رسول کا حکم بجالاؤ۔“ (انفال ۲۴) اور بخاری میں ہے کہ ایک شخص جو نماز تھانی اکرم ﷺ نے اسے بلایا اس نے جلدی نماز ختم کی اور حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں سنا کہ جب اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو فوراً حاضر ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں سنا ہے اور آئندہ میں ایسے ہی کروں گا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال باب ۲)

حضور ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارنے کی ممانعت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ اے مومنو! رسول اللہ ﷺ کو یوں نام لے کر نہ پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو بلکہ آپ کو یا رسول اللہ ﷺ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔

(ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۵ حدیث ۱۳۹۲۳ مطبوعہ مکہ)

اس تفسیر کے مطابق معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو یا محمد کہہ کر نہیں پکارنا چاہئے نہ اس طرح درود و سلام بھیجنا چاہیے

تفسیر برہان القرآن

منزل ۲

جلد پنجم

بلکہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا چاہئے۔ اسی لئے اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین منجملہ حضرت مقاتل اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام پہلے حضور ﷺ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت کے ذریعے ایسا کہنے سے منع کر دیا اور اس کی بجائے انہیں یا رسول اللہ ﷺ کہنے کا حکم فرمایا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۵ حدیث ۱۳۹۲۲۔ ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۶۵ حدیث ۲۶۶۳)

یاد رہے پہلی امتیں اپنے انبیاء کو ان کا نام لے کر پکارتی تھیں جیسے وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰی - (بقرہ ۵۵) اِذْ قَالَ الْخَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ - (مائدہ ۱۱۲) مگر یہ طرز عمل ان کے لیے بدشگون ہوا۔ اور وہ گمراہ ہو گئے۔ اس لئے مومنین کو حکم ہوا کہ حضور ﷺ کو آپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔ یہ بجائے کہ بعض احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ کا آپ کو یا محمد کہہ کر پکارنا موجود ہے مگر اللہ کا حق ہے کہ وہ آپ کو جیسے چاہے بلائے، تاہم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہیں لفظ محمد سے نہیں پکارا بلکہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اور یا ایہا الرسول سے یاد فرمایا۔

تاہم بعض علماء نے اس جگہ یہ فرق کیا ہے کہ اگر یا محمد کہہ کر حضور ﷺ کو بلانا مقصود ہو تو یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں سوائے ادب ہے۔ کوئی شخص اپنے باپ کو بھی اس کا نام لے کر نہیں بلاتا چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کا نام لے کر بلایا جائے اور یہ حکم صحابہ کرام ہی سے خاص ہے۔ اور اگر یا محمد کہہ کر صرف آپ کو یاد کرنا یا آپ کی روح مبارک کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو تو یا محمد کہنا ممنوع نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو جو دعاء وسیلہ سکھائی تھی اس میں یہ الفاظ ہیں: یا محمد انی اتوجه بک الی ربی، یعنی اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۱۱۸، ابن ماجہ کتاب الاقامہ باب ۱۸۹، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۸)

جنگ یمامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدعی نبوت مسلمانہ کذاب سے گھسان کی جنگ کی۔ جب حالات مشکل ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حکم سے صحابہ کرام یہ نعرہ لگانے لگے: یا محمد اے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۹ مقتل مسلمانہ کذاب مطبوعہ دارالریان قاہرہ مصر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں خراب ہوا تو آپ نے پکارا یا محمد (ﷺ)، تو آپ کا پاؤں درست ہو گیا۔ (الادب المفرد صفحہ ۲۵۰) ان احادیث سے جہاں رسول اللہ ﷺ کو غائبانہ پکارنے کا جواز ثابت ہوتا وہاں آپ کو محض یاد کرنے کے لیے یا محمد کہہ کر پکارنا بھی جائز اور صحابہ کی سنت قرار پاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَکُمْ اِلٰحَ کی تیسری تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کو ایسا نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کی دعا کو سمجھتے ہو یعنی آپ کی دل آزاری نہ کرو۔ اگر آپ نے تمہارے خلاف دعا کر دی تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۳۱) الغرض مذکورہ تینوں تفاسیر کا مدعا یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کا ادب سکھایا جائے۔

[65] مقاتل کہتے ہیں کہ منافقین کو حضور ﷺ کا خطبہ جمعہ سننا گوارا نہ ہوتا تو وہ بعض صحابہ کی آڑ لے کر ان کے پیچھے

چھپتے ہوئے مسجد سے نکل جاتے تھے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۵۶ حدیث ۱۴۹۳۴) اسی طرح حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کھودنے کے دوران صحابہ کرام تو کسی کام کے لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر جاتے اور منافقین آپ کو بتائے بغیر خود ہی کھسک جاتے تو یہ آیت صحابہ کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۶۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت عن ابن اسحاق و ابن منذر وغیرہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ڈرایا کہ انہیں دنیا میں کسی فتنہ میں پڑنے یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے ڈرنا چاہئے۔

[66] یعنی اللہ تعالیٰ مالک ارض و سماء ہے اور اے منافقو! تم جس حالت میں ہو اللہ اس سے واقف ہے تم اس سے چھپ نہیں سکتے اللہ روز قیامت سب انسانوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

الحمد للہ آج 15 صفر المظفر 1429ھ مطابق 23 فروری 2008ء بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل سورہ نور کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ و صحبہ اجمعین۔

سورة الفرقان

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کی 25 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 42 ویں سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عطاء کی روایت کے مطابق سورہ فرقان سورہ یاسین کے بعد اور سورہ ملائکہ (سورہ فاطر) سے قبل نازل ہوئی۔ (اتقان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳)

اس سورت میں 6 رکوعات (77) آیات (892) کلمات اور (3730) حروف ہیں۔ اس کا نام سورہ الفرقان اس لئے ہے کہ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ① (فرقان: ۱) تو پہلی آیت میں لفظ فرقان کی مناسبت سے اسے سورہ فرقان کہا گیا۔ یہ سورت حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مختلف قراءات میں پڑھائی۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہشام بن حکیم کو کسی مختلف قراءات پر یہ سورت پڑھتے دیکھا تو غصہ میں آگئے اور انہیں پکڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ یہ شخص اس سے مختلف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے یہ سورت سنی، دونوں نے مختلف قراءات پر اسے پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں قراءات صحیح ہیں اور دونوں میں نے ہی پڑھائی ہیں اور یہ قرآن سات حروف پر یعنی سات قراءات پر اترا ہے۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب ۵، نسائی کتاب الافتاح باب ۳۷)

قرآن جن سات قرأت پر اترا ہے ان کی تشریح کیا ہے؟ اور سات قراءات متواترہ جو ساری دنیا میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں کیا ہیں؟ اس موضوع پر ہم نے تفسیر کے مقدمہ میں واضح روشنی ڈالی ہے۔ الحمد للہ رقم الحروف نے قراءات سبعہ متواترہ سبقاً سبقاً پڑھی اور آگے پڑھائی ہیں اور قراءات سبعہ کی مشہور عالم متداول درسی کتاب ”الشاطبۃ“ کی شرح بھی لکھی ہے جو زیر طبع ہے۔

سورت فرقان مکمل کی سورت ہے البتہ اس کی آیت 68 میں مختلف اقوال ہیں۔

مضامین سورت

اس سورت کا آغاز عظمتِ قرآن و صاحبِ قرآن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے ہوا اور قرآن و رسالت محمدیہ کی

حقانیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا، پھر آپ ﷺ کی رسالت کے منکروں کے لیے نار جہنم کے عذابات بتائے گئے، پھر قرآن کے بارے میں کفار کے شبہات کا ازالہ کیا گیا، پھر قیامت کا ذکر لایا گیا، پھر خداوندی انعامات کا ذکر شروع ہوا، پھر رسالت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کا بیان ہوا، پھر انعامات الہیہ کی بات ہوئی اور آخری رکوع میں اہل ایمان کی صفات حمیدہ بتائی گئیں۔

ما قبل سے مناسبت

دلائل توحید، حقانیت قرآن اور رسالت محمدیہ کے اثبات جیسے مضامین کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں ایک ہی مضمون کا تسلسل نظر آتی ہیں۔ خصوصاً دونوں میں قرآن کی عظمت و حقانیت کی بات زیادہ نمایاں ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

۲۵ سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعَاتُهَا ۶ آیاتُهَا ۷۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبْرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝

برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ خاص پر (حق و باطل میں) فرق کرنے والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرسانے والا ہو۔ [1]

قرآن اور نبوت محمدیہ کی صداقت

[1] کفار مکہ قرآن مجید اور نبوت محمدیہ کی حقانیت سے مسلسل انکار کر رہے تھے اور آج بھی مسلم و غیر مسلم میں فرق کی وجہ وجہ اور اصل اصیل انہی دو چیزوں کا ماننا ہے انہیں ماننے والا مسلم ہے اور نہ ماننے والا غیر مسلم۔ تو اللہ رب العزت نے ان دونوں کی صداقت واضح کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے بندہ خاص محمد مصطفیٰ ﷺ پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب قرآن کا نزول فرمایا تاکہ وہ کتاب یا وہ بندہ خاص تمام جہانوں کے لئے ڈرسانے والے بن جائیں۔

حضور سید عالم ﷺ ساری کائنات کے لیے رسول ہیں

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا سے معلوم ہوا آپ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“ (انبیاء ۱۰۷) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً۔ ”مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔“ (ترمذی کتاب التفسیر باب ۵) اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (طبرانی کبیر جلد ۲۵ صفحہ ۵۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کے بارے میں فرمایا گیا: هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ ”یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے ذکر ہی تو ہے۔“ (صفحہ: ۸۷)

آپ تمام مخلوق پر حاکم ہیں

جب آپ ساری کائنات کے رسول ہیں تو رسول کی اطاعت لازم ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ ”ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لئے تھا تاکہ باذن اللہ اس کی اطاعت کی جائے۔“ (نساء ۶۴) اسی لئے

حضور ﷺ جس چیز کو حکم فرماتے ہیں وہ اطاعت بجالاتی ہے حضور ﷺ کے حکم پر درخت دوڑے آتے ہیں، جانور اطاعت بجالاتے ہیں۔ پتھر آپ کو سلام پیش کرتے ہیں۔ چاند آپ کے حکم پر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے بلکہ چاند آپ کی انگلی کے اشارے پر کرتا ہے۔ سورج آپ کے کہنے پر پلٹ آتا ہے۔ ان معجزات کی تفصیل ”الخصائص الکبریٰ“، ”دلائل النبوة“، ”لابی نعیم والبیہقی وغیرہ میں دیکھی جائے۔ اس لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

زمین و زماں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے
مکین و مکان تمہارے لئے
بنے دو جہاں تمہارے لئے

اللہ تعالیٰ اپنا تعارف آپ کے ذریعے کرواتا ہے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖؑ مِیْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی نے اپنا تعارف یوں کروایا کہ اللہ وہ ہے جس نے محمد عربی ﷺ پر قرآن اتارا۔ اسی طرح فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ ”اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔“ (توبہ، ۳۳) یاد رہے جب کوئی صاحب علم و فن اپنے علم و فن کا تعارف کروائے تو اپنی سب سے بہتر تخلیق کا حوالہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و کمال کا حوالہ آپ کی تخلیق و ترسیل سے دے کر بتا دیا کہ آپ کا رخانہ قدرت کا سب سے حسین تر شاہکار ہیں:

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ ایسا کوئی بھی آئینہ
نہ کسی کی چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

ختم نبوت

جب حضور ختم المرسلین ﷺ تمام عالمین کے لیے رسول ہیں تو آپ کی موجودگی میں کسی دوسرے رسول کی ضرورت نہیں پہلے انبیاء کرام نجوم نبوت تھے آپ آفتاب نبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَسِّرْ اَجًا مُّنِیْرًا ہم نے آپ کو چمکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔ (احزاب ۴۶) آفتاب کے طلوع کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام کی موجودگی میں یحییٰ علیہ السلام اور داود علیہ السلام کی موجودگی میں سلیمان علیہ السلام بن سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی موجودگی میں سی اور رسول کی رسالت کیوں نہیں مانی جاسکتی؟ مگر یہ ملحدانہ و کافرانہ خیال ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اے علی! تمہارا مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسا ہارون علیہ السلام کا مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری و ترمذی عن سعد بن ابی وقاص)

جب باب مدینۃ العلم داماد رسول و شوہر بتول مولا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکتے تو ایک ناکام وکیل مرزا قادیانی کیسے نبی بن سکتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اب آفتاب رسالت طلوع ہو چکا ہے جس کی ضوء نے سارے عالم کو گھیر رکھا ہے۔ لہذا اب کسی نئے نبی و رسول کو ماننا ایسے ہی ہے جیسے آفتاب کو چراغ دکھایا جائے۔

آپ کا مقام عبدیت

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر اہم فضیلت کا ذکر آپ کی عبدیت کے ساتھ کیا۔ جیسے یہاں فرمایا: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ اور فرمایا: سُبْحَنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ (بنی اسرائیل، ۱۰) اور شب معراج مقام اودنیٰ کی بلندی کا ذکر یوں کیا گیا: فَأَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ (نجم ۱۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے جو مقام پایا اپنی عبدیت سے پایا کیونکہ جو شخص جس قدر تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی قدر بلندی دیتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے: من تواضع لله رفعه الله۔ جو اللہ کے لئے تواضع کرے اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۷۶) اس میں ہمارے لئے بھی درس عبادت ہے کہ ہم بھی عبادت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلندی پاسکتے ہیں اور اسی لئے فرمایا گیا: الصلوة معراج المومنین۔

الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ

وہ اللہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور اس کی بادشاہی میں

شَرِيْكَ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ

اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہر چیز پیدا کی پھر اسے ایک مقرر انداز سے پر رکھا۔ [2] مشرکوں نے اس کے سوا

دُوْنِهٖ اِلٰهَةً لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ

کئی خدا بنا لیے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ پیدا کیے گئے ہیں اور وہ خود اپنے کسی نفع کے مالک ہیں

ضَرًا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نَشُوْرًا ۝

نہ نقصان کے اور نہ وہ کسی کی موت و حیات کے مالک ہیں نہ دوبارہ اٹھانے کے۔ [3]

[2] یعنی جو اللہ ارض و سماء کا خالق و مالک ہے اگر اس نے اپنے محبوب کو ساری کائنات کے لئے رسول بنایا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں نہ اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا یعنی لکھ دیا کہ کوئی شیء کب تک دنیا میں رہے گی اور اس کا کیا عمل ہوگا۔

[3] مشرکین نے اللہ کے سوا کئی خدا مان لئے مگر انہوں نے یہ کیوں نہ دیکھا کہ ان کے جھوٹے معبود کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں مشرکوں نے اپنے ہاتھ سے تراشا ہے اور ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو وہ مشرکوں کا کیا نفع کر سکتے ہیں۔ نہ وہ کسی کی موت و حیات کے مالک ہیں نہ کسی کو دوبارہ اٹھا سکتے ہیں

جبکہ اللہ ہر کسی کی موت و حیات کا مالک ہے اور وہی سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ ”حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندگی دے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“ (بقرہ: ۲۸)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ

اور کافروں نے کہا یہ (قرآن) تو ایک بہتان ہے جسے اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی

أَخْرُونَ ۚ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۖ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا

مدد کی ہے، تو ایسا کہنے والوں نے ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے، وہ کہتے ہیں یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں

فَهِىَ تَمْلِكُ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي

تو وہ اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔ آپ فرمائیں یہ قرآن اس رب نے نازل کیا ہے جو

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

آسمانوں اور زمین میں ہر بھید جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [4]

[4] کفار عرب کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ پر افتراء کیا ہے اور آپ اکیلے ایسا نہیں کر سکتے تھے بلکہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں آپ کی مدد کی ہے۔ دراصل مکہ میں جبر، بشار اور عداس وغیرہ ناموں کے چند یہود رہتے تھے۔ کفار مکہ سمجھتے تھے کہ یہ یہود آپ کو پہلے انبیاء کرام کے واقعات بتاتے ہیں جنہیں آپ لکھ لیتے ہیں اور یہود آپ کو وہ چیزیں صبح و شام بتاتے رہتے ہیں اور آپ لکھتے رہتے ہیں پھر انہیں قرآن قرار دے کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار نے یہ بات کہہ کر عظیم ظلم اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اُمّی ہونا آپ کے لیے دلیل نبوت ہے

یعنی کیا وہ دیکھتے نہیں کہ آپ اُمّی ہیں آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور آپ ﷺ لکھنا پڑھنا کس سے سیکھتے آپ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ سب اُمّی تھے۔ اللہ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا ۚ ”اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا۔“ (جمہ ۲) چنانچہ مکہ یا اس کے گرد و نواح میں اس وقت کوئی مکتب کوئی سکول اور کوئی درس گاہ نہ تھی۔ پھر کفار کس منہ سے کہتے ہیں کہ آپ نے کچھ دوسرے لوگوں سے یہ باتیں سیکھ کر لکھ لی ہیں اور ان پر قرآن کا لیبیل لگا دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن لو قرآن کو اس رب نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کا ہر راز جانتا ہے تو

اسی نے قرآن میں کائنات کے راز ہائے پنہاں واضح کئے ہیں اور اللہ غفور و رحیم ہے لہذا اے کفار! اگر تم اب بھی توبہ کر کے ایمان لے آؤ تو وہ تمہارا زندگی بھر کا کفر معاف فرما دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ کفار مکہ تو ان پڑھ جاہل تھے افسوس تو آج کے پڑھے لکھے یہود و نصاریٰ مستشرقین پر ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ملک شام کی طرف اپنے تجارتی اسفار میں وہاں کے عیسائی راہبوں سے ملاقات کی تھی اور انہی سے آپ نے انبیاء کرام ﷺ کے واقعات سیکھے اور بعد میں انہیں قرآن میں شامل کر لیا اور کچھ باتیں مزید ملا لیں۔ گویا مستشرقین کی حالت جہلاء عرب سے بھی بدتر ہے۔

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط

اور انہوں نے کہا اس رسول کے لئے کیا خصوصیت ہے؟ (ہماری طرح) کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔

لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ

اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈر سنانے والا ہوتا، یا اس پر کوئی خزانہ اُتارا جاتا یا اس کے لیے

لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ط وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنَّ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا

کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا۔ [5] اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا تم بس ایک جادو زدہ شخص کی

مَّسْحُورًا ۚ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۚ ع

پیروی کرتے ہو۔ (اے محبوب) دیکھیے وہ آپ کے لیے کیسی مثالیں لاتے ہیں، وہ گمراہ ہو گئے ہیں اب وہ راہ نہیں پاسکتے۔ [6]

[5] کفار عرب حضور ﷺ کی نبوت میں یہ شبہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے تھے کہ آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ آپ بھی ہماری طرح کھانا کھاتے اور بازاروں میں طلب معاش کے لئے آتے جاتے اور خرید و فروخت کرتے ہیں اگر آپ نبی ہوتے تو آپ پر کوئی فرشتہ اتارا جاتا جو ہمیں آپ کی نبوت کے بارے میں آگاہ کرتا، یا آپ پر آسمان سے کوئی خزانہ اُتارا جاتا جو آپ کو طلب معاش کے لئے بازاروں میں آنے جانے سے بے نیاز کر دیتا یا آپ کے پاس کوئی لہلہاتا باغ ہوتا جس میں سے آپ جو چاہتے کھاتے تاکہ ہمیں آپ کی نبوت کا یقین آ جاتا۔

کفار مکہ کا رسول اللہ ﷺ کو مال و دولت، حکومت اور شادی کی پیشکش کرنا

اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سردارانِ مکہ نے حضور سید کائنات ﷺ سے کہا کہ آپ اگر چاہیں تو ہم آپ کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ آپ کو سارے عرب کا سردار بنا دیتے اور

عرب کی سب سے حسین عورت سے آپ کی شادی کر دیتے ہیں مگر آپ ہمارے خداؤں کے خلاف تبلیغ نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے مال و دولت اور سرداری سے کیا تعلق؟ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ کفار نے کہا: اچھا اگر آپ کو ہماری کوئی پیش کش قبول نہیں تو آپ اپنے رب سے سوال کریں وہ آپ پر کوئی فرشتہ اتارے جو آپ کی تصدیق کرے یا اللہ آپ کو کوئی باغ یا سونے چاندی کا محل دے تاکہ آپ ﷺ کی ہم پر برتری واضح ہو جائے کیونکہ آپ ہماری ہی طرح بازاروں میں فکر معاش کے لئے پھرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے رب سے ایسی کوئی چیز نہیں مانگوں گا نہ مجھے ایسی چیزوں کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تب یہ آیت اتری: وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۳۶۷ حدیث ۲۶۲۷)

اس روایت سے معلوم ہوا حضور ﷺ کا فقر و فاقہ اختیاری تھا۔ آپ نے اپنے رب سے سونے چاندی اور باغات طلب کرنے سے خود انکار فرمایا کیونکہ آپ فقیرانہ زندگی گزارنا چاہتے تھے ورنہ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیش کش فرمائی کہ وہ میرے لئے وادی مکہ کو سونے کی بنا دے۔ میں نے عرض کیا: نہیں یا رب! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن مجھے پیٹ بھر کر کھانا ملے تو دوسرے دن بھوکا رہوں تاکہ بھوک میں تیری یاد کروں اور سیر شکم میں تیرا شکر بجالاؤں۔ (ترمذی کتاب الزہد باب ۳۵ حدیث ۲۳۴۷)

[6] کفار مکہ نے مسلمانوں سے کہا: تم ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب (ﷺ) دیکھیے کفار آپ کے لئے کیسی بُری مثالیں لاتے ہیں کہ کبھی آپ کو جادو گر کہتے ہیں پھر اسی زبان سے آپ کو جادو زدہ قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں تو وہ جان نہیں سکتے کہ کیا کہیں، کدھر جائیں۔

تَبْرَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّتِ تَجْرِي مِّنْ

برکت والا ہے وہ اللہ کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر باغات بنادے جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَن

نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے عظیم محلات پیدا کر دے۔ [7] بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) کفار قیامت کو

كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝ إِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا

جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے بھڑکتی آگ تیار کی ہے۔ جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو انہیں اس کا جوش غضب

وَزَفِيرًا ۝ وَإِذَا الْقَوَا مِنْهَا مَكَانًا ضِيقًا مُّقْرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝ ط

اور چنگھاڑنا سنائی دے گا۔ [8] اور جب وہ اس کے کسی تنگ مقام میں پاہ زنجیر پھینکے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے (کہا جائے گا)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝ قُلْ أَذِلَّكَ خَيْرٌ أَمْ

آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ کئی موتوں کو پکارو۔ [9] آپ انہیں فرما دیں کہ عذاب بہتر ہے یا وہ ہمیشگی کی

جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ط كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيرًا ۝ لَّهُمْ

جنت جس کا پر ہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان کی جزا اور ان کا انجام ہے ان کے لیے

فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدِينَ ط كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ۝

وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ وعدہ آپ کے رب کے ذمے ہے جس کا سوال کیا جاتا ہے۔ [10]

﴿روزِ قیامت کفار کیلئے جہنم کا جوش و غضب اور مومنوں کیلئے بہارِ جنت﴾

[7] ابھی آیت 7 اور 8 میں کفار مکہ کی یہ بات نقل کی گئی کہ اس شخص (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے کوئی باغ

کیوں نہیں ہے جس سے یہ کھایا کرے۔ تو اب یہاں کفار کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اے

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اللہ چاہے تو دنیا میں آپ کے لئے کفار کے ذکر کردہ باغ سے بہتر کئی باغات بنادے جن

کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے دنیا میں کئی محلات بنادے۔ یعنی اللہ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں

مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونے چاندی کے محلات وغیرہ کیوں نہ دیے گئے

یاد رہے حضور ﷺ کو (کفار کے مطالبہ کے باوجود) دنیا میں باغات و محلات کیوں نہ دیئے گئے؟ اس کے چند اسباب ہیں:

اول: دنیا میں ایمان بالغیب کا اعتبار ہے اور یہی مدارِ نجات ہے اور کفار کو یہ منظر دنیا میں دکھا دیا جانا ایمان بالغیب کے خلاف تھا۔

دوم: کفار کو اگر یہ چیزیں دکھا دی جاتیں تو پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے اور جب وہ یہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا اور اللہ کو یہ پسند نہ تھا کہ اپنے محبوب کی بعثت کے بعد عذاب اتارے۔

سوم: نبی پاک ﷺ کو اپنے لئے مال دنیا کی کثرت پسند نہ تھی آپ نے اپنے لئے خود فقیرانہ زندگی پسند فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے پاس خازنِ جنت فرشتہ رضوان حاضر ہوا اور ایک نورانی صندوق پیش کیا، کہنے لگا اس میں تمام دنیوی خزانوں کی چابیاں ہیں آپ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انہوں نے زمین پر ہاتھ مارا یعنی اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا: اے رضوان! مجھے ان چابیوں کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو آپ کو جنت میں تمام انبیاء کرام کے محلات نظر آئے اور ان میں آپ کا محل سب سے اونچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں راضی ہوں تو اس موقع پر یہ آیت اتری: تَبٰرَكَ الَّذِيْ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنَّتٍ تَجْرِيْ۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۳ بروایت واحدی وابن عساکر)

حضرت خیشمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور ان کی چابیاں دیدیتے ہیں۔ جو آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کو نہ دی گئیں اور نہ آپ کے بعد کسی کو دی جائیں گی اور اس کی وجہ سے اللہ کے ہاں آپ کے اخروی مقام میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم انہیں آپ کی اخروی نعمتوں کے ساتھ جمع کردیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ انہیں اخروی نعمتوں کے ساتھ ہی جمع فرمادے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۶۹ حدیث ۲۶۲۸۶) حضور ﷺ کی اس فقیرانہ زندگی میں ہمارے لئے درسِ فقر ہے۔

الغرض نبی اکرم ﷺ کو خود فقر پسند تھا۔ اس لیے کفار کا یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا کہ آپ کے پاس لمبے چوڑے باغات ہوں یا بڑے خزانے ہوں۔ اور اسمیں راز یہی تھا کہ آپ ﷺ امت کو صبر و قناعت کا درس دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ کے پاس بہت سا مال ہوتا تو آپ کی امت کا ہر فرد آپ کی اتباع میں مال دنیا کو سمیٹنے میں لگ جاتا۔ حالانکہ مال اگر حلال بھی ہو تو بھی اس کی بہت سی آفات ہیں، مثلاً یہ کہ جتنا مال زیادہ، اسی قدر آخرت کا حساب زیادہ، پھر مال کی کثرت

انسان کے دل میں عموماً کبر و غرور پیدا کر دیتی ہے۔ خواہ وہ مال حلال ہو۔

[8] یعنی کفار کا اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ قیامت پہ ایمان نہیں رکھتے۔ کیونکہ قیامت کا خوف ہی انسان کو شیطان کے راستہ پر چلنے سے روکتا ہے جب یہ نہ ہو تو انسان بڑے سے بڑا ظلم ڈھانے سے نہیں شرماتا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کی ہے جو انہیں دیکھ کر جوشِ غضب میں چبھنے لگی چنگھاڑے گی۔ اور حدیث کے مطابق اس چنگھاڑ کا یہ عالم ہوگا کہ سب اہل محشر حتیٰ کہ انبیاء بھی ایک بار گھبرا جائیں گے تو کفار کی دہشت کا کیا عالم ہوگا۔

روز قیامت جہنم کا بڑھکنا اور سب اہل محشر کا گھبرانا

حضرت کعب بن علقمہ سے مروی ہے کہ روز قیامت ستر ہزار فرشتے جہنم کو لوگوں کے سامنے لائیں گے۔ ابھی وہ لوگوں سے سو برس کی مسافت پر ہوگی تو ایک چنگھاڑ مارے گی جس سے لوگوں کے دل اڑنے لگیں گے پھر اس کی دوسری چنگھاڑ پر ہر فرشتہ مقرب اور نبی مُرسَل گھٹنوں کے بل جھک جائے گا اور ہر شخص نفسی نفسی پکارنے لگے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! مجھے اپنی خلت کی قسم میں تجھ سے صرف اپنے بارے میں سوال کرتا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے مجھے اپنی مناجات کی قسم! میں صرف اپنا سوال کرتا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے اے اللہ! مجھے اس کرامت کی قسم جو تو نے مجھے دی میں صرف اپنا سوال کرتا ہوں۔ اس وقت شافع محشر رحمت اللعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ فرمائیں گے: امتی متی لا اسئلك اليوم لنفسی۔ ”اے اللہ میری امت میری امت آج میں تجھ سے اپنے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا۔“ تب اللہ رب العزت فرمائے گا آپ یاد رکھیں آپ ﷺ کی امت میں سے جو میرے اولیاء ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے اور مجھے اپنی عزت کی قسم! آج آپ کی امت کے بارے میں میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کروں گا۔ (درمنثور ملخصاً جلد ۶ صفحہ ۲۴۰ بروایت ابی نعیم فی الحلیہ)

[9] کفار کو روز قیامت جہنم کے تنگ مقامات میں ٹھونسا جائے گا تو وہ موت کو پکاریں گے۔ حدیث مبارکہ میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کفار کو جہنم میں یوں ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ ٹھونسی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۶۸ حدیث ۱۵۰۰۳ مطبوعہ مکہ) تب اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا آج تم ایک موت نہیں بہت سی موتوں کو پکارو یعنی آج تم پر ایک بار نہیں بار بار موت آئے گی مگر تم مرنے سکو گے قرآن میں ہے: لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰی ﴿۱۳﴾ ”کافر جہنم میں نہ مر سکے گا نہ جی سکے گا۔“ (اعلیٰ ۱۳) حدیث میں ہے ”جہنم میں شیطان اور اس کے چہیتوں کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا تو وہ موت کو پکاریں گے اللہ فرمائے گا آج ایک موت کو نہیں کئی موتوں کو پکارو۔“ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۷۱ حدیث ۲۶۲۹۴)

[10] یعنی اے محبوب مصطفیٰ ﷺ آپ کفار سے فرمادیں کہ کیا تمہیں اس جہنم میں جانا پسند ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے

یا اس جنت میں جانا پسند ہے جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اور متقین جنت میں جو مانگیں گے انہیں دیا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اہل جنت اگر کسی بُری چیز کا مطالبہ کریں تو کیا وہ بھی وہاں پورا کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی بُری چیز نہیں مانگ سکیں گے کیونکہ نفس و شیطان کو ان سے دور کر دیا جائے گا اور ان کے دل میں صرف اچھائی ہی کی خواہش آئے گی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ﴿۱۶﴾ یعنی پرہیزگاروں کو جنت کا دیا جانا اللہ کا وہ وعدہ ہے جس کا وہ اللہ سے سوال کرتے رہتے ہیں جیسے وہ کہتے ہیں: رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۷﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر ہم سے جو وعدہ جنت فرمایا وہ ہمیں عطا فرما اور روزِ قیامت ہمیں رسوا نہ فرما بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا۔“ (آل عمران، ۱۹۴)

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضَلَلْتُمْ

اور جس دن اللہ کفار کو اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے اٹھائے گا تو (ان کے جھوٹے خداؤں سے) فرمائے گا کیا تم نے

عِبَادِي هُوَلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۚ ﴿١٢﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ

میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود راہ سے بھٹک گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ! تو پاک ہے ہمیں کوئی

يُنَبِّغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ

حق نہ تھا کہ تیرے مقابلہ میں اپنے مددگار بنائیں بلکہ اے اللہ! تو نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دنیا دی

حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۚ ﴿١٣﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۖ فَمَا

یہاں تک کہ وہ تیرا ذکر بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ (کہا جائے گا) تمہارے معبودوں نے تو تمہاری بات

تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِمُ مِّنْكُمْ نَذِقْهُ عَذَابًا

جھٹلا دی ہے اب تم نہ عذاب کے پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو نہ اپنی مدد کی اور جس نے تم میں سے ظلم کیا ہے ہم اسے بڑا عذاب

كَبِيرًا ۚ ﴿١٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ

چکھائیں گے۔ [11] اور ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے وہ بہر حال کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ [12]

وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۖ أَتَصْبِرُونَ ۚ

اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے اب کیا تم صبر کرو گے

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۚ ﴿١٥﴾

اور تمہارا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [13]

[11] روز قیامت اللہ رب العزت مشرکین اور ان کے جھوٹے خداؤں (بتوں، شمس و قمر وغیرہ) کو ایک جگہ آ منے

سامنے جمع کرے گا پھر ان کے جھوٹے خداؤں سے پوچھے گا۔ کیا تم نے ان مشرکین کو حکم دیا تھا کہ وہ تمہاری عبادت

کر کے گمراہی میں مبتلا ہوں یا وہ خود ہی گمراہ ہو کر تمہاری عبادت کرنے لگے تھے؟ وہ عرض کریں گے اے اللہ! ہمیں کوئی

حق نہ تھا کہ تیرے مقابلہ میں اپنے مددگار یعنی اپنے بچاری پیدا کریں مگر ماجری یہ تھا کہ اے اللہ! تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو نسل در نسل دنیوی آسائشیں دی حتیٰ کہ یہ تیری یاد سے غافل ہو گئے اور شیطان کے پیچھے چل کر گمراہ ہو گئے اور یہ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ یعنی انبیاء نے انہیں راہ حق پہ چلنے کی بہت دعوت دی مگر انہوں نے خود ہی ہلاکت کا راستہ اختیار کیا۔

تب اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ اے مشرک! تمہارے جھوٹے خداؤں نے تو تمہیں جھٹلا دیا ہے یعنی تمہیں اللہ کا دشمن اور گمراہ قرار دیا ہے۔ لہذا اب تم خود سے عذاب کو کسی صورت نہیں پھیر سکتے نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جو بڑے ظالم ہیں یعنی جنہوں نے خود شرک کرنے کے ساتھ دوسرے انسانوں کو بھی مشرک بنایا ہم انہیں بڑا عذاب چکھائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا مال و دولت دنیا کی کثرت انسان کو گمراہ کر کے کفر تک بھی لے جاتی اور اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ خصوصاً جب بعض لوگوں پر نسل در نسل دنیوی آسائش کے دروازے کھلتے جائیں تو ان کے گمراہ ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر مال دے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ والا دے، قارون اور ابی بن خلف والا مال نہ دے۔ آج بھی کئی لوگ نشہ دولت میں کفر بکتے دیکھے جاتے ہیں۔

[12] جب کفار مکہ نے کہا: مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۚ کہ اس مدعی رسالت (محمد مصطفیٰ ﷺ) میں کون سی خصوصیت ہے یہ ہماری طرح کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے جیسا کہ گزشتہ رکوع میں گزرا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔ لہذا کھانا کھانا اور بازار میں چلنا نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہے۔ یہی مفہوم قرآن میں یوں بھی بیان کیا گیا: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ۔ ”اور ہم نے انبیاء کو ایسے بے جان جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔“ (انبیاء، ۸)

[13] سردارانِ مکہ غریب مسلمانوں جیسے حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، عمار یاسر، ابوذر غفاری، عبد اللہ بن مسعود، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو بنظر حقارت دیکھ کر کہتے تھے کیا ہم مسلمان ہو کر ان کی سطح پر اتر آئیں اور ان کے ساتھ بیٹھیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا ہے کہ وہ انہیں دیکھ کر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِيكَةُ أَوْ

اور جن کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے

نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۝۱۴ يَوْمَ

یا ہم اپنے رب کو دیکھتے۔ وہ اپنے آپ میں بڑے بنے ہیں اور بڑی سرکشی پہ اتر آئے ہیں۔ [14] جس دن

يَرُونَ الْمَلِيكَةَ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا

وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہ ہوگی اور فرشتے کہیں گے تم پر جنت مکمل حرام

مَحْجُورًا ۝۱۵ وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۝۱۶

کر دی گئی ہے اور انہوں نے جو بھی عمل کیا ہم اسکی طرف توجہ کریں گے اور اسے اڑتی ہوئی دھول بنا دیں گے [15]

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝۱۷

جنت والے اس دن بہتر ٹھکانے اور بہتر آرام گاہ والے ہوں گے۔ [16]

کفار کی سرکشی اور روز قیامت ان کا انجام بد

[14] کفار مکہ کہتے تھے کہ جو فرشتہ محمد (ﷺ) پر اترتا ہے وہ سیدھا ہم پر کیوں نہیں اترتا۔ درمیان میں نبی کا وسیلہ کیوں رکھا گیا ہے اور کبھی وہ کہتے کہ فرشتے کے ذریعے قرآن کیوں اتارا جاتا ہے ہم سیدھا اللہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے درمیان میں فرشتے کے واسطے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ایسی باتیں وہی کہتے ہیں جنہیں قیامت کے آنے اور ہم سے ملاقات کرنے کی امید نہیں اور وہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے اور تکبر کرنے لگے ہیں کہ خود کو نبی کے وسیلے سے مستغنی گردانتے ہیں۔

معلوم ہوا نبی کے وسیلہ سے متکبر و سرکش کافر ہی مستغنی بنتا ہے جبکہ مومن تو سمجھتا ہے کہ اسے سب کچھ بوسیلہ رسول ﷺ ہی ملا ہے۔

[15] یعنی کفار آج تو فرشتوں کے دیکھنے اور ان سے براہ راست پیغام لینے کے متمنی ہیں مگر جب وہ روز قیامت فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی خوشی اور خوش خبری کی بات نہ ہوگی کیونکہ فرشتے ان سے کہیں گے: حجرا محجورا، یعنی حراماً محرمماً مطلب یہ کہ آج تم پر جنت مکمل حرام کر دی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے

ہیں فرشتے کہیں گے: حراماً محرماً ان یدخلہ الجنة الا من قال لا الہ الا اللہ۔ یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے اس کے سوا سب پہ جنت مکمل حرام ہے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا۔ یعنی کفار نے دنیا میں جو بھی نیک عمل کیا ہم اسے روز قیامت اڑتی ہوئی دھول بنادیں گے جو کسی کے قبضہ میں نہیں آ سکتی۔

معلوم ہوا روز قیامت کفار کی سب نیکیاں برباد ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾ جو شخص ایمان لانے سے انکار کرے اس کا سب عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے۔ (مائدہ: ۵)

[16] کفار کی اخروی بدبختی بتانے کے بعد اہل ایمان کی سعادت اخروی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تو فرمایا گیا کہ روز قیامت مومنین کے ٹھکانے اور ان کی آرام گاہیں کفار کے دنیوی مکانات اور آرام گاہوں سے بہت بہتر ہوں گی۔ مستقر (ٹھکانہ) وہ ہوتا ہے جہاں آدمی مستقل رہائش پذیر ہو اور مقیل (آرام گاہ) وہ جگہ ہے جہاں آدمی عارضی طور پر کچھ دیر کے لئے قیلولہ یا استراحت کرے یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں مستقل رہائش گاہیں بھی ہوں گی اور عارضی آرام گاہیں بھی۔

وَيَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝۱۷ أَلُمْلِكُ يَوْمَئِذٍ

اس دن آسمان کو پھاڑ کر ایک بادل نکل آئے گا اور فرشتے پے در پے اتارے جائیں گے۔ [17] اس دن سچی بادشاہی

الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ ۝ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝۱۸ وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ

خدائے رحمان کے لئے ہوگی اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا۔ [18] اس دن ظالم اپنے ہاتھ چبائے گا کہے گا

عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝۱۹ يَوْمَلَّتْ لِي لَيْتَنِي

اے کاش میں رسول (ﷺ) کے ساتھ راہ (اطاعت) اختیار کرتا۔ ہائے ہلاکت، کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ پکڑتا۔

لَمْ آتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝۲۰ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۝۲۱

یقیناً اس نے مجھے ذکر (قرآن) سے غافل کر دیا جب یہ ذکر میرے پاس آیا۔

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝۲۲

اور شیطان انسان کو دھوکہ دینے والا ہے۔ [19]

[17] روز قیامت اللہ رب العزت کا نور ایک بادل کی صورت میں آسمانوں کو چیرتا ہوا اترے گا اور اس کے ساتھ

سب آسمانوں کے فرشتے اتریں گے پھر اللہ تعالیٰ کرسی عدالت پہ جلوہ فرما ہو کر مخلوق کا حساب لے گا جیسے قرآن میں ہے:

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۝۲۰ ”وہ کس چیز کے منتظر ہیں

سوا اس کے کہ اللہ ان کے پاس بادل کے سایوں میں اتر آئے اور فرشتے اتر آئیں اور فیصلہ کر دیا جائے۔“ (بقرہ آیت ۲۱۰)

حضرت عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے پہلا آسمان پھٹے گا اور وہاں

کے فرشتے زمین پر اتر آئیں گے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور وہاں کے فرشتے اتریں گے۔ یوں سارے آسمانوں کے فرشتے

اتر آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ حاملین عرش کے ساتھ نزول فرمائے گا۔ (ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۳۸۳ حدیث ۲۶۳۴۳)

[18] جب سارے آسمانوں کے فرشتے اتر آئیں گے اور اللہ رب العزت کرسی عدالت لگائے گا اس وقت اللہ ہی کی سچی

بادشاہی ہوگی اور باقی سب بادشاہوں کی بادشاہتوں کا نام و نشان مٹ چکا ہوگا اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا کیونکہ اس

کی طوالت کفار کے لئے پچاس ہزار برس ہوگی۔ گویا مومن کے لئے روز قیامت سخت نہ ہوگا بلکہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

”اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مومن کے لئے روز قیامت ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی کم تر وقت

میں گزر جائے گا۔“ (مسند احمد عن ابی سعید الخدری جلد ۳ صفحہ ۷۵)۔

[19] کئی لوگ اپنے گمراہ دوستوں کی وجہ سے گمراہی بلکہ کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کو ان کے دوست اپنے ساتھ جہنم میں لے جاتے ہیں مثلاً جو شخص منکرین ختم نبوت کے پاس بیٹھے گا وہ انہی جیسا ہو جائے گا۔ جو منکرین خلافت راشدہ سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہی کی طرح صحابہ کرام و امہات المؤمنین کو گالیاں دینے لگے گا۔ ایسے لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرتے ہیں اور وہ روز قیامت بصد حسرت کہیں گے اے کاش! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا اس نے مجھے گمراہ کر دیا جب میرے پاس ذکر یعنی قرآن آ گیا تھا تو مجھے اس کی پیروی کرنا چاہیے تھی مگر افسوس میں نے قرآن کی بجائے شیطان کی بات مانی اور شیطان تو انسان کو دھوکہ ہی دیتا ہے۔

عقبہ بن ابی معیط کی گستاخی رسول اللہ ﷺ اور اس کا انجام

حضرت عبداللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیات عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئیں، وہ جب سفر تجارت سے واپس آتا تو سارے اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا۔ اس نے ایک بار دعوت پر حضور ﷺ کو بھی بلایا۔ آپ ﷺ نے شریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا جب تک تم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھو گے میں کھانا نہیں کھاؤں گا اس نے یہ الفاظ (صرف زبان سے) پڑھ لئے۔ ابی بن خلف اس کا گہرا دوست تھا اسے خبر ہوئی تو اس نے عقبہ سے کہا میں تم سے راضی نہ ہوں گا جب تک تم جا کر محمد (ﷺ) کے چہرے پر نہ تھوکو (معاذ اللہ) عقبہ گیا اور اس نے ایسا ہی کیا (حدیث میں ہے کہ وہ تھوک اس کے اپنے منہ پر واپس پڑی اور اس کا منہ جل گیا اور زندگی بھر اس کا نشان رہا۔ بغوی جلد ۵ صفحہ ۹۹) گویا عقبہ بن ابی معیط کو ابی بن خلف کی دوستی نے برباد کر دیا۔

اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) گمراہ لوگوں کی دوستی سے دور رہنا لازم ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اچھے دوست کی مثال یوں ہے جیسے کستوری بیچنے والا کہ اس کے پاس بیٹھنے سے خوشبو ضرور ملے گی اور برے دوست کی مثال یوں ہے جیسے بھٹی چلانے والا کہ اس کے پاس بیٹھنے سے دھواں اور بدبو ضرور ملے گی۔“ (بخاری کتاب البیوع باب ۸، مسلم کتاب البر حدیث ۱۳۶)

(۲) عظمت قرآن

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۚ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے وابستگی انسان کو راہ حق دکھاتی اور شیطان کو بھگاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کو شفاء و رحمت قرار دیا گیا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَكَذَلِكَ

اور رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو قابل ترک قرار دیا تھا اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا

ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں کو دشمن بنایا اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے میں

وَنَصِيرًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً

کافی ہے [20] اور کافروں نے کہا اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں

كَذَلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا

اتارا جاتا؟ (مگر) یہ اس لیے ہے تاکہ اس سے آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر (آپ پر) پڑھا ہے۔ اور کفار آپ کے پاس

جِئُوكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ

جو بھی کہاوت لاتے ہیں تو ہم (اس کے مقابل) حق بات اور بہتر توجیہ لے آتے ہیں۔ [21] جن لوگوں کو جہنم کی طرف

جَهَنَّمَ لَا أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

چہروں کے بل لایا جائے گا ان کا ٹھکانہ بہت برا ہے اور وہ سب سے گمراہ تر ہیں۔

[20] گزشتہ رکوع میں بھی قرآن و صاحب قرآن کی صداقت پہ بات ہو رہی تھی۔ وہی بات دہرائی جا رہی ہے کہ روز

قیامت رسول اللہ ﷺ شکوہ کریں گے اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مجبور (متروک) کر دیا تھا یعنی اس سے

منہ موڑ لیا تھا۔ اس سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں۔ اول: قرآن کو اللہ کی کتاب نہ ماننے والے۔ دوم: قرآن کو مان کر اس کی

غلط تشریح کرنے اور گمراہی پھیلانے والے گمراہ فرقے۔ سوم: قرآن پہ عمل نہ کرنے والے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝

اللہ ہے۔ لہذا آپ کفار کی دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) اخروی کامیابی کا راز قرآن پر عمل کرنے میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے قرآن سیکھا اور اسے دیوار سے لٹکا دیا روز

Marfat.com

اہل اسلام اللہ کا احسان مانیں اور نرم احکام پہ خوشی سے عمل کریں۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ قرآن کو حسب حال اتارا گیا۔ مکی دور میں مسلمان مصائب و مظالم کا شکار تھے تو ان پہ تلقین صبر والی آیات اتاری گئیں۔ پھر ہجرت کا وقت قریب آیا تو انہیں ایسی آیات سے نوازا گیا جن سے ان میں ہجرت کا شوق و ولولہ پیدا کیا گیا اور انہیں ترک وطن میں لذت ایمان حاصل ہوئی۔ پھر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہود کی مخالفت اور منافقین کی منافقت سے پالا پڑا تو یہود و منافقین کے مکائد کا پردہ چاک کرنے والی آیات کا نزول شروع ہوا۔ پھر جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر غزوہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات بارش کی طرح برسنے لگیں جن میں مجاہدین اسلام کو جہاد کا ثواب بتایا گیا جس کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ کرام بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے ٹکرا گئے۔

پھر یہ بھی دیکھو کہ جبرائیل امین علیہ السلام چھ ہزار چھ سو چھ آیات قرآن کو اتارنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس کئی ہزار بار حاضر ہوئے۔ جس سے ان کے مرتبہ و مقام میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ اگر وہ ایک ہی بار سارا قرآن لے آتے تو انہیں ایک ہی بار حاضری دربار رسالت نصیب ہوتی۔

پہلے انبیاء کرام کو ان کی کتاب ایک ہی بار دیدی جاتی اور اس کے حصول کے لیے بسا اوقات انہیں خود کسی جگہ چل کر جانا پڑتا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ تورات کے لیے کوہ طور پہ جانا پڑا اور وہاں چلہ کشی کرنا پڑی۔ مگر رسول اکرم ﷺ پہ قرآن کو تھوڑا تھوڑا اتارا گیا اور جہاں آپ ہوتے تھے قرآن وہیں اتارا جاتا تھا۔ اگر آپ گھر میں ہوتے تو قرآن گھر میں آتا، اگر آپ سفر میں ہوتے تو قرآن سفر میں آتا، آپ مکہ معظمہ میں تھے تو قرآن مکہ میں آیا، آپ مدینہ طیبہ آئے تو قرآن یہاں آیا اور حتیٰ کہ اگر آپ اپنی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کے بستر پہ جلوہ فرما ہوتے تو قرآن وہاں اترتا۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کی عظمت کے جو پہلو نمایاں ہوتے ہیں انہیں کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو آہستہ آہستہ اتارا ہے تو اسے آہستہ آہستہ ہی پڑھنا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا گیا: **وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً** ﴿۱﴾ ”قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“ (مزل، آیت: ۱) یاد رہے کہ قرآن مجید کا اس قدر آہستہ پڑھنا کہ اس کے کھڑے پڑے اور مد و شد میں فرق نہ آئے، فرض عین ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۖ فَقُلْنَا

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا۔ تو ہم نے کہا:

اِذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۖ وَقَوْمَ

تم دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے، تو ہم نے انہیں مکمل تباہ کر دیا۔ [22] اور قوم نوح

نُوحٍ لِّمَا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا

کو یاد کرو جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا [23] اور ہم نے

لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَعَادًا وَثُمُودًا ۖ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ

ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے اور عاد و ثمود اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو یاد کرو ہم نے

ذَلِكَ كَثِيرًا ۖ وَكَلَّا ضَرَبْنَاهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكَلَّا تَبَرَّنَا تَتَبِيرًا ۖ وَلَقَدْ آتَوْا

ان سب کے لیے (ہدایت کی) مثالیں بیان کیں اور سب کو مکمل تباہ کر دیا۔ [24] اور کفار اس بستی پر

عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْتُ مَطَرَ السَّوْءِ ۖ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلًا

یقیناً گذرے ہیں جن پر بری بارش کی گئی کیا کفار اسے دیکھتے نہیں؟ بلکہ وہ

كَانُوا لَا يَرْجُونَ نَشُورًا ۖ

دوبارہ جی اٹھنے کی امید نہیں رکھتے۔ [25]

گزشتہ انبیاء کرام سے کفار کی سرکشی اور ان پر عذاب الہی کا نزول

[22] حضور سید عالم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کفار کی سرکشی سے نہ گھبرائیں آپ سے قبل انبیاء کرام ایسے ہی حالات سے دوچار رہے ہیں چنانچہ موسیٰ و ہارون علیہ السلام کا واقعہ دیکھئے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر بنایا یعنی ان کی کتاب کی تبلیغ کرنے والا نبی بنایا جیسے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۖ اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون ان کو نبی بنا کر عطا کیا۔ (مریم: ۵۳)

یادر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی حضور ﷺ کے لئے اسی طرح مددگار بھائی تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جناب ہارون علیہ السلام مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی نہ بنایا گیا کیونکہ حضور ﷺ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے خود فرمایا: یا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ ”اے علی! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (بخاری کتاب الفضائل باب ۹ ترمذی کتاب المناقب باب ۲۵)

مرزائی کہتے ہیں حضور ﷺ کے بعد ایسا نبی نہیں آ سکتا جو نئی کتاب اور نئی شریعت لے آئے البتہ آپ کی کتاب و شریعت کی تبلیغ کے لئے انبیاء آ سکتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث رسول کی روشنی میں آپ کے بعد آپ کی کتاب و شریعت کا تبلیغ کرنے والا نبی بھی نہیں آ سکتا۔ دیکھئے کتاب تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور ہارون علیہ السلام ان کے بھائی اور ان کی کتاب کے مبلغ نبی تھے مگر حضور ﷺ نے فرمادیا کہ اے علی! تم ہارون علیہ السلام جیسے مبلغ نبی بھی نہیں بن سکتے کیونکہ میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی ہے ہی نہیں۔ کاش کوئی مرزائی شخص اس دعوت حق کو گوش دل سے نہ سنے۔ بلکہ مرزائیوں کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جب مولا علی المرتضیٰ شیر خدا نبی نہیں بن سکتے جو باب مدینۃ العلم ہیں اور عم زاد رسول ہیں تو مرزا غلام احمد قادیانی کس طرح نبی کہلا سکتا ہے۔ اسمیں قادیانیوں کے لیے بہت بڑا درس عبرت و سامان ہدایت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کہا انے موسیٰ و ہارون (علیہ السلام)! تم دونوں قوم فرعون کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے یعنی تخلیق ارض و سما، سلسلہ شب و روز اور گردش شمس و قمر جیسی آیات قدرت کو دیکھ کر بھی ایک اللہ کو خدا ماننے کی بجائے انہوں نے کئی خدا مان لئے ہیں۔ یہ انسان کی بدبختی ہے کہ شیطان انسان کو وسوسوں کے ذریعے راہ حق سے ایسا دور کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے دلائل و براہین دینیہ پر بھی ایمان نہیں لاتا۔

یہاں آیات سے مراد معجزات موسویہ یا آیات تورات مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کا ظہور تو بعد میں ہوا۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام نے جا کر قوم فرعون کو دعوت تو حیددی مگر وہ لوگ ایمان لانے کی بجائے مقابلے پر اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تب ہم نے انہیں مکمل تباہ و برباد کر دیا یعنی ساری قوم کو اکٹھا ڈبو کر مار دیا۔

[23] قوم نوح علیہ السلام نے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں پانی میں ڈبو کر تاقیامت نشان عبرت بنا دیا گیا اور ہر دور کے ظالموں کے لئے ایسا ہی دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے اس میں تاقیامت آنے والی اسلام دشمن طاقتوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اسلام کی بیخ کنی کے خبط سے کنارہ کش نہ ہوئے تو ان کا حال بھی پہلی منکر قوموں جیسا ہوگا یعنی ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ (احزاب: ۶۲)

یادر ہے قوم نوح علیہ السلام نے صرف ایک رسول نوح علیہ السلام ہی کو جھٹلایا تھا مگر اللہ رب العزت کا فرمانا: كَذَّبُوا الرُّسُلَ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اس لئے ہے کہ ایک رسول کا جھٹلانا سب رسولوں کا جھٹلانا ہے کیونکہ سب رسولوں کی ایک ہی دعوت اور سب کا ایک ہی دین ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہا گیا کہ جس نے ایک جان کا ناحق قتل کیا اس نے گویا سب

انسانوں کو قتل کر دیا۔ (مائدہ ۳۲) کیونکہ سب انسانوں کی جانیں یکساں قیمتی ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ دین کے کسی ایک حصے سے انکار پورے دین سے انکار ہے۔

[24] یعنی ہم نے عاد اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور ان سے پہلے اور قوم نوح کے بعد درمیان میں دیگر کئی قوموں کو ان کی سرکشی کے باعث یوں مکمل تباہ کر دیا کہ آج تاریخ میں ان کا نام بھی نہیں ہے۔ اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے قوم شعیب علیہ السلام مراد ہے۔ کلبی کے نزدیک اس سے اہل یمامہ مراد ہیں ان میں ایک نبی بھیجا گیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں ایک کنوئیں سے ایسا سیلاب جاری کیا کہ سب اس میں ڈوب مرے اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بقول اس سے ایک قوم مراد ہے جن میں عورتیں عورتوں سے مباشرت کرتی تھیں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)

[25] یعنی کفار مکہ بستی سدوم کے پاس سے تو گزرتے ہی ہیں اس بستی پر پتھروں کی برسات کی گئی تو کفار اسے دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ مگر بات یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جی اٹھنے کی امید ہی نہیں۔ یعنی قیامت پر ان کا ایمان نہیں، جب یہ نہیں تو پھر انہیں کسی بھی بُرائی سے کچھ حیا نہیں۔ بستی سدوم فلسطین میں ہے اس میں حضرت لوط علیہ السلام بھیجے گئے۔

وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَنْخِذُوكَ إِلَّا هُزُؤًا هَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝

اور جب کفار آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو نشانہ مذاق ہی بناتے ہیں (کہتے ہیں) کیا اسکو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟

إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۖ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

یقیناً قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے گمراہ کر دیتا اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے۔

حِينَ يَرُونَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ

عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان جائیں گے کہ کون راستہ سے بھٹکنے والا ہے۔ [26] کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا

هُوَ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ

جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ کیا آپ اسے بچانے کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حق سن لیں گے

يَعْقِلُونَ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

یا عقل کریں گے؟ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے گمراہ تر ہیں۔ [27]

[26] کفار مکہ تمسخر اڑاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہتے: کیا اس شخص کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ یعنی اس

کے پاس تو نہ دولت ہے نہ سرداری۔ ایک غریب شخص ہے یہ کیسے رسول بن گیا؟ اور اس نے ہمارے بتوں کے خلاف ایسی تحریک چلائی ہے کہ اگر ہم اپنے بتوں سے صبر کے ساتھ چمٹے نہ رہتے تو یہ ہمیں ضرور ان سے دور ہٹا دیتا اور ہمیں گمراہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا عنقریب موت کے بعد کفار جان لیں گے جب انہیں عذاب نظر آئے گا کہ کون گمراہ ہے۔ معلوم ہوا دولت و اقتدار کا نشہ بسا اوقات انسان کو کفر تک لے جاتا ہے۔

[27] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بت پرست لوگوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے وہ کسی بت کے نہیں بلکہ اپنی خواہش کے پجاری ہیں ورنہ اپنے ہاتھ کے تراشیدہ پتھر کو اپنا حاجت روا ماننا خبط کے سوا کیا ہے۔ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کفار عرب ایک پتھر کو عرصہ دراز پوجتے رہتے پھر انہیں اس سے بہتر پتھر مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک کر نئے پتھر کی عبادت شروع کر دیتے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۶۹۹ حدیث ۱۵۱۹۹)

آج بھی ہندوؤں کے مندروں میں جب لکڑی کے بھگوان پرانے ہو جاتے ہیں تو انہیں ٹھکانے لگا کر نئے بھگوان تراش لئے جاتے ہیں۔ ہم یہاں برطانیہ میں ہندو دکانوں پہ بت برائے فروخت دیکھتے ہیں۔ یعنی ہر ورائٹی اور ہر سائز کا خدا دستیاب ہے۔ ہر خدا کی قیمت ساتھ میں لکھی ہے۔ ہندو انہیں خرید کر گھر لے جاتے اور پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا اے پیارے حبیب ﷺ کیا آپ ایسے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لانے کے ذمہ دار ہیں؟ نہیں۔ آپ ﷺ کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کی بات سن لیں گے یا عقل کی راہ پکڑیں گے؟ نہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ۔ یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ جانور بھی اپنے بُرے بھلے کی تمیز رکھتے ہیں مگر انہیں یہ تمیز بھی نہیں۔ پھر ہر جانور اس تسبیح میں لگا ہوا ہے جو اسے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۝ ”ہر جانور کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا علم ہے۔“ (نور، ۴۱) تو جس انسان کو اپنی عبادت کا علم نہیں وہ جانوروں سے بدتر ہے۔

الْمُتَرَالِي رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا

کیا آپ نے دیکھا کہ آپ کے رب نے رات کا سایہ کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے اس پر

الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۚ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي

سورج کو دلیل بنایا پھر ہم نے اسے آہستہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ [28] اور اللہ وہ ہے

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا ۚ وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۝ وَهُوَ

جس نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو پھر جی اٹھنے کا ذریعہ بنایا۔ [29] اور اللہ

الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ

وہ ہے جس نے اپنی رحمت سے قبل بشارت والی ہوائیں بھیجیں اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا

مَاءً طَهُورًا ۚ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا

پانی اتارا تاکہ ہم اس سے کوئی مردہ علاقہ زندہ کر دیں اور اسے اپنی مخلوق میں سے جانوروں

وَأَنَاسٍ كَثِيرًا ۝

اور بہت سے انسانوں کو پلائیں [30]

اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا بیان اور درس توحید

[28] یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ بڑی نعمتیں اور قدرتیں گنوائی ہیں۔ ہم ان کو تھوڑا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آ سکے۔

پہلی قدرت: رات اور دن کا آنا جانا ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک اس جگہ مَدَّ الظِّل میں رات کا سایہ مراد لیا ہے یعنی کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کس طرح رات کا سایہ پھیلا دیتا ہے اور ہر چیز اس میں چھپ جاتی ہے۔ دراصل رات زمین کے اپنے سائے کا نام ہے۔ زمین کا آدھا حصہ سورج کے سامنے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ روشن رہتا ہے اور آدھا حصہ تاریک۔ اور یہ تاریک حصہ خود زمین کے اپنے سائے میں ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رات کو سائے کے پھیلنے سے تعبیر فرمایا اور یہ قرآن مجید کی شانِ بلاغت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو اس سائے کو ٹھہرا دیتا یعنی کبھی سورج کو نکلنے نہ دیتا گویا ہر روز سورج کا نکلنا اللہ کی نعمت ہے۔ اس کا شکر بجالاؤ۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ ”آپ فرمادیں تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تم پر تا قیامت رات کو دائمی کر دے تو اللہ کے سوا کون سا خدا تمہیں روشنی دے سکتا ہے؟“ (قصص ۷۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ - الخ کہ پھر ہم نے سورج کو رات کے سائے پر دلیل بنایا (یعنی اگر سورج نہ چڑھے تو کیسے پتہ چلے کہ پہلے رات تھی (اب دن ہے) اور ہم رات کے سائے کو سورج کے نکلنے پر آہستہ سے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ یکدم رات کی جگہ دن کی تیز روشنی آجائے بلکہ آہستہ آہستہ رات کا سایہ دن کی روشنی میں یوں ڈھل جاتا ہے کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا کہ رات کی تاریکی کی جگہ یکدم دن کی روشنی آجاتی تو انسانوں کے معمولات زندگی سخت مضطرب (Disturb) ہوا کرتے۔

یاد رہے زمین اپنے مدار پر لٹو کی طرح یوں گھوم رہی ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر پورا کر لیتی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے ہر حصہ پر دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔ زمین کی اس گردش کی رفتار اہل فلکیات کے نزدیک فی گھنٹہ ایک لاکھ سات ہزار دو سو چالیس کلومیٹر ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۵۸ مطبوعہ انڈیا)

اگر گردش زمین کی یہ رفتار اس سے آہستہ ہوتی تو زمین کے کچھ حصہ پر کئی ہفتوں مہینوں بلکہ برسوں تک دن ہی رہتا اور دوسرے حصوں پر رات۔ اس طرح دن والے حصوں پر گرمی اور رات والے حصوں پر سردی اتنی بڑھ جاتی کہ انسان کا جینا ناممکن ہو جاتا اور اگر زمین کے گھومنے کی رفتار موجودہ رفتار سے تیز تر ہوتی تو پھر ہر چوبیس گھنٹوں میں کئی دن اور کئی راتیں آنے جانے لگتیں پھر انسان آرام سے سو سکتا نہ جا سکتا۔ الغرض سلسلہ شب و روز کی موجودہ رفتار میں قدرت کے عجیب کرشمے کا فرما ہیں۔

[29] اب اللہ تعالیٰ اپنی دوسری قدرت ارشاد فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو تمہارا لباس بنایا کہ جیسے لباس جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ رات بھی آدمی کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ نے نیند کو باعث آرام بنایا تاکہ انسان تازہ دم ہو جائے اور دن کو دوبارہ جی اٹھنے کا ذریعہ بنایا کیونکہ نیند انسان پر ایک طرح کی موت طاری کر دیتی ہے اور دن چڑھنے سے لوگ گویا پھر جی اٹھتے ہیں۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح انسان دن چڑھنے پر نیند کی موت سے دوبارہ جی اٹھتا ہے اسی طرح روز قیامت وہ حقیقی موت سے جی اٹھے گا اور مروی ہے کہ روز قیامت لوگ یوں محسوس کریں گے جیسے انہیں گہری نیند سے بیدار کر دیا گیا ہے۔ گویا نیند انسان کو موت کی یاد دلاتی ہے۔

[30] اب تیسری قدرت بتائی جا رہی ہے کہ اللہ اپنی رحمت یعنی بارش سے قبل خوشخبری والی ہوائیں بھیجتا ہے یعنی ان

ہواؤں کی خوشخبری سے پیاسے ہونٹوں پہ خوشی کی مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر لوگوں کو وہ پانی عطا فرماتا ہے جو طہور ہے یعنی انہیں ہر طرح کی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنے والا ہے اور یہ پانی اس لئے اتارا جاتا ہے تاکہ کسی مردہ یعنی خشک علاقہ کو زندہ کر دیا جائے اور اس سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کیا جائے۔

کس پانی سے وضوء و غسل جائز ہے کس سے نہیں۔ چند احکام

(۱) دریاؤں، نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی بے دلیل پاک ہے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۸﴾ سے معلوم ہوا کہ بارش کے ذریعے پاک کرنے والا پانی اتارا گیا اور یہی بارشی پانی دریاؤں، نہروں، چشموں، کنوؤں اور نلکوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے کیونکہ بارشی پانی زمین میں اتر جاتا ہے زمین اسے جذب کر لیتی ہے اور وہ پانی زمین میں موجود آبی تہہ میں چلا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے چشموں، نلکوں اور کنوؤں کے ذریعے باہر آتا ہے۔ لہذا کسی دریا، نہر، چشمے یا کنویں سے وضوء کرنے سے قبل یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ اس پانی کے پاک ہونے کی کیا دلیل ہے۔ یہ آیت ہی اس پانی کی طہارت کی دلیل ہے۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ یہ پانی پاک نہیں ہے تو اسے دلیل لانا ہوگی کہ پانی میں کیا چیز گری ہے جس نے اسے پاک نہیں رہنے دیا؟

(۲) ہر اس پانی سے وضوء و غسل جائز ہے جسے مطلقاً پانی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مَاءً طَهُورًا فرمایا۔ تو جس پانی میں بعض چیزیں یوں شامل کر دی جائیں کہ اس کا نام پانی کی بجائے کوئی اور ہو جائے اس سے وضوء و غسل جائز نہیں کیونکہ اب وہ مَاء (پانی) نہیں ہے جیسے شربت، جوس، لسی، چائے وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کو طہور بنایا ہے۔ نہ کہ لسی، چائے اور شربت وغیرہ۔ تو جب تک پانی کا لفظ موجود ہے، وضوء جائز ہے اور جب یہ لفظ نہ رہے تو وضوء ناجائز ہو گیا۔

(۳) جب پانی میں بہاؤ نہ رہے تو اس سے وضوء و غسل جائز نہیں۔

کیونکہ مَاء (پانی) وہ ہوتا ہے جسکی فطرت میں بہنے کی صفت ہو۔ اگر یہ نہ رہے تو وہ پانی نہیں ہے۔ مثلاً پانی میں جب بہت سی مٹی مل جائے اور بہنے کے قابل نہ رہے تو اسے پانی نہیں، گارا کہتے ہیں اور عربی میں وہ مَاء کی بجائے طین کہلاتا ہے تو اس کا اعضاء پر مل لینا بھی وضوء نہیں کہلا سکتا۔ اور جب تک پانی میں بہاؤ کی فطرت موجود ہے اس سے وضوء و غسل جائز ہے، مثلاً دریاؤں، نہروں اور سمندروں کے پانی میں مٹی ریت وغیرہ چیزیں مل جاتی ہیں، جس سے ان کی رنگت اور ذائقہ میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ پھر بھی اس سے وضوء و غسل جائز ہے۔ کیونکہ اس پانی میں بہاؤ کی فطرت موجود ہے۔ تو اس سے فقہاء نے ضابطہ مرتب کیا ہے کہ جب پانی میں کوئی ٹھوس چیز جو پاک ہو کر مل جائے اور پانی کا بہاؤ برقرار رہے تو اس سے طہارت جائز ہے۔ (نور الایضاح، قدوری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝

اور ہم لوگوں میں اسکا رخ پھیرتے ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، مگر اکثر لوگوں نے انکار کے سوا کچھ

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۚ فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ

نہ مانا [31] اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے تو آپ کافروں کی بات مت مانیں اور قرآن

بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

کے ذریعہ ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔ [32] اور اللہ وہ ہے جس نے دو سمندر باہم ملائے۔ یہ خالص میٹھا ہے

وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلْ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝

اور یہ سخت نمکین اور دونوں کے درمیان پردہ اور ناقابل عبور رکاوٹ بنا دی۔ [33]

[31] یعنی ہم بارش کا رخ پھیرتے رہتے ہیں چنانچہ مشرق کو جانے والے بادل بحکم الہی اچانک مغرب کا رخ کر لیتے ہیں اور مغرب کو جانے والی ہوا بادلوں کو لے کر اچانک مشرق کی طرف چل پڑتی ہے اور اہل موسمیات کی پیش گوئیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ یہ اس لئے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں مگر اکثر لوگ نصیحت پکڑنے کی بجائے انکار ہی کی راہ پکڑتے ہیں۔

[32] قدرت ہائے ربانی کا بیان کرتے ہوئے درمیان میں عظمت رسالت محمدی کا بیان لایا گیا۔ کیونکہ توحید تک رسائی رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ تو فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو پہلے کی طرح ہر بستی میں علیحدہ رسول بھیجتے جو نذیر بن کر لوگوں کو نافرمانی خدا سے ڈراتا یعنی ایسا کرنے کی بجائے اب ہم نے محمد عربی ﷺ کو زمین پر قائم تمام بستیوں کے لئے نذیر (یعنی ڈرانے والا رسول) بنا کر بھیج دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ ”اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر ہی بنا کر بھیجا ہے۔“ (سباء: ۲۸)

معلوم ہوا اب آپ کے بعد کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جائے گا کیونکہ اب آپ ہی دنیا کی تمام بستیوں کے لیے نذیر بن کر تشریف لائے ہیں۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ هَذَا الْقُرْآنِ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ”تاکہ میں تمہیں اس قرآن کے ذریعے ڈراؤں اور ہر اس کو ڈراؤں جس تک یہ قرآن (تاقیامت) پہنچے۔“ (انعام: ۱۹) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِنُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ”تاکہ آپ بستیوں کی اصل (مکہ مکرمہ) کو اور جو شخص اس کے آس پاس (تمام جہان میں) رہتا ہے اسے ڈرائیں۔“ (انعام: ۹۲)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ۔ انہ۔ اے پیارے حبیب ﷺ آپ کافروں کی کسی بات پر کان دھرنے کی بجائے ان سے بڑا جہاد کریں۔ اس سے تبلیغی جہاد مراد ہے کیونکہ سورہ فرقان کی سورت ہے اور تلوار کا جہاد مدنی دور میں جاری کیا گیا۔ چنانچہ اس آیت پر عمل کرتے ہوئے حضور ﷺ نے تبلیغ دین کے خلاف کفار کی کسی پیش کش کو قبول نہ کیا۔ انہوں نے آپ کو مال و دولت، سرداری اور خوبصورت عورتوں سے نکاح کی پیش کش کی تاکہ آپ ان کے جھوٹے خداؤں کے خلاف تبلیغ سے باز آ جائیں مگر اللہ کا رسول ہر لالچ کو ٹھکراتے ہوئے اسلام کا نور پھیلاتا رہا تاکہ دین غالب آ گیا۔

[33] اب چوتھی قدرت الہی بتائی جا رہی ہے کہ اللہ دو سمندروں کو باہم ملاتا ہے ایک میٹھا یعنی قابل نوش ہے اور دوسرا سخت کڑوا جو ناقابل نوش ہے اور دونوں میں اللہ نے ایسی آڑ بنا دی ہے کہ دونوں باہم مل نہیں سکتے اور یہ کیفیت سمندر میں ہر اس جگہ موجود ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں گرتا ہے اور دونوں کے پانی باہم مختلط (Mixed) نہیں ہوتے۔

دو سمندروں کا باہم مختلط نہ ہونا

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دریائے دجلہ جہاں سمندر (خلیج عرب) میں گرتا ہے تو اس میں پھیل نہیں جاتا بلکہ سفید لکیر کی صورت میں دور تک چلا جاتا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مرآۃ الممالک میں امیر البحر سید علی رئیس ترکی نے لکھا ہے کہ خلیج فارس کے نیچے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے وہاں غوطہ زن ہو کر نیچے سے میٹھا پانی نکالتے ہیں اور وہ خود بھی وہاں سے پانی نکالتے رہے ہیں۔ سبحان اللہ یہ اللہ کی قدرت کاملہ ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ ۚ لَا يَبْغِيَانِ ﴿۲۰﴾ اس نے دو سمندر بہائے جو باہم ملتے ہیں ان کے درمیان آڑ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے۔ (رحمن: ۱۹) یہ کیسی عظیم الشان قدرت ربانی ہے کہ دو سمندر اکٹھے نہیں اور جدا جدا رہیں۔ اس پہ مزید گفتگو سورہ الرحمن کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ

اور اللہ وہ ہے جس نے پانی سے انسان بنایا پھر اس کے لیے نسبی اور سسرالی رشتے بنائے اور تمہارا رب قادر ہے۔ [34]

قَدِيرًا ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ

اور کفار اللہ کے سوا اسے پوجتے ہیں جو انہیں کچھ نفع دے نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلہ میں

الْكَافِرُ عَلَى رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ قُلْ مَا

شیطان کا مددگار ہے [35] اور ہم نے آپکو بشارت سنانے اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرمائیں میں تم سے

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر جو اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے (وہ پکڑے)۔ [36] اور آپ اس رب

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ بُذُنُوبٍ

پر بھروسہ رکھیں جسے کبھی موت نہ آئے گی اور اسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہیں اور اللہ اپنے بندوں کے گناہوں پہ

عِبَادِهِ خَيْرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ

خبر رکھنے میں کافی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کو چھ دنوں میں پیدا کیا

أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَنُ فَسَّأَلْ بِهِ خَيْرًا ۝

پھر رحمان نے (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ گری فرمائی تو اس بارے میں اللہ سے پوچھو جو خبر رکھنے والا ہے [37]

[34] اللہ کی پانچویں قدرت بتائی جا رہی ہے کہ اس نے پانی کے چند قطروں سے انسان بنایا اور اس کے لئے نسبی و

سسرالی رشتے بنائے اور اللہ ہر چیز پہ قادر ہے اور انسان اس کی قدرت کا شاہکار ہے۔ یہاں پہلے آفاق میں اللہ کی

آیات قدرت بیان کی گئیں اور آخر میں خود انسان کے اندر اسے آیات قدرت دکھائی گئی ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ۔ (فصلت: ۵۳)

یاد رہے کہ انسان کو کئی رشتوں میں منسلک کیا گیا ہے۔ نسبی طور پر وہ کسی کا بیٹا کسی کا بھائی کسی کا ماموں کسی کا چچا کسی

کا دادا اور کسی کا نانا ہے اگر وہ عورت ہے تو کسی کی ماں کسی کی بیٹی کسی کی بہن کسی کی چچی کسی کی ممانی کسی کی نانی اور کسی کی

دادی ہے اور سسرالی رشتوں کے اعتبار سے ایک انسان کسی کا شوہر کسی کا سر کسی کا سالہ کسی کا سمدھی اور کسی کا داماد ہے اور اگر وہ عورت ہے تو کسی کی ساس کسی کی بیوی کسی کی سالی کسی کی سمدھن اور کسی کی بہو ہے اور ہر رشتے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسان پر مختلف حقوق و فرائض عائد کئے ہیں۔

[35] یہ انسان کی بدبختی ہے کہ وہ اتنی قدرتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر بے جان و بے حس بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتا ہے جو اس کا کچھ نفع یا نقصان نہیں کر سکتے یوں وہ اللہ کے مقابلہ میں شیطان کا مددگار بن جاتا ہے یہ کیسی بد نصیبی ہے۔

[36] کفار کی یہ زبوں حالی و بدبختی دیکھ کر حضور رحمت عالم ﷺ کا دل سخت کڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی قلب کے لئے فرمایا کہ اے پیارے حبیب (ﷺ) آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ کفار کو ڈرائیں اور ایمان لانے کی صورت میں انہیں جنت کی بشارت سنائیں اور آپ نے اپنی ذمہ داری خوب نبھائی ہے۔ لہذا آپ پریشان نہ ہوں۔ البتہ کفار سے فرمادیں کہ میں اس تبلیغ و دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے رب کی راہ پر آ جاؤ۔

[37] یعنی اے پیارے حبیب ﷺ! آپ اپنے دائمی حی و قیوم رب پر بھروسہ رکھ کر اپنا پیغام پہنچاتے رہیں۔ رہا کفار کا اس کے بدلے آپ کو ایذا دینا تو اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ کیونکہ اللہ وہ ہے جس نے کائنات ارض و سما کو صرف چھ دنوں میں پیدا فرمادیا۔ پھر خدائے رحمن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق جلوہ گری فرمائی تو ایسے عظمت والے رب کی بجائے پتھروں پہ بھروسہ کرنا کفار کی کیسی حماقت ہے لہذا آپ اپنی جملہ حاجات کا سوال اللہ سے کریں جو ہر چیز سے خبردار ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا

اور جب ان سے کہا جائے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمان کیا ہے؟ کیا ہم اسی کو سجدہ کر دیں

تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝۶۰

جس کے لیے تو ہمیں حکم دے؟ اور اس سے ان کی نفرت بڑھ جاتی ہے۔ [38]

[38] کفار عرب اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء سے ناواقف تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کو رحمان و رحیم بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں صرف اللہ کا لفظ معلوم تھا اور اللہ کا تصور بھی ان کے ذہنوں میں بہت غلط تھا۔ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تو کفار نے کہا ہم نہیں جانتے کہ رحمان کیا ہے اور رحیم کیا ہے۔ آپ اسی طرح باسمک اللہم لکھیں تو حضور ﷺ نے اسی طرح لکھوایا۔ (بخاری کتاب الشروط باب ۱۵) گویا یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اللہ کی صفات و اسماء سے متعارف کروایا۔

تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا

برکت والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان پر برج بنائے اور آسمان میں سورج اور روشن

مُنِيرًا ۱۱ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ ارَادَ اَنْ يَّذْكُرَ

چاند بنایا۔ [39] اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگایا۔ یہ اسکے لیے نشانی ہے

اَوْ اَرَادَ شُكُورًا ۱۲

جو نصیحت پکڑنا اور شکر بجالانا چاہے۔ [40]

[39] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آسمان میں بارے مقامات ہیں یہی بروج ہیں۔ ان کے یہ نام ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ بروایت کتاب النجوم للخطیب، مطبوعہ دار الفکر بیروت) پیچھے سورہ حجر میں فرمایا گیا: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ ۱۱ ”ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کیا۔“ (حجر، ۱۶)

آسمانی بروج کی تفصیل

اہل فلکیات کے نزدیک زمین سورج کے گردش سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ اور اس چکر کی بارہ (12) منازل ہیں اور زمین ہر شمسی ماہ میں ایک منزل میں ہوتی ہے اسے برج کہتے ہیں۔ تو کون سے مہینے میں کون سا برج ہوتا ہے اس کا نقشہ ہم سورہ حجر کے تحت لکھ آئے ہیں اور ان بروج کے مذکورہ نام اس مناسبت سے ہیں کہ ہر برج والے مہینے میں آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ کی ایک خاص شکل سی بن جاتی ہے کبھی اسد نظر آتا ہے کبھی عقرب کبھی قوس کبھی میزان وغیرہ تو ہر شکل کی مناسبت سے برج کا نام رکھا گیا ہے۔ تو یہ اللہ ہے جس نے شمس و قمر اور نجوم و بروج بنائے پھر اس کے سوا کون معبود ہے۔

[40] رات دن کا ایک دوسرے کے پیچھے ہزار ہا برس سے لگاتار چلتے آنا نصیحت پکڑنے والے شکر گزار بندوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ کیونکہ متعصب اور ناشکرے لوگوں کو کوئی نشانی مفید نہیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ

اور عباد کے بندے دو تین جواز میں پڑا ہوتا ہے۔ تین درجہ ہیں اور جب جہاں وہ نہ سے محاسب ہوں تو وہ کہتے ہیں تو وہ ہوں۔ [41]

الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝

اور جو اپنے رب کے سے سجدہ و قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں۔ [42]

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۚ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے جہنم کو بچھ دے بے شک اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔

غَرَامًا ۚ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا

بے شک وہ کہیں ہی بڑا ٹھکانہ اور بڑی جائے قیام ہے۔ [43] اور جب وہ خرچ کرنے پر نہیں تو انہوں نے خرچ کرتے ہیں

وَلَمْ يُقْتِرُوا ۚ وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝

نہ بچھو اور اس کے درمیان قائم رہتے ہیں۔ [44]

اہل ایمان کے گیارہ اوصافِ حمیدہ

[41] اس سے قبل آیات قدرت بیان کی گئیں اور ان کے مفسرین کے اوصافِ شنیعہ کا بیان کیا گیا اب مومنین کے اوصافِ حمیدہ اور ان کا انجی م بتایا جا رہا ہے تو یہاں ان کی گیارہ صفات بتائی گئیں۔

پہلی صفت: (تواضع) بتائی گئی فرمایا کہ خدائے رحمان کے حقیقی فرماں بردار بندے زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ یعنی ان کی رفتار میں تمہرہ و خود نمائی کی بجائے انکسار و تواضع ہوتا ہے۔

تکبر کی مذمت

دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (اور زمین میں اکر کر نہ چلو۔ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بندوبست کو چھو سکتے ہو) (بنی مریم: 18)

معصوم ہوا کہ متکبر نہ انداز میں گردن اکر کر سینہ چھوڑ کر کے کندھے سے مڑاتے ہوئے چہن مومنین کا شیوہ نہیں ہے۔ آج ہمارے وطن عزیز پاکستان میں اگر کسی کو کوئی کام یا رکنی عہدہ مل جائے تو وہ ہاں ہاتھ آجائے تو وہ متکبر بن جاتا اور زمین پہ

پاؤں مار مار کر چلتا ہے۔

اسی طرح پیروں فقیروں اور سجادہ نشینوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کی رفتار میں تکبر ہوتا ہے۔ وہ مریدین کی فوج کے آگے یوں گردن اکڑا کر چلتے ہیں جیسے ساری زمین پہ انہی کا قبضہ ہے۔ مریدین کی دست بوسی اور حد سے زیادہ احترام انہیں اس قدر متکبر بنا دیتا ہے کہ وہ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ یونہی بعض علماء اپنی علمی زعم میں ڈوب کر کسی کو پلے نہیں باندھتے۔ ان سب لوگوں کے لیے اس آیت میں درس ہدایت ہے۔

دوسری صفت (حلم) بیان کی گئی اور فرمایا گیا کہ عباد الرحمن (رحمان کے بندے) سے اگر کوئی جاہل شخص جاہلانہ انداز میں مخاطب ہو تو وہ اسے سلام کہتے ہیں یعنی اسے بھی دعا دیتے ہیں اور اس سے جھگڑا نہیں کرتے کیونکہ جاہلوں سے جھگڑنا بھی جہالت ہے یہاں وہ طویل حدیث ہے جس میں نبی ﷺ کا حلم بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی جاہل آپ ﷺ سے شدت سے پیش آتا تو آپ کے حلم میں مزید اضافہ ہو جاتا اور جب تورات میں آپ کی یہ صفت پڑھ کر حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آزمائے کے لئے آپ ﷺ سے سخت درشت کلام کیا اور آپ کا گریبان پکڑ لیا۔ صحابہ کو یہ دیکھ کر سخت طیش آیا مگر آپ ﷺ نے انہیں روک دیا زید بن سعد رضی اللہ عنہ سے محبت بھری باتیں کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت زید بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً یہودیت سے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ بروایت حاکم و طبرانی)

[42] عباد الرحمن کی تیسری صفت (شب بیداری) ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور قیام و سجود میں رات گزار دیتے ہیں۔ گویا ان کا دن تواضع و حلم سے عبارت ہے اور رات شب بیداری سے۔ یا یہ کہ مخلوق کے ساتھ وہ متواضع و حلیم ہیں اور خالق کے ساتھ ساجد و عابد۔ رات کو قیام و سجود میں گزارنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ عشاء اور فجر کی دونوں نمازیں باجماعت پڑھی جائیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ پڑھی اس کا یہ عمل نصف رات کی عبادت کے برابر ہے اور جس نے فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ ساری رات کی عبادت کے برابر ہے۔“ (مسلم کتاب المساجد حدیث ۲۶۵)

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ رحمن کے بندے رات کو غفلت کی نیند نہیں سوتے بلکہ رات کو عبادت کے لئے اٹھتے اور نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کو تہجد کی نماز بہت محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ”مومنوں کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔“ (سجده: ۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز پچھلی رات کی نماز (تہجد) ہے۔“ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۳۵)

[43] عباد الرحمن کی چوتھی صفت (خوف خدا) ہے یعنی وہ اپنی شب بیداری پہ نازاں نہیں ہوتے بلکہ عاجز ہو کر دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے عذاب جہنم دور کر دے کہ وہ بُرا ٹھکانہ اور بُری جائے قیام ہے۔ یاد رہے جہنم میں

مجرموں کے لئے کہیں مستقر (مستقل ٹھکانہ) ہے اور کہیں عارضی مقام اور وہ دونوں بہت خوفناک ہیں دنیا کے کسی بدترین عقوبت خانے سے انہیں تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے فرمایا گیا: اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۱۶﴾

اس آیت سے معلوم ہوا اللہ کے نیک بندے یعنی اولیاء کا ملین اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے (حالانکہ وہ جنتی ہیں) بلکہ خوف خدا کے باعث وہ عذاب جہنم سے بچنے کی دعا کرتے ہیں تو وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارا مرید ہو جائے یا ہمارے دروازے سے گزر جائے وہ پکا جنتی ہے۔

اولیاء اللہ کی طرف منسوب بعض دعاوی کا مفہوم

حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ قول منسوب ہے کہ جو میرا مرید ہو جائے یا قیامت تک میرے سلسلہ میں آجائے میں اسے اپنے ساتھ جنت لے کر جاؤں گا۔ اس کا انتساب محل نظر ہے۔ یونہی قطب عالم حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب یہ قول کہ جو میرے اس دروازے سے گزر گیا وہ پکا جنتی ہے۔ بھی وضاحت طلب ہے۔ اگر یہ اقوال درست ہیں تو ان کا یہی معنی ہے کہ جو ان بزرگان دین کے طریقہ پر چلے وہ حقدار جنت ہے۔ مگر ظاہر بین لوگوں نے انہیں ظاہر پہ محمول کر لیا۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ عاجزانہ و متواضعانہ قول مشہور ہے کہ فرمایا ”اے اللہ اگر میں قابل بخشش نہیں ہوں تو مجھے روز قیامت نابینا اٹھانا تاکہ میں صالحین کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ (گلستان سعدی) اور ایسا کہنا ہی ان کی شان بندگی و مقام عجز کے موافق ہے۔

[44] عباد الرحمن کی پانچویں صفت (خرچ کرنے میں اعتدال) ہے یعنی وہ راہ خدا میں دیتے ہوئے نہ تو اتنا اسراف کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑیں، نہ یہ بخیلی کہ زکوٰۃ بھی نہ دیں۔ یا یہ معنی ہے کہ وہ بیوی بچوں پر خرچ کرتے ہوئے نہ تو فضول خرچی سے کام لیتے ہیں جو دولت کی نمائش بن جائے نہ اس قدر کنجوسی کرتے ہیں کہ ضروری خرچہ بھی نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسراف (فضول خرچی) اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا ہے خواہ وہ قلیل ہو اور اقار (کنجوسی) اللہ کا واجب کردہ حق نہ دینا ہے تو وہ دینا چاہیے خواہ وہ کثیر ہو۔ افسوس آج کئی مسلمان شادی بیاہوں میں ناچنے والوں پر نوٹوں کی بارش کر دیتے ہیں مگر زکوٰۃ دینا ان کے لئے مصیبت ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہیں پوجتے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق

اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۖ ۱۸ يَضْعَفُ لَهُ

قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ گناہ کرے وہ اس کی سزا پائے گا اس کے لئے روز قیامت

الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۚ ۱۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ

عذاب دوگنا کر دیا جائیگا اور وہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا [45] سوا اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور

عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ

اچھے اعمال کرے تو اللہ ان کی برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دے گا اور اللہ

غَفُورًا رَحِيمًا ۚ ۲۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۚ ۲۱

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرے اور اچھے اعمال بجا لائے تو وہ اللہ کی طرف خوب پلٹتا ہے۔ [46]

[45] اللہ تعالیٰ کے بندوں کی چھٹی صفت (برائیوں سے اجتناب) ہے۔ اللہ کے بندے تو کسی بھی برائی کے قریب نہیں جاتے مگر یہاں شرک، قتل اور زنا کا ذکر اس لئے خصوصاً کیا گیا کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ برائیاں عرب معاشرہ میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اہل عرب بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ زنا کو معمولی چیز سمجھتے تھے۔ ہر علاقے میں زنا کار عورتوں نے اپنے چھتوں پر جھنڈے گاڑے ہوتے تھے جو سب کو دعوتِ گناہ دیتے تھے اور قتل بھی ان کے ہاں عام تھا وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ تو عرب معاشرہ میں پھیلی ہوئی خرابیوں اور ظلم و تعدی کے خاتمہ کے لیے مذکورہ گناہوں کا رد کیا گیا۔ اسی لیے جب نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شرک“، پوچھا گیا پھر کون سا بڑا گناہ ہے؟ فرمایا ”اپنی اولاد کا قتل“، پوچھا گیا اس کے بعد کیا گناہ ہے؟ فرمایا ”تمہارا اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا“ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ (بخاری کتاب التفسیر سورہ فرقان)

یہ آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ قتل بہر حال کبیرہ گناہ ہے مگر اپنی اولاد کا قتل نہایت خوفناک قتل ہے۔ یونہی ہمسائے کی بیوی سے بے حیائی زنا کی سب سے گھناؤنی صورت ہے کیونکہ مومن کو اپنے ہمسایوں کی عزت کا پہریدار ہونا

چاہئے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص شرک، قتل اور زنا جیسی برائیوں کا مرتکب ہو وہ ہمیشہ جہنم میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ سو اس کے کہ توبہ کرے جیسا کہ اگلی آیت ہے۔

[46] اب مومنوں کی ساتویں صفت (توبہ) بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی جو شخص شرک سے توبہ کر کے ایمان لے آئے اور قتل و زنا جیسی برائیوں سے توبہ کر کے اچھے اعمال اپنالے اور دوسرے انسانوں کی جان و مال اور آبرو کا محافظ بن جائے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ انہیں نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جہنم سے نکلنے والے سب سے آخری شخص کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے بڑے گناہوں کو رہنے دو اس کے چھوٹے گناہوں کا اس سے سوال کرو۔ تو کہا جائے گا کیا تم نے فلاں گناہ کیا اور فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرتا جائے گا اللہ اسے فرمائے گا تمہیں تمہارے ہر گناہ کے عوض (اس کے برابر) ایک نیکی دی جاتی ہے وہ کہے گا اے اللہ! میں نے تو فلاں بڑے بڑے گناہ بھی کیے تھے وہ کیوں نہیں بتائے جا رہے؟ یہ کہہ کر نبی اکرم ﷺ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم ایک عرصہ تک یہ آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ پڑھتے رہے پھر چند برس کے بعد اَلَا مَنْ تَابَ وَآمَنَ۔ الخ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کو اس آیت کی اس قدر خوشی ہوئی جس قدر اَنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ① (سورہ فتح ۱) کے نزول پر ہوئی تھی۔ (بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۵)

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۖ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ وَالَّذِينَ

اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام پر گزریں تو عزت داروں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ [47] اور جب ان کے پاس

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۖ

ان کے رب کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گرتے۔ [48]

[47] مومنوں کی آٹھویں صفت (جھوٹی گواہی سے بچنا) ہے یعنی وہ سچے ہوتے ہیں۔ جھوٹ بہر حال گناہ ہے مگر جھوٹی گواہی دینا ظلم بالائے ظلم ہے کیونکہ اس سے مجرم کو بے گناہ اور بے گناہ کو مجرم بنا دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ ہیں کہ ”اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے اور والدین سے نافرمانی کی جائے۔ اس وقت حضور ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا ”سن لو جھوٹی گواہی دینا بھی بڑا گناہ ہے۔“ پھر آپ یہ الفاظ دہراتے چلے گئے حتیٰ کہ ہم جی میں کہنے لگے کاش آپ بس کر دیں“ (کہ اس سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے)۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۳)

یہ ظلم کی انتہاء ہے کہ آج ہمارے وطن عزیز میں عدالتوں کے باہر کرائے کے گواہ دستیاب ہیں۔ جھوٹی گواہی ان کا کاروبار ہے۔ ان سے رقم طے کر لو اور جس قسم کی جھوٹی گواہی چاہو ان سے دلوالو۔ وہ چند پیسوں کے بدلے اپنا ایمان بیچنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اپنی عاقبت کے ساتھ معاشرے کا بھی بیڑا غرق کر رہے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿۴۸﴾ یعنی مومنوں کی نوویں صفت (لغو باتوں سے دور رہنا) ہے یعنی جس کام سے انہیں کچھ دنیوی یا اخروی فائدہ نہیں مومنین اس میں ملوث نہیں ہوتے بلکہ اپنی عزت بچا کر اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے جیسے تاش کھیلنا، لڈو کھیلنا اور یونہی لہو و لعب کی کوئی مجلس سجانا جس میں وقت برباد ہو۔ گویا مومن اگر فارغ ہو تو وہ بے کار کاموں میں لگنے کی بجائے ذکر و فکر، عبادت، غریبوں کی مدد اور دوسرے نیک کاموں میں اپنا وقت لگاتا ہے۔

[48] مومنوں کی دسویں صفت (کلام الہی میں غور و خوض) ہے یعنی جب انسان کے سامنے آیاتِ خداوندی پڑھی جائیں تو وہ بہرے اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے یعنی انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں دل کے کانوں سے سنتے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ انہیں غافلانہ نہیں سنتے بلکہ کان اور آنکھیں کھول کر ان میں غور و خوض کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں

لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۴۹﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا

کا پیشوا بنا۔ [49] یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے سبب (جنتی) بالاخانے دیے جائیں گے اور انہیں

تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿۵۰﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۵۱﴾ قُلْ مَا

وہاں آداب و سلام پیش کیا جائے گا اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہترین ٹھکانہ اور جائے قیام ہے۔ [50] آپ فرمائیں

يَعْبُوا بِكُمْ رِبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۵۲﴾

میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تم اسے نہ پکارو۔ تم نے اسے جھٹلایا تو عنقریب عذاب لازم ہوگا۔ [51]

[49] رحمان کے بندوں کی گیارہویں صفت اہل و عیال کی اصلاح ہے یعنی وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! ہمیں اپنی

اولاد اور ازواج کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے مطلب یہ کہ انہیں اپنی محبت و اطاعت عطا فرماتا کہ ان کی بخشش

سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بننا یعنی ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو پرہیزگار بننا کیونکہ ہر شخص اپنے بچوں اور اپنی بیوی کا پیشوا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اے اللہ! ہماری اولاد و ازواج کو ہماری اطاعت عطا فرما کیونکہ جس کی اولاد یا بیوی نافرمان ہے اس کے لئے زندگی ایک عذاب ہے۔

حضرت مقدار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ قرآن مجید لے کر آئے تو باپ اور اس کی اولاد میں جدائی ہو گئی۔ ایک شخص اسلام لے آتا مگر اس کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا دیگر خاندان کفر پہ ہوتا۔ تو وہ مسلمان یہ سوچ کر کہ اس کا خاندان دوزخ میں جائے گا پریشان ہو جاتا اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۵۰﴾ اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنانا۔“

(مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳)

[50] یعنی جو بندگان خدا مذکورہ گیارہ صفات حمیدہ سے متصف ہو جائیں اللہ انہیں ان کے صبر و استقامت کے عوض جنت کے بالا خانے (محلات) عطا فرمائے گا جہاں فرشتے اور حوران و غلمان جنت انہیں آداب و تسلیمات پیش کیا کریں گے۔ یہ محلات ان کا بہترین مستقر (مستقل رہائش گاہ) اور بہترین جائے قیام ہیں۔ جنت میں مومنین کی مستقل رہائش گاہیں بھی ہوں گی اور عارضی مقامات بھی اور یہ جنتی مکانات و مقامات اس قدر اعلیٰ ہیں کہ دنیا کی کسی بہتر سے بہتر رہائش گاہ سے انہیں تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ پیچھے منکرین کی جہنم کا ذکر یوں کیا گیا: سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ اب مومنین کی جنت کا ذکر حُسْنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا سے کیا جا رہا ہے۔

[51] یہاں دعا بمعنی عبادت ہے کیونکہ بقول حدیث دعا عبادت کا مغز ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ لوگوں سے فرمادیں اگر تم میرے رب کی عبادت نہیں کرتے تو اللہ کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی اس میں اس کا کیا نقصان ہے اگر تم نے اس کی بات ماننے کی بجائے اسے جھٹلایا ہے تو اس کے بدلے میں عنقریب تم پر عذاب لازم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق ایمان و عمل خیر عطا فرمائے۔

الحمد للہ آج 29 صفر 1429ھ مطابق 7 مارچ 2008ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر سورہ فرقان کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة الشعراء

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 26 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 27 ویں سورت ہے۔ اسے سورہ شعراء اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیت (224) میں شعراء کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْخَاوِنُ ﴿۲۲۴﴾ اور شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ مکمل مکی سورت ہے۔ اس میں گیارہ (11) رکوعات، دو سو ستائیس (227) آیات، ایک ہزار دو سو اناسی (1279) کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس (5540) حروف ہیں۔

فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے الواح موسیٰ علیہ السلام کے بدلے میں سورہ طہ اور طواسین دی گئی ہیں۔“ (بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۲) طواسین وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں طس یا طسسہ ہے۔ سورہ شعراء کا آغاز طسسہ سے ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تورات کی جگہ سبع طوال (سات لمبی) سورتیں دی گئیں۔ انجیل کی جگہ راءات اور طواسین دی گئیں اور زبور کی جگہ طواسین کے بعد سے حوامیم سے قبل تک سورتیں دی گئیں اور حوامیم اور مفصل کے ساتھ مجھے فضیلت دی گئی۔ مجھ سے قبل کسی نبی کو یہ نہ دی گئیں۔“ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۷۲ حدیث ۲۵۸۱) حوامیم وہ سورتیں ہیں جو حم سے شروع ہوتی ہیں۔ اور مفصل سورتیں سورہ حجرات سے شروع ہوتی ہیں۔

مضامین

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال پہ تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسے آپ علیہ السلام کا فرعون کے گھر پرورش پانا، پھر بڑے ہو کر اس کے دعویٰ خدائی کے خلاف کھڑے ہونا، جادو گروں سے مقابلہ کرنا اور ان کا آپ پہ ایمان لانا، پھر آپ کا اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکلنا، فرعون کا ان کے پیچھے آنا اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہونا اور بنی اسرائیل

کا سمندر سے پار ہونا وغیرہ۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں بیان کی گئیں اور سب سے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری رسول ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ فرقان ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بیان کی گئی۔ کسی اور رسول کی نہیں، اور سورہ شعراء میں سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام ہی کے ذکر سے بات شروع کی گئی۔ یہ ان دونوں سورتوں کے مابین بڑی وجہ سے مناسبت ہے۔ علاوہ ازیں حقانیت قرآن اور دلائل توحید جیسے اہم مضامین ان سورتوں کا مشترکہ موضوع ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۲۲۷ سُورَةُ الشُّعْرَاءِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ رکو عاتھا ۱۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طَسْمَ ۱ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا

طاء ، سین ، میم - [1] یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ شاید آپ خود کو اس غم میں ہلاک کر لیں گے کہ

مُؤْمِنِينَ ۳ إِنْ نَشَأْ نُذِلَّ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةٌ فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ

کفار ایمان نہیں لائے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتاریں جس کے آگے ان کی

لَهَا خَضِيعِينَ ۴ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحْدَثٌ إِلَّا كَانُوا

گردنیں جھک جائیں۔ [2] اور ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نیا ذکر آتا ہے۔ وہ اس سے

عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۵ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۶

ضرور منہ پھیرتے ہیں، انہوں نے حق کو جھٹلایا تو عنقریب انہیں اس کی خبریں پہنچیں گی جسے وہ

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۷ إِنَّ فِي

جھلاتے تھے۔ [3] کیا انہوں نے زمین کی طرف نہ دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں بے شک اس میں

ذَلِكَ لَآيَةٌ ۸ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۹ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۰

بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔ [4]

کفار کی گمراہی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دکھ اور اللہ کی طرف سے تسلی

[1] طَسْمَ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے متعلق ہم سورہ بقرہ کے آغاز میں مفصل گفتگو کر آئے ہیں۔ وہاں

دیکھیں۔ کچھ نئی باتیں یہ ہیں کہ مختلف سورتوں کے اوائل میں ۷۹ حروف مقطعات ہیں جو حذف تکرار کے بعد چودہ رہ

جاتے ہیں۔ ان کا مجموعہ سر حصین قطع کلامہ ہے یعنی وہ مضبوط راز جس نے اللہ کا کلام قطعی کر دیا۔ اور یہ مجموعہ بھی ہے۔ نَصُّ حَکِیم قَاطِعٌ لِّهِ سِرٌّ حَکِیم مطلق اللہ تعالیٰ کی نص قاطع ہے جس میں راز ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تکرار والا حرف میم ہے۔ (جو اسم محمد ﷺ سے رمز بھی ہے) اور کم تر تکرار نون میں ہے جو صرف ایک ایک بار آیا ہے جیسے ن وَالْقَلَمِ۔

طسّم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اسم قرآن ہے محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں اس کا معنی ہے قسم ہے اللہ تعالیٰ کے طول (قوت) اس کے سنا (جمال) اور اس کے ملک کی۔ طاء طول سے سین سناء سے اور میم ملک سے رمز ہے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲) امام نجم الدین بن محمد فرماتے ہیں طاء حضور ﷺ کی طہارت، سین آپ ﷺ کی سیادت اور میم آپ ﷺ کے مشاہدہ جمال رب العالمین سے اشارہ ہے یعنی قسم ہے ان چیزوں کی۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۲۵۹)

[2] کفار کی سرکشی اور اسلام دشمنی سے حضور ﷺ کا قلب مبارک شدید اذیت محسوس کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا اے محبوب ﷺ شاید آپ ﷺ اس غم میں خود کو ہلاک کر لیں گے کہ کفار ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اے پیارے حبیب ﷺ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی اتار دیں جسے دیکھ کر سب کفار کی گردنیں خود جھک جائیں اور وہ اسلام لانے پر مجبور کر دیئے جائیں مگر ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے یعنی ہماری حکمت یہ ہے کہ سب پر راہِ حق واضح کر دی جائے پھر جو چاہے اپنی خوشی سے ایمان لائے اور جو چاہے نہ لائے۔ لہذا آپ ﷺ کا کام راہِ حق دکھانا ہے وہ آپ نے دکھا دی آپ کا فرض ادا ہو گیا۔ اب اللہ جانتا ہے کس کے نصیب میں ایمان ہے کس کے نصیب میں نہیں۔ لہذا آپ ان کی سرکشی سے پریشان نہ ہوا کریں۔

محبوبیتِ مصطفیٰ ﷺ بدرگاہِ خدا جل و علا

معلوم ہوا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ کی پریشانی اللہ کو گوارا نہیں۔ حضور ﷺ پریشان ہوں تو اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی اور خاطر داری کے لئے فوراً قرآن اتار دیتا ہے اور قرآن کا بڑا حصہ آپ کی خاطر داری میں اتارا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۖ (کہف: ۶) کہیں فرمایا گیا
وَصَٰبِقُ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُتُبٌ (ہود: ۱۲) کہیں فرمایا گیا: لَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ۔ (آل عمران: ۱۷۶) اور کہیں ارشاد ہوا:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ۔ (انعام: ۳۳) الغرض اس مضمون سے قرآن بھرا پڑا ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جناب الہی برائے محمد
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

جناب محمد برائے الہی
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

مبلغ کو لوگوں کی مخالفت سے کبیدہ خاطر (پریشان) نہیں ہونا چاہئے

حضور ﷺ لوگوں کی مخالفت سے پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ مخالفت تو ضرور ہوگی لہذا اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مبلغ کا کام ہے لوگوں تک پیغام حق کا پہنچانا ہے۔ وہ اسے پہنچاتے رہنا چاہیے۔ اور مکرین کی مخالفت کے سبب اسے چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ مبلغ کے لیے اس کے کام کی اجرت اللہ کے ہاں لکھی جا رہی ہے جو اسے بہر حال ملے گی۔ اگر وہ باطل پرستوں کی مخالفت سے تنگ آ کر اپنا کام چھوڑ دیتا ہے تو سمجھو کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ اپنی شہرت کے لیے تبلیغ میں لگا ہوا ہے۔

انسان کی اختیاری عبادت ہی اسے تمام مخلوق سے برتر کرتی ہے

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آسمان سے نشانی اتار کر سب انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے اختیاری عبادت دیکھنا چاہتا ہے جو وہ اپنی مرضی سے کرے۔ اور مزہ ہی اختیاری عبادت میں ہے اور یہ صرف انسان کو دی گئی ہے۔

چنانچہ جب انسان تمام شیطانی و نفسانی وساوس اور موانع کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں سجدہ عبادت بجالاتا ہے تو اس کا ایک سجدہ فرشتوں کی لاکھوں غیر اختیاری تسبیحات و سجدات پہ بھاری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے انسان کے سر پہ تاج تکریم سجایا گیا۔ ارشاد ہوا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ ”اور ہم نے اولاد آدم کو تکریم عطا فرمائی۔“ (بنی اسرائیل: ۷۰)

[3] یعنی کفار پر جب بھی قرآن کا نیا حصہ اترتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور اگر وہ باز نہ آئے تو عنقریب انہیں اس کے انجام کی خبریں ملیں گی چنانچہ جب بدر سے کفار کی ذلت آمیز ہزیمت کی خبریں مکہ میں پہنچیں تو ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔

[4] کفار کیوں نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے کیسے عمدہ جوڑے پیدا کئے ہیں یعنی متضاد قسم کے پھل جیسے کڑوے میٹھے، گرم سرد، خشک تر، چھلکے دار بلا چھلکے اور گٹھلی والے بغیر گٹھلی وغیرہ۔ اس میں قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ آخر اللہ کے سوا یہ تضاد و تغیر کس نے بنایا بلاشبہ وہ غالب و رحیم ہے مگر اکثر لوگ اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنْ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ط

اور جب تمہارے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ، کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں

الَّا يَتَّقُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُون ۝ ط وَيَضِيقُ صَدْرِي

کرتے؟۔ [5] موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے، میرا سینہ تنگ ہو جائے گا

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ۝ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ

اور میری زبان نہ چلے گی۔ تو اے اللہ! تو ہارون کو بھی رسول بنا دے۔ [6] اور فرعونوں کا مجھ پر ایک الزام ہے، تو

أَنْ يُقْتُلُون ۝ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِأُتَيْنَا أَنَا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ۝ فَاتِيَا

مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سنتے ہیں۔

فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ط

تم فرعون کے پاس جا کر اسے کہو کہ ہم رب کائنات کے رسول ہیں، ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو [7]

﴿موسیٰ علیہ السلام کا رسول بن کر فرعون کے پاس جانا اور اس کا انکار کرنا﴾

[5] یہاں سے انبیاء سابقین کا ذکر خیر شروع ہو رہا ہے جو اس سورت کے اختتام تک چلا گیا ہے اور حضور ﷺ کی تسلی قلب کے لئے آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ پہلے انبیاء سے ان کی قوموں نے کیا کیا دشمنیاں روار کھیں اور آخر انبیاء کرام ﷺ ہی کامیاب ہوئے۔ اسی طرح کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی اور منکرین کو خسارے کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ تو سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر لایا گیا کیونکہ ان کے احوال نبی اکرم ﷺ کے احوال سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ دونوں کو اپنے ساتھیوں سمیت اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی۔ دونوں کو پہاڑ پر نبوت عطا کی گئی۔ دونوں کو نئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی۔ دونوں نے غلبہ اسلام کے لئے جہاد کیا اور دونوں کو اپنے وطن میں مغلوبیت کے بعد غلبہ عطا فرمایا گیا۔ البتہ بعض سورتوں میں احوال انبیاء کا بیان حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے جیسے اعراف و ہود میں، اس لئے کہ وہ پہلے نبی ہیں جو کفار کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

الغرض فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو (مدین سے مصر واپس آتے ہوئے راستے میں کوہ طور کی دائیں جانب ایک درخت میں سے) پکارا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) قوم فرعون جو کفر و شرک کے ظلم میں گرفتار ہے ان کے پاس جاؤ اور انہیں

عذاب الہی سے ڈراؤ کیا وہ ڈرنا نہیں چاہتے۔ یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل اور قوم فرعون دونوں کے لئے رسول تھے۔ بنی اسرائیل تو اسی دن ایمان لے آئے جب جادوگروں نے کلمہ پڑھا تھا اور قوم فرعون کفر پہ ڈٹ گئی آخر انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

[6] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون جیسے جابر و ظالم کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے دل میں خوف محسوس کیا آپ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ قوم فرعون مجھے جھٹلائے گی ایسے میں میرا سینہ تنگ ہوگا اور میری زبان رُک جائے گی (کیونکہ جس کی زبان میں کچھ رکاوٹ ہو تو ذہنی دباؤ کی صورت میں اس کی زبان زیادہ رکنے لگتی ہے اور بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے) تو اے اللہ! میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دے تاکہ وہ میری مدد کرے۔ دوسری جگہ آپ کی یہ دعائیں بیان ہوئی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَٰرُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔ میرا معاملہ آسان فرما دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو میرا وزیر بنا دے اس کے ذریعے میری قوت بڑھا۔“ (ط: ۲۵) چنانچہ آپ علیہ السلام کی یہ دعا قبول کی گئی اور اللہ نے فرمایا: قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰی ۝ اے موسیٰ آپ کا سوال آپ کو عطا کیا جاتا ہے۔“ (ط: ۳۶)

[7] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید کہا اے اللہ! قوم فرعون کا مجھ پر الزام ہے کہ میں نے ان کا آدمی مار دیا تھا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا لہذا تم اور ہارون دونوں فرعون کے پاس جاؤ اسے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں اور اللہ کا حکم ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دو۔ معنی یہ ہے کہ اے فرعون پہلے تم ایمان لاؤ پھر بنی اسرائیل کو آزاد کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاؤ۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ تم اپنے کفر ہی پہ قائم رہو بس بنی اسرائیل کو آزاد کر دو۔ تمہارے ایمان سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی قوم کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور آپ کا ان سے پہلا تقاضا ایمان لانے ہی کا تھا۔

طبعی خوف وجہ اعتراض نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو آپ علیہ السلام کو خوف محسوس ہوا جو طبعی و فطری خوف تھا۔ جو مبلغ کے دل میں تھوڑی دیر رہتا ہے پھر تائید ربانی کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ شیعہ لوگ کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے موقع پر غار ثور میں روتے چلاتے تھے (حالانکہ یہ مبالغہ آرائی ہے) حتیٰ کہ قرآن میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا پڑا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا اے ابوبکر ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ، ۴۰) بقول شیعہ اگر ابوبکر کے دل میں اخلاص ہوتا تو اس گھبراہٹ کی کیا وجہ تھی؟ ہم کہتے ہیں یہ گھبراہٹ طبعی امر ہے جو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کو بھی لاحق

ہو سکتا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی و رسول نہیں ہیں پھر انہیں اس طبعی خوف کے لاحق ہونے پر کس طرح موردِ طعن بنایا جاسکتا ہے۔

خود شیعہ کتب میں ہے کہ شبِ ہجرت جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پہ لٹایا تو انہوں نے کہا: اَوْ تَسْلِمَنَّ بِمَبِيتِي۔ ”کیا آپ میرے یہاں سونے پہ مطمئن ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ لہٰذا انبأہ بہ رسول اللہ ﷺ من سلامتہ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کی سلامتی کی خبر دے دی تھی۔ (بخاری الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ شبِ ہجرت بستر رسول ﷺ پہ سونے سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ایک بار گھبرائے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں سلامتی کی خبر دی تو وہ خوشی سے ہنس پڑے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ گھبرائیں تو اس پہ کوئی اعتراض نہیں اگر جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھبرائیں تو اہل تشیع کا اس پہ اعتراض کیوں ہے؟

اور سچی بات تو یہ ہے کہ غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی فکر سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی۔ اگر اپنی فکر ہوتی تو اس قدر کٹھن سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہی نہ چلتے۔ بلکہ بخاری کے مطابق وہ کبھی آپ ﷺ کے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں، الغرض جدھر سے انہیں رسول اللہ ﷺ پہ حملہ کا خطرہ محسوس ہوتا وہ اس طرف چلنا شروع کر دیتے۔

قرآن میں کبھی ذنب بمعنی الزام بھی آتا ہے

ولہم علی ذنب کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر قوم فرعون کا ایک الزام ہے۔ معلوم ہوا کہ ذنب کا معنی ہر جگہ گناہ ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی ذنب بمعنی الزام بھی قرآن میں مستعمل ہے۔ تو اس آیت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی طرف لفظ ذنب کی نسبت ہے وہاں اس کا معنی الزام لیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (فتح، ۲)

اس کا ایک معنی یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے پیارے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کو فتح مکہ کی صورت میں فتح مبین دیدی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے اگلے پچھلے الزام دور کر دے اور آپ کی نبوت خوب چمک اٹھے۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ حضور ﷺ کو الزام دیتے تھے کہ آپ جھوٹے نبی ہیں اور اللہ کی طرف معاذ اللہ جھوٹی وحی منسوب کرتے ہیں وہ لوگ فتح مکہ کے بعد دھڑا دھڑا اسلام لانے لگے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۚ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۖ وَفَعَلْتَ

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا ہم نے تجھے بچپن میں پالا نہ تھا؟ اور تم ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی برس رہے اور تم نے

فَعَلْتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۖ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ

وہ کام کیا جو کیا اور تم ناشکرے ہو موسیٰ (ﷺ) نے کہا میں نے اس وقت جو کیا تب میں

الضَّالِّينَ ۖ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي

بے خبر تھا۔ پھر جب میں تم سے ڈرا تو تمہارے یہاں سے نکل گیا، تب اللہ نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسول بنایا اور یہ نعمت

مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ

جس کا تم مجھ پر احسان رکھتے ہو اس بنیاد پر ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے [8]

[8] جب حضرت موسیٰ (ﷺ) اپنے بھائی ہارون (ﷺ) کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور اسے پیغام حق دیا تو اس نے ایمان اختیار کرنے کی بجائے آپ (ﷺ) پر اعتراض کیا کہ اے موسیٰ! کیا ہم ہی نے تمہاری پرورش نہیں کی تھی پھر تم اپنی زندگی کے کثیر برس ہمارے درمیان رہے (موسیٰ (ﷺ) فرعون کی قوم میں تیس برس رہے) پھر تم نے قتل جیسا جرم کیا۔ اب تم نبی بن کر ہمیں دعوتِ ایمان دینے آگئے ہو، تم ناشکرے ہو ہمارے احسان کا بدلہ تم نے قتل کے ساتھ دیا۔ حضرت موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا: اے فرعون! جب مجھ سے قتل واقع ہوا میں اس وقت بے خبر تھا یعنی مجھے گمان نہ تھا کہ میرے ایک مکہ مارنے سے وہ شخص قتل ہو جائے گا اور نہ ہی مکے سے کبھی کوئی مرتا ہے، مگر وہ شخص مر گیا۔ لہذا میں اس قتل میں بے قصور ہوں۔ آگے فرمایا: فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ۔ یعنی پھر جب مجھے خوف لاحق ہوا کہ تم مجھے قتل کر دو گے تو میں مصر سے چلا گیا اور تم سے عرصہ غائب رہا۔ اس دوران اللہ نے مجھے حکم دیا یعنی علوم نبوت سے نوازا اور مجھے رسول بنایا۔

آگے موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ۔ الخ یعنی اے فرعون! تمہارا کہنا کہ تم نے مجھے پالا تھا تو تمہارا یہ احسان بھی ظلم کی بنیاد پر استوار ہوا۔ کیونکہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ (ﷺ) اسے یہ کہہ رہے ہیں کہ اے فرعون! میری ولادت کو روکنے کے لئے تم نے بنی اسرائیل کے ہزاروں نومولود بچے ان کی ماؤں کے سامنے ذبح کر دیئے پھر میری ولادت کو تم سے خفیہ رکھنے کے لئے مجھے صندوق میں ڈال کر بہایا گیا تو تم نے وہ صندوق پکڑ لیا اور

میری تربیت کی۔ گویا میں تم سے اس احسان کے لئے کوئی بھیک مانگنے نہیں آیا تھا تم نے خود ہی تربیت کی اور میری قوم کے ہزاروں بچے ذبح کرنے کے بعد اگر تم نے میری تربیت کی ہے تو اس پر احسان جتلاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ تم ہزاروں بچے ذبح کرو تو تمہیں اس پر کوئی افسوس نہیں اور مجھ سے ایک شخص بلا ارادہ مارا گیا تو اس پر تمہیں بہت اعتراض ہے۔ یہ انسانیت ہے تمہاری؟

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

فرعون نے کہا: یہ رب العالمین کیا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے

بَيْنَهُمَا ۝ إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ ۝ قَالَ

درمیان ہے کا رب ہے اگر تم یقین لاؤ۔ فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا

رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ

وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ فرعون نے کہا بے شک تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا ہے

إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۝ إِنَّ

مجنون ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا رب ہے، اگر تم

كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ قَالَ لَنْ اتَّخَذَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَكَ مِنْ

عقل کرو۔ فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کوئی خدا مانا تو میں تمہیں ضرور قید میں

الْمَسْجُونِينَ ۝

ڈال دوں گا۔ [9]

[9] جب فرعون سے حضرت موسیٰ (ﷺ) کی باتوں کا جواب نہ بن پڑا تو اس نے کہا اے موسیٰ! ابھی تم نے کہا: اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔ تو یہ رب العالمین کیا ہے؟ (وہ صفات خداوندی سے مطلق نابلد تھا یا مچلا بن کر تغافل عارفانہ کر رہا تھا) آپ (ﷺ) نے فرمایا اگر تم یقین لاؤ تو وہی کائنات ارض و سماء کا مالک و خالق ہے۔ فرعون نے ازراہ تضحیک و تمسخر اپنے ساتھیوں سے کہا: سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت موسیٰ (ﷺ) نے فوراً کہا:

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

اے فرعون اور فرعون کے ساتھیو! اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے پچھلے سب باپ دادا کا خدا ہے۔ یعنی اے فرعون! تم اسی کے حکم سے پیدا ہوئے اور اسی کی زمین پہ چل کر اسی کا رزق کھا کر دعوائے خدائی کر رہے ہو۔ اب فرعون! کا پارہ چڑھ گیا کیونکہ اس کے اندر کا جھوٹ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس نے خفت مٹانے کے لئے کہا: اے اہل دربار! لگتا ہے تمہاری طرف بھیجا جانے والا رسول مجنون ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور ایمانی حملہ کرتے ہوئے کہا اے فرعون وہ مشرق و مغرب اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس سب کا رب ہے یعنی اسی کے حکم سے سورج کا طلوع و غروب اور سلسلہ شب و روز ہے۔ فرعون لا جواب ہو کر دھمکی دینے پہ آ گیا کہنے لگا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔

مروی ہے کہ اس نے خوفناک جیل بنا رکھی تھی۔ اس میں جو جاتا اس کی لاش ہی باہر آتی۔ فرعون نے اسی قید خانہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ جس کو میں دھمکیاں دے رہا ہوں اس کے ہاتھ پہ میری موت لکھی ہوئی ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جھوٹے لوگ لا جواب ہو کر دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔

فرعون نے لا جواب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کو قید و بند کی دھمکی دی اور جھوٹے لوگوں کا یہی طریقہ ہے لہذا سچے لوگوں کو ڈٹے رہنا چاہیے آخر کامیابی انہی کو ملتی ہے۔ جھوٹے لوگوں کی دھمکیاں اصل میں ان کے اندرونی خوف کا مظہر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سچائی کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

(۲) ہمیشہ جھوٹے لوگ سچوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑاتا اور آپ علیہ السلام کو مجنون کہتا تھا اور یہی جھوٹے لوگوں کا طریقہ ہے اور ایک دن یہ مذاق ان کے لئے موت کا پھندا بن جاتا ہے۔

قَالَ أَوْلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۖ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

آپ (ﷺ) نے فرمایا اگرچہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لاؤں؟ اس نے کہا اگر تم سچے ہو تو اسے لاؤ

الصُّدُقِينَ ۖ فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۖ وَنَزَعُ يَدَهُ فَإِذَا

آپ (ﷺ) نے اپنا عصا پھینکا تو وہ کھلا اژدھا بن گیا اور آپ نے (بغل سے) ہاتھ کھینچ کر نکالا تو وہ

هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ۖ

دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ [10]

[10] حضرت موسیٰ (ﷺ) فرعون کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوئے اور یہی اہل حق کا شیوہ ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا اے فرعون میں تمہارے پاس اپنی رسالت پر واضح دلیل لایا ہوں۔ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو اسے پیش کرو۔ آپ (ﷺ) نے اپنا عصا ان کے سامنے پھینکا تو وہ عظیم خوفناک اژدھا بن گیا جس کا ایک جبر از میں پہ تھا اور دوسرا فرعون کی دربار کی چھت تک جا رہا تھا اور وہ اژدھا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بڑے بڑے گوز مارنے لگا اور چیخ کر بھاگا پھر موسیٰ (ﷺ) نے اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالا تو وہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔

قَالَ لِلْمَلَاحِظَةِ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلِيمٌ ۝ لَا يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ

فرعون نے اپنے آس پاس والے سرداران قوم سے کہا یہ بڑا علم والا جادوگر ہے، تمہیں اپنے جادو کے ساتھ

أَرْضَكُمْ بِسِحْرِهِ ۝ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي

تمہارے علاقہ سے نکالنا چاہتا ہے تو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے اسے اور اسکے بھائی کو ٹھہراؤ اور شہروں میں

الْمَدَائِنِ حَشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ۝ فَجَمَعَ السَّحَرَةُ

(لوگوں کو) جمع کرنے والے بھیجوتا کہ وہ تمہارے پاس ہر دانا جادوگر کو لے آئیں۔ [11] تو ایک مقرر دن کی مدت پر

لِمِيقَاتٍ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۝ لَعَلَّنَا

جادوگر جمع کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے؟ تاکہ ہم

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنَّ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا

جادو گروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب آئیں۔ [12] پھر جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے

لِفِرْعَوْنَ أَيْنَ لَنَا أَجْرٌ إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا

اگر ہم غالب آجائیں تو کیا ہمارے لیے کوئی جزاء ہے؟ فرعون نے کہا: ہاں بے شک تب تم

لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝

ہمارے قریبی ساتھی ہو گے۔ [13]

جادو گروں کا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں شکست کھا کر ایمان لانا

[11] عصا کے سانپ بننے اور ید بیضاء کے چمکنے جیسے معجزات دیکھ کر بھی فرعون راہ ہدایت پر نہ آیا بلکہ اس نے کہا موسیٰ بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔ یعنی یہ ہم سے دس برس غائب رہ کر جادو ہی سیکھتا رہا ہے اور اب جادو کی طاقت سے ہمیں ہمارے علاقہ سے بے دخل کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے اپنے آس پاس بیٹھے سرداران قوم سے کہا کہ بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے اے فرعون! موسیٰ اور اس کے بھائی کو ابھی کچھ دیر

تھہراؤ یعنی ان سے کوئی مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ ان کا مقابلہ بھرپور تیاری کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ اس طرح کہ اے فرعون! تم شہروں میں آدمی بھیجو جو ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں پھر مجمع عام میں موسیٰ کے جادو کا توڑ کیا جائے۔

[12] چنانچہ اعلان کیا گیا کہ فلاں دن کو فلاں وقت پر موسیٰ (علیہ السلام) اور وقت کے ماہر جادوگروں کی ایک بڑی جماعت کے مابین مقابلہ ہوگا اور اس کے لئے جادوگروں کو بلا لیا گیا اور لوگوں سے بھی کہا گیا کہ وہ بھی سب آئیں تاکہ جادوگروں کا غلبہ دیکھ کر ان کی پیروی کی جائے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے پیچھے کوئی شخص نہ چلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ تُخْشَرَ النَّاسُ ضَحَىٰ ﴿٥٩﴾ ”موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے قوم فرعون! یوم زینت تمہارا مقرر وقت ہے اور لوگوں کو صبح کے وقت جمع ہو جانا چاہیے۔“ (طہ ۵۹) یوم زینت فرعونی قوم کے ایک سالانہ تہوار کا نام تھا۔

[13] چنانچہ وقت مقرر پر جادوگر بھی میدان میں آ گئے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی۔ جادوگروں نے اس وقت فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آجائیں تو کیا ہمارے لئے کوئی انعام ہے؟ فرعون نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ اگر تم غالب آ گئے تو تمہیں ہم اپنے مقرب ساتھیوں میں داخل کر لیں گے۔ مروی ہے کہ اس وقت فرعون کے لئے میدان میں اونچی کرسی بچھائی گئی اور اس کے آس پاس اس کے حواریوں اور ارکان سلطنت کی کرسیاں تھیں۔

قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ الْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٦٠﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَهُمْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا تم نے جو ڈالنا ہے ڈالو، انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں

وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٦١﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا

اور کہا عزت فرعون کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہیں۔ [14] تب موسیٰ (علیہ السلام) نے

هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٦٢﴾ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سَجْدِينَ ﴿٦٣﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

اپنا عصا ڈالو وہ ان کے بنائے ہوئے جھوٹ کو نکلنے لگا۔ چنانچہ جادوگر سجدے میں گر گئے، کہنے لگے ہم رب کائنات پر

الْعَلَمِينَ ﴿٦٤﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٦٥﴾

ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ [15]

[14] جادوگروں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تم نے جو جادوئی کرتب دکھانا ہے اسے میدان میں اتارو اور دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: اِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ الْمُلْقِينَ ﴿٦١﴾ ”یا تم کچھ (میدان میں) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔“ (اعراف: ۱۱۵) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: تم ڈالو چنانچہ انہوں نے کثیر رسیاں

اور لاٹھیاں میدان میں پھینکیں اور کہا کہ عزتِ فرعون کی قسم آج ہم ہی غالب آئیں گے۔ روایات کے مطابق وہ اُسی (80) اونٹوں کا بوجھ تھا۔ قرآن میں ہے: سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ۔ ”انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پہ جادو کر کے انہیں ڈرا دیا۔“ (اعراف: ۱۱۶) فَإِذَا جَبَّالَهُمْ وَعَصِيَّهُمْ يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مِنْ سَحَرِهِمْ أَنَّهُمَا تَسْلَى ﴿٦٦﴾ جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کی وجہ سے یوں لگیں جیسے وہ (سانپوں کی طرح) دوڑ رہی ہیں۔ (ط: ۶۶)

غیر خدا کی قسم اٹھانا جائز نہیں

وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ سے معلوم ہوا غیر خدا کی قسم اٹھانا مومنوں کا شیوہ نہیں۔ جادوگروں نے قبولِ اسلام سے قبل بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ کہا کیونکہ اس وقت وہ کافر تھے۔ اسلام میں غیر خدا کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا جو شخص غیر خدا کی قسم اٹھائے اس نے شرک کیا۔ (ترمذی کتاب النذور باب ۹) یہ شرک اس صورت میں ہے جب وہ غیر خدا کو الہ جان کر اس کی قسم اٹھائے جیسے کفار کہتے تھے مجھے عزیٰ کی قسم مجھے لات کی قسم وغیرہ۔ اگر الہ نہ سمجھا جائے تو غیر خدا کی قسم شرک نہیں مگر ممنوع ہے۔

غیر اللہ کی قسم کی ممانعت پہ یہ حدیث بھی وارد ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھاؤ اور نہ ان بتوں کی جن کو اللہ کا شریک بنایا گیا۔ قسم صرف اللہ کی اٹھاؤ اور سچی قسم اٹھاؤ۔“ (سنن ابوداؤد کتاب الایمان والنذور حدیث ۳۲۴۸)

[15] تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا میدان میں پھینکا تو وہ بڑا اژدھا بن کر جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو جو لوگوں کو سانپوں کی صورت میں نظر آ رہی تھیں نگلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں من وزنی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔ پھر اسے موسیٰ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ پہلے جیسا عصا ہی تھا۔ یہ دیکھ کر جادوگر سجدے میں گر گئے اور پکارے کہ ہم (فرعون کی ربوبیت سے توبہ کر کے) اللہ کی ربوبیت پر ایمان لاتے ہیں۔ جو سب کائنات کا رب ہے اور خصوصاً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

- (۱) حق دیکھ کر اسے فوراً قبول کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔
- جب جادوگروں پر حق واضح ہو گیا تو انہوں نے قبولِ اسلام سے ایک لمحہ تاخیر نہیں کی اور فرعون کے سابقہ انعامات کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور یہی شیوہ مردانِ حق ہے۔
- (۲) نبی کا معجزہ حسبِ حال ہوتا ہے

زمانہ فرعون میں جادوگری کا زور تھا تو اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معجزہ عصا دکھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اطباء اپنے زور طب پر اپنے اندر خدائی طاقتوں کا دعویٰ کر رہے تھے تو حضرت عیسیٰ کو معجزہ شفا دیا گیا جس کے سامنے اطباء عاجز آ گئے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ پاک میں اہل عرب اپنی فصاحت پہ نازاں تھے تو آپ کو معجزہ قرآن دیا گیا جس کے مقابلہ میں فصحاء عرب کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ یہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سچے انبیاء کرام کی شان ہے۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی حالت عجیب ہے۔ دیکھو چودھویں صدی ہجری میں سائنس کا زور ہوا اگر مرزا قادیانی نبی تھا تو اسے سائنس کا توڑ کرنے والا معجزہ ملنا چاہئے تھا مگر وہ جھوٹی پیش گوئیوں کے سوا کچھ نہ دکھاسکا کیونکہ حضور خاتم المرسلین ﷺ کے بعد باب نبوت ہی بند ہے۔

(۳) انبیاء مظہر ربوبیت خدا ہیں۔ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۳۰﴾ کے الفاظ میں ربوبیت خدا کو موسیٰ و ہارون کے ساتھ متعلق کر کے بتایا گیا کہ انبیاء ربوبیت خدا کا مظہر خاص ہیں ورنہ رب العالمین کہنے کے بعد رب موسیٰ و ہارون کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ

فرعون نے ان سے کہا کیا تم میری اجازت دینے سے قبل ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو۔ بے شک وہی تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں

السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ە لَا قَطْعَنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

جادو سکھایا، اب تم جلدی جان لو گے۔ میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے

خِلَافٍ وَّلَا صَلْبٰنَكُمْ اٰجْمَعِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا لَا ضِيْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ

کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ وہ کہنے لگے کچھ نقصان نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں گے

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا ۚ خَطِيْئَاتُنَا ۚ اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۳۲﴾

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے کہ ہم ہی پہلے مومن ہیں۔ [16]

[16] فرعون نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان کیوں لائے۔ لگتا ہے یہ تمہاری باہمی ملی جھگڑت ہے۔ موسیٰ تمہارا بڑا استاذ ہے۔ اس نے تمہیں جادو سکھایا اور تم نے خفیہ سازش کے ساتھ میرے خلاف ڈرامہ کیا ہے۔ لہذا میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹوں گا یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں، پھر تمہیں سولی دیدوں گا۔ سابقہ جادوگروں نے کہا اس میں ہمیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ادھر تم ہمیں مارو گے ادھر ہم جنت میں اپنے رب سے جا

ملیں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس سے قبل جو ہم موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں خطائیں کرتے رہے ان پر اللہ ہمیں معاف کر دے۔ کیونکہ ہم اپنی قوم میں پہلے مومن ہیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر سب بنی اسرائیل ایمان لائے تھے ان سے پہلے کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ آخر فرعون نے انہیں سولی دے دی تو وہ صبح کو حالت کفر میں تھے اور شام کو باغ ہائے جنت میں سیر کر رہے تھے۔

اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کا رد

سابقہ جادوگروں نے جان دے دی مگر اظہار حق سے باز نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عظیم کردار کو قرآن مجید میں بار بار ذکر فرمایا۔ کیونکہ اس سے مظلوم لوگوں کو ظالموں کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ اور مجاہدین اسلام کو طاغوتی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیغام حق پہنچانے کا ڈھنگ آتا ہے۔ ان کا یہ کردار تا قیامت اہل ایمان کے خون کو گرماتا رہے گا اور ان میں جرأت حق گوئی پیدا کرتا رہے گا۔ ورنہ کیا ضرورت تھی کہ اس واقعہ کو قرآن میں بار بار بیان کیا جائے

اس کے مقابلہ میں اہل تشیع نے تقیہ واجب قرار دیا ہے۔ بلکہ کہا ہے کہ جس نے تقیہ چھوڑ دیا اس کا کوئی دین ہی نہیں۔ (اصول کافی کتاب الایمان)

اس کا معنی یہ ہوا کہ قوم فرعون کے جادوگر ایمان لانے کے باوجود ایمان سے محروم ہی رہے۔ اب اس سے بڑا الحاد کیا ہوگا۔ بلکہ ہم اہل تشیع سے سوال کرتے ہیں کہ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے میدان کربلا میں اعلان حق فرمایا۔ کیا امام حسین بھی معاذ اللہ مسلمان نہیں رہے تھے۔ اگر وہ مسلمان ہی تھے بلکہ مسلمانوں کے امام تھے تو پھر کدھر گئیں اہل تشیع کی من گھڑت روایات جن میں کہا گیا ہے کہ تقیہ کے بغیر کوئی دین ہی نہیں۔ کاش! اہل تشیع حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایمان کی قوت ہر چیز سے زیادہ ہے

فرعون اپنی ساری طاقت کے باوجود جادوگروں کو ان کے ایمان سے نہ پھیر سکا یہی قوت ایمان ہے جس کے ساتھ صحابہ کرام نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ آج ملت اسلامیہ کو اسی قوت ایمان کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام میں وہی جذبہ ایمانی پیدا ہوا جو حق دیکھ کر اسے قبول کرنے کا جذبہ جادوگروں کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ پھر ان پہ اہل مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے مگر وہ ان کو راہ حق سے ہٹا نہ سکے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٰ إِنَّكَ مُتَّبَعُونَ ﴿٥٧﴾ فَأَرْسَلْ

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے لے چلو۔ بے شک تمہارا پیچھا

فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حَشِيرٌ ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٨﴾

کیا جائے گا۔ [17] تب فرعون نے جمع کرنے والے لوگ شہروں میں بھیجے کہ یہ (بنی اسرائیل) چھوٹی سی جماعت ہے

وَأَنَّهُمْ لَنَا لَغَايِطُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَٰذِرُونَ ﴿٦٠﴾ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّٰتِ

اور یہ ہمارے غضب کو لٹکار رہے ہیں اور ہم سب (ان کے خلاف) مستعد ہیں چنانچہ ہم نے فرعونیوں کو ان کے باغات چشموں

وَعَيُونٍ ﴿٦١﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿٦٣﴾

خزانوں اور معزز مقام سے نکالا۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔ [18]

﴿بنی اسرائیل کیلئے سمندر کا پھٹنا اور قوم فرعون کا اس میں غرق ہونا﴾

[17] جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے مگر فرعونی قوم فرعون کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ ان کا تکبر انہیں اس سے روکتا تھا کہ وہ اپنی غلام قوم کے ایک فرد کو رسول مان کر اس کی پیروی کریں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) عرصہ دراز انہیں دعوت حق دیتے رہے مگر وہ ماننے کی بجائے دشمنی کرتے گئے اور بنی اسرائیل پہ مظالم کا سلسلہ مزید تیز کر دیا۔ اس دوران فرعونیوں پر مینڈکوں، جوؤں، خون اور طوفان وغیرہ کے عذابات بھی بھیجے گئے مگر وہ راہِ راست پر نہ آئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر فلاں دن راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور فرمایا کہ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

بنی اسرائیل کن حالات میں فرعونیوں سے بچ کر مصر سے نکلے

حضرت سدی اور ابن جریر رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی فرمائی کہ آج رات اہل مصر پہ موت اترے گی آپ بنی اسرائیل سے کہیں کہ وہ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا خون اپنے دروازوں پہ لگائیں جس گھر کے دروازہ پر خون ہوگا اس میں ملائکہ موت داخل نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس رات فرعونیوں کے گھروں میں کثیر اموات ہوئیں کوئی گھر نہ رہا جس سے چیخ و پکار نہ اٹھی ہو۔ فرعونی قوم اس ناگہانی آفت میں یوں کھوئی کہ انہیں پتہ نہ چلا بنی اسرائیل کب مصر چھوڑ کر راتوں رات نکل گئے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۲۷۸ حدیث ۱۵۶۳۹)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آل یعقوب علیہ السلام زمانہ یوسف علیہ السلام میں مصر آئی تو وہ ۱۸۶ افراد تھے اور جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے متجاوز تھی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۸ صفحہ ۷۷۰ ۲۷۷ حدیث ۱۵۶۵۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے۔ علماء بنی اسرائیل نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلیں تو ان کا تابوت ساتھ لے کر جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ کسی کو علم نہ تھا سوائے ایک بوڑھی عورت کے۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبر یوسف علیہ السلام کا پتہ پوچھا اس نے کہا آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جنت میں آپ علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ اپنے درجہ میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس بڑھیا کو یہ وعدہ دے دیا جائے۔ تب اس نے جگہ بتائی، وہ دریائے نیل کے کنارے پر تھی اس پر پانی چڑھ آیا تھا۔ پانی کو ہٹا کر ان کا تابوت نکالا گیا اور بنی اسرائیل اسے لے کر چلے تو راستہ نصف النہار کی طرح واضح ہو گیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ بروایت حاکم)

[18] اگلے دن جب فرعون نے قوم کو بنی اسرائیل کے یوں خاموشی سے نکل جانے کا پتہ چلا تو وہ بہت ٹپٹپٹے۔ فرعون نے کہا یہ بنی اسرائیل ہیں کیا؟ ایک حقیر جماعت ہے جس نے ہمارے غضب کو لکا رہا ہے اور ہم انہیں پکڑ کر سزا دینے کے لئے مستعد ہیں۔ تو چلو ان کو پکڑ کر لائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یوں ہم نے فرعون کو ان کے باغات، چشموں، خزانوں اور معزز مقام یعنی جائے اقتدار سے نکالا تا کہ انہیں سمندر میں ڈبو یا جائے اور بعد میں بنی اسرائیل کو ان باغات چشموں اور خزانوں کا وارث بنایا۔

ظلم کی بنیاد پر کوئی معاشرہ پنپ نہیں سکتا

فرعون نے قوم کو بنی اسرائیل پر ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ کر سمندر میں غرق کیا اور بنی اسرائیل کو ان کے محلات و باغات کا وارث بنا دیا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے کہ ”کوئی قوم کفر کی بنیاد پر تو زندہ رہ سکتی ہے مگر ظلم کی بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتی۔“ آج امریکی قوم مسلمانوں پر ظلم ڈھا کر انہیں اپنا غلام اور تابع فرمان رکھنا چاہتی ہے مگر یہ سلسلہ اگر ایسے ہی جاری رہا تو عنقریب روس کی طرح امریکہ کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے۔ کیونکہ امریکہ کا ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ آج امریکہ مسلمانوں پر اسی طرح ظلم ڈھا رہا ہے جس طرح فرعون نے بنی اسرائیل پر بازار ظلم گرم کیا تھا اور قرآن میں یہ واقعات بتا کر امت مسلمہ کو حوصلہ دیا گیا ہے کہ وہ کسی دور میں بھی ہمت نہ ہاریں۔ عہد رسالت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ کفار مکہ نے بھی فرعون کی کردار ادا کیا مگر وہ جلد پکڑ لیے گئے۔

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ

فرعون اپنی طاقت کے گھمنڈ میں بڑے تکبر سے کہہ رہا تھا کہ بنی اسرائیل نے مصر سے بھاگ کر ہمارے غضب کو

لکارا ہے چلو ان کو پکڑ لائیں اور عبرت ناک سزا دیں مگر تقدیر کہہ رہی تھی کہ ہاں فرعون نکلے۔ موت تمہاری منتظر ہے تم نے ہمارے غضب کو لکارا ہے۔ اب ہم تمہیں پکڑ کر عبرت ناک سزا دیں گے۔ اسی لیے مظلوم کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

فرعونی قوم کے بعد مصر کو بنی اسرائیل نے سنبھالا

وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۵۹ کے تحت عصر حاضر کے محقق مفسر شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بنی اسرائیل جس سرزمین کے وارث ہوئے وہ فلسطین ہے نہ کہ مصر (تبیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۳۲۳) مگر ہم بصدا ب عرض کرتے ہیں کہ ان کا یہ فرمانا درست نہیں ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ یہاں کھلے لفظوں میں فرما رہا ہے۔
فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۵۹ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝۶۰ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۶۱ یعنی ہم نے فرعونوں کو باغوں، چشموں، خزانوں اور مقام عزت (محلات) سے نکالا اور بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ (شعراء، ۵۹)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ فرعونوں کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونوں کے محلات و باغات و عیون کا وارث بنایا اور فرعونوں کے باغات، چشمے اور محلات مصر میں تھے۔ فلسطین میں نہیں تھے۔ اور اللہ نے فرعونوں کو غرق کرنے کے لیے فلسطین سے نہیں نکالا تھا مصر سے نکالا تھا۔ تو جہاں سے فرعونوں کو نکالا گیا اسی علاقہ کا بنی اسرائیل کو بحکم قرآن وارث بنایا گیا۔ اس واضح نص قرآنی کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَمْ تَرَكُوا مِّنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝۶۰ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝۶۱ وَنَعْمَةً كَانُوا فِيهَا فَكَاهِينَ ۝۶۲ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝۶۳ ”فرعونی لوگ کتنے ہی باغات، چشمے، کھیت، عزت کا مقام اور نعمتیں (اپنے پیچھے) چھوڑ گئے جہاں وہ مزے اڑاتے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا۔“ (دخان، ۲۸)

اس آیت میں وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ کے تحت مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی بنی اسرائیل، مطلب یہ کہ جس قوم کو فرعونوں کے محلات، باغات اور چشموں کا وارث بنایا گیا وہ بنی اسرائیل تھے۔

(درمنثور جلد ۷ صفحہ ۴۱۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رہا علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ کا فرمانا کہ بنی اسرائیل تو غرقابی فرعون کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صحرائے سینا کی طرف گئے تھے وہیں انہیں کتاب ملی پھر چالیس برس تک وہ میدان تیبہ میں بھٹکتے رہے تو مصر کے باغات و محلات کے وارث کب بنے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ کسی جگہ اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ فرعونی محلات و باغات کے کب وارث بنے، مگر مذکورہ قرآنی نصوص کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام واپس مصر آئے ہوں اور اپنے کچھ

ساتھیوں کو یہاں کا انتظام سونپ کر آپ نے باقی بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر صحرائے سینا کا رخ کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کچھ لوگ مصر کا انتظام سنبھالنے کو بھیج دیئے ہوں اور خود صحرائے سینا کا رخ کیا ہو۔

فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ﴿۱۹﴾ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا

تو فرعونی لوگ دن چڑھے ان کے پیچھے جا پہنچے۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اصحاب

لَمُدْرَكُونَ ﴿۲۰﴾ قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۲۱﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى

موسیٰ (ﷺ) نے کہا یقیناً ہم پکڑے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور

أَن اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

مجھے راہ دے گا۔ تو ہم نے موسیٰ (ﷺ) کو وحی فرمائی کہ سمندر پہ عصا مارو، چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر

الْعَظِيمِ ﴿۲۲﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخِرِينَ ﴿۲۳﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۲۴﴾

حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور ہم وہیں دوسروں کو قریب لے آئے اور ہم نے موسیٰ (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

نجات دے دی پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر

مُؤْمِنِينَ ﴿۲۶﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۲۷﴾

ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بیشک آپ کا رب ہی غالب ہے رحمت والا ہے۔ [19]

[19] فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کے پیچھے نکلا اور صبح کے وقت انہیں جا پایا۔ قوم بنی اسرائیل بحر احمر کی

مغربی شاخ جسے خلیج سوئس کہتے ہیں، کے مغربی کنارے پر کھڑی تھی۔ آگے سمندر تھا پیچھے فرعونی لشکر آ گیا۔ بنی اسرائیل

کہنے لگے اب ہم پکڑے گئے ہیں۔ موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا ڈرو نہیں اللہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ دے گا کیونکہ حضرت

موسیٰ (ﷺ) کو نبی بنا کر فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَى ﴿۲۰﴾ ”اے موسیٰ و

ہارون میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔“ (ط: ۴۶) تب اللہ نے موسیٰ (ﷺ) کو سمندر پہ عصا مارنے کا حکم

دیا۔ آپ کے عصا مارتے ہی سمندر پھٹ گیا اور دونوں طرف کا پانی عظیم پہاڑوں کی صورت میں قدرت الہیہ کے ساتھ

پتھر بن کر کھڑا ہو گیا۔ بنی اسرائیل اس میں سے گزر کر پار ہو گئے۔ فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو واپس بھاگنے کی کوشش

کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے گھوڑے کو زبردستی پانی میں ڈال دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑی پر بیٹھ کر آئے اور اسے اس کے گھوڑے کے آگے لگا دیا۔ گھوڑی کی بوسونگھ کر گھوڑا اس کے پیچھے بھاگا آیا اور سمندر میں بنے خشک راستے میں اتر گیا۔ پیچھے ساری فرعون کی قوم بھی اتر آئی۔ تب اللہ رب العزت نے پانی کو باہم مل جانے کا حکم دے دیا۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۹۵)

وقف لازم

وَإِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا

اور ان پر آپ (ﷺ) ابراہیم (علیہ السلام) کی خبر پڑھیں جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس کی

نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظِلُّ لَهَا عُكْفِينَ ۖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ

عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم چند بتوں کی عبادت کرتے اور ان کے پاس ڈیرہ جماتے ہیں۔ [20] آپ (ﷺ) نے فرمایا جب تم

تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ

انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان دیتے ہیں؟ کہنے لگے: نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو

يَفْعَلُونَ ۖ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

ایسے ہی کرتے پایا ہے۔ [21] آپ نے فرمایا تو پھر تم خود ہی دیکھو کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا کس (بے معنی) چیز کی

الْأَقْدَمُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۖ

عبادت کرتے تھے۔ بے شک وہ میرے دشمن ہیں سوا رب العالمین کے۔

﴿ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف تبلیغی سرگرمیاں﴾

[20] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر لایا گیا ہے اور بت پرستی کے خلاف ان کی جدوجہد اور تبلیغی مساعی بیان کی جا رہی ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ سورہ شعراء کی ہے اور اہل مکہ (جو اکثر قبیلہ قریش سے تھے) نزول قرآن کے وقت بت پرستی میں مبتلا تھے اور اس کے ساتھ وہ خود کو اولاد ابراہیم علیہ السلام کہلانے پر فخر بھی رکھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ اولاد ابراہیم ہو کر تمہیں بت پرستی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی تو ساری زندگی بت پرستی کے خلاف جدوجہد کرتے گزری تھی۔ تو فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ یعنی چچا آذر سے اور اپنی ساری قوم سے کہا تم کن بے جان چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ ان کی کیا حقیقت ہے؟ کہنے لگے بس ہم چند بتوں کو پوجتے اور ان کے

گرد ڈیرہ جماتے ہیں۔

[21] آپ نے قوم سے فرمایا جن بے جان بتوں کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں یا تمہاری فریاد سن سکتے ہیں؟ جب وہ سن نہیں سکتے تو ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے اور ان سے حاجات مانگنے کا کیا معنی ہے؟ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے تو بس ہم بھی کر رہے ہیں۔ بس یہی ہماری دلیل ہے۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کافر اپنا بھی بیگانہ ہے اور مومن بیگانہ بھی اپنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے چچا پر نفرین فرمائی اور ان سے اظہار براءت فرمایا۔ معلوم ہوا ایمان سے محروم قریبی رشتہ دار بھی مومن کے لئے بیگانہ ہیں اور ایمان والے اجنبی لوگ بھی اس کے اپنے مومن بھائی ہیں۔

فدائے یک تنے بیگانہ کا شنا باشد

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد

(۲) رد تقیہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تنہا ساری قوم کو لکارا اور ان کے باطل عقائد پر تردید فرمائی تو تقیہ کی فضیلت بتانے والے کہاں ہیں۔ ذرا کردار ابراہیمی سے سبق سیکھیں۔

(۳) دین کے خلاف اندھی تقلید شیوہ کفار ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل قوم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید میں بت پرستی کر رہے تھے آپ نے ان پر نفرین فرمائی۔ معلوم ہوا جب اللہ اور اس کے رسول کا واضح حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں والدین اور خاندان کی اندھی تقلید جائز نہیں بلکہ ابراہیمی کردار ادا کرتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت کرنا ہی شیوہ مردانِ حق ہے۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا

جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دکھاتا ہے۔ [22] اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب

مَرَضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ

میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے مارے گا پھر جلائے گا۔ [23] اور جس سے مجھے امید ہے کہ

أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقْنِي

روز انصاف میری خطا بخشے گا۔ [24] اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے صالحین میں شامل فرما اور میرے لیے

بِالصَّالِحِينَ ۝ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝ وَاجْعَلْنِي

پچھلے لوگوں میں سچی نیک نامی رکھ دے اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔ [25] اور میرے (عرفی)

مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ وَأَغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَا

باپ کی بخشش فرما وہ گمراہوں میں سے ہے۔ [26] اور مجھے اس وقت

تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ

رسوا نہ فرما جب لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے، سوا اس کے جو اللہ کے پاس سلامتی

بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝

دل کے ساتھ آیا [27]

[22] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے ذرا تم ان کی حالت پر تو غور کرو کیا وہ عبادت کے قابل ہیں؟ اور میرے تو یہ دشمن ہیں صرف رب العالمین سے میری دوستی ہے اور وہی لائق عبادت ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راہ دکھاتا ہے جبکہ بت تو لوگوں کے اپنے تراشیدہ ہیں اور وہ خود بے شعور ہیں کسی کو کیا راہ دکھا سکتے ہیں تو پھر وہ کس طرح لائق عبادت ہیں۔ بتوں کو آپ نے اپنا دشمن کیوں کہا؟ حالانکہ بت تو کسی عداوت یا محبت سے بے خبر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں بتوں کی عبادت کروں تو یہ روز قیامت میرے خلاف گواہی دیں گے اور میرے دشمن ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝۸۲“ عنقریب جھوٹے خدا اپنے پیجاریوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔“ (مریم: ۸۲) یا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا یہ معنی ہے کہ میں بتوں سے دشمنوں والا سلوک کروں گا یعنی موقع ملنے پر ان کے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ چنانچہ ایک دن آپ علیہ السلام نے ان کے ٹکڑے کر ڈالے۔

[23] یعنی میری عبادت کے لائق میرا وہ رب ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی میری ہر نعمت اسی کی طرف سے آتی ہے وہ آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اُگاتا اور چشمے بہاتا ہے جس سے میرے کھانے پینے کا بندوبست ہوتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے یعنی میری صحت و مرض اس کے ہاتھ میں ہے اور وہی مجھے مارے گا اور قیامت کے دن اٹھائے گا۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

- (۱) برائی کی نسبت اللہ کی طرف کرنا سوئے ادب ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف اچھی چیزوں کی نسبت کی جائے۔ بری چیزوں کی نہیں۔ حالانکہ بری چیزیں بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط (آل عمران، ۲۶) یہ نہ فرمایا گیا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَالْشَّرُّ، حالانکہ خیر و شر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں تعلیم ادب ہے اور جس نے ادب نہیں سیکھا اس نے کچھ نہیں سیکھا، اور یہ دولت اللہ نے اہل سنت کو عطا فرمائی ہے۔
- (۲) شفاء من جانب اللہ ہے: وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝۸۱ کا یہ معنی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہونے پر کوئی دوا ہی لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں شفا دیتا تھا۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ دواء میں شفا بھی من جانب اللہ ہے کیونکہ ہر چیز میں جو تاثیر ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے۔ لہذا ہمیں بیماریوں میں دوا کے ساتھ دعا کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے کہ مصیبت میں بھی اللہ کو یاد نہ کرنے والا بہت بد بخت ہے۔

- (۳) درس توکل: یہ الفاظ درس دیتے ہیں کہ بندے کی ہر حالت اللہ کی طرف سے ہے لہذا بندے کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور اس کی رضا پر راضی رہے۔

[24] اس سے آپ کا اشارہ ان باتوں کی طرف ہے جنہیں آپ روز قیامت اپنے تین جھوٹوں سے تعبیر کریں گے۔ حالانکہ وہ جھوٹ نہ تھے تعریض تھے مگر مقررین خدا اپنی معمولی خلاف اولیٰ بات کو بھی بڑی خطا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں ہمارے لئے درس استغفار ہے۔

[25] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ! دنیا میں مجھ پر علم و حکمت کے مزید دروازے کھول اور آخرت میں مجھے صالحین کا درجہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور آپ کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۳“ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں (نبوی علم و حکمت کے ساتھ) چن

لیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔“ (بقرہ ۱۳۰)

آگے آپ ﷺ نے دعا فرمائی: **وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ** ﴿۱﴾ اے اللہ! پچھلے لوگوں میں میرے لئے سچی نیک نامی رکھ دے یعنی مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو بعد والے لوگوں کے لئے باعثِ ہدایت ہوں اور وہ ہدایت پا کر میرے لئے دعائے خیر کریں۔ آپ ﷺ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کعبہ بنایا۔ آپ کے ہاتھ پر مناسک حج جاری ہوئے اور جانوروں کی قربانی شروع ہوئی اور ختنہ و حجامت کے احکام جاری ہوئے جو تا قیامت آپ ﷺ کے لئے باعثِ نیک نامی ہیں اور قیامت تک آپ ﷺ پہ یہ درود پڑھا جاتا ہے: **کَمَا صَلَّيْتَ عَلَي اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ**، معلوم ہوا نیک نامی کی دعا مانگنا بُرا نہیں۔ یہ شہرت طلبی نہیں ہے بلکہ زبانِ خلق سے اپنے لئے دعائے خیر کا چاہنا ہے۔

[26] آپ ﷺ کی یہ دعا اپنے سگے باپ کے لئے نہیں بلکہ عرفی باپ یعنی چچا آزر کے لئے تھی جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! اسے ایمان عطا فرما۔ تاکہ وہ قابلِ بخشش ہو جائے، کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ آپ کے چچا آزر نے آپ ﷺ کو پالا تھا تو عرف میں وہ آپ کا باپ ہی کہلاتا تھا اور عربی میں ابُ ہر بزرگ کو کہہ دیتے ہیں۔ آج بھی اہل عرب ہر بزرگ کو اُبوی (میرا باپ) کہہ کر پکارتے ہیں۔ لہذا واغفر لابی سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ کا سگا باپ بت پرست اور گمراہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آزر تو آپ کے دورِ قیامِ عراق ہی میں مر گیا تھا پھر آپ ہجرت کر کے فلسطین گئے پھر ارضِ مکہ میں آئے یہاں عمر کے آخری حصہ میں آپ نے کعبہ بنایا اور اس کے بعد دعا کی: **رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَي**۔ ”اے اللہ! میری اور میرے والدین کی بخشش فرما۔“ (ابراہیم: ۴۱) یہ دعا آزر کے لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس سے پہلے کفر پہ مر چکا تھا اور فلماً تبين له انه عدو لله تبرأ منه۔ (توبہ ۱۱۳) کے مطابق آپ اس کے لئے یہ دعا نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً یہ دعا آپ کے سگے ماں باپ کے لئے تھی اسی لئے ابُ کی بجائے وَالِدَي فرمایا گیا اور والد صرف سگے باپ کو کہتے ہیں۔

آگے ابراہیم ﷺ نے مزید دعا فرمائی کہ اے اللہ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿۲﴾ مجھے روزِ قیامت رسوا نہ فرمانا جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ یہ دعا تعلیمِ امت کے لیے ہے ورنہ انبیاء کرام تو روزِ قیامت بلاشبہ عزت و عظمت کے اعلیٰ مقام پر ہونگے۔ یعنی اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان کو روزِ قیامت کی شرمندگی سے بچنے کے لیے کس طرح دعا کرنی چاہیے۔

اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ تعلیمِ امت کے لیے کثرتِ استغفار فرماتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **فَوَاللّٰهِ اِنِي لَا اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاتُوبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً**

”اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔“ (بخاری کتاب الدعوات حدیث ۶۳۰۷) یہ محض تعلیم امت کے لیے ہے تاکہ امت کو توبہ واستغفار کی اہمیت معلوم ہو اور وہ کثرت سے استغفار کیا کریں۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ تو روز قیامت بخشواؤں والے ہیں۔ آپ ﷺ ہی کے دست کرم سے روز قیامت باب شفاعت کھلے گا۔ تو اس میں یہ تعلیم ہے کہ امت میں سے کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی یہ دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں کہ میں روز قیامت لوگوں کو یوں بخشواؤں گا اور یوں ان کو جنت میں لیجاؤں گا۔ یہ دعویٰ تو کوئی پیغمبر کر سکتا ہے جو معصوم ہے، اور جس کو بذریعہ وحی احوال آخرت بتائے گئے ہیں۔ ایسا دعویٰ کسی صحابی رسول ﷺ نے نہ کیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو یوں بخشواؤں گا وغیرہ۔ حالانکہ صحابہ کرام کے لیے قرآن کریم نے اعلان بخشش فرمایا۔

(وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ، حدید، ۱۰)

[27] روز قیامت کافر کو اس کا مال اور اس کی اولاد کچھ فائدہ نہیں دے گی مگر جو اللہ کے پاس کفر و شرک سے پاک اور ایمان سے بھرپور دل لے کر آیا اس کا یہ حال نہ ہوگا۔ یعنی مومن کو روز قیامت اس کا مال بھی نفع دے گا اور اس کی اولاد بھی۔ جیسے فرمایا گیا: وَمَا تُقَدِّمُوا إِلَّا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ط ”تم اپنے لئے جو چیز بھی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پالو گے۔“ (بقرہ: ۱۱۰)

اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ مومن کے تین اعمال منقطع نہیں ہوتے۔ ”نیک اولاد جو اسکے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ اور نفع رساں علم۔“ (مسلم کتاب الوصیہ حدیث ۱۴)

وَأَزَلِفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۙ وَبَرَزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ ۙ وَقِيلَ لَهُمْ

اور جنت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائیگی اور جہنم کو گمراہوں پر ظاہر کیا جائیگا [28] اور انہیں کہا جائے گا

أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۙ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۖ

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ کدھر ہیں کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے یا خود کو بچا سکتے ہیں؟

فَكُذِّبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۙ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۖ قَالُوا وَهُمْ

تو جہنم میں انہیں اور گمراہوں کو اوپر تلے پھینکا جائے گا اور ابلیس کے سب لشکروں کو بھی۔ [29] تب گمراہ لوگ

فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۙ تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۙ إِذْ نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ

وہاں (اپنے بتوں سے) جھگڑتے ہوئے کہیں گے، اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ جب ہم تمہیں رب کائنات سے

الْعَالِينَ ۙ

برابر ٹھہراتے تھے۔ [30]

[28] متقین کو دور چل کر جنت تک نہیں جانا پڑے گا بلکہ جنت ان کے قریب کر دی جائے گی اور دوزخ کو کفار پر ظاہر کیا جائے گا تو وہ اس کی دہشت سے کانپ اٹھیں گے پھر انہیں مار مار کر وہاں لے جایا جائے گا اور وہ نہیں جانا چاہیں گے۔

[29] بت پرستوں، ان کے بتوں اور انہیں بت پرستی پہ لگانے والے شیاطین کو اکٹھا اوپر تلے جہنم میں پھینکا جائے گا۔ بت جہنم میں سزا پانے کے لئے نہیں جائیں گے کیونکہ وہ بے شعور و بے گناہ ہیں بلکہ وہ بت پرستوں کو عذاب دینے کے لئے جائیں گے۔ بتوں کو تپا تپا کر ان سے ان کے پوجنے والوں کے جسم داغے جائیں گے۔

[30] بت پرست جہنم میں اپنے بتوں سے کہیں گے واللہ جب ہم تمہیں دنیا میں ر العالین کے برابر ٹھہراتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح تمہاری عبادت کرتے اور اللہ کی طرح تمہیں درجہ خدائی پہ فائز جانتے تھے۔ اس وقت ہم بہت ہی گمراہ تھے۔ معلوم ہوا شرک یہ ہے کہ غیر خدا کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کیا جائے اور ایسا کوئی کافر ہی کر سکتا ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ تمام قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے نیک بندے انبیاء و اولیاء اور ملائکہ اللہ کے ہاں ہمارے لئے صرف وسیلہ بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کر سکتے ہیں رہا مشکل کا آسان کرنا تو یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قسم بخدا مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد میری امت شرک میں مبتلا ہوگی۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۴۴)

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيقٍ

اور ہمیں مجرم لوگوں ہی نے گمراہ کیا، اب ہمارے لیے کوئی سفارشی نہیں اور نہ کوئی غمخوار دوست ہے۔ اگر ہمیں

حَمِيمٌ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط

واپس پلٹنے دیا جاتا تو ہم مومنین میں سے ہوتے۔ [31] بے شک اس میں بڑی نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

اور کفار میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپکا رب ہی غالب ہے رحمت والا ہے۔ [32]

[31] کفار جب دیکھیں گے کہ مومنوں کے لئے باب شفاعت کھلا ہوا ہے تو وہ حسرت سے کہیں گے آج ہمارا کوئی

شفاعت کرنے والا یا غمخوار دوست نہیں۔ یعنی روز قیامت شفاعت صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ اس لئے حضرت

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص جنت میں کہے گا میرا فلاں دوست کہاں گیا؟

وہ جنت میں نہیں۔ معلوم ہوگا وہ دوزخ میں ہے وہ پریشان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے دوست کو بھی جنت میں

لے آؤ پھر دوزخ میں وہی (کافر لوگ) رہ جائیں گے جن کا کوئی سفارشی اور غمخوار دوست نہ ہوگا۔“ (بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۲۱)

اسی لئے حضرت حسن تابعی فرمایا کرتے تھے کہ ”مومن دوست زیادہ بنایا کرو کہ روز قیامت انہیں حق شفاعت ملے

گا۔“ (اور کسی نہ کسی کی شفاعت کام آ ہی جائے گی) (حوالہ مذکورہ)

[32] یعنی واقعہ ابراہیم علیہ السلام میں بت پرستوں اور کفار کے لئے بڑی نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں

ہیں اور آپ کا رب غالب ہے وہ انہیں عذاب دے گا اور وہ رحیم ہے اس لئے اس نے انہیں دنیا میں مہلت دے رکھی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ ۙ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ

قوم نوح (ﷺ) نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے قومی بھائی نوح (ﷺ) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ [33] اور میں اس پر تم سے

مِنْ أَجْرٍ ۚ إِن أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ

کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب کائنات کے ذمے ہے تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قَالُوا أَنْوُثُ مِنْكَ وَاتَّبِعَكَ الْأَرْضُ ذَلُولًا ۚ قَالَ وَمَا عَلَيَّ بِمَا كَانُوا

وہ کہنے لگے کیا ہم تیری بات مانیں جبکہ ذلیل لوگوں نے تیری پیروی کی ہے۔ آپ نے کہا مجھے کیا علم کہ

يَعْمَلُونَ ۚ إِنَّ حِسَابَهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ۚ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

وہ کیا کرتے ہیں، ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے اگر تم سمجھو اور میں مومنوں کو (اپنے پاس سے)

الْمُؤْمِنِينَ ۚ إِن أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ

اٹھا نہیں سکتا۔ میں تو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ [34]

قوم نوح علیہ السلام کی سرکشی اور تباہی

[33] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا وہ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کے باعث ان کا ذکر پہلے کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں سے انکار کیا۔ حالانکہ انہوں نے ایک ہی رسول (حضرت نوح) سے انکار کیا تھا مگر اسے سب رسولوں سے انکار قرار دیا گیا کیونکہ سب رسولوں کی ایک ہی دعوت ہے (توحید و رسالت کا ماننا) تو ایک رسول سے انکار سب رسولوں سے انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قوم نوح کے قومی بھائی نوح علیہ السلام نے انہیں کہا تم شرک و کفر کرتے ہو۔ عذاب الہی سے کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں یعنی اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں کوئی خیانت نہیں کرنا یا یہ معنی ہے کہ میں نے آج تک کسی انسان سے خیانت نہیں کی تو اللہ کے بارے میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور

Marfat.com

کون افضل ہے اور میں ایسا نہیں کر سکتا کہ ان ایمان والے غرباء کو اپنے پاس سے اٹھا کر تمہیں اپنے پاس بٹھاؤں۔ میں تو کھلا ڈرانے والا رسول ہوں یعنی میں کوئی سیاسی لیڈر نہیں ہوں کہ سرمایہ دار طبقہ کو اپنے ساتھ ملانا میری مجبوری ہو۔ لہذا اگر تم ان غرباء کے ساتھ بیٹھنا چاہو تو بیٹھو ورنہ چلے جاؤ۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) مذمت تکبر: قوم نوح کے امراء نے غریب مسلمانوں کو بنظر حقارت دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن میں پھٹکار ڈالی۔

(۲) کسی پیشہ کو حقیر سمجھنا طریقہ کفار ہے: قوم نوح علیہ السلام کے سرمایہ داروں نے موچیوں، بھنگیوں اور رنگسازوں کو اپنے سے کم تر جانا مگر اللہ اور اس کے رسول نے ایمان کی وجہ سے انہیں ان سرمایہ داروں سے بہتر قرار دے کر قرب خاص دیا اور سرمایہ داروں کو دھتکار کر بارگاہ سے نکال دیا۔

(۳) امراء کے پیچھے بھاگنے والے علماء و مشائخ کی مذمت: نوح علیہ السلام نے سرداروں اور مالداروں کو بھگا دیا اور غریب مومنوں کو اپنے قرب سے محروم نہ کیا۔ آج زر پرست علماء و مشائخ بد عمل امراء و حکام کے گرد طواف کر کے ان کی بد عملی اور تکبر میں اضافہ کرتے اور دین کی اہانت کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ رسول اکرم ﷺ سے بھی کفار مکہ نے یہی کہا تھا کہ ہم ان غریب و نادار مسلمانوں کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھ سکتے لہذا آپ ﷺ ان کو تھوڑی دیر کے لیے اٹھا دیں۔ اللہ نے فوراً آیت نازل کر کے آپ سے فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ اے نبی کریم (ﷺ) آپ ان مومنوں کو مت دور کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور رضاء الہی کے طلبگار رہتے ہیں۔“ (انعام، ۵۲)

قَالُوا لَيْنَ لَمْ تَنْتَهِ يَنُوحٌ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنَّ

انہوں نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کر دیئے جاؤ گے، آپ نے کہا: اے میرے رب!

قَوْمِي كَذَّبُونُ ۖ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ

میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا تو تو میرے اور ان کے مابین فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے مومن

الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۖ ثُمَّ أَغْرَقْنَا

ساتھیوں کو بچا لے۔ تو ہم نے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بھری کشتی میں بچالیا پھر اس کے بعد ہم نے

بَعْدُ الْبَاقِينَ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ

باقی لوگوں کو غرق کر ڈالا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور کفار میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور آپ کا

رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ

رب غالب ہے رحم والا ہے۔ [35]

[35] قوم کے سرداروں نے نوح علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تم ہمارے بتوں کے خلاف تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! اب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یعنی کفار پر اپنا عذاب اتار دے اور مجھے اور مومنوں کو بچا لے۔ کیونکہ کفار نے مجھے مکمل جھٹلا دیا ہے اور آپ علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ تبلیغ سے صرف 72 یا 80 افراد ایمان لائے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ یعنی اللہ نے اس کشتی میں آپ علیہ السلام کو اور مومنوں کو نجات دی جو ہر قسم کے جانوروں، درندوں اور پرندوں کے ایک ایک جوڑے سے بھری ہوئی تھی اور پھر باقی سب انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ انسان تو اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور انسانوں کا وبال جانوروں پہ بھی آ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ: ”لوگ جو کرتوت کرتے ہیں اس کی وجہ سے خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہوتا ہے۔“ (روم: ۴۱)

كَذَبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٧﴾ إِنِّي

قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ [36] جب ان سے ان کے قومی بھائی ہود (ؑ) نے کہا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو بے شک

لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٣٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرَهُ ﴿٣٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

میں امانت دار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو اور میں اس پر تم سے کوئی

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٠﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً

اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف رب کائنات کے ذمے ہے۔ [37] کیا تم ہر بلندی پر نشان تعمیر کرتے ہو کہ

تَعْبَثُونَ ﴿٤١﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذَا بَطِشْتُمْ

عبث کام کرو اور مضبوط مکانات بناتے ہو تاکہ ہمیشہ رہو اور جب (کسی قوم کو) پکڑتے ہو تو

بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرَهُ ﴿٤٤﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا

بے رحمانہ پکڑتے ہو؟ [38] تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس رب سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی جو تم

تَعْلَمُونَ ﴿٤٥﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿٤٦﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٧﴾ إِنِّي أَخَافُ

جانتے ہو، اس نے جانوروں، بیٹوں، باغات اور چشموں سے تمہاری مدد کی۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر

عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٤٨﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ

بڑے دن کا عذاب آجائے گا۔ کہنے لگے: اے ہود ہمارے لیے برابر ہے کہ تم ہمیں نصیحت

تَكُنْ مِنَ الْوَعِظِينَ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٠﴾ وَمَا نَحْنُ

کرو یا نہ کرو، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں

بِمُعَذِّبِينَ ﴿٥١﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ﴿٥٢﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط وَمَا كَانَ

آنے والا۔ [39] انہوں نے ہود (ؑ) کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور اکثر لوگ

أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾

ایمان نہیں لانے والے اور بے شک آپ کا رب غالب ہے رحمت والا ہے۔ [40]

دین اسلام کے خلاف عاد و ثمود کی سرکشی اور ان کی تباہی

[36] قوم نوح علیہ السلام کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ مزید قومیں بسائیں۔ قوم نوح حدودِ عراق اور اس کے آس پاس جزیرۃ العرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب یہ قوم غرق ہو گئی تو اللہ رب العزت نے انہی علاقوں میں نئی قومیں آباد کیں۔ قوم نوح کا زمانہ 3800 قبل مسیح کے قریب ہے۔

مروی ہے کہ عاد اور ثمود نوح علیہ السلام کے دو پوتے تھے۔ عاد یمن میں آباد ہوا اور ثمود شام میں ان سے دو قومیں آباد ہوئیں اور دونوں کا نام ان کے بزرگوں کے نام سے پکارا گیا۔ دونوں قوموں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی فراوانی عطا کی، چشمے، باغات، کھیت جانوروں اور اولاد وغیرہ کی کثرت ہوئی۔ اسباب دنیا کی کثرت نے ان میں اخلاقی و اعتقادی بگاڑ پیدا کر دیا۔ اور یہی قوموں کے عروج و زوال کی کہانی ہے جب بھی کوئی قوم فتنہ فساد میں حد سے گزرتی ہے تو اللہ ان کی تباہی کے اسباب بنادیتا ہے۔

تب قوم عاد میں سے ایک نیک سیرت انسان حضرت ہود علیہ السلام کو اور قوم ثمود میں ایک متقی شخص حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی۔ اس جگہ اخوہم ہود اور اخوہم صالح کہہ کر کفار مکہ کو متنبہ کیا گیا کہ اگر انہی میں سے ایک شخص (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو منصب رسالت سے نوازا گیا ہے تو یہ مقام تعجب نہیں۔ پہلے انبیاء بھی اپنی اپنی قوم ہی کے افراد ہوتے تھے۔

[37] حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تمہارے پاس امانت دار رسول بن کر آیا ہوں لہذا اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی توحید پر ایمان لاؤ اور میری رسالت پر ایمان لاتے ہوئے میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر مجھے میرا رب دے گا۔ یعنی تم ایک بے لوث مخلص سچے داعی حق کی بات کیوں نہیں سنتے؟ یہی الفاظ گزشتہ رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کے حوالے سے مذکور ہوئے اور آئندہ رکوعات میں صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے حوالوں سے مذکور ہوں گے۔ گویا ہر نبی کا ایک ہی طریقہ دعوت تھا۔

بلا معاوضہ تبلیغ دین اصل وراثت نبوت ہے

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ كَالْفَاظِ يَهَا قِصَّةُ نُوْحٍ، قِصَّةُ هُوْدٍ، قِصَّةُ صَالِحٍ، قِصَّةُ لُوطٍ اور قِصَّةُ شُعَيْبٍ

ﷺ میں بار بار دہرایا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی نے تبلیغ دین کو حصولِ معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور انبیاء کے سچے وارث علماء کا بھی یہی شیوہ ہے۔ لہذا تبلیغ پر سودے بازی کرنے والوں کا وراثتِ انبیاء سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم علماء و مدرسین اپنی امامت و خطابت اور تدریس کے بدلہ میں جو تنخواہ لیتے ہیں وہ اصل میں ان کے وقت کا معاوضہ ہے جو انہوں نے امامت و تدریس کے سلسلہ میں صرف کیا۔ اس پہ کئی بار بحث ہو چکی ہے۔

سچا نبی دین کو حصولِ مال کا ذریعہ نہیں بناتا

جھوٹے نبی حصولِ مال ہی کے لئے دعویٰ نبوت کرتے ہیں جیسے مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ کبھی مجھے دس روپے ماہوار ملنے کی توقع نہیں ہوتی تھی اور اب تین لاکھ کے قریب روپیہ آچکا ہے۔

(حقیقۃ الوحی مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ لندن)

یعنی اس کا حقیقی مقصد اس کی زبان پر آ ہی گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ویسے ہی بند کر دیا گیا ہے، اب آپ ﷺ کے بعد جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ کذاب ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کذابین کے کذب کو ان کی حالت ہی سے ظاہر فرما دیتا ہے۔

[38] قوم عاد کے لوگ بلند مقامات مثلاً پہاڑوں کی چوٹیوں پر مکانات تعمیر کرتے تھے جو بیکارو بے مقصد ہوتے کوئی ان میں رہتا نہ تھا۔ وہ صرف اظہارِ فخر و کبر کے لئے بنائے جاتے تھے جبکہ رہائش کے لئے وہ دوسرے مضبوط و مرتفع مکانات بناتے تھے گویا وہ متکبر لوگ تھے اور دوسری قوموں کو جب پکڑتے تو بے رحمانہ پکڑتے۔

اونچا اور اچھا مکان بنانا کہاں درست ہے کہاں نہیں

اس جگہ سے معلوم ہوا کہ محض شہرت و ناموری کے لئے بلند مکانات بنانا گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک اونچا قبہ دیکھ کر اظہارِ ناراضگی فرمایا تو اس کے مالک نے اسے فوراً گرا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر عمارت ایک وبال ہے سوا اس کے جو ضرورت کے لئے ہو اور اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔“ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۵۷) شارحین حدیث کے مطابق وہ قبہ بے مقصد بنایا گیا تھا۔ محض اظہارِ بڑائی کے لئے اس لئے وہ آپ ﷺ کو ناپسند آیا ورنہ اپنے رہنے کے لئے اچھا مکان بنانا بُرا نہیں۔ ارشاد رسول ﷺ ہے: ”جب اللہ تجھے مال دے تو تجھ پر اللہ کی نعمت کا اثر بھی نظر آنا چاہیے۔“ (ابوداؤد کتاب اللباس باب ۱۴) لہذا اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال حلال دیا ہے اور وہ اس میں سے اچھا مکان بناتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

[39] حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو اللہ کے عذاب سے بہت ڈرایا اور انہیں کفر و معاصی سے روکنے کی کوشش کی اور

اللہ کی نعمتوں کی فراوانی یاد دلا کر بھی انہیں اللہ کی بندگی کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر اس متکبر ضدی قوم نے کہا اے ہود! تمہارا ہمیں وعظ کرنا یا نہ کرنا ہمارے لئے برابر ہے اور جو تم عذاب کی باتیں کرتے ہو یہ پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں یعنی ہمارے آباء و اجداد کو بھی تمہارے جیسے بعض لوگ عذاب کی ایسی ہی دھمکیاں دیتے تھے مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ لہذا ہم پر بھی کوئی عذاب نہیں آنے والا۔

[40] آخر قوم عاد پر عذاب آ گیا اور طوفانی ہوانے انہیں اٹھا اٹھا کر زمین پر سر کے بل مارا اور ان کے سروں کے بھیجے بکھر گئے۔ سورہ احقاف رکوع 3 میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس قوم کی ہلاکت میں منکرین کے لئے بڑا نشان عبرت ہے مگر اکثر منکرین ایمان نہیں لاتے اور تمہارا رب غالب ہے یعنی انہیں دنیا میں عذاب دے سکتا ہے مگر نہیں دیتا کیونکہ وہ رحیم بھی ہے اس نے اپنی رحمت سے کفار کو دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ

توم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان رسالہ خوں پہنچا تو انہوں نے انہیں

لَكُمْ رَسُولٌ آمِينٌ ﴿٣٦﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں، تو اللہ سے ڈرو۔ اور تمہارے

أَجْرُ إِنُّ أَجْرِي إِلَّا كُنَّا فِي أَوْتَارٍ

میرا اجر تو صرف رب کا نکتہ ہے کہ جسے میں کہتا ہوں کہ میرا اجر

فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٣٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

باغات، چشموں، کھیتوں اور درختوں میں۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اور تمہارے

الْجِبَالِ بَيْوتًا مُّزَيَّنًا ﴿٣٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

پہاڑوں میں ماہرانہ انداز میں گھرتے ہوئے گھروں کا۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اور تمہارے

الْمُسْرِفِينَ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ

حکم مت مانو جو زمین میں فساد کرتے ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اور تمہارے

إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَرِينَ ﴿٤٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

اے صالح! تم تو بس جادو سے متحرک ہو رہے ہو۔ تو اللہ سے ڈرو۔ اور تمہارے

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٤١﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

تو کوئی نشانی لاؤ آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ اتنی ہے کہ اس کے لیے ایک اور تمہارے لیے ایک

مَعْلُومٍ ﴿٤٢﴾ وَلَا تَحْسَبُوا

مقرر دن کا۔ [42] اور اسے بڑی سیٹھ سمجھو کہ تمہارے لیے ایک اور تمہارے لیے ایک

انہوں نے اٹھی کے بازار کا رخ کر لیا۔ وہاں پر بھی انہیں عذاب نے آپکڑا۔ بے شک اس میں

بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور آپ کا رعب یقیناً غالب ہے رحم والا ہے۔ [43]

[illegible]

یہاں دو بار کھانڈوا اللہ واپس لے لیا۔ ﴿۱۵﴾ ابراہیمؑ ان میں فرق یوں کیا جاسکتا ہے کہ پہلی بار اس سے عقائد میں رسول کی طاعت اور دوسرے بار اس سے اس کی اطاعت کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا اے لوگو! جو سے بڑے خدا ہے، اس سے سزا دینا اور اس سے بڑا فساد کیا ہے کہ اللہ کی عزت سے تم کو سزا دینا۔ ﴿۱۶﴾

[42] تم ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہو جاؤ۔ تم کو بھی یہی سچا اور آگرم سچے ہو تو اپنی رسالت پر کوئی نشانی لاؤ۔

[illegible]

۱۰۰۔ اے ایمان والو! تم کو کفار کا طریقہ ہے۔ لہذا اہل ایمان کو

کفار کا طریقہ نہیں اپنانا چاہیے۔

[43] حضرت صالح علیہ السلام نے کہا اے قوم! اس اونٹنی کو تکلیف مت پہنچانا ورنہ تمہیں عذاب آ پکڑے گا مگر ان پر بدبختی غالب آئی۔ انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ تب اس قوم پر شدید زلزلہ آیا۔ اوپر سے ایک فرشتے نے زوردار چیخ ماری جس کی دہشت سے ساری قوم کے کلیجے پھٹ گئے اور کوئی زندہ نہ بچا اس طرح یہ بدبخت قوم اپنے انجام کو پہنچی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا

لُوط (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے قومی بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے

تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ وَمَا

نہیں ہو؟۔ [44] میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (تبلیغ) پر

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ أَتَأْتُونَ

تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب کائنات کے سوا کسی پر نہیں ہے۔ کیا تمام جہانوں میں سے تم ہی

الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ

مردوں سے ہم جنسی کرتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو پیدا کیا اسے

أَزْوَاجَكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۚ

چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے بڑھنے والی قوم ہو۔ [45]

حضرت لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوموں کی سرکشی اور بربادی

[44] حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام نے نارِ نمرود سے نجات پائی تو لوط علیہ السلام کو ساتھ لیکر وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٤١﴾ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کو اس زمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہانوں کے لیے برکت رکھی ہے۔ (انبیاء: ۷۱) پھر لوط علیہ السلام کو نبوت دی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بستی سدوم میں تبلیغ کے لیے بھیجا۔ یہ بستی فلسطین کے قریب ہی تھی۔ اس جگہ اخوہم لوط میں اخوتِ نسبی مراد نہیں بلکہ اخوتِ صحبت مراد

ہے اور ہر زبان میں ساتھی کو بھائی کہا جاتا ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ لوط علیہ السلام اہل سدوم میں سے نہ تھے بلکہ باہر سے وہاں تشریف لے گئے تھے۔

[45] اہل سدوم کفر و شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی میں مبتلا تھے یعنی مرد مردوں سے جنسی فعل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی بیویوں سے بھی پچھلا راستہ استعمال کرنے کی گندی عادت رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا تمام جہانوں میں صرف تم ہی ہو جو مردوں سے جنسی فعل کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری عورتوں میں تمہارے لئے جو حلال ذریعہ بنایا ہے اسے ترک کرتے ہوئے حرام ذریعہ اختیار کرتے ہو۔ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔ یعنی تمہارے سوا تمام جہان میں کوئی مخلوق یہ فعل نہیں کرتی۔ کوئی جانور یہ عمل نہیں کرتا گویا تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ البتہ سنا گیا ہے کہ خنزیروں میں نر سے جنسی فعل کرتے ہیں گویا اہل سدوم میں خنزیروں کی صفت آگئی تھی۔

بیوی سے لواطت کی حرمت اور اہل تشیع کا اسے جائز سمجھنا

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاجِكُمْ ۖ سَے معلوم ہوا بیوی سے اسی ذریعہ سے مباشرت حلال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ دوسرا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص ملعون ہے جو بیوی کی دُبرا استعمال کرے۔

(ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۵، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۴۴)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو کسی مرد یا عورت کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے۔“ (سنن ترمذی کتاب النکاح حدیث ۱۱۶۵)

جبکہ اہل تشیع بیوی سے لواطت کرنے کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ بڑی گمراہی ہے۔ چنانچہ شیعہ راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ میں اپنی لونڈی کی دُبرا استعمال کرتا ہوں پھر میں نے نذر مانی کہ اگر میں آئندہ ایسا کروں تو میں ایک درہم صدقہ کروں گا۔ اب میں صدقہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا: ”تجھ پہ صدقہ لازم نہیں کیونکہ یہ تجھ پہ ویسے ہی حلال ہے۔“ ایک اور شخص روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا: ”جب کوئی شخص اپنی بیوی کی دُبرا استعمال کرے اور بیوی نے روزہ رکھا ہو تو نہ بیوی کا روزہ ٹوٹے گا نہ اس پہ غسل لازم ہے۔“ ایک اور شخص نے امام جعفر سے پوچھا کہ جو شخص اپنی بیوی کے پچھلے راستہ کو استعمال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: ہو احد المأتین فیہ الغسل، ”دُبرا بھی وطی کے دو مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ بس اس پہ غسل لازم ہے۔“

(تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۳۲ کتاب النکاح مطبوعہ دارالاحتیاج نجف اشرف)

ایک شیعہ راوی حسین بن علی بن یقطين کہتا ہے میں نے امام ابو الحسن (امام نقی علیہ السلام) سے پوچھا کہ جو شخص بیوی کا پچھلا راستہ استعمال کرے اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: اس کو تو قرآن کی آیت نے حلال کیا ہے۔ لوط علیہ السلام نے قوم سے کہا: هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَظْهَرُ لَكُمْ يَهِي ميري بیٹیاں لے لو (ان سے نکاح کر لو) یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں اور

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ ؕ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنسی عمل صرف بیوی کے ساتھ حلال ہے اور کسی مرد یا عورت سے حلال نہیں ہے۔ جبکہ اہل تشیع متعہ والی عورت کو بیوی نہیں سمجھتے نہ اسے بیوی کے حقوق دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک متعہ والی عورت مرد کی وارث نہیں ہے۔ اسے طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ متعہ کے لئے جتنا وقت طے ہوا تھا اس کے ختم ہونے سے متعہ ختم ہو جاتا ہے اور متعہ کے لئے چار عورتیں رکھنے کی پابندی نہیں بلکہ چار بیویوں کے علاوہ متعہ کے لئے ہزار عورتیں رکھی جاسکتی ہیں۔ جب اسے بیوی والے حقوق حاصل نہیں تو وہ بیوی کیسے قرار پا سکتی ہے اور قرآن نے ازواج کے سوا کسی عورت سے جنسی عمل کا جواز نہیں رکھا۔ تو پھر متعہ کی حرمت میں کیا شک ہے؟

وہ کہنے لگے اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور تم بستی سے نکال دیے جاؤ گے آپ نے فرمایا بے شک میں

تمہارے عمل سے سخت بیزار ہوں، اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو انکے عمل سے نجات دے دے۔ [46] تو ہم نے

اسے اور اس کے تمام اہل کو بچا لیا سوا بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو تباہ کر دیا

اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کی تو جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کی بارش کتنی بری تھی۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے

اور کفار میں سے اکثر ایمان نہیں لانے والے اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔ [47]

[46] اہل سدوم نے کہا اے لوط (علیہ السلام) اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں پہلے ہی تمہارے عمل سے بہت بیزار ہوں پھر آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! مجھے اور میرے اہل یعنی گھروالوں اور تبعین کو اس قوم کے عمل سے نجات دے دے یعنی ایسی جگہ پہنچا دے کہ ہمیں ان کے عمل بد کی خبر نہ ہو۔ [47] تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو آپ کے اہل خانہ اور تبعین کے ساتھ اس بستی سے بحفاظت نکال لیا۔ البتہ آپ کی بوڑھی بیوی نہ بچ سکی کیونکہ وہ قوم کے فعل بد سے راضی تھی۔ اسی لئے جب جبرائیل و میکائیل علیہما السلام دوخوہرہ و نو جوانوں کی صورت میں مہمان بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو اسی بوڑھی عورت نے جا کر قوم کو خبر دی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس دوخوہرہ و نو جوان آئے ہیں۔ چنانچہ جب اہل سدوم پر عذاب آیا تو اس بوڑھی عورت کو بھی ایک پتھر آگیا اور وہ ڈھیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے اس بستی کو اپنے پر پراٹھایا اور واپس الٹا کر پھینک دیا اور جو لوگ ان میں سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے وہ جہاں جہاں تھے ان پر آسمان سے پتھر آگرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جَعَلْنَا عَلَیْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیلٍ ۖ ”ہم نے اس بستی کو اوپر سے نیچے کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھروں کی برسات کی۔“ (ہود ۸۲)

اس سے معلوم ہوا لواطت پسند شخص کی سزا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو مار دیا جو اس فعل میں مبتلا تھی اور جو شخص برغبت لواطت کروائے اس کی بھی یہی سزا ہے البتہ جس سے قتل یا قطع اعضاء کی دھمکی سے لواطت کی جائے یا کم سن بچہ جو اپنی رغبت نہیں بتا سکتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٤٨﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٤٩﴾

ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب (ؑ) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟۔ [48]

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿٤٨﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا عَمَلَكُمْ عَلَيْهِ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس پر تم سے

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٨﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا

کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر رب کائنات کے سوا کسی کے ذمے نہیں ہے ناپ پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے

مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿٤٩﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَبْخَسُوا

مت بنو اور سیدھے ترازو سے وزن کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے

النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٥١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي

مت دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ [49] اور اس رب سے ڈرو

خَلَقَكُمْ وَالْجِبَلَةَ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا

جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے تم ایک جادو زدہ شخص کے سوا کچھ نہیں ہو اور تم

أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَذِبِينَ ﴿٥٤﴾

ہمارے جیسے ایک بشر ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ [50]

[48] ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ بستی شہر مدین سے جہاں حضرت شعیب (ؑ) رہتے تھے، پچاس کلومیٹر

دور تھی۔ حضرت شعیب (ؑ) نسباً اہل مدین میں سے تھے۔ البتہ مدین سے قریب ہونے کی وجہ سے ایکہ والوں کی طرف

بھی آپ ہی کو مبعوث کیا گیا۔ اسی لئے یہاں ایکہ والوں کی نسبت سے اخوہم شعیب نہیں کہا گیا بلکہ إِذْ قَالَ

لَهُمُ شُعَيْبٌ کہا گیا اور چونکہ آپ نسباً اہل مدین میں سے تھے اس لئے قرآن میں فرمایا گیا: وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ

شُعَيْبًا (ہود: ۸۴) یہ وہی حضرت شعیب (ؑ) ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ (ؑ) دس برس رہے اور انہوں نے اپنی بیٹی

کا موسیٰ (ؑ) سے نکاح کیا۔

[49] اہل مدین اور اہل ایکہ دونوں ناپ تول میں کمی کی برائی میں مبتلا تھے۔ چونکہ یہ سرسبز علاقہ تھا (اسی لئے اس بستی کا نام ایکہ پڑا یعنی درختوں کا جھنڈ) اور یہاں اناج اور پھل بکثرت ہوتا تھا تو اس پاس کے لوگ یہاں خریداری کے لئے آتے تھے ان لوگوں نے وزن کے پیمانوں کو رگڑ کر چھوٹا کیا ہوا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے اہل ایکہ! لوگوں کا ناپ پورا کیا کرو سیدھے ترازو سے وزن کیا کرو اور لوگوں کو ان کا سودا کم کر کے نہ دیا کرو اس طرح زمین پر فساد پھیلے گا کیونکہ خرید و فروخت میں دھوکہ دہی کرنے سے لڑائی جھگڑے اور خوں ریزی بھی ہو سکتی ہے اور ایسی قوم سے اللہ برکت اٹھا لیتا ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا گناہ

قرآن مجید میں ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝۱ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝۲ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝۳ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝۴ ”ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے، کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو تول یا ناپ کر دیں تو اس میں کمی کر دیتے ہیں، کیا یہ لوگ جانتے نہیں کہ انہوں نے قیامت کے دن اٹھایا جانا ہے؟“ (مطففین، ۱)

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑا ہے کہ کیا ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو علم نہیں کہ روز قیامت آنے والا ہے جب ایک ایک پائی کا حساب ہو جائے گا؟ مگر افسوس آج ناپ تول میں کمی مسلمانوں میں عام پھیل گئی ہے مگر ان پر وہ عذاب اس لیے نہیں آ رہا جو قوم شعیب علیہ السلام پر آیا تھا کیونکہ حضور رحمت کائنات ﷺ کی آمد کے بعد تباہ کن عذابات کا نزول کفار پر بھی بند کر دیا گیا ہے۔ چہ جائے کہ اہل ایمان ہوں۔ لیکن عذاب آخرت تیار ہے۔

[50] الْجِبَلَةُ کا معنی جماعت ہے جیسے قرآن میں ہے: وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ ”شیطان نے تم میں سے بہت سی جماعتوں کو گمراہ کر دیا۔“ (یس: ۶۲) یعنی حضرات شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ لوگوں نے کہا اے شعیب! تم ہمیں بس ایک جادو زدہ شخص نظر آتے ہو یعنی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور تم ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو تم میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں لہذا ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ

(شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا) اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دو آپ نے فرمایا میرا رب تمہارے عمل سے واقف ہے۔

رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُم عَذَابٌ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط

انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا۔

إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر

مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ع ۝

ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے رحم والا ہے۔ [51]

[51] اہل ایکہ نے کہا اے شعیب! اگر تم سچے نبی ہو تو اللہ سے کہو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا کر ہمیں تباہ کر دے۔ وہ کیسے بد عقل تھے انہیں یوں کہنا چاہئے تھا اے شعیب! اگر تم سچے نبی ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہو وہ ہمیں ہدایت کے راستے پر لے آئے اگر وہ ایسا کہتے تو ہدایت پا جاتے۔ جب انہوں نے اپنے لئے عذاب مانگا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے یعنی وہ جب چاہے گا عذاب لے آئے گا۔ چنانچہ ان پر عذاب آ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کی گرم ہوا بھیجی جو ان پر سات دن تک مسلسل چلتی رہی ان کے گھرتپ گئے چشمے اور کنوئیں ابلنے لگے، لوگ گھروں سے بھاگ اٹھے اور بھاگتے پھرے ان کے پاؤں کے چمڑے اتر گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان پر سیاہ بادل بھیجا وہ سمجھے بارش ہونے والی ہے وہ سب بادل کے نیچے آ گئے تب وہ ان پر گر پڑا اور وہ ہلاک ہو گئے انہوں نے خود کہا تھا اے شعیب! ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ

اور بلاشبہ یہ قرآن رب کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہے اسے روح امین (علیہ السلام) لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر اترے

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝

تاکہ آپ ڈرسانے والے ہوں، فصیح عربی زبان میں۔ [52]

صداقت قرآن اور حقانیت رسالت محمدیہ

[52] گزشتہ رکوعات میں انبیاء سابقین کا ذکر ہو رہا تھا اب اس سورت کے آخری رکوع میں سب انبیاء کے آخر میں آخری پیغمبر محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ آپ کے آخری نبی و رسول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ قرآن مجید رب کائنات کی اتاری ہوئی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر فصیح عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرسانے والے بنیں۔ جبرائیل علیہ السلام کو روح امین کہنا اس لئے ہے کہ آپ سراپا روح ہیں کیونکہ آپ صاحب وحی ہیں آپ نے سب انبیاء پر وحی اتاری اور آپ فرشتوں پر اللہ کی وحی مسلسل اتارتے رہتے ہیں اور وحی کو اللہ تعالیٰ نے روح قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يُلْقَى الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ۔ ”اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے روح اتارتا ہے۔“ (غافر ۱۵) یاد رہے وحی کو اس لئے روح کہتے ہیں کہ جیسے روح سے جسموں کی زندگی ہے یونہی وحی سے قلوب کی زندگی ہے۔ تو وحی لانے والے فرشتے کو سراپا روح کہا گیا اور وہ امین ہے وحی کے لانے میں کوئی خیانت نہیں کر سکتا۔

قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت

یہاں نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ میں اگر قَلْبِكَ کے قاف کو کاف پڑھا جائے جیسا کہ عموماً عجمی لوگ پڑھتے ہیں تو آیت کا معنی یہ بنتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اس قرآن کو لے کر آپ کے گتے پر اترے ہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) گویا قرآن کو صحیح تلفظ کے ساتھ نہ پڑھنے سے اس کا معنی بعض اوقات کفر کی حد تک بدل جاتا ہے۔ تو ہر مسلمان پر لازم اور فرض عین ہے کہ وہ قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح قل هو اللہ احد کا معنی ہے کہ ”کہہ دو اللہ ایک ہے۔“ مگر عام لوگ اسے کل هو اللہ احد پڑھتے ہیں جس کا معنی ہے کہ کھا جاؤ اللہ ایک ہے (معاذ اللہ) اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھنا سیکھے، یہ فرض عین ہے۔

قلب رسول ﷺ کا پہاڑوں سے مضبوط تر ہونا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا اور دوسری جگہ فرمایا گیا: لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَتْهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ ”اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف اور عاجزی کے ساتھ گر جاتا۔“ (حشر: ۲۱)

معلوم ہوا قلب رسول ﷺ نے وہ بوجھ اٹھالیا جسے پہاڑ نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور وہ جو حدیث میں ہے کہ پہلی وحی کے نزول پر رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کبل اوڑھا دو مجھے کبل اوڑھا دو۔ وہ اس لیے تھا کہ پہلی بار ایسے پُر جلال کلام کے نزول نے آپ ﷺ پہ ہیبت طاری کر دی تھی۔

قرآن صرف عربی میں ہے غیر عربی میں قرآن کا ترجمہ ہوتا ہے

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ میں قرآن کی زبان عربی قرار دی گئی ہے۔ اسی لئے نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی کیونکہ قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں ہے اور ترجمہ کتنا ہی عمدہ ہو بہر حال وہ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ کی جگہ نہیں لے سکتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا پہلا فتویٰ یہ تھا کہ قرآن کو غیر عربی میں پڑھا جاسکتا ہے مگر بعد میں انہوں نے قول صاحبین کی طرف رجوع کر لیا۔ اب اس پہ اجماع ہے کہ قرآن کو غیر عربی میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (درمختار)

البتہ نسبت قرآن کی وجہ سے ترجمہ کو بھی بے وضو نہیں چھونا چاہئے۔ اور قرآن کی زبان کو صرف عربی اس لیے رکھا گیا تاکہ یہ ہر تحریف سے محفوظ رہے۔ اگر قرآن کی زبان ایک نہ رکھی جاتی تو اس میں بھی وہی رد و بدل ہو جاتا جو پہلی کتابوں میں ہوا۔ انکا ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ در ترجمہ کرتے کرتے انہیں کچھ سے کچھ بنادیا۔ مگر الحمد للہ قرآن مجید اس سے محفوظ ہے۔ اس کی زبر زیر میں بھی فرق نہیں آ سکتا۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبْرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٧﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا

اور یہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں مذکور ہے، کیا ان کے لیے یہ نشان صداقت نہیں کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء

جانتے ہیں [53] اور اگر ہم اسے عجمی لوگوں میں سے کسی پر اتارتے پھر وہ اسے ان پر پڑھتا تو بھی وہ اس پر ایمان

گاہے گاہے مومنین ﴿١٩٩﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿٢٠٠﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ

لانے والے نہ تھے۔ [54] اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں جاری کر دیا ہے وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے

بِهِ حَتّٰی یَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿٢٠١﴾ فِیَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾

جب تک درد ناک عذاب نہ چکھ لیں جو ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

فِیَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ اَفِیْعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَأٰیْتَ اِنْ

تب وہ کہیں گے کیا ہم کو مہلت مل سکتی ہے؟ کیا وہ ہمارا عذاب جلد چاہتے ہیں۔ ذرا دیکھو اگر ہم انہیں

مَتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاَءَهُمْ مَا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَا اَغْنٰی عَنْهُمْ

کئی برس تک متاع دنیا دیدیں پھر ان پر وہ عذاب آجائے جسکا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں جو متاع دی گئی

مَا كَانُوْا یَمْتَنِعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾

وہ انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی اس کے لئے ڈرانے والے ضرور تھے۔

ذِكْرِیْ ۚ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿٢٠٩﴾

یہ نصیحت ہے اور ہم ظالم نہ تھے۔ [55]

[53] یعنی صداقت قرآن کی یہ دلیل بھی ہے کہ اس کا ذکر پہلے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے اور علماء بنی اسرائیل

اسے جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب مبین ہے جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے ان کی کتابوں میں فرمایا ہے۔ اس کے

باوجود ان کا اسے نہ ماننا ان کی ضد ہے چنانچہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اور خداوند نے مجھ سے کہا ہے کہ

میں ان کے لئے (بنی اسرائیل کے لئے) انہی کے بھائیوں (بنی اسرائیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام (قرآن) اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے وہی کچھ کہے گا۔ (تورات کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸، صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ بابل سوسائٹی انارکلی لاہور) اب بنی اسماعیل میں حضور ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں آیا لہذا یہ کلام موسیٰ علیہ السلام قرآن مجید اور صاحب قرآن رسول کی آمد کی صریح بشارت ہے۔

[54] مطلب یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کو کسی عجی شخص پر اتارتے جس کی زبان عربی نہ ہوتی اور ہم اپنی قدرت سے اس کی زبان پر قرآن جاری کر دیتے تو منکرین یہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے بلکہ کہتے کہ اس شخص پر ہم کیوں ایمان لائیں یہ تو عربی نہیں ہے یہ عجی ہے اور ہم سے گھٹیا ہے، یا وہ کہتے اس پہ کسی عربی جن نے قبضہ کر لیا ہے جو اس قدر فصیح عربی بول رہا ہے، اس لئے ہم نے قرآن کو محمد عربی ﷺ جیسے مادر زاد عربی پر نازل کیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ کسی جن یا شیطان کا کلام ہے بلکہ ہر کسی کو ماننا پڑے کہ یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے اسی لئے تمام فصحاء عرب اس کی مثال لانے سے عاجز رہے ہیں۔

[55] یعنی ہم ان لوگوں کے دلوں میں جو قرآن سے مسلسل انکار کرنے کے مجرم ہیں یہ انکار جاری کر دیتے ہیں اور وہ اسے تب مانتے ہیں جب دردناک عذاب دیکھ لیں اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں۔ اور وہ عذاب ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں شعور تک نہیں ہوگا۔ چنانچہ کفار مکہ پر بدر میں یوں اچانک عذاب آیا کہ وہ اس کا تصور تک نہ کر سکتے تھے وہ اس زعم میں مکہ سے نکلے تھے کہ وہ مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر لے آئیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کی لاشوں کو رسیوں سے گھسیٹ کر کنوئیں میں پھینکا گیا یا یہ معنی ہے کہ کفار تب ایمان لاتے ہیں جب ان پر اچانک موت آجاتی ہے مگر موت کے وقت ایمان لانا غیر مفید ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کفار پر اچانک عذاب آجائے تو اس وقت وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے یعنی اگر ہمیں مہلت مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت مہلت نہیں دی جاتی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افرأیت ان متعناھم سنین، یعنی اگر ہم کفار کو برس ہا برس تک مہلت دے دیں تو کیا اس سے انہیں کچھ فائدہ ہوگا؟ یعنی کیا وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، اور ہم نے اس سے قبل جو بستیاں تباہ کیں انہیں مہلت دیئے بغیر ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ ان میں ہم نے ڈرانے والے انبیاء کرام بھیجے مگر وہ عرصہ دراز تک انبیاء کی بات سننے کی بجائے ان کی مخالفت کرتے رہے تب ان پر تباہ کن عذاب آیا اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا۔

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ

اور قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا اور نہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں، بیشک

عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ

وہ سننے سے روکے گئے ہیں۔ [56] تو تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو مت پوجو ورنہ تم کو

الْمُعَذِّبِينَ ﴿٢١٣﴾

عذاب دیا جائے گا۔ [57]

[56] کفار مکہ حضور ﷺ کو ایک کاہن تصور کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بعض جنات اور شیاطین آپ ﷺ پر یہ قرآن

القاء کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ شیاطین نے قرآن نہیں اتارا کیونکہ۔

اول: یہ ان کے لائق ہی نہیں وہ گندے ہیں اور قرآن پاک کلام ہے۔ کوئی شخص کھانے پینے کی چیز کو گندے برتن

میں نہیں ڈالتا تو وحی الہی جو روح کی غذا ہے اسے شیاطین کے گندے قلوب میں کیسے ڈالا جاسکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

دوم: قرآن کا اٹھانا شیطان کی طاقت سے باہر ہے۔ اسے تو پہاڑ بھی نہیں اٹھا سکتے۔ شیاطین کیسے قرآن کریم کا بوجھ

اٹھا سکتے ہیں۔

سوم: شیاطین کو قرآن کے سننے سے ہی روک دیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ عالم الغیب۔ خدا اپنے غیب پر کسی

کو مطلع نہیں کرتا سوا اس رسول کے جسے وہ پسند کرے تو اس کے آگے پیچھے پہرے لگا دیتا ہے (تاکہ اس القاء غیب کو

شیاطین نہ سنیں) (جن: ۲۷)

[57] حضور ﷺ کو کسی دوسرے خدا کی پرستش نہ کرنے کا حکم دیا جانا اسی طرح ہے جیسے کہا گیا: وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۖ ”اگر بالفرض آپ نے اللہ کا حکم نہ پہنچایا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔“ (مائدہ: ۶۷)

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اور اے پیارے حبیب! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور اپنے بازو آپ کی پیروی کرنے والے

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِيءٍ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾

مومنوں کے لیے بچھا دیں، پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ فرمادیں میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ [58]

[58] اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے لئے

اپنے رحمت والے بازو بچھا دیں تاکہ وہ آپ پر جان و مال قربان کرنے کو تیار ہو جائیں اور اگر آپ کے قریبی عزیز آپ کی دعوت نہ مانیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں سے تمام قریش مراد ہیں کیونکہ وہ نسبی تعلق کی بنیاد پر دوسرے تمام لوگوں کی نسبت آپ سے قریب تر تھے۔

حضور ﷺ کا آغاز اسلام میں اپنے قبیلہ کو دعوت اسلام دینا

یہ آیت ابتداءً ظہور اسلام میں نازل ہوئی اور اس کے نزول پر حضور ﷺ نے تمام قریش کو کوہ صفا پر بلا کر انہیں پیغام حق سنایا۔ پھر اس کے بعد ایک بار آپ ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو خصوصی دعوت پر بلا کر انہیں پیغام حق دیا۔ پھر ایک موقع پر آپ ﷺ نے قریب ترین رشتہ داروں کو انفرادی طور پر بھی دعوت حق دی۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** ﴿۳۳﴾ کے نزول پر حضور ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے بنی فہر، اے بنی عدی، آپ نے قریش کے ہر قبیلے کا نام لے کر پکارا۔ سب قریش جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آوری کے لئے تیار اکھڑا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں ہم نے آج تک آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو سنو میں تمہیں عذاب شدید سے قبل ڈرانے آیا ہوں۔“ ابولہب نے کہا: **تَبَالِكَ هَذَا جَمْعَتْنَا**۔ تمہاری ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اس لئے جمع کیا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ** ﴿۱﴾ (بخاری کتاب التفسیر باب ۲ حدیث ۴۷۷۰)

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** ﴿۳۳﴾ کے نزول پر حضور سید عالم ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا۔ چالیس افراد جمع ہو گئے جن میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی تھے سب نے گوشت کھایا اور دودھ پیا۔ وہ گوشت اور دودھ اتنا کم تھا کہ ان میں ایک اکیلا آدمی اسے ختم کر سکتا تھا مگر وہ چالیس آدمی کھا گئے اور دودھ اور گوشت میں کمی نہ آئی۔ پھر اس سے قبل کہ حضور ﷺ بات کرتے ابو لہب نے بات شروع کر دی اور کہا کہ تمہارا ساتھی (محمد مصطفیٰ ﷺ) تم سے جو کہتا ہے اس میں ہم اسے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پھر دوسرے دن ان کی دعوت کی گئی ابو لہب نے اس بار بھی ایسا ہی کیا۔ پھر تیسرے دن اسی طرح کی دعوت کی گئی اور لوگوں کے کھانا ختم کرنے سے قبل ہی حضور ﷺ نے اٹھ کر فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** ﴿۳۳﴾ کے نزول پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے قریش، اے اولاد عبد مناف، اے عباس بن عبدالمطلب، اے صفیہ، اے فاطمہ بنت محمد خود کو نار جہنم سے بچالو، میں (مرضی خدا کے بغیر) تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ (بخاری کتاب التفسیر حدیث ۴۷۷۱) اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا مبلغ کو کار تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی عزیزوں سے کرنا چاہیے۔

کیا وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ میں خلافت علی المرتضیٰ کا اعلان مراد ہے؟

اس جگہ اہل تشیع امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں: جب یہ آیت اُتری: وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ دعوت کا اہتمام کرو۔ چنانچہ چالیس افراد جمع ہو گئے جن میں رسول اللہ ﷺ کے چچے اور ان کی اولادیں بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے سب کو کھانا کھلانے کے بعد فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ تو کون ہے جو اس بارے میں میری مدد کرے تو وہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو سب لوگ خاموش ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں قوم میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے اٹھ کر کہا: اے اللہ کے نبی! میں اس دین میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ تب آپ نے میری گردن پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: هذا اخي ووصيي ووزيري فيكم فاسمعوا له واطيعوه، یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تو اس کا حکم مانو اور اس کی اطاعت کرو۔ تو لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ وہ ابوطالب سے کہنے لگے: تمہیں حکم کیا گیا ہے کہ علی کی اطاعت کرو۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اہل تشیع اس روایت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ جہاں اپنے دین کی دعوت اپنے خاندان کو دیں وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا اعلان بھی کر دیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کر دیا۔ اب جو اس اعلان کو نہیں مانتا وہ خود سمجھ لے کہ کہاں کھڑا ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں ہم بخاری و مسلم کی روایت سے ابھی لکھ چکے ہیں کہ یہ آیت صرف اس لیے نازل ہوئی تاکہ رسول اللہ ﷺ اپنے خاندان کو دعوت دین دیں۔ سو آپ ﷺ نے ان تک دعوت پہنچادی، رہا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر تو اس طرح کی روایات اہل تشیع کی گھڑی ہوئی ہیں۔

رہا یہ کہ امام بغوی تو اہل سنت کے عظیم محدث و مفسر ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کی جو سند لکھی ہے ذرا وہ دیکھ لیں تو سارا مغالطہ دور ہو جائے گا۔ امام بغوی نے اس کی سند یوں لکھی ہے: روی محمد بن اسحاق عن عبد الغفار بن القاسم عن المنهال بن عمرو عن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب۔

اس سند کا پہلا راوی محمد بن اسحاق بھی متکلم فیہ ہے۔ اسے کئی لوگ دجال تک کہتے ہیں اور اس کا دوسرا راوی عبد الغفار بن قاسم ہے۔ جو غالی شیعہ ہے اور یہ روایت اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں امام عبد اللہ بن محمد ذہبی متوفی 748ھ فرماتے ہیں:

عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری رافضی لیس بثقة قال علی البدائی کان یضع الحديث و یقال کان من رءوس الشيعة۔ عبد الغفار بن قاسم ابو مریم انصاری رافضی ہے، ثقہ نہیں ہے، علی بن

مدائنی نے کہا: وہ حدیث گھڑتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سردارانِ شیعہ میں سے تھا۔ آگے امام ذہبی نے مزید فرمایا کہ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ عبد الغفار یہ بھی روایت کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں دوبارہ آئیں گے (اور یہ شیعہ عقیدہ رجعت کی ترجمانی ہے) اور امام ابوداؤد کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ ابو مریم عبد الغفار بن قاسم کذاب ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۶۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی لیے شیعہ علماء اس عبد القاسم بن قاسم کو مقبول راوی قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور شیعہ عالم محمد بن علی اردبیلی حاضری جو ملا باقر مجلسی کا شاگرد ہے اپنی کتاب ”جامع الرواة“ میں لکھتا ہے:

عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری روى عن ابى جعفر و ابى عبد الله عليهما السلاوة ثقة. یعنی عبد الغفار ابو مریم انصاری امام باقر و امام جعفر سے روایت کرتا ہے اور ثقہ راوی ہے۔

(جامع الرواة جلد اول صفحہ ۴۶۱ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ مرعشی قم ایران)

اسی طرح مشہور شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں کہا کہ عبد الغفار بن قاسم مقبول راویوں میں سے ہے۔ (مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۲۰۳)

علاوہ ازیں ایک اور مشہور شیعہ عالم احمد بن علی نجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے کہا: عبد الغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری روى عن ابى جعفر و ابى عبد الله ثقة. عبد الغفار بن قاسم امام باقر و امام جعفر کا راوی ہے اور ثقہ ہے۔ (رجال النجاشی صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ شرکت علمی بیروت)

تو شیعہ علماء کا اس کی توثیق و تحقیق کرنا بھی ایک سند ہے کہ عبد الغفار بن قاسم مستند شیعہ راوی ہے۔ تو ایسے مستند کچے شیعہ راوی نے اگر یہ روایت گھڑ لی ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا علی میرا وصی اور خلیفہ ہے تو کچھ بعید از قیاس نہیں۔ مگر یہ روایت اہل سنت کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرْكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقْلُبُكَ

اور خدائے غالب و رحیم پر بھروسہ رکھیں جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (عبادت کے لیے) کھڑے ہوتے ہیں اور وہ

فِي السَّجِدِينَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ هَلْ أَنْبِئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ

آپ کا سجدہ گزاروں میں منتقل ہونا دیکھتا ہے۔ [59] بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ

الشَّيْطَانُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ

شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر دھوکہ باز بدکار پر اترتے ہیں ان پر سنی سنائی باتیں ڈالتے ہیں اور وہ

كُذِّبُونَ ۝

اکثر جھوٹے ہیں۔ [60]

[59] معنی یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اس رب پر بھروسہ رکھیں جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام اللیل یا تبلیغ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ سجدہ گزار مسلمانوں میں آتے جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک کی طہارت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَتَقْلُبُكَ مِنْ نَبِيٍّ إِلَىٰ نَبِيٍّ، یعنی آپ کا ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہونا بھی اللہ کی نگاہ میں ہے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۸۹، روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۱۳)

یعنی آپ کا نور انبیاء کرام ﷺ کی پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا آیا۔ آپ کے نسب مبارک میں چھ انبیاء آتے ہیں۔ آدم، شیث، ہود، نوح، ابراہیم اور اسماعیل رضی اللہ عنہم۔ اس تفسیر کے مطابق حضور سید عالم ﷺ کے والد گرامی سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک سب آباء رسول ساجدین یعنی اللہ کے حضور سجدہ کرنے والے ہیں۔

اور اس حقیقت پہ یہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بُعْثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَرَقْنَا حَتَّىٰ بُعِثْتُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي كُنْتُ فِيهِ، میں ہر دور میں بنی آدم میں سب سے اچھے لوگوں میں اٹھایا جاتا رہا ہوں۔ تا آنکہ میں اس دور میں اٹھایا گیا جس میں میں پیدا ہوا۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۲۳ حدیث ۳۵۵۷)

اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے

اولاد اسماعیل کو چنا، پھر ان میں سے بنی کنانہ کو چنا پھر بنی کنانہ میں سے بنی ہاشم کو چنا، پھر مجھے بنی ہاشم میں سے چنا۔

(مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱)

یعنی نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میرے نسب میں جتنے لوگ آئے ہیں وہ سب خیر والے تھے شر والے نہ تھے۔ اب ایمان سے بڑی خیر کون ہے اور کفر سے بڑی شر کون ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء ایمان والے تھے کفر والے نہ تھے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبدالمطلب اور ان کے آباء زمانہ فطرت میں تھے۔ جس میں کسی رسول کی تعلیمات زندہ نہیں تھیں۔ ایسے دور میں صرف اللہ کی توحید پہ ایمان رکھنا ہی مومن ہونے کے لیے کافی ہے اور ہم بانگِ دہل علی الاعلان کہتے ہیں کہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ کے آباء کرام میں سے کون مشرک اور منکر توحید تھا۔ جب وہ سارے اہل توحید و اہل ایمان تھے تو انہیں کافر و مشرک کہنا شدید اذیاء مصطفیٰ ﷺ ہے۔

آباء رسول ﷺ کے ایمان پہ مفسر کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت نعت

منبع افضل ایمان ہیں آباء رسول	محزون اکمل ایقان ہیں آباء رسول
پڑھ لو قرآن و تقلبک خدا فرمائے	مورِ آیہ قرآن ہیں آباء رسول
منتقل ان میں ہوا نور حبیب داور	ایسے خوش بخت ہیں ذیشان ہیں آباء رسول
شرک سے پاک ہیں اور افضل اہل فترت	دین توحید کے نگران ہیں آباء رسول
ان کی پیشانیاں تھیں نور نبی سے روشن	جلوہ مطلع عرفان ہیں آباء رسول
قصہ فیل میں وہ جد نبی کا کردار	بیت رحمان کے دربان ہیں آباء رسول
قصہ تقوای عبد اللہ کو سن لو طیب	کیسے ارباب وجدان ہیں آباء رسول

[60] آیت 215 کے تحت گزرا کہ کفار کہتے تھے حضور ﷺ پر شیاطین یہ قرآن اتارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرما رہا ہے کہ شیاطین حضور ﷺ جیسے صادق و امین شخص پر نہیں اترتے بلکہ وہ مکار دھوکہ باز بدکار کاہنوں پر اترتے ہیں اور انہیں آسمانی فرشتوں سے جو بات کسی حد تک سن پاتی ہے اسے لے کر کاہنوں کے پاس جاتے ہیں اور اس کے ساتھ سوجھوٹ ملا کر بتاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”شیاطین ملائکہ کی گفتگو سے کوئی چیز اچک لیتے ہیں جیسے مرغ کوئی دانہ اچک لے پھر اس کے ساتھ سوجھوٹ ملا کر اسے اپنے ساتھی کاہنوں پر ڈالتے ہیں۔“

(بخاری کتاب الطب باب ۴۶ مسلم کتاب السلام حدیث ۱۲۲)

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۖ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۚ

اور (جھوٹے) شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۚ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور جو کچھ وہ نہیں کرتے اس کا دعویٰ کرتے ہیں [61] سوا ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے

وَذَكِّرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا ۖ وَأَنْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۚ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ

اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور مظلومیت کے بعد بدلہ لیا۔ اور عنقریب ظالموں کو

ظَلَمُوا أَيَّ مَنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۚ

پتہ چل جائے گا وہ کس کروٹ بدلتے ہیں۔ [62]

شاعری کوئی اچھی ہے اور کوئی بُری

[61] یہاں اللہ تعالیٰ جھوٹی شاعری کی مذمت فرما رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مبالغہ آرائی کرنے والے جھوٹے شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں اور ایسے شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی جب انہیں کسی شخص سے مفاد ہو تو اس کی تعریف میں مدحیہ شاعری کرتے ہوئے اسے آسمان پر بٹھا دیتے ہیں خواہ وہ کتنا بُرا شخص ہو اور جس شخص سے ان کی دشمنی ہو جائے اس کی بھجواور ذم میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں کہ اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیتے ہیں خواہ وہ کتنا اچھا آدمی ہو اور شعراء اپنے اشعار میں جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے عمل میں نہیں ہوتا بلکہ وہ محض مبالغہ آرائی اور شاعرانہ تخیل ہوتا ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

رات بھر میں اس طرح رویا تھا ہجر یار میں چار ندیاں آٹھ نالے دو سو دریا بہہ گئے
مشہور ہے کہ مزاحیہ شاعر امام دین گجراتی کے پاس ایک شاعر نے ایسا ہی ایک مبالغہ آمیز شعر برائے اصلاح پیش کیا۔ شعر یہ تھا۔

زمیں بیچتا ہوں زماں بیچتا ہوں محبت میں سارا جہاں بیچتا ہوں
امام دین گجراتی نے کہا یہ سارا شعر ہی غلط ہے اس میں سب جھوٹ اور مبالغہ ہے کیونکہ زمین وزماں اور سارے جہاں کو کون بیچ سکتا ہے۔ البتہ اگر اس کی جگہ پر یوں کہا جاسکتا ہے آگے امام دین نے اپنی مزاحیہ شاعری کی جوت

جگاتے ہوئے کہا:

میں مجھ بیچتا ہوں میں گاہ بیچتا ہوں
حویلی کی ساری میں تھاں بیچتا ہوں
الغرض عموماً شاعروں کا کام مبالغہ آرائی کرنا ہے اور قرآن کے مطابق ان کے دعوے کے ساتھ عمل نہیں ہوتا گویا
جھوٹ پر مبنی شاعری اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ ایسی شاعری کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا اگر تم میں
سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھرے۔

(بخاری کتاب الادب باب ۹۲، مسلم کتاب الشعر حدیث ۷)

[62] یعنی وہ شعر آء جو ایمان لائیں، اچھے اعمال کریں اور اپنے اشعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کریں یعنی حمد و نعت
پر مبنی شاعری کریں (کیونکہ نعت رسول ﷺ کہنا بھی حقیقت میں ذکر خدا ہے) اور وہ ظلم سہنے کے بعد بدلہ لیں یعنی اپنے
اشعار سے دشمنانِ خدا و رسول کی مذمت کریں تو ایسے شعر آء وہ نہیں ہیں جو ہر وادی میں بھٹکتے پھریں بلکہ ان کا مقام بہت
عظیم ہے۔

حمد و نعت اور حمایتِ دین پہ مشتمل شاعری کی فضیلت

جب یہ آیت وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۱۲۷﴾ اتری تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (جو شاعر دربار رسالت
تھے) عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرا کیا بنے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور
اپنی زبان سے بھی اور تمہارے اشعار کفار کے سینوں میں نیزوں سے گہرے گھاؤ کرتے ہیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۳۰)
ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں (خصوصی طور
پر) منبر رکھواتے جس پر بیٹھ کر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دیتے اور آپ ﷺ فرماتے جب تک حسان اللہ
کے رسول کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ تعالیٰ جبرائیل کے ذریعے اس کی مدد کرتا ہے۔ (بخاری کتاب المناقب باب ۱۶، مسلم
کتاب الفضائل حدیث ۱۵۴) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ان من الشعر لحکمة۔ بے شک شعر میں حکمت ہے۔

(بخاری کتاب الادب باب ۹۰)

معلوم ہوا کہ حمد و نعت والی شاعری ایک جہاد ہے۔ اور دعوت و تبلیغِ دین کا بہترین ذریعہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں
سے کچھ شعراء دربار رسالت تھے۔ جن میں سے حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، کعب بن زہیر اور عباس بن عبد
المطلب و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی سیرت النبی ﷺ میں درخشندہ ستاروں کی مثل تاباں ہیں۔ پھر ہر زمانہ میں ایسے
شعراء اسلام آتے رہے جن کے اشعار نے دفاعِ اسلام میں وہ کام کیا جو مجاہدین کی تلواریں اور نیزے کرتے ہیں۔ جیسے
امام بوسیری، شیخ سعدی، مولانا رومی ملا جامی، اور امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ۔

راقم الحروف محمد طیب غفرلہ کو بھی حمد و نعت کی شاعری کا ایک ذوق ہے۔ جب کبھی تنہائی میسر ہو، طبیعت حاضر ہو اور

محبت جوش پہ ہو تو کچھ اشعار دل پہ اترنے لگتے ہیں۔ اب تک میں نوے کے قریب مختلف کلام لکھ چکا ہوں جو حمد، نعت، منقبت اور عقائد اسلامیہ سے متعلق ہیں۔ حال ہی میں میں نے پورے قصیدہ بردہ شریف کا منظوم ترجمہ بھی لکھا ہے جو 161 اشعار پہ مشتمل ہے۔ جس کا ہر شعر میم پہ ختم ہوا ہے۔ جیسا کہ خود قصیدہ بردہ کا ہر شعر میم پہ ختم ہوتا ہے۔ اس جگہ بطور نمونہ میں اپنی لکھی ہوئی وہ نعت پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تتبع میں چار زبانوں میں لکھی ہے۔ ہر شعر کا پہلا مصرعہ عربی میں، دوسرا فارسی میں تیسرا پنجابی اور آخری اردو میں ہے۔ اس کے بعض اشعار یوں ہیں۔

مفسر کے قلم سے لکھی ہوئی چار زبانوں پہ مشتمل ایک نعت شریف

من نورك خلق جميع الوری	شد پیدا ز نورت شمس و قمر
تیرے نور توں چکی سب دنیا	تیرے نور سے چکا ہر اختر
سَمَّاكَ اللهُ المصطفیٰ	انسانے نہ زادہ مثل شما
کوئی تیرے ورگا نہیں بنیا	تیرا مثل نہیں ہے کوئی بشر
ما رِئِیْ مثیلک فی العالم	اے سید جملہ بنی آدم
رب چارے خاک پا دی قسم	کوئی تم سا کسی کو نہ آیا نظر
تَأْتِیکَ الْغِزْلَةُ تستلجی	تو پناہ شتر غمزہ ای
ہر شے اے کلمہ تیرا پڑھدی	تیرے آگے جھکیں سب شجر و حجر
احکامُکَ نافذۃ فی الدنیا	اے حاکم ملک ارض و سما
کل عرشاں فرشاں تے راج تیرا	تیری ملک میں ہے سب بحر و بر
لک اخبار بمجیع الوری	چشم تو بیند ہر شے را
تیری نظراں وچ وے سب دنیا	تجھے ارض و سما کی ساری خبر
الشمسُ بامرک قد رجعت	شد قمر دوپارہ بشارت
تیری بدلاں تے نافذ ہے حکومت	محکوم تیرے سب جن و بشر
یا شفیع الامۃ یوم الجزا	اے مالک جملہ ملک خدا
تسین کھولو گے در جنت را	ہیں آپ ہی شافع روز حشر
هذا فضل الله الاعلیٰ	منم و توصیف شاہ ہدیٰ
میں کون تے کتھے کلام رضا	نہیں مجھ میں تو کچھ بھی علم و ہنر

العبد حزين بذنوبه - شد حالت او ناگفتہ بہ
 اے طیب کھاندا ٹکڑے تیرے یہی نسبت ہے میرا زاد سفر
 آخر میں اللہ نے فرمایا ظلم کرنے والوں یعنی اپنے اشعار کے ذریعے اسلام سے لوگوں کو بدظن کرنے والوں کو عنقریب
 پتہ چل جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر بدلتے ہیں یعنی ان کے اشعار غالب آتے ہیں یا اللہ کا قرآن غالب آتا ہے۔

الحمد للہ آج 8 ربیع الاول 1429ھ مطابق 16 مارچ 2008ء بروز پیر بعد نماز ظہر سورہ شعراء کی تفسیر ختم ہوئی۔
 و صلی اللہ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد والہ و صحبہ اجمعین۔

سورة النمل

سورة النمل ترتیب تلاوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی 28 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 47 ویں سورت ہے۔ یہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سات رکوعات ترانوے (93) آیات، تین سوسترہ (317) کلمات اور چار ہزار سات سو ننانویں (4790) حروف ہیں۔ اسے سورہ نمل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ایک نمل (چیونٹی) کا ذکر ہے۔ اس کی آیت 18 اور 19 میں مذکور ہے کہ ایک بار ایک وادی میں چیونٹیوں کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دور سے آتا دیکھ کر حکم دیا کہ جلدی سے اپنے اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہیں لشکر سلیمانی تمہیں کچل نہ دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی یہ بات سن کر مسکرا پڑے۔ یہ واقعہ اسی سورت میں مذکور ہے کسی اور سورت میں نہیں۔ اس مناسبت سے اسے سورہ نمل کہا گیا۔

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر ہے۔ دوسرے رکوع میں داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا ذکر خیر اور چیونٹی کا واقعہ ہے تیسرے رکوع میں سلیمان علیہ السلام کے حکم پر ایک ولی کامل کا ملکہ بلقیس کے تخت کو چشم زدن میں یمن سے عراق میں حاضر کرنے کا واقعہ مذکور ہے اور چوتھے رکوع میں مختلف انبیاء کی تبلیغی مساعی کا اجمالی بیان ہے اور پانچویں چھٹے اور ساتویں رکوع میں توحید و رسالت، حقانیت قرآن اور اثبات قیامت کا بیان ہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ شعراء ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ ذکر ہے۔ پھر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے بھی ہیں۔ اور سورہ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے بات شروع کی گئی، پھر حضرت داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کا ذکر خیر ہے۔ گویا دونوں سورتوں کا ایک ہی انداز بیان ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

آیاتها

سُورَةُ النَّملِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ رُكُوعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طسؑ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ① هُدًى وَبُشْرَى

طاء سین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں جو ان مومنوں کے لیے ہدایت

لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

اور بشارت ہیں۔ جو نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے اور آخرت

هُمْ يُوقِنُونَ ③ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ

یقین رکھتے ہیں۔ [1] بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال

فَهُمْ يَعْمَهُونَ ④ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

آراستہ کیے ہیں تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے (دنیا میں) بُرا عذاب ہے اور آخرت میں وہ سب سے

هُمْ الْأَخْسَرُونَ ⑤ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥

زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ [2] اور آپ کو حکمت و علم والے رب کی طرف سے قرآن سکھایا جاتا ہے۔ [3]

قرآن کی صداقت اور ایمان بالآخرت کی اہمیت

[1] طاء اور سین حروف مقطعات ہیں جن کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ آگے فرمایا گیا کہ یہ سورہ نمل قرآن کی آیات ہیں اور روشن کتاب یعنی لوح محفوظ کی آیات ہیں کیونکہ قرآن پہلے لوح محفوظ میں تھا پھر وہاں سے حضور ﷺ پر اتارا گیا اور یہ آیات قرآن میں ان مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہیں جو نماز و زکوٰۃ کی پابندی کریں اور آخرت پہ یقین رکھیں۔ اسی لئے سورہ بقرہ کے آغاز میں کہا گیا۔ قرآن ان پر ہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے نماز قائم کرتے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ آپ کی طرف یا آپ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

سے قبل اتارا گیا اس پر ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اصل میں قرآن ساری انسانیت کے لئے ہدایت ہے مگر اس ہدایت سے پرہیزگار لوگ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو خوفِ خدا کے ساتھ احکامِ خداوندی بجالائیں اور روزِ آخرت کا ڈر بھی دل میں رکھتے ہوں۔

[2] جب کہا گیا کہ قرآن آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت ہے تو ساتھ ہی فرمایا گیا کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لئے ان کے اعمال آراستہ کئے گئے ہیں وہ اپنے بُرے اعمال کو عمدہ سمجھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لانے کو پاگل پن تصور کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بُرا عذاب ہے کہ وہ ایمانی تشکیک میں مبتلا ہیں۔ ان پر قتل و جزیہ کی سزائیں نافذ ہیں اور مرتے ہوئے انہیں دردناک موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ آخرت وہ سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے آخرت کے تصور ہی سے انکار کیا تو آخرت میں اس انکار کا بدتر مزہ بھی وہی چکھیں گے۔

[3] عارفِ ربانی امامِ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب انبیاء پر برتری معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیگر انبیاء کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کتاب دی گئی اور آپ کو قرآن کے الفاظ تو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دیئے گئے مگر اس کے اسرار اور اس کی گہری حکمتیں براہِ راست اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتاریں اور جبرائیل علیہ السلام کو ان کی خبر تک نہیں اسی لئے مَنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ کہہ کر ان حکمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۲۵) یعنی یہ حکمتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ جن کی خبر فرشتہ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوا حضرت جبرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استاذ کہنا صحیح نہیں ہے وہ استاذ نہیں خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ڈاک آپ تک پہنچاتے ہیں مگر ڈاک میں پیغام کیا ہے وہ اس کی خبر نہیں رکھتے۔ انگلش میں کہتے ہیں:

Post man delivers letter, but doesn't know the matter.

یعنی ڈاک والا خط پہنچاتا ہے مگر خط کے مضمون کا علم نہیں رکھتا۔ یہی حال جبرائیل امین علیہ السلام کا ہے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَأْسٍ

یاد کرو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں ابھی اس کی خبر لاتا ہوں یا کوئی

بِشَهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۚ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ

چمکتی چنگاری۔ تاکہ تم آگ تپ سکو۔ [4] جب آپ آگ پر پہنچے تو ندا کی گئی کہ برکت والا ہے

مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ يَوْمَوسَىٰ إِنَّهُ

جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد ہے اور پاک ہے اللہ، رب کائنات۔ اے موسیٰ

أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ وَالْقَصَاكُ ۖ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ

میں اللہ ہوں، غالب و داناء، [5] اور آپ اپنا عصا پھینک دیں، جب آپ نے اسے حرکت کرتے دیکھا جیسے وہ سانپ ہو

وَلِي مُدِيرًا وَلَمْ يَعْقِبْ ۖ يَوْمَوسَىٰ لَا تَخَفْ ۚ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ

تو آپ اُلٹے پاؤں بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈرو نہیں میرے حضور رسول

الْمُرْسَلُونَ ۚ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ

نہیں ڈرتے۔ سوا اس شخص کے جو ظلم کرے، [6] پھر بُرائی کے بعد اچھائی کرے تو میں بخشنے والا

رَحِيمٌ ۚ

مہربان ہوں۔ [7]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منصب نبوت پر فائز کیے جانے کا واقعہ

[4] دیگر متعدد دہلی سورتوں کی طرح سورہ نمل میں بھی انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا گیا ہے تاکہ کفار یہ سمجھیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول بن کر آنا نئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انسانیت کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے ہیں تو حضرت
موسیٰ علیہ السلام سے بات شروع کی جا رہی ہے۔ آپ جب مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس گزار کر واپس مصر کو
لوٹے تو راستہ میں کوہ طور کے قریب سے گزرے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صفورا بنت شعیب علیہ السلام بھی تھیں۔ شدید

سرد موسم تھا تاریک رات تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تاریکی میں دور سے آگ دکھائی دی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں آگ کی خبر لاتا ہوں اور اگر ہو سکا تو آگ سے چنگاری لے آؤں گا تاکہ اس سے تم آگ جلا کر خود کو تاپ سکو۔ آپ کی بیوی اس وقت امید سے تھیں اور سفر اور سردی کی صعوبت نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔

بیوی اہل بیت میں شامل ہے اور اس کے لیے جمع مذکر کے صیغے بولے جاتے ہیں اِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ سے معلوم ہوا بیوی اہل بیت میں سے ہوتی ہے اور اسے جمع مذکر کے صیغوں سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خود لفظ اہل جمع مذکر کے معنی میں ہے۔ تو اس کی طرف لوٹنے والی ضمیریں بھی جمع مذکر کی لائی جاتی ہیں۔ اس لیے یہاں کہا گیا: سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشَهَابٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۷﴾ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا: قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۸﴾ ”موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے فرمایا ٹھہرو میں آگ محسوس کرتا ہوں۔ شاید میں تمہارے لیے آگ کی خبر لاؤں، یا آگ کی چنگاری، تاکہ تم اسے تاپ سکو۔“ (نقص: ۲۹)

اسی طرح اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ (احزاب: ۳۳) کا مصداق ازواج رسول ﷺ ہیں اگرچہ یہ جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ مگر بعض لوگ مغالطہ ڈالنے کے لیے انہیں اس آیت سے نکالتے ہیں۔ جو قرآن کے ساتھ زیادتی ہے۔

[5] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی طرف گئے تو دیکھا کہ وہ بیری کا ایک درخت ہے جس پر نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ جو آگ کی مانند دکھائی دیتا ہے مگر درخت جلتا نہیں بلکہ گہرا سبز ہوتا جا رہا ہے۔ پھر درخت میں سے آواز آئی کہ برکت والا ہے جو آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک جو آگ میں ہے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اس وقت آگ کی روشنی میں گم تھے اور جو آس پاس ہے اس سے فرشتے مراد ہیں جنہوں نے اس وقت اس ماحول کو گھیر رکھا تھا تاکہ وحی الہی میں شیطین دخل اندازی نہ کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۲۸﴾ اللہ رسول کے آگے پیچھے پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ (جن: ۲۷) اور درخت سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ ہوں غالب ودانا۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾ ”وادی الیمین کے کنارے سے بقعہ مبارکہ میں درخت سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔“ (نقص: ۳۰)

حدیث میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا حجاب نور ہے اگر حجاب اٹھا دیا جائے تو اس کی ذات کی تابانیاں ہر چیز کو جلا دیں۔ پھر راوی نے یہی آیت پڑھی: أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي

النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۳) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا حجاب نور تھا۔

[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ والا عصا زمین پر پھینک دیں جب آپ نے پھینکا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے اور اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام ٹھہریں خوف نہ کریں آپ میرے رسول ہیں اور رسولوں کو میرے حضور کوئی خوف نہیں رکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ کو پکڑا تو وہ پھر پہلے والا عصا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ منظر اس لئے دکھایا تا کہ جب آپ دربار فرعون میں جا کر عصا پھینکیں اور وہ اڑ دھا بنے تو آپ گھبرائیں نہیں کیونکہ جو چیز ایک بار دیکھ لی جائے خواہ وہ کس قدر خوفناک ہو اسے دوبارہ دیکھنے سے وہ خوف لاحق نہیں ہوتا۔

[7] یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں رکھنا چاہئے مگر جو شخص بُرائی کر کے پھر اچھائی کرے یعنی توبہ کی طرف مائل ہو اسے میرے ہاں خوف رکھنا چاہیے کہ کہیں اس پر گناہ کی پکڑ نہ آئے مگر اسے اس کے ساتھ رحمت کی امید بھی رکھنی چاہئے کیونکہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ یعنی اے موسیٰ جب آپ رسول ہیں تو آپ کو کیسا خوف؟ کیونکہ رسول تو گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ تَوَائِي لَا يَخَافُ لَدَيْ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰﴾ سے مرسلین کے معصوم ہونے پہ استدلال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اَلَا مَنْ ظَلَمَ کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ ۚ فِي

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا یہ

تَسْعِ اَيْتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَسِقِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَمَّا

نو نشانوں میں سے ہے، جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف ارسال کردہ ہیں بے شک وہ بدکردار لوگ تھے۔ [8] جب

جَاءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۷﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا

ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں آگئیں تو وہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ انہوں نے (زبان سے)

وَاَسْتَيْقِنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ان سے انکار کیا اور ان کے دل ان پر یقین رکھتے تھے یہ ان کے ظلم اور سرکشی سے تھا تو دیکھو کہ فساد یوں کا انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸﴾

کیسا تھا [9]

[8] اور اے موسیٰ علیہ السلام آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور ہاتھ کو کوئی تکلیف یا مرض لاحق نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کا ہاتھ سورج کی طرح تیز چمکنے لگا پھر آپ نے اسے گریبان میں ڈالا تو اس کا نور جاتا رہا۔ اگر کہا جائے کہ ایک جگہ قرآن میں ہے: **وَاضْمُمُ يَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ**۔ اے موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے (بغل میں) دباؤ۔ (ط ۲۲) اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، یہ تضاد ہے، تو اس کا کیا جواب ہے؟

تو اس کا جواب مفسرین نے یوں دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت چوغہ پہن رکھا تھا جس کا گریبان کھلا تھا تو آپ کو یہ حکم ہوا کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر اپنی بغل کے اندر دبائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام یہ دو نشانیاں ان نو نشانوں میں سے ہیں جو ہم نے آپ کو فرعون اور اس کی قوم کو دکھانے کے لئے دی ہیں وہ بہت بدکردار لوگ ہیں چنانچہ باقی سات نشانیاں بعد میں ظاہر کی گئیں یعنی طوفان، مکڑیاں، جوئیں، مینڈک، خون، قحط سالی اور سمندر کا پھٹنا۔

معلوم ہوا پہلے انبیاء کو گن کر معجزات دیئے گئے مگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ان گنت ہیں بلکہ معجزات کو آپ

کے تابع کر دیا گیا ہے۔ جس کسی نے آپ سے جو معجزہ مانگا آپ نے دکھا دیا۔ بشرطیکہ اس کے دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہو۔ جب کسی نے کہا کہ اگر یہ درخت آپ کے پاس چل کر آجائے تو میں کلمہ پڑھ لوں گا تو آپ نے فوراً درخت کو حکم دیا اور وہ چل کر آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔ جب کسی نے کہا کہ بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے تو اس کی مٹھی کی کنکریاں کلمہ پڑھنے لگیں۔

[9] چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے تو آپ کے ہاتھ پر اللہ کی کھلی نشانیاں ظاہر ہوئیں عصا سانپ بنا اور جادو گروں کی سب رسیاں اور لکڑیاں کھا گیا آپ کا ہاتھ مثل آفتاب چمکا، پھر فرعون یوں پر طوفان، مکڑیاں اور جوئیں وغیرہ ظاہر ہوئیں اور وہ شدید اذیت میں مبتلا ہوئے مگر ایمان لانے کی بجائے ظلم و سرکشی سے یہی کہتے رہے کہ یہ کھلا جادو ہے حالانکہ ان کے دل یقین رکھتے تھے کہ آپ جادوگر نہیں ہیں وہ سمجھتے تھے کہ اگر آپ جادوگر ہوتے تو آپ کا عصا سارے سانپوں کو کھانہ جاتا کیونکہ جادو تو صرف فریب نظر ہوتا ہے۔ جب وہ ایمان نہ لائے تو دیکھو ان فساد یوں کا انجام کیسا خوفناک تھا۔

اس میں کفار مکہ اور قیامت تک آنے والے دیگر دشمنان اسلام کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ اسلام دشمنی سے باز رہیں ورنہ ان کا انجام خوفناک ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى

اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہ السلام) کو علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں

كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا

اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ [10] اور سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث ہوئے۔ [11] اور

النَّاسُ عَلَّمْنَا مَنَظِقَ الطَّيْرِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ

انہوں نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر نعمت میں سے حصہ دیا گیا، بے شک یہ اللہ کا

الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝۱۶ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ

کھلا فضل ہے اور سلیمان (علیہ السلام) کے لیے جنوں انسانوں اور پرندوں کے لشکر اکٹھے کیے گئے تو وہ

فَهُمْ يَوَازِعُونَ ۝۱۷

رو کے جاتے تھے۔ [12]

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

[10] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر خیر فرمایا جا رہا ہے ان کے ذکر خیر میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سامان تسلی ہے کہ جیسے ان دونوں باپ بیٹا کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ حکومت عطا فرمائی ایک دن آنے والا ہے کہ آپ کے لئے بھی نبوت کے ساتھ حکومت جمع ہو جائے گی۔ یونہی مکی دور میں آپ سے جو معجزات ظاہر ہوئے جیسے شق القمر، تکثیر طعام اور تکلیم احوار و حیوانات وغیرہ کفار مکہ انہیں جادوگری کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے معجزات بیان کر کے بتایا کہ ایسے نشانات پہلے انبیاء کرام کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ ان سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تو آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو اللہ نے علم عطا فرمایا اس سے علم نبوت مراد ہے جو عرفان الہی، معرفت حقوق اللہ و حقوق العباد اور علم احکام سے عبارت ہے۔ علاوہ ازیں حضرت داؤد علیہ السلام کو پہاڑوں کی تسبیح اور زرہیں بنانے کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات و حیوانات و طیور کی بولیاں سمجھائی گئیں۔ اور باپ بیٹا دونوں حصول علم

پر حمد الہی بجالاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کثیر مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔ یہاں مومن بندوں سے انبیاء مراد ہیں یعنی حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو کثیر انبیاء پر فضیلت دی گئی کیونکہ انہیں نبوت کے ساتھ ظاہری حکومت دی گئی جو اکثر انبیاء کو نہ دی گئی پھر انہیں جانوروں کی بولیاں سکھائی گئیں جو اکثر انبیاء کو نہ سکھائی گئیں۔ یہاں مومن بندوں سے عام مومنین مراد نہیں ہیں کیونکہ اللہ کا نبی تمام غیر نبی مومنین سے افضل ہوتا ہے نہ کہ اکثر سے۔

[11] حضرت داؤد علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے علوم نبوت اور ان کی حکومت کے وارث ہوئے اور لوگوں سے کہا اے لوگو! ہم دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں سکھائی گئیں اور ہمیں ہر قابل ذکر نعمت سے وافر حصہ دیا گیا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل مبین ہے۔

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت کب اور کہاں قائم ہوئی

حضرت داؤد علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی نسل میں نوویں پشت میں 1010 قبل مسیح پیدا ہوئے۔ اس سے قبل بنی اسرائیل محکوم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کے ذریعہ انہیں آزادی دی اور ان میں سے ایک شخص طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا۔ اُس نے حضرت شمویل کی ہدایت و سرپرستی میں جہاد کیا اور کفار کو بیت المقدس سے نکال کر وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت ملی۔ اس کی تفصیل پارہ دوم رکوع آخری کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دور حکومت میں بنی اسرائیل کی حکومت شمال میں دمشق اور جنوب میں تمام صحرائے سینا تک پھیل گئی۔ ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکومت سنبھالی تو اسے عراق و یمن تک پھیلا دیا۔

انبیاء کی مالی میراث پہ شیعہ استدلال کا رد

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ سے اہل تشیع نے استدلال پکڑا کہ اگر سلیمان علیہ السلام اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہیں تو خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث کیوں نہیں ہیں لہذا جب انہوں نے وصال نبوی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے باپ کی میراث میں سے حصہ مانگا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انہیں یہ کہہ کر ٹال دینا کہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی۔ غلط تھا اور یوں بنت رسول کا حق غصب کر لیا گیا۔ مگر اہل تشیع کا یہ استدلال غلط ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے مالی وارث نہ تھے بلکہ ان کے علوم نبوت اور ان کی حکومت کے وارث ہوئے یعنی ان کی جگہ پر تخت نشین ہوئے۔ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کو علمی و قانونی وراثت حاصل ہوئی، نہ کہ مالی، اور یہاں مال کا کوئی لفظ ہی نہیں۔ کیا کوئی شیعہ عالم دکھا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ مَالَ دَاوُدَ، کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث ہوئے؟ بلکہ گزشتہ آیت میں وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبوی علوم کے وارث ہوئے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں جہاں بھی پیغمبرانِ گرامی کی وراثت کا ذکر آیا ہے تو وہاں کتاب کا ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ ان کی کتاب کے وارث ہوئے، مال کا کہیں ذکر نہیں۔ جیسے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَأَوْثَرْنَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾ ”اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو راہنمائی دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔“ (غافر، ۵۳) وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِمَّنْهُ مُرِيبٌ ﴿۱۳﴾ ”اور جن لوگوں کو انبیاء کرام کے بعد کتاب کی وراثت دی گئی وہ اس میں گہرے شک میں مبتلا ہیں۔“ (شوری، ۱۳) ثُمَّ أَوْثَرْنَا الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ”اور ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔“ (فاطر، ۳۲)

کتب شیعہ سے انبیاء کی مالی وراثت نہ ہونے کا ثبوت

انبیاء کے لئے مالی میراث کا نہ ہونا تو اسے خود ائمہ اہل بیت اطہار بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے باپ دادا کے ذریعے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حصول علم کی راہ پر چلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور طالب علم کے لئے ارض و سما کی ہر چیز استغفار کرتی ہے اور عالم کی عابد پر یوں فضیلت ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت ستاروں پر اور انبیاء اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑتے وہ اپنے پیچھے علم چھوڑتے ہیں جس نے ان کا علم لے لیا اس نے بڑی دولت پالی (امالی شیخ صدوق صفحہ ۷۳ مجلس ۱۵ مطبوعہ قم)

اسی طرح امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا درهما ولا ديناراً وانما ورثوا احاديث فمن اخذ من احادهم شيئاً فقد اخذ حظاً وافراً۔ علماء وارثان انبياء ہیں اور انبیاء اپنے پیچھے درہم یا دینار نہیں چھوڑتے وہ اپنی احادیث چھوڑتے ہیں جس نے ان کی احادیث کا کچھ حصہ لے لیا اس نے بڑی دولت پالی۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۲ کتاب فضل العلم مطبوعہ تہران)

حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات کے علاوہ جمادات و نباتات کی بولیاں بھی جانتے ہیں عَلَّمَنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ سے معلوم ہوا کہ حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو جانوروں کی بولیاں سکھائی گئیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ حیوانات کے علاوہ نباتات و جمادات کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرتے ہیں۔ ہرنی آپ سے مدد مانگنے آتی ہے، استوانہ حنا آپ کے ہجر و فراق میں روتا ہے تو آپ اس کو تسلی دیتے ہیں، جس سے وہ سکون پاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ (بخاری کتاب المناقب حدیث ۳۵۸۳) پتھر اور کنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہاں سے دونوں اند حاصل ہوئے:

(۱) فضیلت علم: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ اور عَلَّمْنَا مَنُطِقَ الطَّيْرِ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صفت علم کے ذریعے انبیاء کی فضیلت بیان فرمائی اور بلاشبہ سب سے پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) نے بھی علم سے فضیلت پائی تھی وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرہ ۳۱) یاد رہے ہر علم مفید ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی بشرطیکہ اس کا استعمال درست ہو حتیٰ کہ جادو گروں کا زور توڑنے کیلئے جادو سیکھنا مفید بلکہ بسا اوقات فرض ہے تاہم قرآن وحدیث کا علم سید العلوم ہے۔

(۲) اہمیت شکر: حضرت سلیمان علیہ السلام حصول نعمت پر ساری قوم کے سامنے یوں شکر ادا کرتے ہیں: يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَّمْنَا مَنُطِقَ الطَّيْرِ اور شکر سے نعمت بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ”اگر تم شکر کرو تو میں نعمت بڑھا دوں گا۔“ (ابراہیم: ۷)

[12] حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات، انسانوں اور پرندوں کے ایسے عظیم لشکر جمع کئے گئے کہ انہیں روکا جاتا تھا یعنی وہ اس قدر طویل تھے کہ ان کے پچھلے حصہ کو سنبھالنے کے لئے اگلے حصہ کو روکنا پڑتا تھا۔ یاد رہے اس کے مقابلہ میں حکومت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیع تر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو صرف جنات، انسانوں اور پرندوں پر حکومت دی گئی۔ مگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ساری مخلوق پر جاری ہے چڑھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کرتے تھے۔ درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر دوڑے آتے تھے۔ پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ شمس و قمر آپ کے حکم پر اطاعت بجالائے۔

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

اللہ اللہ شہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ ۖ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا

یہاں تک کہ آپ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو شاہ چیونٹی نے کہا اے چیونٹیاں! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ

مَسْكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٌ ۚ وَجُنُودُهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾

کہیں تمہیں سلیمان (ﷺ) اور ان کا لشکر کچل نہ دے اور انہیں خبر نہ ہو۔

فَتَبَسَّ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ

تو آپ نے اس کی بات سے خوش ہو کر تبسم کیا۔ [13] اور کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری اس نعمت کا شکر کروں

الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي

جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں تیرے پسندیدہ نیک اعمال بجالاؤں اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ

بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾

اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔ [14]

[13] حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانوروں پہ حکومت کا ایک نمونہ دکھایا جا رہا ہے کہ ایک بار آپ کا تخت ہوا میں اڑ رہا تھا ادھر چیونٹیوں کی ایک وادی میں شاہ چیونٹی نے اپنی رعایا سے کہا کہ سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہیں تمہاری وادی میں لشکر سلیمان اتر کر تمہیں بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا میں اڑتے ہوئے اس کی یہ بات سن کر مسکرا پڑے اور شکر بجالائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کے والدین پر کیسی نعمت فرمائی کہ اتنا عظیم ملکہ عطا فرمایا۔ یعنی احساس ہوا کہ چیونٹیاں بھی آپ کی تعظیم بجالاتی ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے اہل خانہ، خدام اور اہل لشکر کے ساتھ تخت پر بیٹھے اصطرخ سے یمن کی طرف محو پرواز تھے۔ راستہ میں مدینہ طیبہ آیا آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی آخر الزمان ﷺ ہجرت کر کے آئیں گے

پھر آپ ﷺ کا گزر کعبۃ اللہ کے اوپر سے ہوا آپ نے دیکھا کہ وہاں بت پرستی ہو رہی ہے آپ آگے گزر گئے۔ کعبۃ اللہ رو پڑا کہنے لگا اے اللہ! تیرا نبی سلیمان میرے اوپر سے گزر گیا اور میرے پاس نہ اتر ا کیونکہ میرے پاس بت پرستی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے کعب! نہ رو، وہ وقت آنے والا ہے جب میں تمہارا صحن سجدہ گزاروں کی

پیشانیوں سے بھر دوں گا۔ تمہارے پاس آخری نبی کو پیدا کروں گا جو مجھے سب انبیاء میں سے محبوب ہے۔ پھر ساری دنیا سے اہل ایمان تمہارے پاس دوڑے آئیں گے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام آگے گئے تو طائف آگیا جس سے قریب ایک وادی تھی جسے وادی نمل کہا جاتا تھا۔ وہاں چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ۔

(تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۱۰۶)

دور سے سن لینا انبیاء کا معجزہ اور اولیاء کی کرامت ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا میں اڑتے ہوئے زمین پہ ریگنے والی چیونٹی کی آواز سن لی۔ حالانکہ آج تک سائنس اپنی ساری ترقی کے باوجود چیونٹی کی آواز کو ریکارڈ نہیں کر سکی اور اگر بالفرض ریکارڈ کر لے تو اسے سمجھ نہیں سکتی۔ بلکہ اگر کوئی شخص چیونٹی کو اپنے کان میں ڈال لے تو بھی اس کی آواز کو سن نہیں سکتا مگر اللہ رب العزت اپنے انبیاء کو وہ عظمت دیتا ہے جس کے آگے سائنس بے بس ہے۔

یہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی مسافت سے چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں لیٹے ہوئے دنیا بھر سے اپنے غلاموں کا درود بھی سن سکتے ہیں اور یہی حدیث صحیح کا مضمون ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْلَمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ”جب بھی کوئی شخص مجھ پہ درود و سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے تا آنکہ میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب ۹۶ حدیث ۴۱۲۰)

روحِ شیعیت - عظمت صحابہ

چیونٹی نے کہا: وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کہ اگر لشکر سلیمانی نے تمہیں کچل دیا تو وہ مجرم نہ ہوں گے کیونکہ انہیں خبر نہ ہوگی گویا وہ جانتی تھی کہ جان بوجھ کر اصحاب سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں پہ ظلم نہیں کر سکتے مگر افسوس کہ اہل تشیع کا گمان ہے کہ اصحاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بیٹی پر ظلم کیا اور اس کا حق چھین لیا۔ کیا ان لوگوں کو چیونٹی کے برابر بھی شعور نہیں؟

[14] حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا تعلیم امت کے لئے ہے تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کے ماننے والے بھی یہ دعا سیکھ لیں ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اور صالح بندہ کون ہو سکتا ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدُودَ ۖ أَمْ كَانَ مِنْ

اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کو جانچا تو فرمایا مجھے کیا ہے میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ غیر حاضر

الْغَائِبِينَ ۝ لَا عَذَابَ لَهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا أَذْبَحْنَهُ أَوْ لِيَأْتِنِي

ہے۔ میں اسے سخت عذاب دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا یا وہ میرے پاس

بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ

معتقل عذر لائے۔ [15] تو وہ تھوڑی ہی دیر غیر حاضر رہا پھر اس نے (حاضر ہو کر) کہا میں جس چیز پر مطلع ہوا ہوں اس پر آپ مطلع نہیں ہوئے

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَأٍ يَقِينٍ ۝ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ

اور میں آپ کے پاس قوم سبا سے یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ان پر ایک عورت کو حکمرانی کرتے پایا ہے اسے ہر نعمت سے

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ

حصہ ملا ہے اور اس کے پاس ایک عظیم تخت ہے۔ [16] میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ اللہ کی بجائے

لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

سورج کو سجدہ کرتے ہیں شیطان نے ان کے (برے) اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں، انہیں

السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝ لَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي

سیدھی راہ سے روک دیا ہے تو وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔ یعنی اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا

اور زمین میں چھپی چیزیں ظاہر کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو۔ وہ اللہ ہے اس کے کوئی معبود نہیں۔

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

وہ صاحب عرش عظیم ہے۔ [17]

﴿سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ﴾ کا ملکہ یمن کو ہڈ ہڈ پرندے کے ذریعے حکم اطاعت بھیجنا

[15] حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پرندوں کے نمائندے بھی حاضر ہوتے تھے۔ ابھی پیچھے گزرا: وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ۔ (نمل: ۱۷) آپ نے ایک دن ہڈ کو غیر حاضر پایا تو کہا وہ کیوں غیر حاضر ہے اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ نہ پیش کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی اور اسے ذبح بھی کیا جاسکتا ہے۔

ہڈ ہڈ پرندے کی فضیلت و افادیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دورانِ سفر حضرت سلیمان علیہ السلام ہڈ کو بلاتے تھے وہ زمین پہ چونچ مار کر جان لیتا کہ پانی زمین میں کتنی گہرائی پر ہے پھر آپ جنات سے زمین کھدوا کر پانی نکال کر اس سے وضو کرتے اور نماز ادا کرتے۔ ایک بار آپ نے جنگل میں تخت اتارا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو ہڈ ہڈ نظر نہ آیا تب آپ نے اس کے بارے میں یہ سخت ارشاد فرمایا۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۷۲، مظہری جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہڈ ہڈ زمین پہ چونچ مار کر جان جاتا ہے کہ اس کی گہرائی میں کتنا پانی ہے تو ایک خارجی شخص نے کہا دیکھو ہم ہڈ کو پکڑنے کے لیے زمین پہ جال بچھا کر اس پہ مٹی بکھیر دیتے ہیں اور اس پر دانے ڈال دیتے ہیں۔ جب ہڈ ہڈ دانے چگنے کو آتا ہے تو جال میں پھنس جاتا ہے۔ جب اسے ذرا سی مٹی کے نیچے جال نظر نہیں آتا تو زمین کی تہہ میں پانی کیسے نظر آ جاتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا جواب دینے کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن اگر جواب نہ دیا تو یہ باتیں بنائے گا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یاد رکھو جب تقدیر خداوندی آ جاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۷۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ہڈ ہڈ چڑیا سے کچھ بڑا پرندہ ہے اس کی چونچ لمبی اور اس کے سر پہ اونچی لمبی کلغی ہوتی ہے۔ رنگت عموماً سیاہ و سرخ ہوتی ہے۔ ہڈ ہڈ مبارک جانور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہڈ ہڈ اور لٹورے کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۶۴) حالانکہ ہڈ ہڈ حلال پرندہ ہے مگر اس کے مارنے سے ممانعت اس کے بابرکت ہونے کی وجہ سے ہے۔

مروی ہے کہ حضرت امام عبدالملک بن محمد رقاش رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا جیسے ان سے ایک ہڈ ہڈ نے جنم لیا ہے۔ انہوں نے یہ خواب ایک معبر کو بتایا تو اس نے کہا: آپ کے ہاں ایک شب زندہ دار عبادت گزار بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ امام عبدالملک پیدا ہوئے جو روزانہ چار سو نوافل پڑھتے تھے اور انہیں ہزاروں احادیث زبانی یاد تھیں، سن وصال 276ھ ہے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[16] حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہمد حاضر ہوا تو دوسرے پرندوں نے اسے بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمہارے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے؟ اس نے کہا کیا آپ نے کچھ استثناء بھی کیا تھا؟ کہنے لگے: ہاں آپ نے فرمایا تھا بشرطیکہ وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بتائے۔ ہمد کہنے لگا اب میری جان بچ گئی (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۲) تب ہمد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی حاضری میں تاخیر کی وجہ بتائی کہ وہ قوم سباء کو دیکھ کر آیا ہے۔ جن پر ایک عورت حکومت کرتی ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔

یمن کی ملکہ بلقیس اور اس کے تخت کا تذکرہ

یاد رہے قوم سبا یمن میں آباد تھی اور اس وقت ان کی ملکہ کا نام بلقیس تھا۔ (آج بھی اہل یمن کے دلوں میں بلقیس کی یاد تازہ ہے۔ آج سے چار برس قبل ایک بار سفر حج کے دوران میں یمن کے دارالحکومت صنعاء کے ایئر پورٹ پر اتراتو وہاں ریٹ ہاؤس کے دروازے پر اس کا نام صالۃ بلقیس لکھا ہوا تھا)۔ مروی ہے کہ بلقیس کا باپ شراجیل یعر بن قحطان کی نسل سے تھا۔ اس کی عظیم سلطنت تھی اور اس کی ایک ہی بیٹی تھی یعنی بلقیس۔ جب وہ مرا تو ایک ظالم شخص حکومت پر قابض ہو گیا اور اس نے اہل یمن پر بازارِ ظلم گرم کر دیا وہ یمنی عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے لگا۔ بلقیس کو یہ دیکھ کر غیرت آئی اس نے اس شخص کو پیغام نکاح بھیجا وہ خوش ہوا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا جب پہلی رات وہ بلقیس کے پاس آیا تو بلقیس نے اسے کثیر شراب پلائی وہ مدہوش ہو گیا بلقیس نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اہل یمن اس کا رنامے سے بہت خوش ہوئے اور بلقیس کو ملکہ یمن بنا دیا گیا۔ (منظہری جلد ۷ صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت اسی ہاتھ لمبا، چالیس ہاتھ چوڑا اور چالیس ہاتھ اونچا تھا اور دیگر روایات کے مطابق اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور یا قوت و زبرد سے اس پر چڑاؤ کیا گیا تھا اور وہ سات دروازوں میں مقفل رہتا تھا۔ (منظہری جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

مروی ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت حدود یمن میں اتر ا۔ ہمد نے آپ علیہ السلام کو مصروف دیکھا تو آس پاس کا جائزہ لینے کے لئے اُڑا تو اسے ایک یمنی ہمد ملا، اس نے اسے بتایا کہ یمن پر ایک ملکہ کی حکومت ہے جس کے پاس بڑے لشکر ہیں اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ پھر یمنی ہمد نے سلیمانی ہمد کو ملکہ بلقیس کی حکومت اور اس کا تخت دکھایا۔ ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو نماز عصر کے لئے وضو کی ضرورت ہوئی اور ہمد ہمد نظر نہ آیا جو پانی کی خبر دیتا تھا۔ پھر جب ہمد آیا تو دربار سلیمانی میں ڈرتا ہوا حاضر ہوا اس کے پر زمین پر گھسٹ رہے تھے پھر اس نے سارا ماجری عرض کیا۔ (منظہری جلد ۷ صفحہ ۱۰۹)

عورت کے سربراہ مملکت بننے کی دلیل کا رد

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ عورت کو سربراہ مملکت بنایا جاسکتا ہے۔ مگر

یہ دلیل غلط ہے۔ ملکہ بلقیس اس وقت کافرہ تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ ہد ہد نے کہا: وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ ”میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں۔“ (نمل، ۲۴) تو کفار کے عمل کو مسلمانوں کے لیے کیسے حجت بنایا جاسکتا ہے۔ جبکہ قرآن فرماتا ہے: أَلَرَّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النَّسَاءِ ”شوہر بیویوں پر حاکم ہیں۔“ (نساء، ۳۴) یعنی گھر میں شوہر حاکم ہے، بیوی نہیں۔ اب گھروں سے شہر اور شہروں سے ملک بنتے ہیں۔ جب معاشرہ کی سب سے چھوٹی سطح پہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی تو سب سے بڑی سطح پہ کیسے بن سکتی ہے، جو موٹر سائیکل نہیں چلا سکتا اسے ٹرک چلانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمْرَهُمْ امْرَأَةٌ، ”وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جنہوں نے اپنی امارت کسی عورت کے سپرد کر دی۔“ (بخاری کتاب الفتن، حدیث ۷۰۹۹)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جانوروں میں بھی کچھ جذبہ معصیت ہوتا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو سزا دینے بلکہ ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور نبی کسی ظلم کا خواہاں نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا جانوروں میں بھی کسی درجہ میں جذبہ معصیت ہوتا ہے جس پر انہیں سزا دی جاسکتی ہے تاہم جانوروں میں ایسی معصیت نہیں ہوتی کہ وہ اخروی سزا کے مستحق ہوں۔

(۲) معذرت کا قبول کرنا سنت انبیاء ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد پر اظہار ناراضگی کے ساتھ ہی فرمادیا: أَوْ لِيَأْتِيَنِي بِسُلْطَنٍ مُبِينٍ ۝ یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم کو حتی المقدور رعایا سے عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معافی دینا پسند ہے۔ دعا نبوی ہے: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا۔ ”اے اللہ! تو معاف فرمانے والا تجھے معافی دینا پسند ہے تو تو ہمیں معافی عطا فرما۔“ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۸۴)

[17] ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی کہ ملکہ یمن بلقیس اور اس کی قوم کے لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ آگے ہد ہد نے اپنی طرف سے ایک ایمانی جذبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ شیطان نے یہ بُرا عمل انہیں خوب صورت بنا کر دکھا دیا ہے اس لئے وہ راہ ہدایت پر نہیں آرہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے جو آسمان و زمین کی چھٹی چیزیں ظاہر کرتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج اُگاتا ہے یا وہ آسمان سے وحی اتار کر مومنوں کے سینوں سے ایمان کے پودے اُگاتا اور ان پر عمل صالح کے پھل لگاتا ہے اور وہ لوگوں کے تمام ظاہری و خفیہ اعمال سے واقف ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یعنی پیچھے ہد ہد نے کہا تھا کہ بلقیس کے پاس بڑا تخت ہے اب وہ کہہ رہا ہے کہ بلقیس کو اپنے تخت پر نازاں نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے بڑا عرش عظیم ہے کیونکہ اللہ وہ ہے جس کی کرسی نے ارض و سما کو گھیر رکھا ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ (بقرہ: ۲۵۵)

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

اہل تشیع کے لیے درس عبرت

یہاں سے ہمیں عظمتِ اصحابِ رسول ﷺ کا پتہ چلتا ہے۔ جب ایک پرندہ صحبتِ رسول سے اس قدر چٹنگی ایمان حاصل کرتا ہے تو انسانوں کا کیا کہنا۔ اندازہ کریں ہد ہد پرندہ ہے اور صحبتِ رسول نے اسے عقائدِ اسلامیہ کی اس قدر سمجھ دے دی ہے کہ وہ اثباتِ توحید و ردِ شرک پر بلیغ خطبہ دے رہا ہے۔ مگر افسوس کہ اہل تشیع کے نزدیک اصحابِ رسول ﷺ کے دل طویل صحبتِ رسول کے باوجود پاک نہ ہوئے اور تین صحابیوں حضرت ابوذر غفاری، سلمان فارسی اور مقداد بن اسودؓ کے سوا سب صحابہ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد دین چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ گئے کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔ (تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ تہران) صحبتِ حضرت سلیمانؑ ایک پرندے پہ اتنا اثر کر دے اور صحبتِ محبوبِ رحمان ﷺ انسانوں پہ کچھ بھی اثر نہ کرے؟ مَا لَكُمْ فَتَنَ كَيْفَ تَحْكُمُونَ۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۝۲۷ إِذْ هَبْ بَكِيتِي

سلیمان (ﷺ) نے کہا ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو میرا یہ خط

هَذَا فَأَلْقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝۲۸ قَالَتْ

لے جاؤ اسے ان کی طرف پھینک آؤ پھر ان سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا رد عمل کرتے ہیں۔ ان کی ملکہ نے کہا:

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِنِّي أَتِي الْقِيَامَ كَرِيْمٌ ۝۲۹ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ

اے سردارانِ قوم! میری طرف ایک بڑا معزز خط ڈالا گیا ہے۔ وہ شاہِ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ اللہ رحمان و رحیم کے

اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝۳۰ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأُتُونِي مُسْلِمِينَ ۝۳۱ ع

نام سے لکھا گیا ہے۔ (لکھا ہے) کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور اطاعت کناں میرے پاس حاضر ہو جاؤ [18]

[18] حضرت سلیمانؑ نے ہد ہد کی ساری بات سن کر کہا جو خبر تم لائے ہو ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ اس کے بعد ہد ہد نے پانی کا پتہ دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے وضو کیا نماز پڑھی اس کے بعد آپ نے ملکہ بلقیس کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

”من عبد الله سليمان بن داود الى بلقيس ملكة سبا۔ بسم الله الرحمن الرحيم السلام
على من اتبع الهدى۔ اما بعد، فلا تعلوا عليّ و اتوني مسلمين۔ الله کے بندے سلیمان بن داؤد (ﷺ) کی
طرف سے فرماں روائے سبا بلقیس کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اما بعد۔ تم لوگ مجھ پر سرکشی نہ

کرو اور میرے پاس اطاعت گزار بن کر حاضر ہو جاؤ۔“

خط کے آخر میں آپ نے اپنی سرکاری مہر لگائی اور ہد ہد سے فرمایا میرا یہ خط ملکہ سباء کو پہنچا آؤ۔ اس نے خط کو چونچ میں دبایا اور لے اڑا۔ وہ ملکہ بلقیس کے محل کے کسی روشن دان میں سے داخل ہو کر بلقیس کی خوابگاہ تک پہنچا۔ وہ سو رہی تھی اس نے خط اس کے پیٹ پر پھینکا اور واپس اڑ آیا۔ جب وہ نیند سے اٹھی تو یہ خط پا کر حیران رہ گئی۔ کیونکہ دروازہ مقفل تھا اور دروازے کی چابی اس نے اپنے سر کے نیچے رکھی تھی۔ پھر یہ خط اس تک کیسے پہنچا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ کے معروف بادشاہ تھے۔ آپ کی عبادت، رعایا پروری اور عدل گستری نے آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچا دیا تھا اور آپ کے مذکورہ خط کا مضمون بھی بہت پر جلال تھا اور آخر میں سرکاری مہر سلیمانی بھی لگی ہوئی تھی۔ ان چیزوں نے ملکہ بلقیس کو ریشہ بر اندام کر دیا۔

اس جگہ سے معلوم ہوا خط کا آغاز بسم اللہ شریف سے کرنا سنت انبیاء ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم ﷺ پہلے خط کا آغاز بسم اللہ سے کرتے تھے پھر جب یہ آیت اتری: إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۳۰ تو آپ خط کے آغاز میں پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے لگے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۵۳ بروایت عبدالرزاق، ابن سعد وغیرہما) اور حدیث میں ہے کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۱۹)

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا

کہنے لگی اے سرداران! میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی

حَتَّى تَشْهَدُونِ ۳۱ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ ۳۲

جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم قوت والے اور شدید جنگجو لوگ ہیں

وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۳۳ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا

اور فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اب تم دیکھ لو کہ کیا حکم کرنا چاہتی ہو۔ [19] وہ بولی: بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوں

قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۳۴ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۳۵

تو اسے اجاڑ دیتے اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ [20]

[19] ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط اپنے اراکین سلطنت کو دکھایا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کرنا

چاہئے۔ ملکہ بلقیس نے کہا: اَلْقِيْ اِلَيَّ كِثْبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۵﴾ میری طرف ایک خط ڈالا گیا ہے، یہ نہ کہا: اُرْسِل اِلَيَّ کہ میری طرف خط بھیجا گیا ہے کیونکہ خط اس کی طرف پھینکا گیا تھا۔ اراکین سلطنت نے کہا ہم اتنے کمزور لوگ نہیں کہ کسی حکمران کے ایک خط کے آگے جھک جائیں ہم جنگجو لوگ ہیں اگر ہمیں لڑنے کا حکم دیا گیا تو ہم بہادری کے جوہر دکھائیں گے تاہم فیصلہ ملکہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہے حکم دے۔

[20] بلقیس نے اراکین سلطنت کی باتیں سن کر کہا شاہانِ زمانہ جب کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوں تو اسے اُجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو رسوا کر دیتے ہیں۔ لہذا شاہِ سلیمان سے ٹکر لینا مناسب نہیں، بلکہ اس کے لئے کوئی اور تدبیر کرنی چاہئے گویا ملکہ بلقیس بہت دانا عورت تھی اس نے جوش کی بجائے ہوش سے کام لیا۔

وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ

اور میں ان کی طرف ایک بڑا ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ فرستادہ لوگ کیا جواب لے کر مڑتے ہیں جب اس کا بھیجا ہوا شخص سلیمان (علیہ السلام) کے

سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَ بِمَالِیْ فَمَا اَتٰنِیَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا اٰتٰکُمْ ؕ بَلْ

پاس آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کر رہے ہو؟ [21] تو جو اللہ نے مجھے دیا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا۔ بلکہ

اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَا قِبَلَ

تم اپنے ہدیہ پر خوش ہو رہے ہو، انکی طرف پلٹ جاؤ اب ہم ان پر وہ لشکر لے کر آرہے ہیں جن کا مقابلہ

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذِلَّةً وَهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ نہیں کر سکتے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہیں۔ [22]

سلیمان علیہ السلام کا تخت بلقیس کو ایک لمحہ میں منگوانا اور اس کا آپ پر ایمان لانا

[21] شاہزادی یمن ملکہ بلقیس نے ارکانِ سلطنت سے کہا کہ میں شاہِ سلیمان سے ٹکر لینے کی بجائے اسے ایک بڑا تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ تحفہ لے جانے والے لوگ کیا جواب لے کر مڑتے ہیں یعنی اگر شاہِ سلیمان اور ان کے ساتھیوں نے سونا چاندی کے تحائف قبول کر لئے تو میں سمجھوں گی کہ وہ دنیا دار لوگ ہیں اور ان کی نظر ہماری دولت اور حکومت پر ہے پھر ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر انہوں نے ہمارے قیمتی تحائف رد کر دیے تو پھر سمجھوں کہ سلیمان علیہ السلام نبی ہیں اور نبی سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا دار حاکم مالِ دنیا لے کر راضی ہو سکتا ہے اور نبی اپنی اتباع

کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا۔

چنانچہ بروایت سدی ملکہ بلقیس نے کثیر لونڈیاں، غلام، سونے کی اینٹیں اور سونے کا ایک خاص قیمتی پیالہ بھیجا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے آنے سے قبل جنات کو حکم دیا کہ شہر کی دیواروں پہ سونے اور چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے۔ جب ملکہ بلقیس کے نمائندوں نے شہر بابل میں سونے اور چاندی کی دیواریں کھڑی دیکھیں تو وہ اپنے سونے اور چاندی کے تحائف پر شرمندہ ہو گئے۔ ملکہ بلقیس نے لونڈیوں کو غلاموں کی صورت میں اور غلاموں کو لونڈیوں کی صورت میں بھیجا تھا تا کہ سلیمان علیہ السلام کی عقل کو آزمائے مگر آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا۔ اور اس نے کہا تھا کہ ہم جو پیالہ بھیج رہے ہیں اسے ایسے پانی سے بھرا جائے جو نہ آسمان سے ہو نہ زمین سے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو دوڑایا انہیں خوب پسینہ آیا آپ نے حکم فرمایا کہ ان کا پسینہ پونچھ کر اس پیالے میں ڈال دیا جائے۔ ملکہ بلقیس کے نمائندے آپ علیہ السلام کی دانائی سے دنگ رہ گئے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۵۸)

[22] حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمنی نمائندوں سے فرمایا تم اپنا سونا چاندی واپس لے جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر دے رکھا ہے ہمیں تمہارے سونے چاندی کی نہیں تمہارے ایمان لانے اور اطاعت اختیار کرنے کی طلب ہے۔ اب ہم تم پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ تمہارے بس میں نہیں ہے تم اپنے ہدیے پر خود ہی خوش ہو لو۔ ہم اس سے بے نیاز ہیں۔

ہدیہ قبول کرنا چاہئے بشرطیکہ رشوت نہ ہو

اگر ہدیہ بطور رشوت اور مذموم مقصد کے لئے ہو تو اسے رد کر دینا چاہئے جیسے ملکہ بلقیس نے اس لئے ہدیہ بھیجا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہدیہ قبول کر کے بلقیس کی کافرانہ حکومت کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ تو آپ علیہ السلام نے ہدیہ رد کر دیا۔ اگر ایسی بات نہ ہو تو ہدیہ دینا اور قبول کرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تَهَادُوا تَحَابُّوا، ”ایک دوسرے کو ہدیہ دو یوں تمہارے درمیان محبت بڑھے گی۔“ (موطا امام مالک کتاب حسن خلق باب ۱۶)

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٢٣﴾

آپ نے فرمایا اے ارکان سلطنت! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے اس سے قبل کہ وہ میرے پاس اطاعت گزار

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ

بن کر آئیں؟۔ [23] ایک طاقتور جن نے کہا: میں اسے آپ کے پاس لاتا ہوں اس سے قبل کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں۔

وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٢٤﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا

اور میں اس پر قوی و امین ہوں (پھر) اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں اس سے

آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ

قبل کہ آپ کی طرف آپ کی نظر پلے۔ [24] جب آپ نے تخت کو اپنے پاس موجود پایا تو کہا

هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ؕ أَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ

یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ تو جو شکر کرے وہ اپنے فائدہ کو

لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٢٥﴾

شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ کرم نواز ہے [25]

[23] محمد بن اسحاق نے حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یمنی نمائندے واپس گئے اور بلقیس کو ماجری سنایا تو وہ کہنے لگی میں پہچان گئی کہ سلیمان کوئی بادشاہ نہیں (بلکہ نبی ہے) اور ہم اس سے لڑ نہیں سکتے۔ اس نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کے پاس اپنے ارکان سلطنت کے ساتھ خود آ رہی ہوں کہ دیکھوں آپ کس دین کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے تخت کی حفاظت کا بندوبست کیا جس پر وہ بیٹھتی تھی۔ اس نے اسے سات دروازوں میں مقفل کیا۔ ہر دروازہ ایک دوسرے کے بعد آتا تھا۔ پھر وہ بارہ ہزار سرداران یمن کو ساتھ لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضری کے لئے چلی۔ جنات اس کے آنے کی خبریں آپ کے پاس مسلسل لا رہے تھے۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۷۶) جب وہ آپ کے شہر کے قریب آ گئی تو آپ نے اپنے درباریوں سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کے میرے پاس پہنچنے سے قبل یمن سے اس کا تخت یہاں لے آئے تاکہ وہ اپنے تخت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے اور اسے اطاعت قبول کرنے اور ایمان لانے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔

[24] عفریت کا معنی طاقتور اور سرکش ہے یعنی ایک طاقتور و سرکش جن نے جس کا قد کاٹھ روایات کے مطابق پہاڑ جیسا تھا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۵۹) کہا اے سلیمان علیہ السلام میں آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے قبل وہ تخت یہاں لاسکتا ہوں آپ کی مجلس صبح سے دوپہر تک رہتی تھی۔ عفریت جن نے کہا میں طاقتور اور امین ہوں۔ یعنی اس تخت پر لگے ہوئے سونے اور چاندی میں سے کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تم بیٹھ جاؤ مجھے وہ تخت اس سے جلدی چاہئے یعنی مجلس کی برخاستگی سے قبل نہیں بلکہ بلقیس کے آنے سے قبل اس کا تخت یہاں ہونا چاہئے اور وہ ابھی آرہی ہے۔ تب ایک انسان نے جس کے پاس کتاب تورات کا علم تھا اٹھ کر کہا: اے سلیمان علیہ السلام میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لاسکتا ہوں۔

حضرت آصف بن برخیا تخت بلقیس کو یمن سے عراق میں کیسے لائے

قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی نظر کو پلٹیں یعنی جھپکائیں چنانچہ آپ نے پلک جھپکی تو دیکھا وہ عظیم تخت آپ کے دربار میں پڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ تخت کے لانے والے آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۸۸۵ حدیث ۱۶۳۷۸) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کے پاس اسم اعظم کا علم تھا جس کے ذریعے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۱ بروایت ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید و ابن جریر وغیرہ)

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آصف بن برخیا نے وضو کیا دو نوافل پڑھے پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی! ادھر دیکھیں آپ نے یمن کی طرف نظر اٹھائی۔ آصف بن برخیا نے دعا کی تو تخت وہاں سے معدوم ہو کر یہاں موجود ہو گیا۔ (ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۵۲۵ حدیث ۲۷۰۱۵)

شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت آصف رضی اللہ عنہ نے تخت کو یمن سے معدوم کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس موجود کر دیا کیونکہ ولی کامل کا گن کہنا اللہ کے گن کہنے کی طرح ہے۔ (روح المعانی جلد ۱۹ صفحہ ۲۰۵) اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں آپ نے خود وہ تخت کیوں نہ منگوایا، آصف بن برخیا کے ذریعے کیوں منگوایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ دکھانا چاہتے تھے اگر آپ کی اتباع کرنے والے ایک شخص کی یہ قوت روحانیہ ہے تو خود آپ کی قوت روحانیہ کا کیا عالم ہوگا۔ اور ولی کی کرامت اس کے نبی ہی کا معجزہ ہوتی ہے۔

کرامت کی حقانیت

حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا یمن سے عراق میں تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں لانا بتاتا ہے کہ ولی کامل کی کرامت

برحق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر ایسے امور ظاہر کرتا ہے جو عقل انسانی سے ورآء ہیں اور ولی کو یہ مقام تب ملتا ہے جب وہ اپنے نبی کی اتباع میں فنا ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پہ بھی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ ان کے وصال کے بعد ان کی بیوی کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی تو آپ کی حاملہ بیوی نے آپ کے وصال کے بعد لڑکی ہی جنی۔ (موطاء امام مالک کتاب الاقضیہ حدیث ۴۵)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خط سے دریائے نیل بہہ پڑا تھا۔

اہل مصر ایک خوبصورت لڑکی کو پانی میں بہاتے تھے تو نیل کا پانی طغیانی میں آتا تھا۔ جب مصر فتح ہوا تو نیل خشک تھا۔ مجاہدین نے یہ ماجری لکھ کر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا آپ نے دریائے نیل کو خط لکھا کہ اے دریا اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی اللہ کے نام سے چل پڑو۔ جب یہ خط دریا میں ڈالا گیا تو اسی رات اس کا پانی سولہ ہاتھ تک بلند ہو گیا اور آج تک دوبارہ دریائے نیل خشک نہیں ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ دارالریان بیروت)

یونہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں دوران خطبہ جمعہ یا ساریۃ الجبل فرمانا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا عراق میں دوران جنگ آپ کی یہ آواز سکر پہاڑ کے پیچھے ہو جانا اور دشمن سے بچ جانا بھی آپ کی عظیم کرامت ہے۔ (دلائل النبوة لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۷۴۴ فصل ۲۹)

قوتِ ولی کے سامنے جنات کی قوت کچھ نہیں ہے

جو کام عفریت جن نہیں کر سکتا تھا وہ حضرت آصف نے کر دکھایا۔ وجہ یہ ہے کہ جنات کے پاس جسمانی یا شیطانی قوت ہے اور اولیاء کاملین کے پاس روحانی و ایمانی بلکہ رحمانی قوت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب آ جاتا ہے۔ تب میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔“ (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۵۱) تو جس کے ہاتھ میں خدائی قوت ہو وہ کیا نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہر شخص کو جانی چاہیے۔

اور اس میں کیا شک ہے انسان اشرف المخلوقات ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿۱﴾ جب ایک بندہ مومن اللہ کی اطاعت میں خود کو گم کر دیتا ہے تو اس کی قوت و طاقت اور اس کا اختیار و تصرف جنات کیا فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے

عظمت قرآن کریم

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ سَٰئِرُ الْأُولَىٰ يَكْفِيكَ جَهَنَّمَ
میں یمن سے تخت بلقیس لے آیا تو جو قرآن کا پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ولی ہو تو کیا اسکی قوت روحانی کا اندازہ کیا
جاسکتا ہے؟ لہذا جو لوگ امت سلیمان علیہ السلام کے ولی کی کرامت کو مانتے ہیں انہیں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء کی کرامات
سے انکار کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

[25] جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کو ایک لمحے میں اپنے سامنے موجود پایا تو کہا یہ میرے رب کا فضل
ہے۔ یعنی یہ کہ اس نے میرے بعض تابعین کو یہ قوت عطا فرمائی ہے اور یہ میری آزمائش ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا
ناشکری۔ تو شکر کرنے والا اپنے شکر سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ناشکری کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز و
کریم ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں۔

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ

جناب سلیمان نے فرمایا ملکہ کے لیے اس کا تخت بدل دو ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا ہدایت نہ پانے والوں

لَا يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ ط قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ج

میں سے ہے۔ جب وہ آئی تو کہا گیا کیا ایسا ہی تمہارا تخت ہے؟ کہنے لگی: لگتا ہے کہ یہ وہی ہے

وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ

اور ہمیں پہلے ہی اس کا علم تھا اور ہم اطاعت گزار تھے اور اسے (قبول حق سے) اس چیز نے روکا جو وہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ ط إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٣٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي

اللہ کے سوا پوجتی تھی، وہ کافر قوم میں سے تھی۔ [26] ملکہ سے کہا گیا کہ صحن میں داخل ہو، جب اس نے

الصَّرْحَ ج فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا ط قَالَ إِنَّهُ

صحن دیکھا تو اسے گہرا پانی گمان کیا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھالیا۔ آپ نے فرمایا یہ شیشوں سے

صَرَحٌ مِمْرَدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ط قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ

جڑا ہوا صحن ہے۔ کہنے لگی اے میرے رب! میں نے خود پر ظلم کیا اور میں سلیمان (ﷺ) کے ساتھ

مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ع ﴿٣٤﴾

اللہ رب العالمین کے حضور سر جھکاتی ہوں۔ [27]

[26] بلقیس نے لونڈیوں کو غلاموں اور غلاموں کو لونڈیوں کی شکل میں بھیج کر حضرت سلیمان (ﷺ) کی عقل و فراست کا امتحان لینا چاہا تھا۔ اب حضرت سلیمان (ﷺ) نے بھی یہی جوابی عمل کیا آپ نے فرمایا بلقیس کے آنے سے قبل اس کے تخت میں تبدیلی کر دو مثلاً سبز جواہرات کی جگہ سرخ اور سرخ جواہرات کی جگہ سبز لگا دو کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں اور پھر وہ اپنے تخت کو پہچان کر اور یہاں موجود پا کر ہدایت پاتی ہے یا وہ ہدایت نہ پانے والوں میں سے ہے۔ جب بلقیس آئی تو اسے کہا گیا کہ یہ تمہارا تخت ہے؟ کہنے لگی لگتا تو وہی ہے اور ہمیں پہلے ہی سلیمان (ﷺ) کی قوت و شوکت کا علم تھا۔ کیونکہ جب آپ کا خط ہم تک بند دروازوں میں سے پہنچا تو ہم آپ (ﷺ) کی قوت کے اس وقت ہی قائل ہو گئے تھے اور

اب اپنے تخت کو یہاں دیکھ کر مزید قائل ہو گئے ہیں۔

یعنی بلقیس پہلے ہی دل سے آپ کی نبوت کا اقرار کر چکی تھی۔ صرف اپنے باپ دادا کی تقلید میں جھوٹے خداؤں کی پرستش اسے آپ کی اطاعت کے قبول کرنے سے مانع تھی۔ کیونکہ اپنی قوم والا دین چھوڑنا آسان نہیں ہوتا مگر جب اس کا تخت اس کے آنے سے قبل یہاں آ گیا تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہو گئی۔

[27] جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا تھا کہ بلقیس جنات میں سے ہے اور اس کی پنڈلیاں جنات والی ہیں جن پر لمبے بال ہیں اور اس کے پاؤں گدھوں جیسے ہیں اور بلقیس غیر شادی شدہ تھی۔ جب وہ ایمان لے آئی تو آپ نے اسے پیغام نکاح دیا جو اس نے قبول کیا۔ تب آپ نے اس کی پنڈلیاں دیکھنا چاہیں اور پاؤں ملاحظہ کرنا چاہے۔ آپ نے اپنے دربار کے صحن میں تالاب بنوایا اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں اور تالاب کے اوپر شیشے کا ایسا صاف شفاف فرش بچھایا جو نظر نہیں آتا تھا۔ پھر آپ نے بلقیس کو اپنے دربار میں اس صحن کی طرف سے بلوایا جب وہ قریب آئی تو پانی کو دیکھ کر اس نے پنڈلیوں سے اپنا دامن کچھ اونچا کر لیا تاکہ اس میں سے گزر جائے۔ آپ نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں بالکل انسانوں کی طرح ہیں تب آپ کے دل سے جنات کا ڈالا ہوا دوسوہ ختم ہو گیا اور ملکہ بلقیس نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ پھر صحیح روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کر لی۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ

اور یقیناً ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے قومی بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو گروہ بن کر

يَخْتَصِمُونَ ﴿۲۸﴾ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

باہم جھگڑنے لگے [28] آپ نے فرمایا: اے میری قوم! تم اچھائی سے قبل بُرائی کیوں جلد مانگ رہے ہو؟ تم اللہ سے بخشش کیوں

تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۹﴾ قَالُوا أَطِيرُنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط

نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ [29] کہنے لگے (اے صالح) ہم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے نحوست میں پڑ گئے ہیں

قَالَ طَيْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۳۰﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ

آپ نے فرمایا تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم لوگوں کی آزمائش کی گئی ہے۔ [30] اور شہر میں

تِسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا

نو گروہ تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں چاہتے تھے وہ باہم اللہ کی قسم اٹھا کر کہنے لگے کہ ہم صالح

بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا

اور اس کے گھروالوں کو رات کے وقت قتل کر دیں گے پھر اسکے وارث سے کہیں گے ہم تو اسکے گھروالوں کی ہلاکت پر حاضر نہ تھے اور ہم

لَصَادِقُونَ ﴿۳۲﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا مَكْرًا وَمَكْرًا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۳﴾ فَانْظُرْ

سچے ہیں [31] انہوں نے اپنا داؤ کیا اور ہم نے اپنی تدبیر کی اور انہیں (ہماری تدبیر کا) شعور تک نہ تھا۔ تو دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۚ إِنَّا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۴﴾ فَتِلْكَ

ان کے داؤ کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے انہیں اور ان کی تمام قوم کو تباہ کر دیا تو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا ظَلَمُوا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ وَأَنْجَيْنَا

ظلم کی وجہ سے گرے پڑے ہیں اس میں جاننے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے [32] اور ہم نے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾

ایمان والوں کو نجات دی اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے۔ [33]

قتل صالح علیہ السلام کی سازش کرنے والوں پر عذاب الہی

[28] حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ متعدد سورتوں میں وارد ہوا ہے۔ یہاں خصوصاً آپ کے قتل کی سازش کرنے والوں کا انجام بتایا جا رہا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جب قوم کو بت پرستی چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرنے کا درس دیا تو قوم کے دو گروہ بن گئے۔ کمزور لوگوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی جو روایات کے مطابق چار ہزار بتائی گئی ہے اور مالدار لوگوں کی اکثریت اپنے لاکھوں ساتھیوں سمیت کفر و شرک پہ ڈٹ گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”صالح (علیہ السلام) کی قوم میں سے متکبر لوگوں نے کمزور لوگوں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے، کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ صالح اپنے رب کا سوال ہے؟ کمزور لوگوں نے کہا ہم اس کی رسالت پر ایمان لائے ہیں۔ متکبروں نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس سے منکر ہیں۔“

(اعراف: ۷۵)

[29] آپ کی قوم کے متکبر مالداروں نے کہا: يٰصَلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۰﴾ ”اے صالح! جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ۔“ (اعراف: ۷۷) تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم اچھائی سے پہلے برائی کیوں جلد مانگتے ہو۔ یعنی تم چاہتے ہو کہ جب عذاب آئے گا تب تم توبہ کرو گے تو توبہ سے قبل عذاب مانگنے کا کیا مقصد ہے؟ تم ابھی توبہ کیوں نہیں کرتے اور اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

[30] قوم ثمود کی اکثریت جب ایمان نہ لائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے اس سے عبرت پکڑنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جب سے صالح اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے علاقہ میں اپنا دین پھیلا نا شروع کیا ہے تب سے ہم پر نحوست آگئی ہے حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تمہاری نحوست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے کہ تم اس قحط سے عبرت پذیر ہو کر ایمان لاتے ہو یا نہیں۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) بُرے لوگ صالحین کو اپنے لئے وجہ نحوست قرار دیتے ہیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو وجہ نحوست قرار دیا حالانکہ وجہ نحوست وہ خود تھے اس میں یہ درس ہے کہ انسان کو اپنی بدنہی کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرانے کی بجائے اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے۔

(۲) ہر انسان کی خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔ ظہر گمہ عند اللہ میں سے یہ درس ہے کہ ہر آدمی کی خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ شر آنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے۔

[31] بستی حجر (جو حدودِ تبوک میں تھی، میں حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ کی قوم کے منکرین میں نو افراد ان کے سرغنہ تھے اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے تھے۔ انہوں نے زمین میں فساد پھیلا رکھا تھا۔ انہی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں کاٹنے ان کے یہ نام تھے قدار، مصدع، اسلم، دسم، زعم، زعمیم، قتال، صداق اور ذھیم (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۵) جب انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹے تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تم پر عنقریب اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔ انہوں نے کہا اس سے قبل کہ صالح ہم پر عذاب لائے ہمیں اسے اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دینا چاہئے۔ پھر جب ان کے ورثاء ہم پر دعویٰ قتل کریں گے تو ہم قسم اٹھا کر کہہ دیں گے کہ ہمیں کیا خبر انہیں کس نے قتل کر دیا ہم تو وہاں موجود نہ تھے اور ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا جھوٹ ایسا گناہ ہے جو انسانوں کو قتل جیسے جرم پر دلیر کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم اٹھانا کافروں کا کام ہے مسلمانوں کا نہیں۔

[32] مروی ہے کہ انہوں نے رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ جیسے ہی آپ باہر آئیں وہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ ابھی وہ وہیں کھڑے تھے کہ فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے۔ پتھر برستے تھے مگر برسانے والا نظر نہ آتا تھا۔ یوں وہ آن واحد میں ڈھیر کر دیئے گئے۔ (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۷) ان نو (9) افراد کے یوں مارے جانے کے بعد ان کی ساری قوم پر عذاب آیا اور فرشتے نے ان پر ایسی خوفناک چیخ ماری کہ سب کے کلیجے پھٹ گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اب ان کے گھر منہدم پڑے ہیں اور اس میں جاننے والوں کے لئے بہت بڑا نشانِ عبرت ہے چنانچہ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے بستی حجر کے کھنڈرات دیکھے اور اس چشمہ سے پانی بھی پیا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیتی تھی۔

[33] جب قوم شمود پر عذاب آنے والا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام بحکم الہی اپنے ساتھیوں کو لے کر بستی سے نکل گئے اور حضرت موت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ جو نہی وہاں حاضر ہوئے تو آپ کو موت آگئی اس لئے اس جگہ کا نام حضرت موت پڑ گیا۔ (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۸)

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٣٤﴾ أَيْنَكُمْ

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم بے حیائی کرتے ہو اور سرعام کرتے ہو؟ کیا تم

لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ط بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٣٥﴾

عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس شہوت کے ساتھ آتے ہو؟ بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔ [34]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ؕ

تو آپ کی قوم کا اس کے سوا جواب نہ تھا کہ کہنے لگے لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو

إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿٣٦﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَسَلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنْ

یہ پاک باز بننے والے لوگ ہیں تو ہم نے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے بیوی کے۔ ہم نے اسے پیچھے رہ جانے والوں

الْغَابِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٣٨﴾ قُلِ

میں لکھ دیا تھا۔ [35] اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کی تو تنبیہ یافتہ لوگوں پر کتنی بری بارش ہوئی، تو کہو

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى ط اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣٩﴾

سب تعریف اللہ کے لیے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں [36]

قوم لوط علیہ السلام پر آنے والی تباہی کا بیان

[34] حضرت لوط علیہ السلام بستی سدوم میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ بستی حدودِ شام میں تھی اب یہ جگہ بحیرہ لوط کے نیچے چلی گئی ہے۔ اس بستی کے لوگ عورتوں کی بجائے مردوں سے جنسی فعل کرتے تھے خصوصاً نو عمر لڑکوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے تھے اور باہر سے آنے والے مہمان ان کا شکار ہوتے تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام یہاں آئے تو ایک شخص نے آپ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اس سے آپ کی دو بچیاں ہوئیں۔ ایک روایت کے مطابق ان دو بچیوں کے سوا کوئی شخص آپ پر ایمان نہ لایا حالانکہ آپ ان میں بیس برس تک رہے۔ آپ نے انہیں مذکورہ بے حیائی سے روکنے میں پوری کوشش کی آپ نے فرمایا تم سرعام بے حیائی کرتے ہو اور عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو تم سے بڑا بے حیا اور

جاہل کون ہو سکتا ہے۔

[35] بے حیا و بے غیرت اہل سدوم نے حضرت لوط علیہ السلام کے ناصحانہ کلام کے جواب میں جاہلانہ گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ پاک باز بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تب ہم نے لوط علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیا سو آپ کی بیوی کے، کیونکہ وہ قوم کی بے حیائی پر راضی تھی۔ اور مروی ہے کہ جب حضرت جبرائیل و میکائیل علیہ السلام نو جوان لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر گئے تو آپ کی بیوی نے اپنی قوم کو آ کر خبر دی کہ لوط علیہ السلام کے پاس دو خوب رو نو جوان آئے ہیں تو قوم دوڑی آئی۔ چنانچہ جب قوم پر پتھر برسے تو ایک پتھر اس عورت کو بھی آگیا۔

[36] بعض انبیاء سابقین کی منکر قوموں کی تباہی بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے محبوب! آپ اللہ کی حمد بجالائیں یعنی اس بات پر کہ اس نے آپ کی امت کو ایسے عذابات سے بچا لیا ہے اور اللہ جن بندوں کو نبوت یا ایمان کے ساتھ چن لیتا ہے ان پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے۔ اب کفار سے پوچھا جائے کہ اللہ بہتر ہے یا جن چیزوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ بہتر ہیں۔ جب اللہ ہی بہتر ہے تو اسی کی عبادت کی جانی چاہیے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً فَانْتَبٰتْنَا

تو بھلا کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر اسکے ساتھ

بِهٖ حَدٰیْقَ ذٰتِ بَهْجَةٍۭ مَاۡ كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا۟ ؕ ؕ اِلٰهٌ مَّعَ

ہم نے خوش منظر باغات اُگائے۔ تمہارے لیے اس کا ایک درخت اُگانا بھی ممکن نہ تھا۔ تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور خدا ہے

اِلٰهٍۭ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ ۝۳۷ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلَافًا

(نہیں) بلکہ وہ راہِ حق سے ہٹے ہوئے لوگ ہیں۔ [37] بھلا کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں

اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَّجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اِلٰهٍۭ ؕ

نہریں چلائیں اور اس کے لئے میخیں بنائیں اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں)

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَكْشِفُ

بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [38] بھلا کون ہے جو مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارے اور اس سے مصیبت دور کرتا ہے۔

السُّوْءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ؕ اِلٰهٌ مَّعَ اِلٰهٍۭ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذْكُرُوْنَ ۝۳۹

اور تمہیں نسل در نسل زمین کے جانشین بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے تم کیا ہی کم نصیحت پکڑتے ہو [39]

اللہ کی پانچ عظیم الشان قدرتوں کا بیان

[37] یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ عظیم الشان قدرتیں بیان فرمائیں ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے:

پہلی قدرت تخلیق ارض و سما: اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کو پیدا کیا پھر آسمان سے انسانوں کے لئے بارش اُتار کر اس کے ذریعے زمین سے خوش منظر باغات اُگائے جبکہ انسان اپنی طاقت سے ایک درخت بھی نہیں اُگا سکتا تھا۔ تو کیا اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے جو یہ قدرتیں رکھتا ہو؟ پھر کفار راہِ حق سے کیوں ہٹتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود کیوں پکڑتے ہیں۔

[38] دوسری قدرت نہروں اور سمندروں کا چلانا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بتاؤ کون ہے جس نے زمین کو انسان کے لئے جائے قرار بنایا اور انسان کے لئے نہریں چلائیں۔ پھر زمین پر بڑے بڑے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں تاکہ زمین جمی رہے اور اس میں زلزلہ نہ ہو پھر اللہ نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنادی۔ یعنی ایک سمندر میٹھا اور دوسرا

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

کڑوا ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان ایسی آڑ ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے خلط ملط (Mix) نہیں ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ سارے کام کرتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو یہ ساری قدرتیں ظاہر فرما رہا ہے تو کفار میں سے اکثر لوگ یہ باتیں دیکھ کر بھی حق نہیں جانتے یعنی اس پر ایمان نہیں لاتے۔

ساری کائنات انسان کے لیے بنائی گئی ہے

ان آیات سے معلوم ہوا ساری کائنات ارض و سما انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ جیسا کہ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَرَمَايَا گیا۔ اس میں یہ درس ہے کہ سارا جہان انسان کے لئے بنا ہے اور انسان خدا کے لئے بنا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ ”میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے سوا کسی مقصد کے لئے نہیں پیدا کیا۔“ (ذاریات: ۵۶)

اسی لئے جب انسان اللہ کا مطیع بندہ بن جاتا ہے تو سارا جہان اس کے تابع ہو جاتا ہے اور یہی باب کرامت ہے۔ اولیاء کے حکم پہ دیواریں چل پڑتی ہیں، پتھر اڑنے لگتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے گھوڑے فتح مدائن کے وقت دور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں پانی پہ دوڑنے لگتے ہیں۔ (ناخ التوارخ)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
[39] تیسری قدرت مظلوموں بے بسوں کی فریاد رسی: جب انسان مجبور ہو کر اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ ایسے مظلوم و مقہور انسان کی مدد فرماتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے۔ (اگر وہ چاہے) اور اللہ انسانوں کو نسل در نسل ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو یہ کام کر سکے تو پھر انسان کس قدر کم نصیحت پکڑتے ہیں۔

مظلوم کی آہ سے بچنا چاہئے

جب اللہ تعالیٰ بے بس و لاچار کی فریاد سنتا ہے تو کسی مظلوم کی آہ نہیں لینی چاہئے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضی یمن بنا کر بھیجا تو انہیں جو ہدایات فرمائیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ مظلوم کی فریاد سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں ہے۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ۶۳)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ دمشق کا ایک باشندہ مسافروں کو کرایہ پہ دور دور چھوڑنے جاتا تھا۔ ایک بار وہ ایک مسافر کو کسی دور منزل کی طرف لے گیا۔ راستہ میں ایک سنسان جگہ پہ مسافر نے اسے رکنے کو کہا۔ جب وہ رکا تو اس نے خنجر نکال لیا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں بھاگ اٹھا وہ میرے پیچھے بھاگا۔ میں نے اسے کہا میری سواری اور میرا سب مال و اسباب لے لو اور میری جان بخش دو۔ مگر وہ نہ مانا۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز

پڑھنے کی مہلت دیدو۔ اس نے کہا جلدی کرو، میں نماز میں کھڑا ہو گیا مگر خوف کے سبب میرے منہ سے قرآن کریم کی کوئی آیت ادا نہیں ہو رہی تھی اور وہ مجھے لگا رہا تھا کہ جلدی کرو۔ آخر میری زبان پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جاری کر دی: اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ۔ ”کہ (اللہ کے سوا) کون ہے جو مجبور کی فریاد سنے جب وہ اسے پکارے اور وہ اس سے مصیبت دور کر دے۔ میرے یہ آیت پڑھنے کی دیر تھی کہ ایک گھڑ سوار نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں بھالا تھا۔ اس نے وہ بھالا اس کے سینے میں اتار دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کا دامن پکڑ لیا کہ خدا را بتاؤ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس رب کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ مجبور اسے پکارے تو وہ اس کی مصیبت دور کرتا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۸۳)

مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے

مشکلات اللہ تعالیٰ ہی بھیجتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی دور فرماتا ہے لہذا بندے کو مصائب میں مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے۔ البتہ اللہ کے نیک بندوں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ ضرور پیش کرنا چاہئے۔ اور جو لوگ مصائب میں انبیاء و اولیاء کو مدد کے لیے پکارتے ہیں وہ بھی ان کا وسیلہ ہی پکڑتے ہیں تاکہ ان کی ارواح متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں اور اللہ تعالیٰ مصائب دور کر دے۔ کیونکہ کوئی مسلمان کسی نبی ولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ وہ از خود اللہ کے اذن کے بغیر اپنی طاقت سے کسی کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔ کیونکہ سب انبیاء و اولیاء حکم الہی کے آگے بے بس اور اس کی رحمت کے محتاج بندے ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ ان کی عبادت کی وجہ سے ان پر بہت مہربان ہے۔ لہذا وہ ان کی دعاء کو اکثر رد نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو مشکلات میں پکارنا خود رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔ حضرت عتبہ بن غزوہ ان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا ضَلَّتْ دَابَّةُ اَحَدِكُمْ فِي اَرْضٍ لَيْسَ لَهَا بِهَا اَنْيْسٌ فَلْيَقْلُ اعْيُنُوْنِي عِبَادَ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عِبَادًا لَا تَرَوْنَهُمْ۔ ”جب تم میں سے کسی کی سواری ایسی جگہ گم ہو جائے جہاں کوئی اس کی فریاد سننے والا نہ ہو تو اسے یوں پکارنا چاہیے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کیونکہ اللہ کے بعض ایسے غیبی بندے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔“

(طبرانی کبیر جلد ۱۷ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اب یہ غیبی بندے کون ہیں جو بے بس لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟ تو وہ انبیاء و اولیاء کی ارواح بھی ہو سکتی ہیں اور مومن جنات اور فرشتے بھی۔ گویا ان کو پکارنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے ہماری مدد کرتے ہیں۔

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ

بھلا کون ہے جو تمہیں خشکی و سمندر کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون ہے جو اپنی رحمت سے قبل

يَدَي رَحْمَتِهِ ۖ ءَالَهُ مَعَ اللَّهِ ۖ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ أَمَّنْ يَبْدُو

خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ تو اللہ انکے شرک سے بلند ہے [40] بھلا کون ہے

الْخَلْقِ ثُمَّ يَعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ ءَالَهُ مَعَ

جو مخلوق کو پیدا کرتا پھر اسے لوٹاتا ہے اور کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور

اللَّهُ ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي

معبود ہے۔ آپ فرمائیں اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ [41] آپ فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۖ

اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ [42]

بَلْ أَدْرَكَ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ ۖ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا ۖ بَلْ هُمْ

بلکہ آخرت میں ان کا علم مکمل ہوگا، بلکہ وہ آخرت کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ وہ

مِنْهَا عَمُونَ ۖ

اس سے اندھے ہیں۔ [43]

[40] چوتھی قدرت بحر و بر میں مسافروں کی رہنمائی اور نظام باد و باراں: یعنی اللہ ہی خشکی و سمندر میں سفر کرنے والوں کو ان کی منزل کی راہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں خشکی و تری میں آسمان پر جگمگانے والے ستاروں سے مسافروں کو رہنمائی ملتی ہے اور اللہ بارش سے قبل ٹھنڈی ہوا چلاتا ہے جو رحمت الہی یعنی بارش سے پہلے اس کی بشارت لے کر آتی ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو ایسا کر سکتا ہے؟ نہیں تو ثابت ہوا کہ اللہ مشرکین کے شرک سے بہت بلند ہے۔

[41] پانچویں قدرت نظام موت و حیات اور نظام رزق: یعنی اللہ کے سوا کون ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا اور پھر

اسے عدم کی طرف لے جاتا ہے؟ وہ اللہ ہی ہے جو ہر جاندار چیز کو دنیا میں لاتا ہے پھر اسے لے جاتا ہے بلکہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور قیامت سے قبل وہ ہر چیز کو عدم میں لے جائے گا اور اللہ ہی انسانوں کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اُناج اور پھل وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو ایسا کر سکے۔ لہذا اے منکر و اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ اگر تم سچے ہو۔

[42] یعنی اللہ کے سوا زمین و آسمان میں ذاتی طور پر کوئی شخص غیب نہیں جانتا اسی لئے کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور لوگوں کو کب اٹھایا جائے گا۔ یعنی اللہ ہر غیب کا جاننے والا ہے اور وہ انسانوں کے مخفی دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ تو انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

علم غیب کے بارے میں سوال کا جواب

اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ نے غیب کی کثیر خبریں دیں مثلاً آپ ﷺ نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر قیامت تک آنے والے تمام اہم واقعات، حادثات بتا دیئے۔ (ابوداؤد کتاب الفتن باب ۱) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے میں تمہیں بتاتا ہوں تم لوگ کیا کھا کر آئے اور کیا اپنے گھروں میں چھپا کر آئے ہو۔ (آل عمران: ۴۹) تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص غیب نہیں جانتا اور انبیاء اولیاء جو غیب کی خبریں دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے دیتے ہیں وہ ذاتی طور پر کچھ نہیں جانتے۔ یہی معنی علامہ محمود آلوسی بغدادی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، امام خفاجی اور دیگر ائمہ نے بیان فرمایا ہے۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنے مقرب و محبوب بندوں کو جس قدر چاہے غیب کی خبریں عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مَنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ ”اللہ تعالیٰ تم (عام لوگوں) کو غیب پہ مطلع نہیں کرنے والا، مگر وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (علم غیب کے لیے) منتخب فرما لیتا ہے۔“ (آل عمران، ۱۷۹)

چنانچہ اس نے رسول اکرم ﷺ پہ غیب کے سب خزانے کھول دیے اور فرمایا: وَعَلَيْكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ ”وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا“ اور اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پہ اللہ کا فضل عظیم ہے۔“ (النساء، ۱۱۳)

حضرت عمرو بن الخطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد منبر پہ بیٹھ کر وعظ فرمانے لگے حتیٰ کہ ظہر ہو گئی، آپ نے اتر کر ظہر پڑھی، پھر منبر پہ بیٹھ کر عصر تک وعظ فرمایا، پھر نماز کے بعد منبر پہ تشریف لے گئے اور وعظ فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا، تو آپ نے ہمیں ماکان وما يكون کی خبریں دیں۔ (یعنی جو ہو چکا اور جو ہوگا سب کچھ بتا دیا) تو ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جو آپ کی باتوں کو زیادہ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

یاد رکھیے۔ (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۲۸۹۲)
[43] یعنی منکرین قیامت کا قیامت کے بارے میں علم قیامت میں مکمل ہو جائے گا۔ آج وہ شک میں ہیں بلکہ جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ وَنَا إِنَّا لَمُخْرَجُونَ ۖ لَقَدْ

اور کفار نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر نکالا جائے گا؟ تحقیق

وَعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاءُ وَنَا مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ

یہ وعدہ ہم سے اور قبل ازیں ہمارے باپ دادا سے کیا گیا تھا۔ یہ اگلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ [44]

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۖ

آپ فرما دیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا؟ اور آپ ان پر

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۖ

غم نہ کریں اور ان کے مکر کرنے سے تنگی محسوس نہ کریں۔ [45]

قرآن اور قیامت کی حقانیت کا بیان

[44] منکرین قیامت کو یہ شبہ ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جاسکتا ہے اور کیا ہمارے پرانے باپ دادا کو بھی اٹھایا جائے گا؟ یہ کیسے ممکن ہے اور یہ وعدہ ہم سے قبل ہمارے باپ دادا سے بھی کیا گیا کہ قیامت آنے والی ہے مگر آج تک اس کی کوئی خبر نہیں۔ تو یہ تصور قیامت اگلے لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانی ہے جو نسل در نسل لوگوں میں منتقل ہو رہی ہے۔

[45] اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کے مذکورہ شبہ کے جواب میں فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ان سے فرما دیں کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں یعنی قیامت کے منکروں کا کیا انجام ہوا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے انبیاء کی دعوت پر ایمان لانے کی بجائے ان سے دشمنی کی اور قیامت کے ماننے کی بجائے تصور قیامت کا مذاق اڑایا تو اللہ نے کس طرح انہیں تباہ کر ڈالا لہذا انہیں ان کے انجام سے عبرت پکڑنا چاہیے اور اے پیارے محبوب ﷺ! آپ منکرین کی دشمنانہ کارروائیوں سے دل تنگ نہ ہوں آپ کی ذمہ داری صرف پیغام کا پہنچانا ہے۔

اس جگہ سیرُوُوا فی الارض سے معلوم ہوا کہ حصول عبرت کے لئے سیر و سیاحت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ اس سے انسان کو قوموں کے عروج و زوال سے آگاہی ملتی ہے جس سے وہ راہ ہدایت کا تعین کر سکتا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٦﴾ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ

کفار (مومنوں سے) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا؟ آپ فرمادیں قریب ہے کہ تمہارے پیچھے

رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَىٰ

تم وہ عذاب آپہنچا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر نفل فرمانے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ

النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

شکریہ نہیں بجا لاتے۔ [46] اور یقیناً آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے

صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي

پہنچاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں غائب ہونے والی کوئی چیز ایسی نہیں جو

كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٥٠﴾ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ

روشن کتاب میں نہ ہو۔ [47] بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بتاتا ہے

الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٥١﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٢﴾ إِنَّ

جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بے شک قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ [48] بے شک

رَبُّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٥٣﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط

آپ کا رب ان کے مابین اپنے حکم سے فیصلہ فرماتا ہے اور وہ غالب و علیم ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں

إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٥٤﴾

بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ [49]

[46] جب کفار مکہ و بتایا گیا کہ نریشہ قوموں پہ ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے عذابات آئے تو وہ ازراہ مذاق پوچھنے

لگے کہ ہم پر وہ عذاب کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے محبوب ﷺ! انہیں فرمادیں کہ ممکن ہے اس عذاب کا کچھ حصہ تمہارے عقب میں قریب آ گیا ہو۔ چنانچہ چند ہی برس بعد ہجرت کے دوسرے سال بدر میں کفار مکہ پر عذاب الہی آ گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کا رب لوگوں پہ فضل فرمانے والا ہے یعنی وہ کفار پر دنیا میں عذاب اتارنے کی جلدی نہیں فرماتا ہے اور مومنوں کی خطائیں معاف کر کے انہیں جہنم سے بچاتا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے۔

[47] یعنی اللہ رب العزت نہ صرف لوگوں کے ہر ظاہری و خفیہ حال سے آگاہ ہے بلکہ آسمان و زمین میں جو چیز بھی چھپی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔ لہذا اللہ رب العزت لوگوں کی خفیہ نیات کے مطابق روز قیامت ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا۔ چنانچہ اس دن کئی نیکیاں گناہ اور کئی گناہ نیکیاں بن جائیں گے۔ مثلاً فتنہ پیدا کرنے کی نیت سے بولا جانے والا سچ گناہ شمار ہوگا اور فتنہ ختم کرنے اور صلح کے لئے بولا جانے والا جھوٹ نیکی بن جائے گا۔

[48] بنی اسرائیل میں یہود بھی ہیں اور نصاریٰ بھی کیونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں اور ان کے درمیان جن امور پہ اختلاف ہے قرآن اس بارے میں سچی بات واضح فرماتا ہے مثلاً یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی و رسول ماننے کی بجائے ان کو گالیاں بکتے ہیں اور نصاریٰ ان کی تعظیم میں غلو کر کے انہیں درجہ خدائی پہ بٹھاتے ہیں۔ قرآن نے آ کر حق واضح فرمایا کہ آپ ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے اور درجہ خدائی تک پہنچانا بھی کفر۔ راہِ حق یہ ہے کہ انہیں رسول مانا جائے۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ جن سچائیوں سے اختلاف کرتے ہیں جیسے حقانیت قرآن، صداقت و رسالت محمدی اور توحید ربانی، قرآن ان چیزوں میں ان پر راہِ حق واضح کرتا ہے اور قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے یعنی دنیا میں ہدایت اور آخرت میں رحمت ہے کیونکہ قرآن کی ہدایت اپنانے سے انہیں آخرت میں دائمی رحمت ملے گی۔

[49] یعنی اللہ لوگوں کے مابین ہر معاملہ میں فیصلہ فرماتا ہے اور اے پیارے محبوب! آپ اللہ کا فیصلہ لوگوں کو سناتے رہیں اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ آپ واضح حق پر ہیں۔

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٥٠﴾

آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چلیں

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّتِهِمْ ط إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں۔ آپ تو انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری

بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿٥١﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً

آیات پر ایمان لائیں اور وہ سر جھکانے والے ہیں۔ [50] اور جب ان پر قول ٹھہر جائے گا تو ہم ان کے لیے

مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۚ إِنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٥٢﴾

انہی میں سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ کیونکہ لوگ ہماری آیات پہ یقین نہیں رکھتے۔ [51]

[50] بعض نا سمجھ لوگوں نے ان آیات کا مفہوم یہ بیان کیا کہ اے محبوب ﷺ! جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں آپ انہیں کچھ سنا نہیں سکتے اور جب آپ کسی مردہ کو کچھ نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کون سنا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ مفہوم غلط ہے۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے پیارے محبوب ﷺ! جن لوگوں کے دل مر گئے یعنی ان پر کفر کی مہر لگ گئی آپ انہیں حق نہیں سنا سکتے اور نہ ہی آپ دل کے بہروں کو جب وہ حق سے منہ موڑ کر چل دیئے، اپنی بات سنا سکتے ہیں اور نہ آپ کسی دل کے اندھے کو راہ حق دکھا سکتے ہیں آپ تو صرف اسی شخص کو قول حق سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پہ ایمان لانا چاہے اور وہ سر جھکانے والا ہو اور جو ایسا مردہ بہرہ اور اندھا ہو کہ حق دیکھنے سے آنکھیں بند کرے حق سننے سے کان بند کر لے اور حق سمجھنے سے دل بند کر لے اسے کون قول حق سنا سکتا ہے۔ سورج کا نور حق ہے مگر جو خود آنکھیں بند کر لے اور کہنے کے باوجود نہ کھولے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال کافروں کے لئے بیان فرمائی ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۲۱ حدیث ۱۶۸۱)

اگر سوال کیا جائے کہ جب اللہ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے تو اس تشبیہ کا یہی معنی ہے کہ جس طرح مردے کچھ نہیں سنتے اسی طرح کافر بھی نہیں سنتے۔ تو اس آیت کا یہی مفہوم ہوا کہ مردے نہیں سن سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہاں مُردوں کی ظاہری حالت سے کفار کو تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پہ مُردے کو پکارنے سے بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے سے بھی اس میں کوئی جنبش و حرکت پیدا نہیں ہوتی، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر آواز کو سنتا اور ہر لمس کو محسوس کرتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کسی حرکت و جنبش کی اجازت نہیں ہوتی۔

احادیث طیبات کی روشنی میں مُردوں کا سننا برحق ہے

چنانچہ جو لوگ مر کر قبور میں چلے جاتے ہیں وہ سنتے ہیں یا نہیں اور اگر انہیں کوئی زخم لگایا جائے تو وہ الم محسوس کرتے ہیں یا نہیں تو آئیے حدیث مبارکہ نے اس پر واضح روشنی ڈالی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے بدر کے کنوئیں پر (جس میں ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی لاشیں پھینکی گئی تھیں) کھڑے ہو کر فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ (عذاب) پالیا؟ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ مُردوں کو پکار رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَا يُحْبِبُونَ۔ تم (میری بات کو) ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶ حدیث ۱۳۷۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس موقع پر عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ آپ ایسے جسموں کو پکار رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ لَهَا أَقُولُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يَرُدُّوا عَلَيَّ شَيْئًا۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ مجھے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (مسلم کتاب الجنائز باب ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۱۷، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آہٹ بھی سنتی ہے۔“ (بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷، مسلم کتاب الجنائز باب ۷۶، ابوداؤد کتاب السنن باب ۲۴، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِ حَيًّا۔ ”بیشک کسی مُردے کی ہڈی توڑنا اسی طرح ہے جیسے کسی زندہ کی ہڈی توڑنا۔“ (ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۶۰ حدیث ۳۲۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب لوگ جنازہ کو کندھوں پہ اٹھا کر لیجاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے: عَجِّلُونِي عَجِّلُونِي مجھے جلدی لے چلو مجھے جلدی لے چلو۔ اور اگر نیک نہ ہو تو کہتا ہے ہائے خرابی مجھے کہاں لیجا رہے ہو، مجھے کہاں لیجا رہے ہو۔ اس کی آواز کو انسانوں کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے اور اگر انسان سُن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔“ (بخاری کتاب الجنائز باب ۵۰، نسائی کتاب الجنائز باب ۴۴، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میت جانتی ہوتی ہے کہ اسے کون غسل دے رہا ہے، اسے کون اٹھا رہا اور کون کفن پہنا رہا اور کون لحد میں اتار رہا ہے۔“ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۸)

کیا ان تمام احادیث مبارکہ کے بعد کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ مردے نہیں سنتے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ہدایت کا دروازہ

اللہ تعالیٰ ہی کھولنے والا ہے۔

[51] یعنی جب قیامت کے قائم کرنے کا فیصلہ ہو جائے گا تو اس سے قبل اللہ تعالیٰ زمین سے ایک عجیب و غریب جانور پیدا کرے گا جو قیامت کی نشانی ہوگا۔ اور جب قیامت قائم ہونے والی ہوگی تو اس سے قبل چند بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی، جیسے دجال کا نکلنا، یا جوج و ماجوج کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا وغیرہ، انہی نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین سے ایک جانور کا نکلنا بھی ہے۔ اسی کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

دابة الارض سے کیا مراد ہے

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ دابة الارض (زمین سے نکلنے والا جانور) کہاں ظاہر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مسجد سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز ہے۔ (یعنی مسجد حرام) اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام محطوفان کعبہ ہوں گے۔ اہل ایمان ان کے ساتھ ہوں گے۔ اچانک زمین قندیل کی طرح دہلے گی اور کوہ صفا کے قریب ایک شگاف ہوگا جس سے وہ جانور نکلے گا جس کے بال و پر ہوں گے اور وہ اتنا تیز ہوگا کہ اسے کوئی نہ پکڑ سکے گا۔ وہ ہر مومن کے چہرے پر ایک نشان لگائے گا جس سے اس کا چہرہ چمکتے ستارے جیسا ہو جائے گا اور کافر کے ماتھے پر سیاہ نشان لگا دے گا جس سے اس کا کافر ہونا ہر کسی پر ظاہر ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵ حدیث ۲۷۱۰۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا کیونکہ وہ اللہ کی آیات یعنی قرآن پہ یقین نہیں رکھتے۔ تو اس جانور کے خروج پر وہ قیامت پہ یقین لائیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا اور ایک جانور کا ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہو دوسری نشانی ساتھ ہی ظاہر ہوگی۔ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۳۹)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٥٢﴾

اور وہ دن یاد کرو جب ہم ہر امت سے ان لوگوں کی فوج اٹھائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تو انہیں روکا جائے گا۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا

یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا اور تم نے اپنے علم سے

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٥٤﴾

انکا احاطہ بھی نہ کیا تھا، تو تم اور کیا کرتے تھے؟ [52] اور انکے ظلم کے سبب ان پر فیصلہ ٹھہر جائے گا پھر وہ بول نہ سکیں گے۔ [53]

الْمُرِيرُوا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنَا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے رات اس لیے بنائی تاکہ لوگ اس میں سکون کریں اور دن کو روشن کرنے والا بنایا

لَايَةٍ لِّلْقَوْمِ يَوْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ

اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [54] اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلُّ أَتَوَةٍ ذَخِيرِينَ ﴿٥٦﴾ وَتَرَىٰ

اور زمین میں جو بھی ہے وہ گھبرا جائے گا۔ سو اس کے جسے اللہ (بچانا) چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر حاضر ہوں گے۔ [55]

الْجِبَالِ تَحْشَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي

اور تم پہاڑوں کو سمجھتے ہو کہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ (اُس وقت) بادلوں کی طرح چلیں گے۔ یہ اللہ کی کار سازی ہے

أَتَقْنٰ كُلَّ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٥٧﴾

جس نے ہر چیز حکمت سے بنائی، بے شک وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ [56]

قیام قیامت کے چند احوال اور مشرکین کو دعوتِ توحید

[52] روزِ حشر ہر امت کے منکرین کو فوج کی صورت میں لایا جائے گا اور ان کے لیڈروں کے پیچھے انہیں روکا جائے گا یعنی جمع کیا جائے گا۔ مثلاً فرعون کے پیچھے اس کی قوم، نمرود کے پیچھے اس کی قوم اور ابوجہل کے پیچھے کفار مکہ کی فوج کھڑی

ہوگی۔ یونہی ہر زمانہ و علاقہ کے کفار اپنے پیشواؤں کے پیچھے فوج بن کر کھڑے ہوں گے بلکہ ہر زمانہ کے داعیان حق کے پیچھے ان کے قبیحین کی فوجیں بھی جمع ہوں گی۔ اسی لئے فرمایا گیا: **يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ** ہم اس دن ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ پکاریں گے۔ (بنی اسرائیل: ۷۱) اس وقت اللہ تعالیٰ منکروں سے فرمائے گا کیا تم نے میری آیات یعنی قرآن اور دوسری الہامی کتابوں کا اپنے علم سے احاطہ کئے بغیر (انہیں سمجھے بغیر) ہی ان سے انکار کر دیا؟ اگر یہ نہیں تو پھر تم اور کیا کرتے تھے؟

[53] اللہ تعالیٰ کے مذکورہ سوال کے جواب میں کفار کچھ نہ کہہ سکیں گے اور ان پر عذاب کا فیصلہ ٹھہر جائے گا۔
[54] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دیکھو ہم نے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون سے سو سکو۔ کیونکہ رات کی تاریکی اور اس کا سناٹا انسانوں کو سونے اور آرام کرنے میں مدد دیتا ہے اور ہم نے دن کو روشن بنایا تاکہ رات کے آرام کے بعد تازہ دم ہو کر لوگ دن میں کام کر سکیں۔ اس میں ایمان والوں کیلئے ہدایت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ مثلاً اگر مسلسل رات رہتی تو سردی اس قدر ہو جاتی کہ انسان زندہ نہ رہ سکتے اور اگر مسلسل دن ہوتا تو سورج کی گرمی انسانوں کو جھلسا کر ماردیتی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سلسلہ شب و روز بنایا۔ لہذا اس کا شکر بجالانا چاہیے اور جو اللہ انسانوں کو نیند سے بیدار کر سکتا ہے وہ انہیں موت سے بھی بیدار کر سکتا ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور جس طرح آفات پوری آب و تاب کے ساتھ چمک کر آخر غروب ہو جاتا ہے اس میں انسان کے لئے نشانِ عبرت ہے کہ اس کی زندگی کا سورج بھی ایک دن غروب ہونے والا ہے اور انسان کو اس سے پہلے اس کی تیاری کر لینی چاہئے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ سے معلوم ہوا مومن کا سونا بھی عبادت ہے جب وہ رات کو اس لئے سوتا ہے تاکہ دن کو اٹھ کر عبادت اور طلبِ رزقِ حلال کرے گا تو وہ سونا بھی عبادت شمار ہوتا ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے ”جو شخص عشاء باجماعت پڑھ کر اس نیت سے سوئے کہ صبح فجر باجماعت پڑھے گا تو اس کی نیند بھی عبادت ہے۔“
(کنز العمال کتاب الصلوٰۃ)

[55] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ صُور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ایک بڑا سینگ ہے جس میں تین بار پھونکا جائے گا۔ (پہلی اور دوسری بار کا پھونکا جانا باہم اس قدر قریب ہوں گے کہ انہیں دیگر آیات و احادیث میں ایک ہی بار پھونکا جانا شمار کیا گیا ہے)۔ پہلے صور سے لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی دوسرے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور تیسرے صور سے سب انسان زندہ ہو کر رب العالمین کے حضور کھڑے ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا گیا کہ روز قیامت ہر کوئی گھبرا جائے گا۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے وہ نہیں گھبرائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ الا من شاء اللہ کہہ کر کن لوگوں کو قیامت کی گھبراہٹ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ شہداء ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۹)

معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو

ڈھال لیتے ہیں ایسے مقربین روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے۔ انہی کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔
 [56] یعنی آج انسان سمجھتا ہے کہ پہاڑ اس قدر مضبوط ہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے مگر یہی پہاڑ صور کے پھونکنے جانے پر زمین سے اُکھڑ کر فضا میں یوں اُڑنے لگیں گے جیسے بادل ہوا کے دوش پر اُڑتے ہیں دوسری جگہ فرمایا گیا: وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۵۷﴾ اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں گے۔ (تکویر ۳) اور یہ اللہ کی کار سازی ہے وہ ہر شے کو حکمت کے ساتھ بناتا ہے اور وہ بندوں کے اعمال سے باخبر ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿۵۸﴾

جو شخص بھلائی (ایمان) لایا تو اس کے لیے اس سے بہتر بھلائی ہے اور یہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهَا فِي النَّارِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا

اور جو بُرائی (کفر) لایا تو ان کے منہ جہنم میں اوندھے کر دیئے جائیں گے۔ تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۹﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي

عمل کرتے تھے۔ [57] مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کروں جس نے

حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۚ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۶۰﴾ وَأَنْ

اس شہر کو حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اطاعت گزاروں میں سے ہوں [58] اور یہ کہ

اتْلُوا الْقُرْآنَ ۚ فَمِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ

قرآن پڑھو تو جو ہدایت پائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت پائے گا اور جو گمراہ ہو تو آپ فرما دیں کہ میں

إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۶۱﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سِيرَ يَكُمُ آيَتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۖ ط

تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ [59] اور کہو کہ سب تعریف اللہ کی ہے۔ وہ جلد تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تم انہیں پہچانو گے

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾

اور تمہارا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں [60]

[57] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ ۖ فِي نِيْلٍ سِوَى لَآ إِلَهَ

الا اللہ مراد ہے اور مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ سے شرک مراد ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۲ حدیث ۲۷۱۳۰) اور حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ایمان اور شرک عاجزانہ حاضر ہوں گے اللہ فرمائے گا اے ایمان! تم اپنے ساتھیوں (مومنوں) کو لے کر جنت کی طرف جاؤ اور اے شرک! تم اپنے ساتھیوں (کافروں) کو لے کر دوزخ کو جاؤ پھر حضور ﷺ نے یہی آیت پڑھی: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا، وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ط (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ بروایت حاکم)

تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صور پھونکنے جانے کے وقت کی گھبراہٹ یا جہنم میں ہمیشہ کے لیے ڈالے جانے کی گھبراہٹ سے مومنین محفوظ رہیں گے اور کفار کو منہ کے بل گھیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو تم نے عمل کیا وہی جزا تمہیں دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کفار کے چھوٹے بچے جو سن شعور سے قبل مر جائیں دوزخ میں نہ جائیں گے کیونکہ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹﴾ کے مطابق جہنم اسی کے لئے ہے جو اپنی مرضی سے جہنم والا عمل کرے جبکہ غیر ذی شعور بچہ کسی کفر یا شرک سے قاصر ہے۔

[58] یعنی جب شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے تو اس شہر کو اسی کی عبادت سے آباد کیا جانا چاہئے اور اسے بت پرستی سے پاک رہنا چاہئے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کو اس طرح سے حرمت دی کہ یہاں کعبہ بنایا گیا جو ساری زمین کا مرکز عبادت ہے۔ یہاں جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لا کر ٹھہرایا گیا۔ یہاں ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے آب زمزم جیسا مبارک چشمہ آب چلایا گیا، یہاں حضرت سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے قدموں کی برکت سے صفا و مروہ کو مقدس نشانیاں بنایا گیا، یہاں سید الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور آپ پر یہاں ستاسی (87) سورت ہائے قرآن کا نزول فرمایا گیا اور یہاں حدودِ حرم میں لڑائی، جانور کا شکار اور خورد و درخت کا کاٹنا حرام ٹھہرایا گیا اور اس شہر کو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی قسم کا مصداق بنایا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا: لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ (بلد، ۱) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿۲﴾ (تین، ۱)

[59] نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ قرآن کی تلاوت کر کے امت کو اس کا مفہوم سمجھائیں پھر جو ہدایت پالے تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے اس کا اپنا نقصان ہے۔

[60] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے معجزات رسول ﷺ اور فتوحات اسلامیہ کی صورت میں کفار کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

الحمد للہ آج بروز اتوار 21 ربیع الاول 1429 مطابق 30 مارچ 2008ء بعد نماز عشاء سورہ نمل کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة القصص

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 28 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 48 ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ اس میں نور کوعات، اٹھاسی (88) آیات، چار سو اکتالیس (441) کلمات اور پانچ ہزار آٹھ سو (5800) حروف ہیں۔ اسے سورة القصص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حیات موسیٰ علیہ السلام کے قصص (واقعات) بالتفصیل مذکور ہیں اور اس میں لفظ الْقَصَص بھی ہے۔ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصُ (قصص: ۲۵)

مضامین

اس سورت کے ابتدائی پانچ رکوعات میں یہ موضوعات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، آپ علیہ السلام کا شیر خوارگی کے دوران تابوت میں ڈال کر دریا میں بہایا جانا، تابوت کو فرعون کے اہل خانہ کا پکڑ لینا، فرعون کا آپ کے قتل کا ارادہ کرنا پھر اس کی بیوی آسیہ کا اسے اس سے باز رکھنا، پھر آپ کی رضاعت کے لیے دودھ پلانے والی عورتوں کا جمع ہونا اور آپ کا کسی عورت کے پاس نہ جانا، پھر آپ کی والدہ ہی کا کسی طرح پہنچنا اور انہیں دودھ پلانے کی ذمہ داری کا سونپا جانا، پھر آپ کا فرعون کے گھر میں بچپن اور جوانی کا دور گزارنا، پھر آپ کے ہاتھوں فرعونی قوم کے ایک شخص کا قتل ہونا، یوں ساری فرعونی قوم کا آپ کے خلاف ہو جانا اور آپ کارات کی تاریکی میں مصر سے مدین کی طرف ہجرت کرنا، وہاں آپ کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کرنا اور وہاں دس برس گزارنا، پھر وہاں سے واپس آنا اور راستہ میں کوہ طور کے قریب حصول نبوت فرمانا اور مصر میں آ کر تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز کرنا، ان سب امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھٹے رکوع میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کا معاندانہ رویہ بتایا گیا ہے۔ ساتویں رکوع میں ردِ شرک ہے۔ آٹھویں رکوع میں قصہ قارون سے عبرت دلائی گئی ہے اور آخری رکوع میں قیام قیامت کا حال بتایا گیا ہے۔

ما قبل سے مناسبت

سورہ فرقان سے لیکر یہی مضمون آرہا ہے کہ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغی مساعی کا بیان ہوتا ہے۔ جس کے ضمن میں دلائل توحید حقانیت قیامت اور صداقت کلام خداوندی وغیرہ مضامین آجاتے ہیں۔ سورہ قصص میں بھی یہی مضامین ہیں اور زیادہ تر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے جیسا کہ اس سے قبل سورہ شعراء و نمل میں تھا۔ پھر یہ بات ملحوظ ہے کہ شعراء، نمل اور قصص تینوں سورتیں طواسین کہلاتی ہیں۔ یعنی ان کے شروع میں طاسین یا طاسین، میم ہے اور یہ تینوں اکٹھی ہی عطا فرمائی گئیں۔ اسی لیے ان تینوں کو اکٹھا رکھا گیا اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے انجیل کے بدلہ میں سورہ طہ اور طواسین سورتیں عطا فرمائیں۔“ (تفسیر بغوی)

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۸۸ سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۲۹ رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طَسْمَ ۱ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۵ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوسَى

طا سین میم یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ [1] ہم آپ (ﷺ) پر موسیٰ (ﷺ) (ﷺ)

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۵ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ

اور فرعون کی خبر سچائی کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے پڑھتے ہیں [2] بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَذِخُّ أبنَاءَهُمْ

اور اہل زمین کو گروہوں میں بانٹ دیا، ان میں سے ایک گروہ پر وہ ظلم ڈھاتا تھا۔ ان کے بچوں کو ذبح کرتا

وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ ۵ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۵

اور ان کی بچیوں کو زندہ چھوڑتا تھا۔ وہ فساد یوں میں سے تھا۔ [3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، رضاعت اور بچپن

[1] یہ حروف مقطعات ہیں جن کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے۔ البتہ بعض علماء نے فرمایا کہ طاء اللہ کے طول (قوت) سین اس کے سر (راز) اور میم اس کے من (احسان) کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۸۰) یعنی اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی قسم اٹھا کر فرما رہا ہے کہ یہ سورہ قصص روشن کتاب (قرآن) کی آیات ہیں۔

[2] یعنی جن کے دلوں میں قبول حق کی کوئی چنگاری ہے ان کے لئے قصہ موسیٰ و فرعون میں ہدایت کا سامان ہے کہ دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے دین اسلام سے نکلنے والی اپنے وقت کی عظیم طاغوتی طاقت کے ٹکڑے کر ڈالے۔

[3] فرعون نے لوگوں کے دو گروہ بنا لئے، قبیلی اور اسرائیلی، قبیلی قوم میں سے وہ خود تھا اور وہ ان کے ذریعے

اسرائیلیوں یعنی بنی اسرائیل پر ظلم ڈھاتا تھا۔ دراصل مصر میں پہلے زمانہ یوسف علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی حکومت چلی آرہی تھی پھر جب ان میں بد عملی اور دین سے دوری پھیلی تو باہر سے آنے والی قبطی قوم ان پر غالب آگئی اور انہیں محکوم بنا لیا۔ بنی اسرائیل دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی نجات دہندہ پیدا کرے جو انہیں قبطیوں یعنی قوم فرعون کے تسلط و تشدد سے آزادی دلائے۔ ادھر فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا اسے ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ ہزاروں اسرائیلی بچے قتل کر دیئے گئے۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پہ احسان کریں جنہیں زمین میں مظلوم رکھا گیا تھا

وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ

اور ہم انہیں پیشوا اور (زمین کے) وارث بنائیں اور انہیں زمین پر قبضہ دیں اور ہم فرعون و ہامان

وَجُنُودَهُم مِّنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ [4]

[4] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعونوں نے جن لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو مظلوم بنا کر رکھا تھا ہم نے فیصلہ کیا کہ انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازیں انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے رسول اور تورات جیسی کتاب کے ذریعے وہ علم دیں جس کے ساتھ وہ دوسری قوموں کے پیشوا بنیں اور ہم نے فیصلہ کیا کہ فرعونی قوم کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو ان کی جگہ زمین میں حکومت و اقتدار کا وارث بنائیں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ یعنی نجومیوں نے انہیں بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں وہ بچہ پیدا ہونے والا ہے جو فرعونی قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا اور وہ بہت ڈرے ہوئے تھے اور انہوں نے اسی ڈر کے مارے ہزاروں اسرائیلی نو مولود بچے ذبح کر دیئے مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ بچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ضرور پیدا ہو جس کی ولادت سے وہ لرزہ بر اندام تھے۔

اس آیت کے تحت شیعہ مفسرین کی حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے خلاف زہرافشانی اس جگہ شیعہ مفسرین نے وہ زہر گھولا ہے کہ الامان۔ انہوں نے اس آیت کی تفسیریوں کی ہے۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ آل محمد پہ احسان کریں جنہیں ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان سے خلافت چھین لی گئی۔ وَنَجْعَلَهُمْ اٰیٰتًا اور ہم انہیں امام بنائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان میں بارہ (12) امام بنائے۔ وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ چنانچہ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو آل محمد زمین میں وارث بنیں گے اور حکومت کریں گے، وَنُرِیْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا الْخ، چنانچہ امام مہدی اس امت کے فرعون و ہامان کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے آل محمد کا بدلہ لیں گے۔

(تفسیر قمی صفحہ ۳۸۲۔ تفسیر صافی جلد دوم صفحہ ۲۵۲)

اس جگہ وَنُرِیْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ کے تحت ملا باقر مجلسی ایرانی نے اپنے چہرے سے تقیہ کا نقاب اتار کر کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یہاں لفظ فرعون و ہامان سے ابو بکر و عمر مراد ہیں جنہوں نے آل محمد کا حق غصب کیا۔

(حق الیقین باب ۵ در بیان رجعت صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ تہران)

اس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! جو لوگ تیرے محبوب کریم ﷺ کے سچے جانثاروں پہ لعن طعن کرتے ہیں تو ان پہ لعنت فرما۔ اور ایسے لوگ یقیناً ملعون ہیں۔ کیونکہ جس شخص پر لعنت کی جائے اگر وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو لعنت لوٹ کر اس آدمی پہ پڑتی ہے جس نے لعنت کی ہو۔ اب سیدنا صدیق اکبر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو پہلو مصطفیٰ کریم ﷺ میں محو آرام ہیں۔ جہاں ہر وقت رحمتوں کے پہرے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو اترتے ہیں اور درودوں کے انوار کی بارش ہو رہی ہے، وہاں لعنت کیسے جاسکتی ہے۔ تو لعنت واپس انہی لوگوں پہ پڑتی رہتی ہے جو اسے بھیجتے رہتے ہیں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہر چیز پر غالب ہے: فرعون سمجھتا تھا وہ ہر کسی پر غالب ہے مگر تقدیر الہی نے اس کا سر کچل کر رکھ دیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے قہر و غضب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ وہ چھوٹے چھوٹے ابائیل سے بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔

(۲) ظلم ہمیشہ نہیں چل سکتا: ظالم خواہ کتنا طاقتور ہو اسے مظلوم کی آہ تباہ کر ڈالتی ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل کی آہیں لے ڈوئیں۔

ظلم ظالم کے لیے وجہ فنا ہوتا ہے ظالمو ظلم کا انجام بُرا ہوتا ہے

(۳) مسلم قوم ہمیشہ مغلوب نہیں رہے گی ظلم کی رات چھٹنے والی ہے: بنی اسرائیل اہل ایمان اور اولاد انبیاء تھے۔ پھر جب ان میں بد عملی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر فرعونیوں کو مسلط کر دیا جب انہوں نے توبہ کی تو ان کی نجات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج دیا گیا۔ آج امت مسلمہ کی بد عملی کی وجہ سے ان پر غیر مسلم طاغوتی طاقتوں کو مسلط کر دیا گیا ہے مگر عنقریب ظلم کی شب تاریک ختم ہونے والی ہے اور ان میں جلد ہی وقت کا کوئی موسیٰ پیدا ہونے والا ہے جو فرعون وقت کا سر کچل کر رکھ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ”خبردار اللہ کا گروہ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

ہی کامیاب ہونے والا ہے۔“ (مجادلہ: ۲۲) اور حدیث رسول ﷺ ہے: الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ ”اسلام غالب آتا ہے (ہمیشہ) مغلوب نہیں رہ سکتا۔ (بخاری و مسلم)۔
 شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
 یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی طرف الہام کیا کہ اسے دودھ پلاؤ پھر جب تم اس کے متعلق خوف کرو تو اسے

الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَأَدُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ⑤

دریا میں ڈال دو اور ڈرو نہیں اور غم نہ رکھو، ہم اسے ضرور تمہاری طرف لوٹائیں گے اور اسے رسول بنا دیں گے [5]

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ

تو اسے فرعون کے کارندوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم بنے، بے شک فرعون اور ہامان

وَجُنُودُهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ⑥ وَقَالَتْ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيُ

اور ان کے لشکر ہی غلطی پر تھے [6] اور فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا یہ میری

وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑦

اور تمہاری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو شاید یہ ہم کو نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ نہ جانتے تھے [7]

[5] جب بنی اسرائیل کے ہزاروں نومولود بچے قتل ہو گئے (جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق ستر ہزار ہے) تو فرعونوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو ہماری خدمت کون کرے گا عمارتیں کون بنائے گا اور دیگر مشقتیں کون اٹھائے گا۔ تو فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال ان کے بچے قتل کئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ چنانچہ جس برس بچے قتل نہیں ہو رہے تھے اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس سے اگلے ہی برس جب بچے قتل ہو رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت قتل سے کیسے بچایا گیا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان سے وہ نور نکلا جسے دیکھ کر وہ فرعونی دائی جو آپ کے قتل پر مامور تھی آپ پر فریفتہ ہو گئی اس کا دل آپ کی محبت سے

لبریز ہو گیا (جیسے قرآن مجید میں ہے: وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ) ”اے موسیٰ! میں نے تمہارے (چہرے) پر اپنی طرف سے محبت ڈالی تھی۔“ (طہ: ۳۹) جب وہ دائی آپ کو قتل کئے بغیر باہر نکلی تو گھر کے باہر جو فرعون نے پہرے دار کھڑے تھے انہوں نے اس سے ماجری پوچھا۔ وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکی۔ وہ تفتیش کے لئے اندر آ گئے، آپ کی والدہ تنور کے پاس بیٹھی تھیں، فرعون نے سپاہیوں کو دیکھ کر وہ گھبرا گئیں اور بچہ ان کے ہاتھ سے نکل کر تنور میں جا گرا۔ جب لوگ تفتیش کر کے واپس لوٹ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے اوسان بحال ہوئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا بچہ کدھر ہے؟ وہ کہنے لگی میں نہیں جانتی۔ اتنے میں تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی وہ دوڑ کر ادھر گئیں تو دیکھا کہ دھکتے تنور کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیا تھا (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود کو ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا گیا تھا)

روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تین ماہ دودھ پلایا، اس دوران موسیٰ علیہ السلام نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ پھر جب تفتیش مزید سخت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اے موسیٰ کی والدہ! تم ایک تابوت بنا کر اس میں یہ بچہ رکھو اور تابوت کو دریائے نیل میں بہا دو اور یہ خوف نہ رکھو کہ وہ دریا میں ضائع ہو جائے گا اور نہ یہ غم کرو کہ فرعون اسے پکڑ کر قتل کر دے گا بلکہ ہم اس بچے کو تمہارے ہی پاس لوٹا کر لائیں گے کیونکہ ہم نے اسے رسول بنایا ہے اور ہم نے اس سے اپنے دین کی سربلندی اور اپنے دشمنوں کے خاتمہ کا کام لینا ہے۔

اس جگہ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ میں وحی کا لغوی معنی مراد ہے یعنی دل میں بات ڈالنا اور خفیہ طریقہ سے خبر دینا۔ اس سے وحی نبوت مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبوت نہیں عطا کی۔ بلکہ اس کی مثال یوں ہے کہ فرمایا گیا: وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ ”اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں بات ڈالی۔“ (نحل: ۶۸) اور وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ۔ ”اور شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں۔“ (انعام: ۱۲۱)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ یوحنا نے ایک چھوٹا سا تابوت بنوایا اس میں موسیٰ علیہ السلام کو ڈالا اور اسے رات کے وقت دریائے نیل میں بہا دیا۔ جو چلتے چلتے فرعون کے محل تک جا پہنچا جسے فرعون کے اہل خانہ نے اٹھالیا۔ یوں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی۔ یعنی جس بچے کی ولادت کو روکنے کے لیے ظالم و سفاک فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں معصوم بچے ذبح کیے وہ بچہ فرعون کی گود میں پرورش پا رہا ہے۔

تابوت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا اٹھانا

[6] روایات کے مطابق ان کا گھر دریائے نیل کے کنارے ہی پہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرعون کے ہاں صرف ایک بیٹی ہی تھی جو اسے ساری دنیا سے محبوب تھی اس بچی کو شدید برص لاحق تھا۔ اطباء اس کے علاج سے عاجز آ چکے تھے پھر اہل نجوم نے خبر دی تھی کہ اے بادشاہ! کسی روز اس دریا میں انسانی شکل کی کوئی چیز بہتی ہوئی

آئے گی اس کی تھوک سے اس بچی کا برص جاتا رہے گا اور وہ صبح کا وقت ہوگا۔ چنانچہ ایک دن پیر کا روز تھا فرعون اپنی بچی اور بیوی آسیہ کے ساتھ صبح کے وقت دریا کے کنارے بیٹھا تھا۔ اتنے میں فرعون کی نظر پڑی اس نے کہا دیکھو یہ پانی پر کوئی چیز بہتی آرہی ہے اور درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ کارندے کشتیوں کے ذریعے اس کی طرف لپکے اور اسے اٹھالائے۔

وہ ایک بند تابوت تھا حضرت آسیہ (جو بعد میں ایمان لائی تھیں) نے تابوت کھولا۔ اس میں ایسا حسین بچہ تھا جس کی پیشانی سے چمکنے والے نور نے حضرت آسیہ کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور ان کا دل بچے کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ فرعون کی بیٹی نے بڑھ کر بچے کو تابوت سے اٹھایا اور سینے سے چمٹا لیا۔ بچے کے منہ سے جو رال بہہ رہی تھی وہ اس کے ہاتھوں پر پڑی تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ درست ہو گئے ہیں اس نے وہ رال اپنے تمام زخموں پہ لگانا شروع کر دی تو اس کے سارے زخم مندمل ہو گئے۔ فرعون کے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی حضرت آسیہ نے کہا اس کا نام موسیٰ رکھو۔ (ان کی زبان میں موسیٰ کا معنی پانی اور سی کا معنی درخت تھا) کیونکہ یہ ہمیں پانی میں درخت کے پاس سے ملا تھا۔

(تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۶۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فرعون کی آل یعنی اس کے پیروکاروں اور کارندوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پانی میں سے اس لئے اٹھایا تھا کہ اس کے نتیجے میں آپ ان کے لئے دشمن اور وجہ غم بن جائیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی کہ اپنے رسول کی پرورش دشمنوں کے ہاتھوں کروائی۔ جس بچے کے قتل کے لئے انہوں نے ہزاروں اسرائیلی بچے قتل کر دیئے تھے آج وہ اسی بچے کو اٹھا کر اس سے پیار کر رہے تھے اور نہ جانتے تھے کہ اسی بچے کے ہاتھ پر ان کی موت لکھی ہوئی ہے۔

لفظ آل کسی کے پیروکاروں کو بھی شامل ہوتا ہے

اس جگہ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ سے معلوم ہوا لفظ آل پیروکاروں پر بھی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ جن کارندوں نے تابوت موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکالا تھا وہ فرعون کے پیروکار تھے۔ فرعون کی اولاد نہ تھے۔ لہذا اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد میں لفظ آل محمد میں امت محمدیہ بھی شامل ہے کیونکہ وہ سب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ پھر درود شریف میں سے ہر کسی کو اسی قدر حصہ ملتا ہے جس قدر وہ آپ کی پیروی کرتا ہو۔ یاد رہے کہ لفظ آل عربی میں آل یعنوں سے ہے۔ جس کا معنی کسی کی طرف لوٹنا یا منسوب ہونا ہے۔

چنانچہ امام لغت عرب علامہ محب الدین زبیدی اپنی مشہور زمانہ عربی کی لغت تاج العروس میں فرماتے ہیں:

الآل اهل الرجل و عیالہ و اتباعہ و اولیاءہ و منہ سلبان منا اهل البيت و قال الله عزوجل کذاب آل فرعون و قال ابن عرفة من آل الیہ بدین او مذهب او نسب۔ یعنی آل کسی کے

اہل خانہ و عیال کو بھی کہتے ہیں اور اس کے پیروکاروں اور دوستوں مدگاروں کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے یہ حدیث مبارکہ ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسے آل فرعون کا طریقہ تھا اور ابن عرفہ نے کہا: کسی کی آل وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین مذہب یا نسب کے لحاظ سے اس کی طرف منسوب ہوں۔

(تاج العروس جلد ۷ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لہذا درود شریف میں سادات کرام کو دوہرا حصہ ملتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد بھی ہیں اور پیروکار بھی اور باقی امت کو صرف پیروکار ہونے کی حیثیت سے درود شریف سے حصہ ملتا ہے، مگر جو سادات بد عقیدگی کا شکار ہو کر خلفاء راشدین و امہات المؤمنین کو گالیاں دیں ان کا رسول اللہ ﷺ سے رشتہ ایمان کٹ گیا۔ وہ آپ کی آل میں سے نکل گئے بلکہ اسلام و ایمان ہی سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پسر نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمادیا تھا: اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ہود، ۴۶)

[7] فرعون کی بیوی آسیہ کی گود زرینہ اولاد سے خالی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ ادھر قبطنی لوگوں نے فرعون کے کان بھرے کہ یہ وہی بچہ لگتا ہے جو بقول اہل نجوم ہماری قوم کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ فرعون نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا مگر حضرت آسیہ درمیان میں آ گئیں کہ اے فرعون! اس بچے کو مت قتل کرو ممکن ہے یہ ہمیں نفع دے یعنی ہماری بہتر خدمت کرے اور اسے ہم اپنا بیٹا بھی بنا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں زرینہ اولاد نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اے فرعون! یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے کہا مگر یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو نہیں ہے۔ اور اگر وہ کہہ دیتا کہ ہاں میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی حضرت آسیہ کی طرح توفیق ایمان دے دیتا مگر اس کے نصیب میں ایمان نہ تھا۔

الغرض جس کے نصیب میں ایمان نہ ہو اس کے منہ سے ایسی ہی باتیں نکلتی ہیں اور جس کے نصیب میں ایمان ہو وہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا والی بولی بولتا ہے۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أَمِّ مُوسَىٰ فُرْعَا ۖ إِنَّ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کا راز فاش کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو

عَلَىٰ قَلْبِهَا لَتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهٖ ۖ فَبَصُرَتْ

مضبوط نہ کرتے، تاکہ وہ ایمان لانے والوں میں سے ہو اور اس نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن سے کہا: اس کے پیچھے جاؤ،

بِهِ عَنِ جَنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ

تو وہ اسے دور سے دیکھتی تھی اس طرح کہ لوگ نہ جان سکیں [8] اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر پہلے سے دودھ پلانے والیاں حرام کر رکھی تھیں۔

فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَّكَفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ۝۱۲

تو آپ کی بہن ان سے کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسا گھرانہ نہ بتاؤں جو اس بچے کو پالیں اور اس کے خیر خواہ ہوں؟

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَىٰ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

اس طرح ہم نے آپ کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے۔

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳

اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [9]

[8] ادھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بیقرار تھا کہ نہ جانے میرے بچے کا کیا بنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر ہم اس کا دل مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ خاموش نہ رہ سکتیں اور چیخ و پکار کر کے اپنا راز فاش کر دیتیں مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا: وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۰ (قصص: ۷) کہ کچھ خوف اور غم نہ رکھو ہم موسیٰ کو تمہارے ہی پاس لوٹا لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔ لہذا وہ ایمان رکھتی تھیں کہ ان کا بچہ انہی کے پاس واپس آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھایا بھی تھا کہ ان کا بچہ دھکتے تنور میں محفوظ رہا تھا تو وہ پانی میں کیوں محفوظ نہ رہے گا۔ البتہ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا جاؤ پتہ چلاؤ کہ تابوت کا کیا بنا تو وہ تابوت کی خبر لینے نکلیں مگر اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو کہ انہیں اس تابوت سے کوئی خصوصی تعلق ہے۔ انہیں معلوم ہوا کہ تابوت تو فرعون کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

[9] ادھر جب حضرت آسیہ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنا بیٹا بنا لیا تو کہا اسے کون عورت دودھ پلائے گی؟ چنانچہ کئی دودھ

پلانے والی عورتیں آئیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پہلے ہی سے دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام قرار دیا تھا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم دے دیا گیا تھا کہ آپ نے ان عورتوں کا دودھ نہیں پینا ہے، یہ آپ پر حرام ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت کلثوم نے حاضر ہو کر حضرت آسیہ سے کہا: میں تمہیں ایک گھرانہ بتاتی ہوں جو اس بچے کو بہتر دودھ پلائیں گے بہتر تربیت اور خیر خواہی کریں گے۔ تو وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا۔

مروی ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یوحاند سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی بچہ ہے؟ یعنی تمہاری چھاتی میں دودھ کیسے ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرے پاس ایک سال کا بچہ ہارون ہے اور میری چھاتی میں اسی کا دودھ ہے۔ فرعون مطمئن ہو گیا اور ہمیشہ اس دھوکہ میں رہا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں بلکہ کہیں بہت دور سے دریا میں بہتے ہوئے آئے ہیں۔ (کیونکہ دریائے نیل مختلف افریقی ممالک میں سے بہتا ہوا مصر میں داخل ہوتا ہے) گویا ایک سال قبل جب بچوں کا قتل بند تھا اللہ تعالیٰ نے اس دوران حضرت ہارون علیہ السلام کو اسی لئے پیدا کیا تھا تا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر پردہ پڑ جائے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا اور وہ سرکاری خرچہ پر اپنے بیٹے کو دودھ پلانے لگیں۔

اللہ تعالیٰ کا نبی شیر خوارگی ہی سے منبع علم ہوتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام تین ماہ کی عمر میں جانتے تھے کہ ان کے لئے کس عورت کا دودھ پینا حلال ہے کس کا نہیں۔ گویا پیغمبر مہلو مادر ہی میں سب کچھ جانتا ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی گود میں فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی ہے اور پیغمبر بنایا ہے، اور اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے۔ (مریم، ۳۰)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک چھاتی سے دودھ پلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لیا جب دوسری طرف سے پلانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی گود میں ان کا اپنا بیٹا بھی تھا (حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين) تو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف سے دودھ نہ پی کر بتا دیا کہ آپ بندوں کے حقوق ضائع کرنے نہیں آئے بلکہ حقوق العباد کے تحفظ کے لیے آئے ہیں اور یہ نبی کا علم اس کی شیر خوارگی میں ہوتا ہے۔

پیغمبر کا محرمات سے معصوم ہونا

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک نبی سن لاشعور میں یوں حرام سے بچنے والا ہوتا ہے تو سن شعور میں داخل ہو کر اس کے حرام سے بچنے کا کیا عالم ہوگا۔ اس سے انبیاء کا محرمات سے معصوم ہونا واضح ہوتا ہے۔ یعنی پتہ چلا کہ پیغمبر اعلان نبوت سے قبل بھی محرمات کے قریب نہیں جاسکتا، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے حرمت کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور ارشاد فرمایا: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والی عورتوں کو حرام کیا۔

انبیاء کا میلاد بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، رضاعت اور بچپن کا حال بیان فرمایا ہے کہ اس دوران اللہ تعالیٰ نے اپنی کیا کیا قدرتیں ظاہر فرمائیں۔ یعنی یہ بیان کیا گیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انہیں فرعون کے ظلم سے بچایا گیا، انہیں تابوت میں ڈال کر پانی میں بہایا گیا جس کو آل فرعون نے اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے والدہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بات ڈالی کہ ہم اس بچے کو لوٹا کر تمہارے پاس لائیں گے، پھر بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ تابوت کے پیچھے پیچھے گئیں، پھر جب تابوت فرعون کے پاس پہنچ گیا تو موسیٰ علیہ السلام کسی دانی کا دودھ نہیں پیتے تھے اور یوں ان کو لوٹا کر ان کی والدہ کے پاس پہنچایا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا میلاد بیان فرمایا۔

یہی کچھ محافل میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ کی رضاعت اور آپ کے بچپن کے احوال بلکہ آپ کی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اسی کا نام ذکر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر میلاد موسیٰ علیہ السلام بیان کیا جائے تو وہ قرآن ہے اور اگر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا جائے تو یہ ہمارا ایمان ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی پختہ عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰﴾

جزا دیتے ہیں [10]

[10] حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پل کر جوان ہوئے مگر اس کے باوجود آپ کسی کافرانہ رسم یا عقیدہ سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ جب آپ اپنی پختہ عمر یعنی جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و علم سے نوازا دیا اور اللہ نیکوکاروں کو ایسے ہی جزا دیتا ہے اور ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے کفار میں بچپن و جوانی گزارنے کے باوجود ہر گناہ سے دور رکھا

کیونکہ اسے پہلے ہی سے علم و حکمت سے نواز دیا جاتا تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا: وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ
آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۱﴾ ”اور جب یوسف (علیہ السلام) اپنی پختہ عمر کو پہنچے تو ہم نے
انہیں حکمت اور علم سے نوازا اور ہم نیکو کاروں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔“ (یوسف: ۲۲)

گویا اس حکمت و علم سے مراد علم نبوت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پہ کوہ طور کے قریب دیا گیا
بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کو شروع ہی سے قوت فیصلہ اور امور خیر کا علم دیا گیا۔

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ

اور (ایک بار) آپ شہر میں وہاں کے باشندوں کی غفلت کے وقت داخل ہوئے تو وہاں دو آدمیوں کو

يَقْتُلَانِ ۖ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِّنْ

باہم لڑتے پایا۔ یہ آپ کے گروہ میں سے تھا اور یہ آپ کے دشمنوں میں سے۔ تو آپ کے گروہ والے نے اس کے

شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِّنْ عَدُوِّهِ ۚ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ

مقابلہ میں جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا آپ سے مدد مانگی۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر کہا

هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي

یہ شیطان کا کام ہے وہ دشمن اور کھلا گمراہ کرنے والا ہے [۱۱] اور کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر

ظَلَمْتُ نَفْسِي ۖ فَاعْفُ رِي ۖ فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ

ظلم کیا ہے۔ تو تو مجھے بخش دے۔ تو اللہ نے انہیں بخش دیا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا

رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾

اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام کیا ہے اس لیے میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ [۱۲]

﴿موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک فرعونی شخص کا غیر ارادی قتل اور آپ کا مصر چھوڑنا﴾

[۱۱] حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر فرعون کے بیٹے مشہور تھے مگر آپ جانتے تھے کہ آپ کا بنی اسرائیل سے تعلق ہے اور
آپ اپنے بھائی اور اپنی والدہ کو بھی جانتے تھے۔ اس لئے آپ بنی اسرائیل سے محبت رکھتے تھے اور ان پر فرعونی قوم

کے مظالم دیکھ کر آپ کو بہت غصہ آتا تھا اور فرعون سمجھتا تھا کہ آپ کی بنی اسرائیل سے یہ محبت اس لئے ہے کہ آپ کی تربیت بنی اسرائیل میں ہوئی ہے اور ایک اسرائیلی عورت نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔ مروی ہے کہ آپ ﷺ کی کوشش سے بنی اسرائیل کو ہر ہفتہ کے دن کام سے چھٹی ملی ورنہ اس سے قبل ان سے ساتوں دن کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کا ہر آدمی آپ پر جان چھڑکنے لگا۔ (تالمود صفحہ ۱۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعون کی قتل قرآن مجید میں اور بائبل میں

فرعون کا گھر شہر ممفس سے باہر نیل کے کنارے واقع تھا۔ ایک دن آپ وہاں سے شہر ممفس میں آئے۔ دوپہر کی گرمی تھی لوگ اپنے کاموں سے غافل ہو کر آرام کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا فرعون کا شاہی باورچی ایک اسرائیلی کو بیدردی سے مار رہا اور کہہ رہا ہے کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر شاہی باورچی خانہ تک پہنچاؤ۔ اسرائیلی نے آپ کو مدد کے لیے پکارا۔ آپ کا دل فرعونوں کے مظالم پر پہلے ہی غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ آپ نے فرعون کے باورچی کو محض سزا دینے کے لئے ایک گھونسہ دے مارا۔ آپ کا مقصد اسے قتل کرنا نہ تھا مگر آپ بھرپور جوان اور صحت مند تھے آپ کے ایک گھونسے نے اس کا کام تمام کر دیا (اسی لیے آپ کی ضرب کلیم مشہور ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ شیطان کا عمل ہے یعنی فرعون باورچی کا اسرائیلی شخص کو مارنا شیطانی کام ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کا دشمن اور اسے کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔

اس جگہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایک منقبت لکھی ہے۔ جس میں آپ کے فضائل جمع کیے گئے ہیں۔

قرآن میں سب سے بڑھ کے ہے قصیدہ کلیم کا
میرا خدا ہے چاہنے والا کلیم کا
قدرت کا اک نشان ہے جلوہ کلیم کا
ہے خوب معجزہ ید بیضا کلیم کا
یوں مرتبہ خدا نے بڑھایا کلیم کا
یہ بھی ہے ایک مرتبہ بالا کلیم کا
کس قدر زبردست ہے مکہ کلیم کا
ہے موت کو بھگاتا غصہ کلیم کا
اللہ نے ایسا ڈنکا بجایا کلیم کا
خالق نے یہ مقام بنایا کلیم کا
طیب یہ حق نے رتبہ دکھایا کلیم کا

عالم میں کیا بلند ہے رتبہ کلیم کا
میلاد موسیٰ مولا نے قرآن میں ہے لکھا
خون کے پیاسے دشمن کے گھر میں ہیں وہ پلے
اعجاز خوب تر ہے عصائے کلیم میں
حق نے نوازا ان کو شرف کلام سے
دیتے تھے وہ بشارت سرکار کائنات
اک مکے سے ہی قبلی ٹھکانے لگادیا
تھپڑ سے اک نکال دی آنکھ عزرائیل کی
ان کے حضور جھک گئے جادو گروں کے سر
ہے فلک بحر مظہر اعجاز موسیٰ
پتھر سے بارہ چشمے بہائے ہیں آپ نے

اس واقعہ کو بائبل میں بہت بھونڈے انداز میں یوں لکھا گیا ہے: ایک دن موسیٰ نے دیکھا کہ اس کے ایک عبرانی بھائی کو ایک مصری مار رہا ہے۔ موسیٰ نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو

جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔ (بابل کتاب خروج باب ۲ صفحہ ۱۲) اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ شانِ نبوت کے مطابق کس کا بیان ہے قرآن مجید کا یا بابل کا؟

[12] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ میں نے خود پر ظلم کیا یعنی ایک فرعونی شخص کو غیر ارادی طور پر مار دیا اب فرعونی لوگ مجھے ماردیں گے تو گویا میں نے خود اپنے قتل کا سامان کر دیا۔ تو اے اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ تعالیٰ تو نے مجھ پر بہت انعامات کئے ہیں کہ مجھے ولادت کے بعد قتل سے بچایا اور عزت و شوکت دی۔ لہذا میں مجرموں یعنی فرعونوں کا کبھی ساتھی نہ بنوں گا۔

عصمتِ انبیاء اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا

در اصل انبیاء سے کسی نامناسب فعل کا غیر ارادی طور پر صادر ہونا بھی ان کے لئے باعثِ حجاب بن جاتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا وہ حجاب دور کر دیتا ہے اور یہ ان کا تواضع اور کسر نفسی ہے۔ اسے حقیقت پہ محمول نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا اس آیت سے یہ استدلال جائز نہیں کہ انبیاء سے بھی گناہ ہو جاتا ہے پھر وہ معافی مانگتے ہیں تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ اور فَاعْفُرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهُ ۖ میں مغفرت کا معنی چھپانا بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہتے ہیں: غفر شيبه بالخضاب اب اس نے خضاب سے اپنا بڑھاپا چھپا دیا۔ اور جنگ میں سر پہ پہنے جانے والے خود کو عربی میں مَغْفَرُ کہتے ہیں کیونکہ وہ سر کو چھپا دیتا ہے (منجد) تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ میرے اس عمل کو یا مجھے فرعون سے چھپا دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھپا دیا اور بحفاظت مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔

یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی گناہ صادر نہ ہوا کیونکہ

اول: گناہ یہ ہے کہ آدمی نفس و شیطان کے بہکانے پر جان بوجھ کر حرام کام کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی شخص کے قتل کا ارادہ نہ کیا تھا صرف بطور سزا اسے مکا مارا اور عموماً مکے سے کوئی شخص مرتا نہیں ہے۔ اگر آپ علیہ السلام نے اسے مارنا ہوتا تو کسی آلہ قتل کا استعمال کرتے۔ جب گناہ کا ارادہ ہی نہ تھا تو گناہ کا کیا تصور؟

دوم: اگر یہ گناہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مقتول کے ورثاء سے معافی مانگتے یا خود کو فرعون کے سامنے پیش کر دیتے۔ صرف زبانی معافی مانگنا کافی نہ ہوتا۔

سوم: فرعونی قوم نے بنی اسرائیل کے ہزاروں شیرخوار بچے قتل کر دیئے تو وہ اہل حرب تھے ان کے کسی شخص کو موسیٰ علیہ السلام کا قصداً مار دینا بھی گناہ نہ تھا چہ جائیکہ بلا ارادہ مارنے کو گناہ کہا جائے۔ لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کہنا محض تواضعاً اور تعلیم امت کے لئے ہے۔

معلوم ہوا انبیاء کرام علیہم السلام تواضع کا مجسمہ ہوتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کہنا بتاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسی خلاف اولیٰ اور غیر ارادی

عمل کو بھی ظلم سے تعبیر کرتے ہیں اور استغفار میں لگ جاتے ہیں۔ جسے گمراہ لوگ ان کی عدم عصمت پہ محمول کر لیتے ہیں۔ اسی معنی میں حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا۔ (اعراف، ۲۳) حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے جو کیا بھول کر کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَذَنبِي وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۵﴾ ”وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی ارادہ نہ پایا۔“ (طہ، ۱۱۵) اور حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ ؕ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ (انبیاء، ۸۷) اور حضرت یونس علیہ السلام سے بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا، بلکہ ان سے خطا اجتہادی ہوئی۔

مظلوم کا ساتھ دیا جائے ظالم کا نہیں خواہ ظالم محسن ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں پلے بڑھے، اسی نے آپ کو پالا پوسا تھا، مگر جب آپ نے اس کے مظالم دیکھے تو آپ اس کے خلاف ہو گئے اور ایک دن اس کی قوم کے ایک شخص کو ایسا گھونسا رسید کیا کہ کام تمام کر دیا۔ اس میں یہ سبق ہے کہ مومن حق کا ساتھی ہوتا ہے ناحق کا نہیں، وہ ظالم کا ساتھی نہیں بنتا، خواہ ظالم بظاہر اس کا محسن ہی ہو۔

فَاصْبِرْ فِي الْمَدِينَةِ خَافِيًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ

تو اگلی صبح آپ شہر میں ڈرتے ہوئے خوف زدہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ شخص جس نے کل آپ کو مدد کے لئے

يَسْتَصْرِخُهُ ۖ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِي مُبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ

پکارا تھا آپ سے (پھر) فریاد کر رہا تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے کہا: تم کھلے گمراہ انسان ہو۔ پھر جب آپ نے

يَبْطِشُ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۖ قَالَ يَمُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا

اسے پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تم مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا

جیسے تم نے کل ایک جان مار دی تھی۔ تم تو بس زمین میں ایک جابر انسان بننا چاہتے ہو اور

تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾

اصلاح کار نہیں بننا چاہتے [13]

[13] اگلی صبح حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈرتے ہوئے آئے کہ کہیں فرعون تک اس واقعہ قتل کی خبر نہ پہنچ جائے اور فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کے ساتھ بڑھتے ہوئے روابط پہلے سے کھٹک رہے تھے اور ان

کے دلوں میں آپ کے خلاف غصہ بھر رہا تھا اور یہ واقعہ قتل جاتی پرتیل کا کام کر سکتا تھا۔ اس لئے آپ گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ اسرائیلی شخص جس کی مدد کرتے ہوئے کل آپ سے ایک فرعونی شخص مارا گیا تھا۔ آج پھر ایک فرعونی شخص سے لڑ رہا تھا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر پھر مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے فرمایا تم کھلے گمراہ انسان ہو یعنی ہر روز کسی نہ کسی سے لڑ رہے ہوتے ہو۔ پھر آپ نے فرعونی شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو آپ کا اور اس اسرائیلی شخص دونوں کا مشترکہ دشمن تھا۔ اسرائیلی نے اپنے حق میں آپ کے ان الفاظ اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ سے غلط اندازہ کیا کہ شاید آپ فرعونی شخص کی بجائے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ تو وہ ڈر گیا اس نے آپ کے ایک گھونسے کی طاقت دیکھی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا؟ تم ایک جابر انسان بننا چاہتے ہو اصلاح کار نہیں۔

اسرائیلی کی اس بات سے فرعونی شخص کو معلوم ہو گیا کہ ایک روز قبل ان کا جو شخص مارا گیا تھا اسے موسیٰ (علیہ السلام) نے مارا تھا۔ وہ فوراً بھاگ کر گیا اور فرعونی گورنمنٹ کے افسران کو بتایا کہ کل جو ہمارا آدمی مارا گیا وہ موسیٰ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ فرعونی لوگ پہلے ہی آپ کے خلاف غصہ میں تھے اس خبر نے آپ کے خلاف ان کے طیش کو دو بالا کر دیا انہوں نے طے کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ۚ قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے موسیٰ! قوم کے سرداران تمہارے قتل کا

يَأْتِمِرُونَ بِكَ لَيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۖ فَخَرَجَ مِنْهَا

باہم مشورہ کر رہے ہیں تو تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو آپ وہاں سے ڈرتے ہوئے

خَافًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

نکل کھڑے ہوئے۔ کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دیدے [14]

[14] فرعون کا ایک چچا زاد بھائی حزقیل نامی تھا وہ موسیٰ (علیہ السلام) سے سچی محبت رکھتا تھا اور بعد میں وہی شخص آل فرعون میں سے آپ پر خفیہ طور پر ایمان لایا تھا۔ اس کا ذکر سورہ مومن کے چوتھے رکوع میں تفصیلاً آئے گا۔ وہ بھاگ کر آپ کے پاس آیا اور بتایا کہ فرعونی قوم کے سرداران آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہذا آپ فوراً شہر سے نکل جائیں۔ تو آپ فوراً شہر ممفس سے نکل کھڑے ہوئے اور دعا کر رہے تھے کہ اللہ آپ کو ظالم فرعونی لوگوں سے نجات دے دے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے آپ کی راہنمائی کی اور آپ بحفاظت وہاں سے مدین شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ممفس فرعونی

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

حکومت کا دار الخلافہ تھا۔ آج قاہرہ سے بارہ کلومیٹر مشرق میں اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اور ممفس اور مدین کے درمیان ہزار بارہ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے درمیان میں دو چھوٹے سمندر بحر سوئیس اور بحر عقبہ بھی پڑتے ہیں۔ نقشہ میں اس کی وضاحت ہے۔

یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

(۱) بے گناہ شخص کو سزا سے بچانے کا ثواب:

فرعونی قوم کے اس شخص (حز قیل) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کر کے آپ کی جان بچائی اور قرآن مجید نے یہ واقعہ بتا کر ہمیں خیر خواہی کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الدین النصيحة۔ یعنی دین خیر خواہی ہی کا نام ہے۔ (مسلم کتاب الایمان، حدیث ۹۵) اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہو تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔

(۲) نیکی ہر کسی سے کرنی چاہئے خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیروں سے

حز قیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی اور آپ کو مصر سے عافیت کے ساتھ نکلنے کا راستہ دیا۔ حالانکہ آپ اس کی قوم میں سے نہ تھے۔ اس میں یہ درس ہے کہ کسی کی مدد کے لیے اس کی قومیت دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی قوم سے مخالفت کرتے ہوئے مظلوم کا ساتھ دینا چاہئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢١﴾

اور جب آپ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا: قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ چلائے گا [15] اور جب آپ مدین کے

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ

چشمہ پر پہنچے تو وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو (جانوروں کو) پانی پلاتے دیکھا اور ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانوروں کو)

مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي

روک رہی تھیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا ماجری ہے؟ کہنے لگیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے (اپنے جانوروں کو)

حَتَّىٰ يَصْدِرَ الرِّعَاءُ ۚ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ۚ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى

لے نہ جائیں اور ہمارا باپ بڑا بوڑھا ہے [16]۔ تو آپ نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر آپ سائے کی طرف

الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۚ فَجَاءَهُ

پلٹے اور کہا اے میرے رب! جو خیر تو نے میرے لئے اتاری ہے میں اس کا محتاج ہوں [17] پھر ان دونوں میں سے

إِحْدَاهُمَا تَمْشِيْ عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ ۚ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ

ایک عورت آپ کے پاس حیاء کے ساتھ چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے جانوروں کو

أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۖ قَالَ لَا

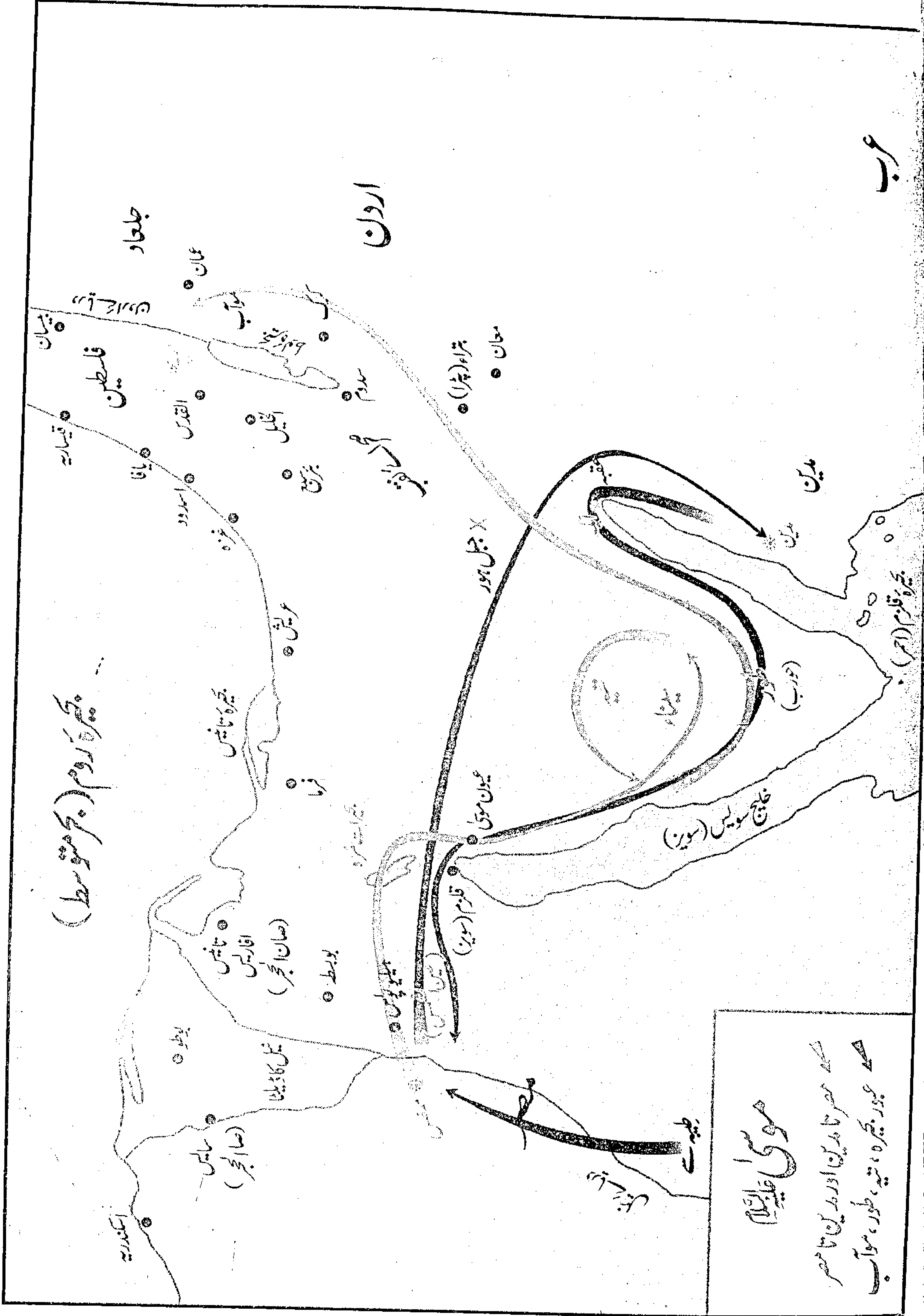
پانی پلایا ہے اس پر آپ کو اجرت دیں۔ چنانچہ جب آپ ان کے پاس گئے اور انہیں سارے واقعات سنائے تو انہوں نے کہا

تَخَفُ ۚ نَجَّوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾

ڈرو نہیں تم نے ظالموں سے نجات پالی ہے۔ [18]

﴿موسیٰ علیہ السلام کا مدین میں شعیب علیہ السلام کے ہاں دس برس رہنا﴾

[15] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس مصر سے مدین جاتے ہوئے کوئی زادِ راہ نہ



موسیٰ علیہ السلام

مصر تا مدین اور مدین تا مصر
عبور بحیرہ، تیبہ، طور، مہاب

تھا آپ درختوں کے پتے اور سبزیاں کھاتے وہاں تک پہنچے، جوتی بھی ٹوٹ گئی اور ننگے پاؤں چلتے ہوئے تلوے زخمی ہو گئے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۰۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ مدین پہنچنے تک آپ کا پیٹ کمر سے لگ گیا اور بطن کی آنتیں نظر آنے لگیں۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۶۹ حدیث ۱۶۸۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے قبل شاہانہ زندگی گزاری تھی اب اچانک آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر آپ کی استقامت پہاڑوں سے بلند تھی۔

[16] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے تو وہاں گاؤں سے باہر چشمہ پر چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ آپ نے ان سے ان کی پریشانی پوچھی۔ کہنے لگیں جب تک یہ چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا کر ہٹ نہ جائیں تب تک یہ ہمیں پانی نہیں پلانے دیں گے اور ہمارے والد بہت بوڑھے شخص ہیں یعنی وہ بکریوں کی رکھوالی خود نہیں کر سکتے اور گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں لہذا مجبوراً ہمیں یہ ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔

عورت کو بلا ضرورت کام کے لئے گھر سے نہیں نکلنا چاہئے

یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں آگے احادیث میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔ اور وہ اس لئے بکریوں کو چرا نے نکلیں کہ گھر میں کوئی مرد اس کام کے لئے میسر نہ تھا۔ اسی لیے انہوں نے کہا: **وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ**۔ کہ ہمارا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ گویا اگر گھر سے باہر والے کاموں کے لئے مرد میسر ہو تو عورت کو گھر ہی میں رہنا چاہئے۔ اسی میں اس کی عزت کی حفاظت ہے۔ جب عورت دفتروں، کارخانوں اور فیکٹریوں میں اجنبی مردوں میں گھل مل کر کام کرتی ہے تو عموماً اس کی عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور ہزاروں فتنے جنم لیتے ہیں۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مرد کسب معاش کرے اور عورت اس کا گھر سنبھالے۔ قرآن مجید میں ہے: **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** ”اے ازواج رسول! تم گھروں میں ٹھہرو۔“ (احزاب: ۳۳) **فَالصَّلَاحُ قِنْتُ حِفْظٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ** ”تو نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کے گھر کی حفاظت کرتی ہیں جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم دیا۔“ (نساء: ۳۴)

اگر عورت مجبوراً کسب معاش کے لئے نکلے تو مردوں سے الگ رہے:

دختران شعیب علیہ السلام بکریوں کو پانی پلانے نکلیں تو لوگوں سے الگ کھڑی ہوئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا امْرَأَتَيْنِ**۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے الگ دو عورتیں دیکھیں۔ گویا اگر مسلم عورت کو باہر مجبوری کام کاج کے لیے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ مردوں کے ساتھ گھل مل نہ جائے۔ بلکہ ایسی جگہ کام کرے جہاں وہ مردوں سے الگ تھلگ رہے۔ اور اسلامی حکومتوں کو چاہئے کہ عورتوں کے تعلیمی ادارے، طبی مراکز اور دیگر سرگرمیوں کے ادارے جداگانہ بنائیں جہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر ملک و ملت اور معاشرہ کی بہتری میں اپنا کردار ادا

کر سکیں۔ کیونکہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ گھل مل کر دفتروں اور فیکٹریوں میں کام کرنا اور لڑکیوں کا لڑکوں کے ساتھ گھل مل کر کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنا عظیم مفاسد کو جنم دیتا ہے اور معاشرہ اخلاقی طور پر تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

[17] مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دخترانِ شعیب علیہا السلام سے پوچھا کیا یہاں کوئی دوسرا کنواں نہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں ہے، مگر اس کے منہ پر ایک عظیم پتھر رکھا ہے اور اسے صرف گرمیوں میں کھولا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑے پتھر کو اکیلے ہی ہٹا کر لڑکیوں کو بکریوں کے لئے پانی مہیا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دخترانِ شعیب علیہا السلام کی مدد کرنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس پتھر کو دس آدمی مل کر ہلا سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اکیلے ہٹا دیا اور صرف ایک ڈول پانی نکالا وہی اتنا بابرکت تھا کہ ساری بکریاں سیراب ہو گئیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۶۳)

بلاشبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑی جسمانی و روحانی قوت کے مالک تھے آپ کے ایک مٹکا نے فرعون کی شخص کی جان نکال دی اور آپ کے ایک تھپڑ سے ملک الموت کی آنکھ نکل گئی۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۵۷ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے ایک طویل سفر سے تھکے ہوئے تھے پھر بھوکے اور غریب الوطن تھے اس کے باوجود آپ نے کسی انسان سے کھانا مانگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے مولیٰ! میرے لئے جو خیر تو نے اتاری ہے میں اس وقت اس کا شدید محتاج ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کی حاجت روائی فرمائی۔ اس طرح کہ نہ صرف کھانا دیا بلکہ گھراور بیوی کا بھی بندوبست کر دیا۔ سبحان اللہ! معلوم ہوا جب بندہ بے بس ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ اور اسے اس کی حاجت سے بہت زیادہ عطا فرماتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرتے ہیں اللہ انہیں غریب الوطنی میں گھر بار سب کچھ عطا فرماتا ہے۔

[18] جب بیٹیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جا کر بتایا کہ ایک مسافر نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا ہے تو انہوں نے اپنی چھوٹی بچی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں بلا بھیجا۔ وہ لڑکی آپ کے پاس شرم و حیا میں ڈوبی ہوئی آئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۰۵) معلوم ہوا اگر عورت ضرورتاً گھر سے نکلے تو حجاب میں نکلے۔

بہر حال وہ جناب موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگی میرے والد گرامی آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس پر آپ کو اجرت دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پہ ضرور معذرت کر لیتے۔ مگر چونکہ آپ اس وقت شدید مشکلات میں گھرے تھے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے لڑکی کے پیچھے چل پڑے۔ راستہ میں تیز ہوا کے باعث لڑکی کی چادر اس کے جسم سے چپک گئی اور اس کے نقوش بدن دکھائی دیئے تو آپ نے اسے کہا: تم میرے پیچھے چلو

اور آواز دے کر بتاتی رہو کہ کدھر جانا ہے۔ جب آپ شعیب علیہ السلام کے پاس گئے اور اپنے سارے واقعات بتائے تو انہوں نے کہا اے نوجوان اب تم فرعون کی پہنچ سے دور آگئے ہو بے فکر ہو جاؤ۔

قَالَتْ اِحْدِيهِمَا يَابَتْ اسْتَاْجِرْهُ ۚ اِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ

ان دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا ابا جان اسے نوکر رکھ لیں سب سے بہتر نوکر وہی ہے جو طاقتور

الْاَمِيْنُ ﴿۱۹﴾ قَالَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدٰى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى اَنْ

اور امین ہو [19] انہوں نے آپ سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے

تَاْجُرْنِيْ ثَمَنِيْ حَبَجٍ ۚ فَاِنْ اَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ

نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میرے ہاں نوکری کرو اور اگر تم دس برس مکمل کر دو تو وہ تمہاری خوشی، اور میں تمہیں

اَشُقَّ عَلَيْكَ ۖ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ قَالَ ذٰلِكَ

مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا، جلد ہی تم مجھے ان شاء اللہ نیکو کار پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا یہ میرے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۖ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدُوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى

اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے۔ میں ان دو میں سے جو بھی مدت پوری کر دوں تو مجھ پر مزید کوئی مطالبہ نہیں ہوگا اور جو کچھ ہم

مَا نَقُولُ وَكَيْلٌ ﴿۲۱﴾

کہتے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔ [20]

[19] حضرت شعیب علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی کا نام صفورا اور بڑی کا نام لیا تھا۔ چھوٹی نے کہا ابا جان بکریاں چرانے کے لئے ہمیں کسی چرواہے کی ضرورت ہے آپ اس مسافر کو چرواہا رکھ لیں اس کام کے لئے کسی طاقتور اور امین شخص کی ضرورت ہے۔ اور اس مسافر کی طاقت یہ ہے کہ اکیلے نے کنوئیں کے منہ سے پتھر ہٹا دیا اور امین ایسا ہے کہ اس نے میرے پیچھے چلنا باعث شرم جانا تو مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۰۵)

اِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ سے معلوم ہوا کہ کسی کام کے لیے ایسا شخص ملازم رکھنا چاہیے جو اس کام کی طاقت بھی رکھتا ہو اور امین بھی ہو۔ نا اہل یا بد دیانت شخص کو ملازمت دینا ظلم ہے۔

[20] لڑکی کے مشورہ پر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے صرف

پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا دے دیا جائے اس سے زائد اجرت کی مجھے ضرورت نہیں (ابن ماجہ کتاب الرہون باب ۵) پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو خیال آیا کہ گھر میں جوان بچیاں ہیں زمانہ کیا کہے گا کہ انہوں نے گھر میں اجنبی نو جوان شخص کو جگہ دے رکھی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں شرط یہ ہے کہ تم آٹھ برس ہمارے ہاں بکریوں کی غلہ بانی کرو گے اور اگر دس برس تک غلہ بانی کرو تو تمہاری خوشی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے منظور ہے اور جب میں آٹھ یا دس برس گزار لوں تو پھر میرے واپس مصر جانے اور بیوی کو ساتھ لے جانے پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا حضرت شعیب علیہ السلام نے حامی بھر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہماری باتوں پہ اللہ شاہد و نگران ہے چنانچہ نکاح ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔ (ابن ماجہ کتاب الرہون باب ۵)

کیا بیوی یا سر کی خدمت کرنے کو حق مہر بنایا جاسکتا ہے؟

اس جگہ عَلٰی اَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمْنِيْ حَجَجٌ (اے موسیٰ! میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح اس بات پہ کرتا ہوں کہ تم آٹھ برس میرے یہاں نوکری کرو) سے استدلال کرتے ہوئے امام احمد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا کہ عورت کا حق مہر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی یا اس کے باپ کی کوئی خدمت بجالائے گا یا ان کا کوئی کام کر دے گا۔ ضروری نہیں کہ حق مہر مال ہی کی شکل میں ہو۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کے بدلے میں ان سے بیٹی کا نکاح کیا۔

وہ اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے کرنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: فَقَدْ مَلَكَتْكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ تمہارے پاس جو قرآن ہے میں تمہیں اس کے عوض اس عورت کا مالک بناتا ہوں۔ (بخاری کتاب النکاح باب ۱۴، مسلم کتاب النکاح حدیث ۷۶)

مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حق مہر مال ہو یعنی پیسے یا کوئی قابل فروخت چیز ہو۔ اس لیے کہ اللہ نے حق مہر میں مال ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ۔ تم اپنے اموال کے ساتھ بیوی حاصل کرو۔ (نساء، ۲۴) دوسری جگہ فرمایا: وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ مَحَلَّةً ۖ فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهَا هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿۴۰﴾ ”عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے ادا کر دو۔ پھر اگر وہ تمہیں اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو تم اسے کھاؤ تمہارے لیے رچتا چچتا ہے۔“ (النساء، ۴) یہ آیات بتا رہی ہیں کہ حق مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔ رہا حضرت شعیب علیہ السلام والا واقعہ تو اس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے نکاح کے لیے صرف شرط رکھی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں آٹھ برس کام کریں گے۔ یہاں حق مہر کا کوئی ذکر نہیں، ممکن ہے ان کی شریعت میں حق مہر ہی نہ ہو۔ اور

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

اگر ان کی شریعت میں خدمت کو حق مہر بنایا جاتا ہو تو یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ ہماری شریعت میں قرآن مجید سب سے بڑی حجت ہے۔ اور قرآن مجید نے حق مہر میں مال کا ذکر کیا ہے۔

ہمارے رسول اللہ ﷺ کا اس صحابی کو قرآن کریم کے بدلے عورت سے بیاہنا تو اس میں ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے خاص ہو یعنی آپ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں کسی کے لیے حق مہر بنادیں۔ یہ جواب امام عینی نے عمدۃ القاری میں دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بما معك من القرآن میں ما برائے سببیت ہو یعنی چونکہ تم قرآن کا اس قدر حصہ حفظ رکھتے ہو تو اس اعزاز میں تمہاری شادی کی جاتی ہے۔ اس کی مزید تحقیق میں نے اپنی عربی تصنیف ”اسعاف الحاجة فی شرح ابن ماجة“ میں حدیث 1889 کے تحت کی ہے۔ الغرض اس بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف قوی تر ہے۔

یاد رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ یا دس برس غلہ بانی کرنے کی شرط اس لئے لگائی تاکہ موسیٰ علیہ السلام شادی کے بعد بیوی کو لے کر جلدی مصر واپس نہ چلے جائیں حالانکہ ابھی وہاں ان کو جان کا خطرہ ہے۔ کچھ وقت گزرنا چاہئے تاکہ حالات بدلیں پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غلہ بانی کے لئے وہ عصا عنایت فرمایا جو بقول حضرت عکرمہ (تابعی) حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے پھر وہ انبیاء کے ساتھ متواتر آتا رہا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ (بنو جلد ۵ صفحہ ۱۷۲) پھر اسی عصا کی ضرب سے سمندر پھٹا۔ اسی کے پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹے اور یہی عصا سانپ بن کر جادو گروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ پھر دس برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس مصر جانے لگے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں بہت سی بکریاں دے کر رخصت کیا۔ آپ اپنی بیوی اور بکریوں کو لے کر مصر کو روانہ ہوئے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) کسی لڑکے کو اپنا داماد بنانے کے لئے اس کا ایمان و عمل دیکھنا چاہئے نسب یا مال نہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک غریب الوطن بے سہارا تہی دست نوجوان سے اپنی بیٹی بیاہ دی کیونکہ اس کا ایمان و عمل بہت مضبوط تھا۔ یہی سنت انبیاء ہے افسوس آج ہم یہ سبق بھول گئے ہیں۔ آج ہم صرف دیکھتے ہیں کہ لڑکے کے پاس مال کتنا ہے کاروبار یا جاب کیا ہے اور حسب و نسب کیا ہے ہم یہ کم ہی دیکھتے ہیں کہ لڑکا نمازی ہے یا نہیں سنت کا پابند ہے یا نہیں۔

(۲) لڑکی کا نکاح والدین ہی کو کرنا چاہئے: خواہ وہ بالغہ ہو۔

اگرچہ بالغہ لڑکی قانوناً اپنا نکاح خود کر سکتی ہے مگر سنت انبیاء یہی ہے کہ والدین لڑکیوں کا نکاح کریں حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ یعنی اے موسیٰ میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کرنا چاہتا ہوں۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ۔ اپنی بیٹیوں کا نکاح مشرکین سے نہ کرو۔ (بقرہ: ۲۲۱) گویا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ عورت اپنی شادی خود کرے اور اسے والدین پہ نہ چھوڑے۔ کیونکہ ایسا کرنا عورت کی طبعی شرم و حیا کے خلاف ہے اور عورت ناقصۃ العقل ہے۔ اگر یہ معاملہ اس پہ چھوڑ دیا جائے تو وہ اکثر اپنا نقصان ہی کرے گی۔ تاہم والدین کو اپنی اولاد کی رائے کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے زبردستی کرنا جائز نہیں۔

(۳) لڑکی کا ولی کسی صالح شخص کو اپنی لڑکی کا رشتہ پیش کر سکتا ہے:

جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو از خود رشتہ پیش کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی کو پیش کیا مگر آخر میں یہ رشتہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہو گیا۔ (بخاری)

(۴) جوان بیٹیوں اور بیوی کے ساتھ گھر میں اجنبی مرد کو نہیں ٹھہرانا چاہئے:

ورنہ اس سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیٹی کا نکاح کر دیا تا کہ لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اس میں ہمارے لیے درس عمل ہے۔ جب معصومین کا یہ تقویٰ ہے تو ہم غیر معصومین کیوں استقدر بے پرواہ ہیں۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مدت پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر (مصر کو) چلے تو (راستہ میں) آپ نے طور کی جانب سے

نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ

ایک آگ محسوس کی۔ آپ نے بیوی سے کہا ٹھہرو میں آگ محسوس کرتا ہوں شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا

جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ

آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تم تپ سکو [21] جب آپ آگ کے قریب آئے تو وادی کے

الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ

دائیں کنارے سے مبارک مقام میں درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ! میں

رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ﴿۳۱﴾ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ

اللہ رب العالمین ہوں اور تم اپنی لاٹھی پھینک دو۔ پھر جب آپ نے اسے سانپ کی طرح لہراتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر چلے اور پلٹ کر

مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ﴿۳۲﴾ يُمُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ﴿۳۳﴾ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۳۴﴾

نہ دیکھا (اللہ نے فرمایا) اے موسیٰ! واپس آؤ ڈرو نہیں [22] تم امن میں ہو،

أَسْلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ يَظْهَرُ مِنْ غَيْرِ سَوْءٍ ﴿۳۵﴾ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور اپنا بازو خوف کے سبب اپنی بغل میں ضم کر لیں

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذُنُوكَ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ﴿۳۶﴾

تو یہ تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کے لئے دو نشانیاں ہیں۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۳۷﴾

بے شک وہ بدکردار لوگ ہیں۔ [23]

موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس مصر آنا اور راستے میں نبوت کا پانا

[21] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس گزار لئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے وطن مصر واپس جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو اپنی والدہ اور بھائی کی یاد ستا رہی تھی۔ آپ نے اپنی بکریاں لیں، رخت سفر باندھا اور بیوی کو ساتھ لے کر عازم مصر ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ شدید سردی، بارش اور تیز ہوانے آلیا جس سے آپ کی بکریاں تتر بتر ہو گئیں آپ علیہ السلام کی زوجہ کو اس وقت حمل تھا اور سردی سے اُن کا بُرا حال تھا اور گہری تاریک رات میں کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ اچانک آپ نے دور کہیں آگ دیکھی یہ صحرائے سینا میں کوہ طور کا علاقہ تھا آپ اس کے دائیں طرف کھڑے تھے اور آپ کے بائیں طرف بحر احمر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے اس وقت آپ کے پاس جو چقماق تھا جس کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے وہ بھی جواب دے گیا۔ آپ نے بیوی سے کہا۔ ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں وہاں سے راستہ کی کوئی خبر یا آگ کی چنگاری لاتا ہوں تاکہ تم کچھ گرمی حاصل کر سکو۔

یہاں لِأَهْلِهِ اَصْل میں لاهل بیت ہے، معلوم ہوا بیوی لفظ اہل بیت کا اصل مصداق ہے۔ اس لئے جو لوگ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (احزاب: ۳۳) سے ازواج رسول ﷺ کو نکالتے ہیں وہ قرآن سے زیادتی کرتے ہیں۔

[22] حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ کے دامن کے قریب کھڑے تھے۔ جب آپ علیہ السلام آگ کی طرف گئے اور پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو آپ کو ایک درخت آگ میں جلتا ہوا نظر آیا مگر آگ جس قدر بلند ہوتی درخت اسی قدر سبز و شاداب ہو رہا تھا۔ آپ کو درخت میں سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ آواز آئی: اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۚ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ ۝۱۳ ”میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تم میری عبادت کرو اور میری یاد میں نماز قائم کرو۔“ (طہ: ۱۳) پھر اللہ نے درخت میں سے فرمایا: اے موسیٰ! اپنا عصا پھینک دو۔ آپ نے اسے پھینکا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا آپ ڈر گئے اور واپس پلٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ واپس پلٹ آؤ خوف نہ رکھو کیونکہ تمہیں ہر طرح سے امن ہے آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو دوبارہ پکڑا تو وہ سانپ سے بدل کر پھر لاٹھی ہی بن گئی، یہ اس لئے کیا گیا تاکہ جب دربار فرعون میں جا کر آپ علیہ السلام کا عصا سانپ بنے تو آپ پر گھبراہٹ نہ طاری ہو۔

درخت نور الہی کا مظہر کیسے بنا؟

یاد رہے یہ درخت سے نظر آنے والی نار حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا نور تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے اگر وہ اپنا حجاب الٹ دے تو اس کی ذات کی تابانیاں ہر چیز کو جلا دیں۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۲۹۳) اسی لئے حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ ”شب معراج جب حضور سرور کونین ﷺ بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہونے گئے تو ستر ہزار نوری حجابات اٹھتے گئے اور آپ ﷺ بڑھتے گئے۔“ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۸۷ مطبوعہ شام) گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نوری حجاب دیکھا بس جبکہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو سب حجابات سے گزر کر بے حجاب دیکھا اور اس حجاب کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے وہ درخت دیکھا تھا جس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پکارا اور میں نے وہاں کھڑے ہو کر درود و سلام کی کثرت کی۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۹ حدیث ۲۷۲۶۶ مطبوعہ بیروت)

2005ء میں راقم الحروف محمد طیب غفرلہ نے سیاحت مصر کے دوران صحرائے سینا کا سفر کیا اور کوہ طور کی چوٹی پر چڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے دامن میں آج عیسائیوں نے اپنا چرچ بنا رکھا ہے۔ وہاں ایک برآمدے میں بیری کا درخت ہے جو دوسری منزل کی طرف جانے والی سیڑھیوں کے نیچے اُگایا ہوا ہے وہاں چرچ کے عیسائی نمائندوں نے بتایا کہ اس درخت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تھا مگر اسی برآمدے میں ایک کنواں ہے جس کا منہ بند ہے اور چرچ کے نمائندے بتا رہے تھے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا کنواں ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بچیوں کو پانی مہیا کیا تھا۔ حالانکہ یہ ناممکن بات ہے کہاں شعیب علیہ السلام کا شہر مدین اور کہاں کوہ طور۔ درمیان میں قریباً سات آٹھ سو کلومیٹر کا سفر ہے۔ تو ہم کو اس درخت کے بارے میں بھی شک ہو گیا۔ یوں لگتا ہے جیسے عیسائیوں نے خود کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وارث بتانے کے لئے یہ ڈھونگ رچا رکھا ہے۔

[23] درخت میں سے اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ اپنا دایاں ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں اور بغل میں دبائیں پھر اسے نکالیں تو وہ سورج کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور ہاتھ میں اس وجہ سے کوئی بیماری نہ آئے گی۔ پھر اسے دوبارہ بغل میں دبا کر بھینچیں تو آپ کا خوف دور ہو جائے گا اور ہاتھ اپنی پہلی حالت پر ہو جائے گا لہذا آپ یہ عصا اور ید بیضاء کی دو نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جائیں اور اسے دعوت حق دیں۔ یاد رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک ہاتھ کسی خاص وقت میں چمکتا تھا مگر حضور ﷺ کے سارے جسم مقدس کو اللہ تعالیٰ نے نورانی بنایا ہے۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک سے نور پھوٹتا تھا۔ آپ کے رخ تاباں کی روشنی سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں گم شدہ سوئی مل جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی بغلوں سے نور پھوٹتا تھا اور سجدے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر آتا تھا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝ وَأَخِي هَارُونُ

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب میں نے ان میں سے ایک آدمی کو مار دیا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار دیں گے اور میرا بھائی مجھ

هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ

سے زیادہ صاف زبان ہے۔ تو اے اللہ! اسے میری مدد کے لئے میرے ساتھ رسول بنا دے تاکہ میری تصدیق کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ

يَكْذِبُونِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہم یقیناً تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے بازو مضبوط کریں گے۔ اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو فرعون

يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۖ أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ۝

لوگ ہماری آیات کے سبب تم تک نہ پہنچ سکیں گے اور تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہیں۔ [24]

[24] جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو رسالت سے سرفراز کیا اور فرعون کے پاس جا کر اسے دعوت حق دینے کا حکم فرمایا تو وہ عرض کرنے لگے اے اللہ! میرے ہاتھوں فرعون قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اس لئے وہ میری بات کا سنا تو درکنار وہ میرے قتل کے درپے ہوں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ صاف زبان رکھتا ہے اے اللہ! اسے بھی میرے ساتھ رسالت دے دے تاکہ وہ میری مدد کرے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا حضرت ہارون (علیہ السلام) کی نبوت کے لیے دعاء مانگنا

در اصل بچپن میں ایک بار حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون کی گود میں کھیلے ہوئے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا جو ایسا طاقتور تھا کہ اس کے ہوش اڑ گئے اس نے کہا لگتا ہے یہ وہی بچہ ہے جو میری سلطنت تباہ کرے گا لہذا اسے ابھی قتل کرو۔ حضرت آسیہ نے کہا یہ نا سمجھ بچہ ہے تم تجربہ کر کے دیکھ لو۔ تو دو تھال منگوائے گئے ایک میں انگارے اور دوسرے میں چمکتے جواہر تھے۔ دونوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے سامنے رکھے گئے آپ (علیہ السلام) نے جواہر کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ کا ہاتھ انگاروں کی طرف کر دیا۔ آپ نے ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور کچھ لکنت آگئی تھی۔ (بنو جلد ۴ صفحہ ۲۶۸)

چنانچہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو رسالت دی گئی تو انہوں نے یہ دعا بھی کی تھی: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۖ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۖ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اٰهْلِيْ ۖ هٰرُوْنَ اَخِي ۖ ۝۴۰ یعنی ”موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے اللہ! میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔“

(طہ، ۲۷، ۳۰) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کرتے ہوئے آپ کی لکنت دور فرمادی اور فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کو تمہارا مددگار بنا رہے ہیں لہذا تم دونوں بے دھڑک فرعون کے پاس جاؤ ہم نے تمہیں وہ نشانیاں دے دی ہیں جن کے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام کیسے سنا؟

یاد رہے! کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کانوں سے نہیں سنا کیونکہ کانوں سے الفاظ و حروف سنے جاتے ہیں جو کہ حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ابدی ہے بلکہ بقول امام ابو اسحاق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں ایسی کیفیت پیدا کر دی جس سے انہوں نے کلام اللہ کا ادراک کر لیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام ہر جہت سے سنا صرف ایک جہت سے نہیں اور سارے وجود سے سنا صرف کانوں سے نہیں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳) اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ اپنے قصیدہ معراجیہ میں اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج گفتگو کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔

زبان کو انتظار گفتن تو کان کو حسرت شنیدن
وہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سنی تھی سن چکے تھے
مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس اس جگہ آئے جہاں وہ اپنی بیوی کو بٹھا کر گئے تھے تو بیوی نے کہا کیا آپ آگ لے آئے؟ آپ نے فرمایا آگ تو نہیں ملی مگر اللہ تعالیٰ سے نبوت لے آیا ہوں۔ چنانچہ آپ بیوی کو لیکر وہاں سے چلے اور مصر پہنچے تو وہاں ماحول بدلا ہوا تھا آپ علیہ السلام اپنے گھر کو نہ پہچان سکے۔ گھر کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے میں مسافر رات گزارنا چاہتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ہارون علیہ السلام سے کہا جاؤ اس مسافر کو اندر لے آؤ اور اسے کھانا کھلاؤ شاید اسکی برکت سے کوئی شخص میرے بیٹے موسیٰ کو بھی کھانا کھلا دے اور اس پر مہربانی کرے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اندر داخل ہوئے اور اپنی والدہ سے لپٹ کر بہت روئے اور ساری صورت حال بتائی۔ پھر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمہیں دونوں کو نبوت سے سرفراز کیا ہے اور ہم دونوں کو فرعون کے پاس جا کر اسے دعوتِ توحید و رسالت سنانے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ دونوں بھائی فوراً تیار ہو گئے اور فرعون کی طرف چل پڑے۔

(روح البیان جلد ۶ صفحہ ۴۵۵)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا یہ من گھڑت جادو کے سوا کچھ نہیں اور ہم نے

سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ

یہ بات اپنے اگلے باپ دادا میں بھی نہ سنی تھی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے

بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

ہدایت لائے اور جس کے لئے آخرت کا گھر (جنت) ہے۔ بیشک ظالم لوگ

الظَّالِمُونَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ

کامیابی نہیں پاتے [25]۔ فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی خدا

غَيْرِي ۚ فَأَوْقِدْ لِي يَهَامُنْ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي

نہیں جانتا [26]۔ تو اے ہامان! تم میرے لئے مٹی سے (اینٹیں) بناؤ پھر میرے لئے اونچی عمارت تعمیر کرو تا کہ میں

أُطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَىٰ ۖ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَاسْتَكَبرَ هُوَ

موسیٰ کے خدا پر جھانک سکوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں، تو فرعون

وَجَنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝

اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور وہ سمجھے کہ وہ ہماری طرف سے لوٹنے والے [27]

[25] جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دربار فرعون میں جا کر انہیں دعوت حق دی اور اپنے عصا کو اڑدھا اور اپنے ہاتھ کو چمکتا چراغ بنا کر دکھایا تو انہوں نے کہا یہ تمہارا بنایا ہوا جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ سے کبھی نہیں سنا کہ کسی انسان کو رسول بنایا گیا ہو یا یہ معنی ہے کہ ایسا بڑا جادو ہم نے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنا جو تم بنا کر لائے ہو۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا پیغام لے کر آتا ہے اور کس کو آخرت کا گھر (جنت) ملتا ہے یعنی اللہ جسے چاہے رسول بنا کر اسے پیغام ہدایت دے کر بھیجتا ہے اور جن کے نصیب میں جنت ہوتی ہے وہ رسول کی پیروی کرتے ہیں۔

[26] فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پر از ہدایت باتوں کے جواب میں نہایت جاہلانہ دعویٰ کرتے ہوئے کہا اے اہل دربار! میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی کہا اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا مانا تو میں تمہیں جیل میں ڈال دوں گا۔ (شعر آء: ۲۹) اور اس نے کہا: اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی ﴿۳۱﴾ ”میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں۔“ (نازعات: ۲۴) یاد رہے کہ فرعون کا خود کو خدا کہنا ایک تو اس معنی میں تھا کہ وہ خود کو حلال و حرام کا مالک سمجھتا تھا اور یہ کہ اسکے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا گیا: اَتَّخِذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ۔ کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔ (توبہ: ۳۱) یعنی انہیں حلال و حرام کا مالک سمجھ لیا اور دوسرا اس معنی میں کہ وہ خود کو سجدے کرواتا تھا، بلکہ اس نے اپنی شکل کے بت بنوا کر پورے مصر میں پھیلارکھے تھے کہ جو لوگ فرعون کے پاس حاضر نہیں ہو سکتے وہ اس کی شکل پہ بنے ہوئے بتوں کو سجدے کیا کریں۔

[27] فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تم کسی بلند ترین جگہ پر بہت اونچا مینار (TOWER) بناؤ تا کہ میں اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے اور مجھے تو موسیٰ جھوٹا ہی نظر آتا ہے (معاذ اللہ) یوں فرعون اور اس کے لشکروں نے ناحق تکبر کیا اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ مر کر دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور نہ اللہ کے حضور پیش کئے جائیں گے۔

فرعون کے بناء کردہ بلند ترین ٹاور کا تباہ ہونا

مروی ہے کہ فرعون کے حکم پر ہامان نے ہزار ہا معمار اور مزدور جمع کئے لاکھوں اینٹیں پکائی گئیں پھر کسی بلند ترین جگہ پر اس قدر اونچی عمارت کھڑی کی گئی کہ خلق خدا میں سے کسی نے اتنی بلند عمارت نہ بنائی تھی۔ پھر فرعون اس پر چڑھا اس نے وہاں سے آسمان کی طرف تیر پھینکے، جو خون آلود واپس لوٹے، فرعون نے کہا: میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا ہے، (معاذ اللہ) تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم خدا اس عمارت کو اپنا ایک پر مارا تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے ایک فرعون کو لوگوں پر گرا اور ہزاروں انسان اس کے نیچے دب کر مر گئے ایک سمندر میں جا گرا (ممکن ہے سمندر سے یہاں دریائے نیل مراد ہو) اور ایک جانب مغرب گر گیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

لہذا ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا تو دیکھو ظالموں کا انجام کیا

الظَّالِمِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا

(بُرا) تھا۔ اور ہم نے انہیں ایسے پیشوا بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور روز قیامت ان کی

يَنْصَرُونَ ۝ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِّنْ

مدد نہ کی جائے گی اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور روز قیامت وہ ذلیل

الْمَقْبُوحِينَ ۝

کئے جائیں گے۔ [28]

[28] جب فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی یہاں تک بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور ظالموں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے فرعون اور اس جیسے لوگوں کو پیشوا یا ان کفر بنایا تھا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے تھے اس لئے روز قیامت ہرگز ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ از خود کسی کو پیشوائے کفر اور داعی جہنم نہیں بناتا۔ مگر جب کفار اپنے کفر پر جان بوجھ کر یوں ڈٹ جاتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی دعوت کفر دینے لگتے ہیں تو ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے اور وہ یکے داعی جہنم بن جاتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت برسی رہتی ہے اور آخرت میں ان کی ذلت الگ ہے چنانچہ فرعون اور اس کے لشکروں پر آج لعنت برس رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ ”جنہوں نے کفر کیا اور کفر ہی پر مر گئے ان پر اللہ اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔“ (بقرہ: ۱۶۱)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی بعد ازاں کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا اور اس کتاب کو لوگوں کے لئے

لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

درس عبرت اور ہدایت اور رحمت بنایا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں [29] اور (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس وقت (طور کی)

الْغَرْبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۰﴾ وَلَكِنَّا

مغربی جانب میں نہ تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کا معاملہ مکمل کیا اور آپ وہاں حاضر نہ تھے مگر ہم نے

أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ﴿۳۱﴾ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ

(اس کے بعد) کئی قومیں پیدا کیں تو لوگوں پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے کہ انہیں

مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۳۲﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

ہماری آیات سنا رہے ہوتے۔ مگر ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں [30] اور آپ طور کے پاس

الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِّنْ

نہ تھے جب ہم نے ندا کی، مگر آپ کے رب کی رحمت سے (آپ کو یہ سب کچھ معلوم ہوا) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں

نَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَوْلَا أَنُ تُصِيبَهُمْ مُّصِيبَةٌ مِّمَّا

جن کے پاس آپ سے قبل کوئی نذیر نہ آیا تھا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں [31] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار کو ان کے پہلے سے کئے ہوئے

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ

گناہوں کے سبب کوئی مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں کہ اے اللہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے۔

وَنَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

اور مومن بننے (تو ہم ان پر آپ سے پہلے ہی عذاب اتار دیتے) [32]

تورات اور قرآن کا ہدایت کے لئے نازل ہونا

[29] فرعونی قوم کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے قبل کئی قوموں کو ان کی دین دشمنی کے سبب ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرما کر انہیں کتاب تورات دی جو لوگوں کے لئے عبرت، ہدایت اور رحمت کا باعث تھی یعنی اس کی آیات عذاب پڑھنے سے لوگوں کو عبرت اور آیات احکام پڑھنے سے زندگی گزارنے کی ہدایت اور آیات عقائد پڑھ کر رحمت یعنی جنت حاصل ہوتی تھی تاکہ نئی قومیں اس کتاب سے نصیحت حاصل کریں۔

[30] اب حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کے اثبات پر زور دیا جا رہا ہے تو فرمایا کہ اے پیارے محبوب ﷺ! جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ مکمل کیا یعنی انہیں کتاب سے نوازا اس وقت آپ ﷺ طور پہاڑ کی جانب مغرب میں وہاں موجود نہیں تھے۔ یعنی جب آپ وہاں موجود نہ تھے تو پھر آپ کو یہ ساری باتیں وحی الہی کے بغیر کیسے معلوم ہوئیں تو یہ چیز آپ کے لئے دلیل نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی قومیں اٹھائیں اور طویل زمانہ گزرنے کے سبب لوگ تورات کو بھول گئے اور تعلیمات موسیٰ علیہ السلام کے نقوش مٹ گئے۔ تب ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ اہل مدین کی خبریں دیتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے شعیب علیہ السلام سے مخالفت کی اور ان پر عذاب آیا حالانکہ آپ ﷺ تو ان میں مبعوث نہ ہوئے تھے کہ انہیں اللہ کی آیات سناتے۔ آپ تو اس سے ہزاروں برس بعد مکہ میں مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کو اہل مدین کی خبریں کیسے معلوم ہوئیں سوا اس کے کہ ہم نے آپ کو رسول بنایا اور ان واقعات سے آگاہ کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آپ ﷺ یہ واقعات یہود و نصاریٰ سے بھی سن سکتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں یہ واقعات سنائے وہاں کوئی یہودی یا عیسائی نہ تھا۔ اسی لئے اہل مکہ نے بھی کبھی نہ کہا تھا کہ آپ کو کسی یہودی یا عیسائی نے یہ باتیں بتائی ہیں۔

[31] اور اے پیارے محبوب ﷺ آپ اس وقت طور پہاڑ کے قریب موجود نہ تھے جب ہم نے ندا کی تھی۔ مگر ہم نے آپ ﷺ کو اپنی رحمت سے یہ باتیں بتائیں تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کی طرف سے ڈر سنائیں جن کے پاس اس سے قبل کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اہل مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا۔ اور یہاں کفر و شرک کی تاریکی بہت گہری ہو گئی تھی۔ یہاں اِذْ نَادَيْنَا سے کون سی ندا مراد ہے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر عرض کیا اے اللہ! کیا تجھے مجھ سے بڑھ کر کوئی نبی اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر کوئی امت پسند ہے؟ جبکہ تو نے مجھ سے کلام فرمایا اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں مجھے محمد ﷺ تم سے بڑھ کر محبوب ہیں اور ان کی امت بنی اسرائیل سے بڑھ کر پیاری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے امت

محمد یہ کوندا کی تو امت محمدیہ کی ارواح نے اپنے آباء کے اصلاب سے پکار کر جواب دیا اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہم تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اِذْ نَادَيْنَا میں یہاں ہمیں وہ ندا یاد دلائی ہے۔
(درمنثور بروایت ابن مردودہ جلد ۶ صفحہ ۴۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[32] یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار مکہ روز قیامت کہیں گے اے اللہ تعالیٰ تو نے ہمارے درمیان کسی رسول کے مبعوث کرنے سے قبل ہی ہمیں ہلاک کر دیا اور ہمیں ایمان لانے کا موقع ہی نہ دیا تو ہم انہیں آپ کی بعثت سے قبل ہلاک کر چکے ہوتے۔ کیونکہ ان کے جرائم عذاب الہی کو دعوت دے رہے تھے جیسے ان کا بچیوں کو زندہ درگور کرنا، حرم کعبہ میں تین سو ساٹھ بت کھڑے کر دینا اور برہنہ طواف کعبہ کرنا وغیرہ۔ اس لئے ہم نے انہیں ہلاک کرنے کی بجائے آپ ﷺ کو ان میں مبعوث کیا اور ان پر اتمام حجت کر دی اب انہیں چاہئے کہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لائیں۔
یہاں سے دو فوائد معلوم ہوئے:

- (۱) زمانہ فترت کے موحدین کے لئے عذاب جہنم نہیں ہے:
کیونکہ اس آیت کے مطابق رسول کی بعثت کے بغیر عذاب نہیں دیا جاتا۔ تو جو شخص زمانہ فترت میں توحید پر قائم ہو وہ کسی لحاظ سے مستحق عذاب نہیں ہے اور حضور سرور کونین ﷺ کے والدین بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ وہ بھی زمانہ فترت میں تھے اور موحدین میں سے تھے انکا شرک کہیں ثابت نہیں۔
- (۲) اللہ تعالیٰ اپنے انکار سے عذاب نہیں اتارتا البتہ رسول سے انکار پر عذاب اتارتا ہے:
جیسا کہ یہ بات لَوْلَا اَرْسَلْتُ اِلَيْنَا رَسُوْلًا سے ظاہر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نُبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ (بنی اسرائیل: ۱۵)

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ط

اور جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو انہوں نے کہا اس شخص کو ایسے معجزات کیوں نہیں ملے جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کو دیئے گئے؟

أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوا سِحْرِن تَظْهَرُ اَقِفْ

کیا انہوں نے اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کو دیئے گئے معجزات سے انکار نہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار جادوگر ہیں

وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لَكَافِرُونَ ۝ قُلْ فَاتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ

اور کہا کہ ہم ان سب سے انکار کرتے ہیں [33]۔ آپ فرمائیں تم اللہ کی طرف سے کتاب لاؤ جو تورات و قرآن سے بڑھ کر

مِنْهَا آتِبَعُهُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ

ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی اتباع کروں گا اگر تم سچے ہو، پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں

أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ط وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى

تو آپ جان لیں کہ وہ بس اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے

مِّنَ اللَّهِ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ع

اس سے بڑا گمراہ کون ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [34]

[33] یعنی جب اہل مکہ کے پاس قرآن کی صورت میں حق آ گیا تو انہوں نے کہا اس شخص (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کو دیئے گئے مثلاً عصا اور ید بیضاء وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کفار مکہ اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت سے بھی انکار کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ محمد اور موسیٰ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ پھر وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کو کس منہ سے معیار بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

اس کا پس منظر کبلی یوں روایت کرتے ہیں کہ کفار مکہ نے مدینہ طیبہ کے بعض علماء یہود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ہاں ہم ان کی تعریف اپنی کتاب تورات میں پاتے ہیں۔ تب کفار مکہ نے کہا یہ دونوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ (علیہ السلام)) جادوگر ہیں (معاذ اللہ) اور ہم سب رسولوں سے انکار کرتے ہیں۔ تو اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں سِحْرِن تَظْهَرُ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ نے کہا قرآن اور تورات دونوں جادو

ہیں۔ جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم ان سب سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے پیارے نبی ﷺ ان سے فرمائیں اگر بالفرض تورات اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کوئی کتاب ہے تو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اتروالو تو میں اس کی پیروی کروں گا۔

[34] لیکن اے پیارے رسول ﷺ! اگر کفار قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب ہدایت نہ لاسکیں تو جان لیجئے کہ یہ لوگ محض اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کرے اس سے بڑا گمراہ کون ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ معلوم ہوا قرآن سے بڑھ کر کوئی کتاب ہدایت پیش نہیں کی جاسکتی لہذا یہ آخری آسمانی کتاب ہے اور اس کے لانے والے نبی محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ

اور بلاشبہ ہم نے ان کے لئے جامع کلام (قرآن) اتارا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے قبل

مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا اٰمَنَّا بِهِ اِنَّهُ الْحَقُّ

کتاب دی وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے

مِنْ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ

یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم تو پہلے ہی اطاعت کرنے والے تھے [35] ان لوگوں کو ان کا دہرا اجر دیا جائے گا

بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِذَا

کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ بُرائی کو بھلائی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں

سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا اِنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلَمٌ

اور جب وہ بیہودہ بات سنی تو اس سے درگزر کرتے اور کہتے ہیں: ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم

عَلَيْكُمْ ۚ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾

پر سلام ہو، ہم جاہلوں کا طریقہ نہیں چاہتے۔ [36]

﴿جب حبشہ کے عیسائی ایمان لے آئے اور مکہ کے قریش کفر پہ اڑے رہے﴾

[35] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے وصل کرنے والا کلام کفار کی ہدایت کے لئے اتارا ہے وصل کا معنی ملانا ہے یعنی یہ ایسا کلام ہے جو ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے ملاتا ہے۔ کیونکہ وہ ماضی کے واقعات بتا کر حال کو بہتر بنانے کی دعوت دیتا ہے تاکہ ان کا مستقبل یعنی آخرت سنور جائے یونہی یہ قرآن دنیا کو آخرت سے ملا دیتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب رہتا ہے۔

یعنی قرآن کی صداقت کی یہ دلیل بھی بتائی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ قرآن پر ایمان لے آتے ہیں کیونکہ تورات و انجیل میں حضور سید عالم ﷺ اور قرآن کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آج بھی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد اسلام قبول کر رہی ہے صرف برطانیہ میں عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں آنے

والوں کی تعداد تیرہ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے باقی سارا یورپ اس کے سوا ہے اور امریکہ میں یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔ رہے یہود تو اگرچہ وہ متعصب قوم ہے مگر ان میں سے بھی کئی لوگ اسلام لائے ہیں اور عموماً کوئی یہودی اپنا مذہب ترک نہیں کرتا لیکن اگر کرے تو وہ سیدھا اسلام میں آتا ہے اور کہیں نہیں جاتا الغرض اہل کتاب کا ایمان لانا بھی صداقت قرآن کی دلیل ہے۔

[36] حضرت مقاتل کہتے ہیں یہ آیات ان اہل انجیل کے حق میں اتریں جو حبشہ سے آئے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) محمد بن اسحاق کہتے ہیں جب صحابہ کرام ہجرت کر کے حبشہ گئے اور وہاں کے نصاریٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ان سے خبر سنی تو ان میں سے بیس آدمی حضور ﷺ کی زیارت کے لئے مکہ آئے۔ جب انہوں نے حضور سید کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے اور یہ آیت **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حِمًّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ** یعنی جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پہ اتارا گیا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ (مائدہ: ۸۳) بھی اسی بارے میں نازل ہوئی۔ اور وہ ایمان لے آئے۔ ابو جہل نے انہیں کہا تم احمق لوگ ہو۔ انہوں نے اسے کہا تمہیں معلوم ہے ہم تم سے جاہلانہ گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا چنانچہ یہ آیات **الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ..... لَا نُبْتَغِي الْجَاهِلِينَ** اسی بارے میں نازل ہوئیں۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دو ہرا اجر دے گا ایک تورات یا انجیل پر ایمان لانے کا دوسرا قرآن پر ایمان لانے کا۔ اور یہ لوگ بُرائی کو اچھائی سے دور کر دیتے ہیں یعنی کفر کی جگہ اسلام لے آتے ہیں۔ اور وہ ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں چنانچہ مروی ہے کہ اہل حبشہ میں سے ایمان لانے والے مذکورہ بیس نو مسلم مالدار لوگ تھے جب انہوں نے مکہ میں مسلمانوں کی کمزور مالی حالت دیکھی تو پریشان ہوئے وہ حبشہ گئے بہت سا مال لائے اور غرباء اہل اسلام میں تقسیم کیا۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۷) اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: کہ جب اہل کتاب ایمان لے آتے ہیں تو جو کافران سے بیہودہ گوئی کے ذریعے انہیں قبول اسلام پر ملامت کرے جیسے ابو جہل نے مذکورہ حبشی نو مسلمانوں سے کیا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا، ہم کسی جاہلانہ گفتگو میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔

یہاں سے دونوں اہل حاصل ہوئے:

(۱) جب اسلام کسی کے دل میں صحیح اتر جاتا ہے تو کسی کے نکالے سے نکلتا نہیں: اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی اسلام لا کر اسے چھوڑ دے ہاں اگر کسی نے اسلام کو صحیح طرح سمجھا نہ ہو اور کسی مقصد کے لئے زبانی اسلام لایا ہو تو اس کے پھر

جانے کا امکان ہوتا ہے مگر سمجھ لینے کے بعد کوئی نہیں پھرتا۔

(۲) جاہلوں سے جھگڑنا جہالت ہے: وہ اگر جھگڑیں تو انہیں کہنا چاہئے: سَلِّمْ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۳۷﴾
”تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کا طریقہ نہیں اپناتے۔“

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ

اے محبوب (ﷺ) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دیتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۳۷﴾ وَقَالُوا إِنَّا نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَتَّخِطُ مِنْ أَرْضِنَا ط

خوب جانتا ہے [37] اور کفار مکہ نے کہا اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں ہمارے علاقہ سے اٹھالیا جائے گا،

أَوَلَمْ نُمْكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ

کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں جگہ نہیں دی ہے جس کی طرف ہر طرح کا پھل کھینچ کر لایا جاتا ہے جو ہماری

لَدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾

طرف سے رزق ہے؟ مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [38]

[37] جب حبشہ کے عیسائی ایمان لائے اور مکہ کے قریش جو نبی اکرم ﷺ سے نبی تعلق رکھتے تھے کفر پر ڈٹے رہے تو نبی اکرم ﷺ کو سخت کوفت ہونے لگی اور بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غمگسار چچا ابوطالب کو دعوت اسلام پیش کی تو انہوں نے پس و پیش کیا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کون ہدایت لینے والا ہے کون نہیں۔

ابوطالب کی موت کی کیفیت

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام جلیل القدر مفسرین کا اجماع ہے یہ آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ نبی اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب کے حق میں اتری اور بخاری و مسلم کی حدیث اس پر نص ہے۔
(قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۹ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

چنانچہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کو موت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا اے چچا لا الہ الا اللہ (یعنی کلمہ طیبہ) پڑھو، میں اس کے ذریعے تمہاری شفاعت کروں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اسے کہا تم مرتے ہوئے عبدالمطلب کا دین چھوڑ دو گے؟ آخر ابو

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

طالب کی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے اَنَا عَلَىٰ مِلَّةِ عَبْدِ الْمَطْلِبِ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے حق میں استغفار کرنا چاہی تو یہ آیات اتریں: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ۔ نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں۔ (توبہ: ۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص باب ۱، مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۹: مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو اس کے آخری وقت میں دعوت ایمان دی مگر اس نے کہا اگر مجھے ڈرنہ ہوتا کہ قریش مجھے شرم دلائیں گے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ تو اسی بارے میں یہ آیت اتری: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ۔ الخ (مسلم کتاب الایمان حدیث ۴۲، ترمذی کتاب التفسیر سورۃ قصص، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۳۴)

ممکن ہے کہ حبشہ سے آنے والے اہل کتاب کے ایمان لانے کا واقعہ اور ابوطالب کی موت دونوں ایک ہی دور میں قریب قریب واقع ہوئے ہوں اور ان دونوں کے وقوع پہ یہ آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ الخ نازل ہوئی ہو۔

ابوطالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کی بحث

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شدید خواہش کے باوجود آپ کے چچا ابوطالب کے ایمان لائے بغیر مر جانے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! ہدایت دینا آپ ﷺ کے ہاتھ میں نہیں میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ ابوطالب کے آخری الفاظ اَنَا عَلَىٰ مِلَّةِ عَبْدِ الْمَطْلِبِ۔ کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں کا کیا معنی ہے کیا عبدالمطلب بھی مشرک تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالمطلب صرف توحید کے ماننے والے تھے رسالت کے نہیں۔ کیونکہ اس وقت کوئی رسول مبعوث نہ تھا۔ اور جب حضور ﷺ مبعوث ہو گئے تو اس وقت اَنَا عَلَىٰ مِلَّةِ عَبْدِ الْمَطْلِبِ کہنا نجات کے لئے کافی نہیں تھا۔ بلکہ باقاعدہ کلمہ اسلام کا قبول کرنا ضروری تھا۔

اس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے ابوطالب کے ہونٹ آخری وقت میں ہلتے دیکھے تو کان لگایا تو حضور ﷺ سے کہا بھتیجے! میرے بھائی نے وہ بات کہدی ہے جو تم اس سے مانگ رہے تھے (یعنی کلمہ پڑھ لیا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تو نہیں سنا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ دار ابن حزم شام) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہ روایت مجہولہ ہے اسکی روایت یوں ہے: حدثني العباس بن عبد الله بن معبد بن عباس عن بعض اهله عن ابن عباس، عباس بن عبد الله بن معبد بن عباس نے اپنے بعض گھر والوں سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ اب وہ گھر والے کون ہیں اس کا کچھ علم نہیں ہے۔ تو بخاری و مسلم کی متفق علیہا صحیحہ مرفوعہ متصلہ روایات کے مقابلہ میں اس مجہول روایت کی کیا حیثیت ہے۔

ثانیاً خود حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپکا چچا ابوطالب آپکی حفاظت کرتا اور آپ کے لیے لوگوں سے لڑتا تھا تو آپ نے اسے کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہو فی ضحضاح من النار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔ وہ تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے مقام میں ہوتا۔

(بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۰ مسلم کتاب الایمان حدیث ۳۵۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

اگر حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ابوطالب سے اسکی موت کے وقت کلمہ اسلام سن لیا ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہ کرتے اور نہ ہی آپ یہ جواب دیتے۔ بخاری و مسلم کی یہ متفق علیہ حدیث بتا رہی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوطالب کی موت کے وقت اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں سنی تھی۔

ہم یہ بحث بادل نحو استہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ابوطالب کا ایمان نہ لانا ایک بڑا المیہ ہے جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی باعث تکلیف تھا۔ کیونکہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت کی اور آپ کی حمایت میں سارا زور لگایا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مگر وہ محبت و حمایت خونی رشتہ کی بنیاد پہ تھی۔ اس میں رسالت کا اقرار شامل نہ تھا۔ اگر وہ شامل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے وقت آخر میں انہیں دعوت اسلام دینے کی کیا ضرورت تھی؟ ہمیں یہ بحث اس لیے کرنا پڑتی ہے تاکہ اسلام کی ان اعتقادی بنیادوں میں تزلزل نہ آئے جن پر عقائد اسلامیہ کی عمارت استوار ہے۔ اس بارے میں ہم مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (توبہ، ۱۱۳) کے تحت بھی معتد بہ کلام کر آئے ہیں۔ وہاں بھی ایک نظر دیکھ لیں تاکہ ساری معلومات یکجا ہو جائیں۔

آج بھی کئی عیسائی اہل اسلام کے پُر زور حامی ہیں۔ جیسے برطانیہ میں ریسپیکٹ پارٹی (Respect Party) کا لیڈر جارج گیلوے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر فلسطینی و کشمیری اور عراقی و افغانی مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کرتا ہے اور جو باتیں آج تک کسی مسلمان حکمران کو کہنے کی توفیق نہیں ہوئی وہ کہتا ہے۔ مگر جب اسے دعوت اسلام دی جاتی ہے تو وہ بات گول کر جاتا ہے۔ ظاہر ہے اگر ایسا آدمی باقاعدہ اسلام نہ لائے تو صرف مسلمانوں سے ہمدردی بخشش کے لیے کافی نہیں ہے۔

بہر حال یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ بتا رہی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نبی کا کام ہدایت کا پہنچانا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل کہا جانا اس معنی میں ہے کہ آپکا اختیار کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے برابری مقصود نہیں ہے اور یہ آیت اور ابوطالب کا یہ واقعہ اس پر دلیل ہے۔ گویا مختار کل کہنا کلی اضافی ہے کلی حقیقی نہیں۔

[38] کفار مکہ نے بہانہ بناتے ہوئے حضور ﷺ سے کہا اگر ہم ایمان لے آئیں تو دوسری قومیں ہمیں اٹھا کر لے جائیں گی اور ہمیں ہماری سرزمین سے بے دخل کر دیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کیا اہل مکہ کو ہم نے امن والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ یعنی دوسری قومیں تو اہل حرم کا احترام کرتی ہیں وہ ان سے لڑائی کیسے کر سکتی ہیں۔ تو یہ اہل مکہ کا جھوٹا بہانہ ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اہل حرم میں سے کوئی شخص باہر جاتا اور کہتا کہ وہ حرم مکہ کا باشندہ ہے تو کوئی شخص اس سے تعرض نہ کرتا سب اسے امن دیتے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۹۹ مطبوعہ مکہ)

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل حرم کے پاس تمام اطراف عالم سے پھل پہنچائے جاتے ہیں اور یہ ان کے لئے دعاء ابراہیم علیہ السلام کا اثر ہے جو انہوں نے کہا تھا: **وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّجَرِ**۔ اے اللہ! یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق دے۔ (ابراہیم: ۳۷) تو اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اس رسول پر ایمان لانا چاہئے جس کی یہاں آمد کے لئے یہاں کعبہ بنایا گیا۔ اس علاقہ کو امن والا حرم قرار دیا گیا اور یہاں پھلوں کی بارش کی گئی۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں۔ تو یہ ان کے بسیرے ویران پڑے ہیں

تُسْكُنُ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

جہاں ان کے بعد تھوڑا ہی رہا جا سکا تھا اور ہم ہی وارث ہیں اور آپ کا رب بستیوں کو

مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا

ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے مرکزی مقام میں کوئی رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیات پڑھے اور ہم

كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝۵۹ وَمَا أَوْتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ

بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے سوا اس کے کہ وہاں کے باشندے ظلم کرنے والے ہوں [39] اور تمہیں جو کچھ دیا گیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۶۰

وہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور لازوال ہے کیا تم عقل نہیں کرتے۔ [40]

[39] جب اہل مکہ نے یہ بہانہ بنایا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو دوسری قومیں ہمیں تباہ کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد

رکھو ہم نے اس سے قبل کئی بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی معیشت پر ناز کرتی تھیں۔ پھر وہاں کوئی کم ہی آباد ہو سکا۔ اور ہم ہی

وارث (مالک) ہیں یعنی ہم جس قوم کو چاہیں زمین پہ آباد رکھیں جسے چاہیں تباہ کر دیں گویا فرمایا کہ اے اہل مکہ! تم دوسری قوموں سے ڈرتے ہو تمہیں اس کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہئے کہیں وہ تمہیں تباہ نہ کر دے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ بستیوں کو یونہی بے گناہ تباہ نہیں کر دیتا بلکہ وہ ان میں سے کسی مرکزی مقام پر اپنا رسول بھیجتا ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتا ہے پھر جب وہ ظلم کا راستہ اپناتے ہیں یعنی اسلام اور اہل اسلام پر مظالم روار کھتے ہیں تب اللہ انہیں ہلاک کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر علاقہ کے کسی مرکزی شہر میں رسول بھیجتا تھا تا کہ اس کا پیغام آس پاس کی تمام بستیوں اور شہروں تک پہنچ جائے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ساری روئے زمین کے لیے رسول بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ کو روئے زمین کے سنٹر مکہ المکرمہ میں مبعوث فرمایا۔ اسی لیے اسے اُم القریٰ کہا گیا۔ (انعام: ۹۲) اور بلاشبہ مکہ مکرمہ ساری دنیا کا سنٹر ہے اور تمام ساتوں براعظم اسکے گرد میں واقع ہیں۔

[40] یعنی اے انسانو! تمہیں دنیا میں جو کچھ دیا گیا یہ چند روزہ زندگی کا سامان ہے جو جلد ختم ہو جائے گی جبکہ اللہ نے تمہارے لئے آخرت میں جو کچھ رکھا ہے وہ دنیوی نعمتوں سے کہیں بہتر اور لازوال ہے تو پھر تم عقل سے کام لیتے ہوئے اخروی نعمتوں کے حصول کی کوشش کیوں نہیں کرتے اور وہ کوشش یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کو اپنایا جائے۔

أَفَمِنْ وَعْدِنَا وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَا قِيَهُ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

تو جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا ہے جو اسے جلد ملنے والا ہے کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے سامان دنیا کا برتاؤ دیا

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ نُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ

پھر وہ روز قیامت (سزا کے لئے) حاضر کیا جائے گا؟ [41] اور وہ دن یاد کرو جب اللہ کفار کو پکار کر فرمائے گا: کہاں ہیں

شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا

وہ میرے (جھوٹے) شریک جو تم نے گمان کر رکھے تھے؟ تو وہ لوگ جن پر خدائی فیصلہ نافذ ہو چکا وہ کہیں گے:

هُؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا

اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے، ہم تیرے سامنے

إِنَّا نَاعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا

ان سے بیزار ہوتے ہیں۔ وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے [42] اور کہا جائے گا کہ اپنے (جھوٹے) شریکوں کو بلاؤ وہ انہیں بلائیں گے،

لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾

مگر وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب دیکھیں گے (اور کہیں گے) کاش وہ ہدایت پکڑتے۔ [43]

قیامت کے دن مشرکین سے اللہ رب العزت کا پُر عتاب خطاب

[41] جو شخص ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے وعدہ جنت فرماتا ہے جیسا کہ آگے اسی رکوع

کی آیت 67 میں ہے: فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَلَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْبَاقِينَ ﴿٦٧﴾ یعنی جو توبہ کر

کے ایمان لائے اور اچھا عمل کرے تو قریب ہے کہ فلاح پالے۔ تو جس شخص کو اپنے رب سے ملاقات پہ یہ وعدہ ملنے والا

ہے کیا وہ اس کافر شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے صرف دنیوی زندگی کا سامان دیا گیا ہے اور روز قیامت اس کے لئے سزا

کے سوا کچھ نہیں ہے؟ حضرت مجاہد اور حضرت سدی رحمہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے

بارے میں نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۲۹۹۸ مطبوعہ مکہ)

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اور ان کے فضائل

اور یہ آیت ان کے حق میں اس لئے نازل ہوئی کہ ایک بار ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ کی سخت توہین کی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ سیدھے اس کے پاس گئے اور اس کے سر میں اپنی کمان مار کر اس کا سر پھوڑ دیا اور فوراً حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کلمہ پڑھ لیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پھر ابو جہل محبوب خدا ﷺ کی توہین کرتے کرتے واصل جہنم ہو گیا اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ محبوب خدا ﷺ کا دفاع کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

اس سے سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔ یاد رہے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سگے چچا اور رضاعی بھائی بھی تھے دونوں کو حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا تھا وہ حضور ﷺ سے دو برس قبل پیدا ہوئے انہوں نے ہجرت کی۔ بدر میں متعدد بڑے جنگجو کفار مکہ کہ جہنم رسید کیا بالآخر جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ نبی ﷺ نے انہیں سید الشہداء کا لقب دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں (قریباً ۱۰ سال کے پچاس برس بعد) ان کی قبر کا کچھ حصہ کھل گیا تو ان کا جسم تروتازہ پایا گیا۔

[42] روز قیامت اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا آج تمہارے جھوٹے خدا جنہیں تم میرے ساتھ شریک خدائی سمجھتے تھے کہاں ہیں وہ تمہاری مدد کو کیوں نہ آئے تب مشرکین اپنے ان گمراہ کن لیڈروں کا نام لیں گے جنہوں نے انہیں بتلائے شرک و کفر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم نے انہیں کیوں گمراہ کیا؟ وہ کہیں گے یا اللہ! ہم نے انہیں اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے یعنی جس طرح ہم خود اپنی خوشی سے گمراہ ہوئے ہم پر کسی نے زبردستی نہ کی تھی یونہی یہ لوگ بھی اپنی خوشی سے گمراہ ہوئے ہم نے ان پر کچھ زبردستی نہ کی تھی اے اللہ! ہم تیری جناب میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے یعنی یہ ہمارے مجبور بندے نہ تھے کہ جو ہم انہیں کہتے انہیں وہ ہر صورت کرنا پڑتا۔ بلکہ ہم نے انہیں جو کچھ کہا انہوں نے اسے اپنی خوشی سے قبول کر لیا اور رب کا حکم چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا روز قیامت کوئی کسی کی گمراہی کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا لہذا کسی کے کہنے پر گمراہی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

[43] روز قیامت مشرکین سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اپنے جھوٹے خداؤں کو پکارو بتوں کے بچاری بتوں کو اور شمس و قمر کے بچاری شمس و قمر کو پکاریں گے مگر کوئی چیز ان کی مدد کو نہ آئے گی تب وہ اپنا عذاب دیکھ کر بصد حسرت کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں ہدایت پکڑتے مگر اس دن کی حسرت و ندامت کچھ کام نہ آئے گی۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٤٥﴾ فَعِمِيتُ عَلَيْهِمْ

اور جس دن اللہ انہیں پکار کر فرمائے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ تب ان پر سب دلائل اس دن

الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اندھے ہو جائیں گے تو وہ باہم (بھی) کوئی سوال نہ کر سکیں گے، البتہ جو توبہ کر کے ایمان لائے اور اچھا عمل کرے

فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٤٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۖ

تو قریب ہے کہ وہ شخص فلاح پا لے [44] اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۖ سُبْحَنَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ

اور وہ ہر چیز کا مختار ہے، لوگوں کو (اللہ پر) کوئی اختیار نہیں۔ اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے [45] اور تمہارا رب جانتا ہے

مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٤٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْخِزْيُ

جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کے لئے دنیا و آخرت میں

فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٠﴾

سب تعریف ہے اور اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ [46]

[44] توحید کے بعد اللہ تعالیٰ کفار سے رسالت کے بارے میں سوال کرے گا کہ جب تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے انہیں کیا جواب دیا تھا؟ اس وقت کفار کے پاس کوئی بہانہ نہ ہوگا کہ انہوں نے رسولوں سے کیوں دشمنی کی تھی۔ تب ان کے سب دلائل اور بہانے خاموش ہو جائیں گے اور وہ آپس میں بھی کوئی سوال نہ کر سکیں گے یعنی پوچھ نہ سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیا جائے۔ مگر جو لوگ کفر سے توبہ کر کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اچھے اعمال کرتے ہیں وہ قریب ہے کہ فلاح پالیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال میں خلوص جانا تو انہیں فلاح مل جائے گی اور اگر نیت میں خلوص نہ ہو تو اعمال برباد ہو سکتے ہیں۔

[45] کفار مکہ کہتے تھے کہ اس شخص کو (حضور ﷺ) نبوت کے لئے کیوں چنا گیا ہے۔ (فرقان: ۴۱) ادھر یہود کہتے تھے اللہ نے جبرائیل کو قرآن دے کر کیوں بھیجا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ کبھی ان کو یہ اعتراض ہوتا کہ آخری نبی کو بنی اسرائیل سے باہر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بیہودہ خیالات کے جواب میں فرمایا کہ اللہ جو چاہے پیدا کرے

اور جو چاہے پسند کرے۔ اللہ پر کسی کا کیا اختیار ہے۔ بندے کو چاہئے کہ مولیٰ کی پسند کو اپنی پسند جانے۔

اللہ تعالیٰ کی پسند پر اعتراض، یہودیانہ و مشرکانہ طریقہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بطور نبی چنا تو مشرکین و یہود نے اس پر اعتراض کیا تب ان کے رد میں یہ آیت اتری۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے رسول کی صحبت و رفاقت کے لئے چن لیا پھر ان میں چار صحابہ کو اپنے رسول کی جانشینی کے لئے چن لیا پھر ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہلا مسلمان، یار غار اور رفیق مزار ہونے کے لئے چن لیا اب جو اللہ تعالیٰ کی پسند پر اعتراض کرے وہ یہود و مشرکین کا طریقہ اپناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دولت، اولاد، علم، صحت، حکومت یا شہرت وغیرہ دے تو اس پر حسد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار پر اعتراض کرنے کے برابر ہے، گویا حسد کرنے والا چاہتا ہے کہ اللہ جس کو جو دے اس سے پوچھ کر دے۔

ہر اہم کام سے قبل استخارہ کی فضیلت

جب ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو بندے کو چاہیے کہ ہر اہم کام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے پوچھے کہ وہ یہ کام کرے یا نہ کرے۔ اس کو استخارہ کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ استخارہ کی دعایوں سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جب بھی تمہیں کوئی اہم کام پیش آجائے تو دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو، دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیْ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔

اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر جاننا چاہتا ہوں تیری قدرت سے اختیار مانگتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں کیونکہ ساری قدرت تیری ہے میری کوئی قدرت نہیں اور تو ہی جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ تو ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میری آخرت کے لیے بہتر ہے (یہ کہتے ہوئے اپنا کام ذہن میں رکھے) تو اسے میری قدرت میں کر دے اسے میرے لیے آسان فرما دے پھر مجھے اس میں برکت دیدے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری دنیا میری زندگی اور میری آخرت کے لیے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے پھر جہاں میرے لیے بھلائی ہے مجھے اسکی قدرت دیدے اور مجھے اس پر مطمئن کر دے۔ (بخاری کتاب الدعوات باب ۴۹، ترمذی کتاب الوتر باب ۱۸) ایک حدیث میں ہے کہ یہ دعا کرنے کے بعد

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

بندے کا دل جدھر مطمئن ہو وہ کر لے اسی میں اس کے لیے خیر ہے۔ (قرطبی جلد ۱۳ ص ۳۰۷)

[46] اے محمد عربیؐ! آپ کا رب خوب جانتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں ہے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی ہر عبادت، ہر تعریف کے لائق ہے، لہذا اسے چھوڑ کر کسی جھوٹے خدا کی پرستش سراسر حماقت ہے۔

قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ

آپ فرمائیں ذرا بتاؤ اگر اللہ تم پر رات کو تاقیامت دائمی بنا دے تو اللہ کے سوا

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاتِيكُم بِضِيَاءٍ ۖ اَفَلَا تَسْمَعُونَ ۚ قُلْ اَرَايْتُمْ اِنْ جَعَلَ

کون سا خدا ہے جو تم پر روشنی لائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ فرمائیں ذرا بتاؤ اگر اللہ تم پر دن کو

اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاتِيكُمُ

تاقیامت دائمی بنا دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تم پر رات لا سکے

بَلِيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۖ اَفَلَا تَبْصِرُوْنَ ۚ وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ

جس میں تم سکون کرو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اللہ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے

وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ

تاکہ تم اس میں (رات میں) سکون کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ [47]

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُزْعِمُوْنَ ۚ

اور جس دن وہ انہیں پکار کر کہے گا کہاں ہیں میرے (جھوٹے) شریک جنہیں تم سمجھتے تھے؟ [48]

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْا اَنَّ الْحَقَّ

اور ہم ہر امت پر ایک گواہ نکال لائیں گے تو ہم ان سے کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب انہیں معلوم ہوگا کہ حق اللہ کے لئے ہے

لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۚ

اور ان کے گھڑے ہوئے خدا ان سے روپوش ہو جائیں گے۔ [49]

[47] اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرما رہا ہے کہ تم جن جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے ہو کیا ان میں سے کسی میں یہ طاقت

ہے کہ اگر اللہ تم پر رات کو مسلسل کر دے تو وہ تم پر روشنی لا سکے اور اگر اللہ تم پر دن کو مسلسل کر دے تو تمہارے جھوٹے خداؤں میں سے کون ہے جو تم پر رات لا سکے جس میں تم سکون کر سکو؟ جب اللہ ہی رات اور دن کو آگے پیچھے لا رہا ہے تو وہی مستحق عبادت ہے۔ اسی کا شکر بجالاؤ۔ ان آیات میں رات کا ذکر دن سے قبل ہے اور قرآن میں اکثر رات کا ذکر دن سے قبل ہی لایا گیا ہے جیسے **وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ**۔ (بقرہ: ۱۳۶، آل عمران: ۱۹۰) معلوم ہوا رات دن سے پہلے ہے۔ مگر انگریزی تاریخ میں اسکا الٹ ہے۔

[48] یہی مضمون اس رکوع کی آیات 62 میں بھی گزر چکا۔ اسے پھر دوہرایا گیا ہے تاکہ مشرکین اس کی اہمیت محسوس کریں۔

[49] یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت ہر امت کے نبی کو لائے گا جو گواہی دے گا کہ اس نے مشرکین و کفار کو پیغام حق پہنچا دیا تھا مگر وہ اپنے کفر و شرک پر اڑے رہے۔ تب کفار سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دلیل لاؤ کہ اس کے باوجود تم شرک پہ کیوں اڑے رہے۔ اس وقت مشرکین پر اتمام حجت ہو جائے گی اور ان کے جھوٹے خدا ان سے روپوش ہو جائیں گے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ۖ وَأَتَيْنَهُ مِنَ الْكُنُوزِ

بے شک قارون قوم موسیٰ (علیہ السلام) میں سے تھا، اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اس قدر

مَا إِنْ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءًا بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ ۚ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ

خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک قوی جماعت پر بھاری بوجھ بن جاتی تھیں۔ یاد کرو جب اسے اس کی قوم نے کہا کہ غرور

لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۖ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

نہ کرو اللہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں رکھتا [50] اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

گھر سنوار لو اور دنیا سے اپنا نصیب نہ بھولو اور بھلائی کرو جیسے اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے

الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۖ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اللہ فسادیوں کو پسند نہیں رکھتا [51]

قارون کا اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا یا جانا

[50] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سگا چچا زاد بھائی تھا۔ ابن جریج فرماتے ہیں۔ قارون کا نسب یہ تھا قارون بن مضر بن فہث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ تھا موسیٰ بن عمران بن فہث۔ گویا دونوں کے باپ باہم سگے بھائی تھے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۷۳۷) مروی ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے ان میں سے ایک غدار شخص قارون کو اپنا مقرب خاص بنا رکھا تھا۔ وہ ان سے ظالمانہ ٹیکس وصول کر کے فرعون کی گورنمنٹ کو دیتا تھا اور فرعون نے اس کے بدلے اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے چنانچہ اس کے پاس خزانوں کی بہتات ہو گئی۔ جب جادو گروں کی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مغلوب ہو کر ایمان لائی تو سب بنی اسرائیل آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سے قارون اور سامری دو آدمی بھی منافقانہ طریقہ سے ایمان لے آئے۔ مروی ہے کہ قارون جدھر جاتا اپنے خزانوں کی چابیاں ساتھ رکھتا چالیس افراد اس کے ساتھ اس کی چابیاں خچروں پہ اٹھائے پھرتے۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۱)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) ایمان کے بغیر نسب کچھ فائدہ نہیں دے سکتا:

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی عزیز تھا مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسب قربت اسے کچھ نہ بچا سکی اور یہ واقعہ یہاں اس لئے بیان ہوا تا کہ قریش مکہ کو سمجھایا جائے کہ ایمان کے بغیر نسل ابراہیمی میں سے ہونے سے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

(۲) مسلم قوم سے غداری اور کفار سے وفاداری کی سزا:

قارون، بنی اسرائیل سے غداری کر کے فرعون سے وفاداری نبھاتا تھا اس طرح اس نے خزانے جمع کر لئے مگر آخرت برباد کر لی۔ یہی حال آج مسلم ممالک کے نام نہاد مسلم حکمرانوں کا ہے وہ اپنی کرسیوں کے لئے امت مسلمہ سے غداری کر کے غیر مسلم طاغوتی طاقتوں سے مال دنیا کمار ہے ہیں ان کا انجام قارون سے مختلف نہیں ہے۔

[51] جب نشہ دولت نے قارون کا دماغ خراب کیا تو بنی اسرائیل کے سمجھ دار لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اسے اس دولت کے ساتھ متکبر ہونے کی بجائے عاجز ہونا چاہئے اور اس دولت کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ اور اسے دنیا سے اپنا حصہ نہیں بھولنا چاہئے یعنی جان رکھنا چاہئے کہ دنیا اس کے پاس چند دن کے لئے ہے ہمیشہ نہیں رہے گی۔ لہذا اسے اللہ تعالیٰ کے احسان کے بدلے احسان سے کام لینا چاہئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا میں خرچ کرنا چاہئے اور ناجائز کاموں میں دولت خرچ کر کے زمین میں فساد نہیں پھیلانا چاہئے۔ اس جگہ اگر سوال کیا جائے کہ قارون نے تو حرام مال کے خزانے جمع کیے ہوئے تھے۔ تو اسے کیوں کہا گیا: **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ**۔ کہ اللہ کے دیئے ہوئے کے ساتھ آخرت بہتر بنا لو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قارون کا سارا مال حرام نہ تھا وہ اپنے جائز کام کی جو تنخواہ لیتا تھا وہ اس کا حلال مال تھا۔ تو اسی کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا گیا۔

اس سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) دولت دنیا کی وجہ سے متکبر نہیں بننا چاہئے: مال و دولت ڈھلتی چھاؤں ہے، صبح ہے شام نہیں ہے۔ **وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا** میں یہ درس ہے کہ انسان کو اس دنیا میں سے تھوڑا سا حصہ ہی ملتا ہے۔ لہذا اس پہ اترا نازی جہالت ہے۔

(۲) مال دنیا کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ** میں یہ عظیم درس ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اسے اس مال کو حصول آخرت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ جیسے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنایا۔

(۳) دولت کو اللہ کی رضا میں خرچ کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں نہیں۔ **وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ**۔

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو حرام کاموں میں خرچ کرتے اور نام و نمود میں لگاتے ہیں وہ قارون کے ساتھی ہیں۔

(۴) متکبرانہ چال اور لباس کی ممانعت: اس جگہ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون از روئے

تکبر اپنا دامن پاؤں سے بالشت بھر لہبا رکھتا تھا۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۰۶، بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۱ خازن جلد ۵ صفحہ ۱۸۲) اور اسی کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ایک شخص زمین پہ دامن گھیٹ کر چلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔ (بخاری کتاب الانبیاء، مسلم کتاب اللباس حدیث ۴۹)

اس لئے تکبر کے ساتھ شلواریاں تہبند کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا تہبند یا شلواریاں ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے۔

(بخاری کتاب اللباس باب ۴، ابن ماجہ کتاب اللباس باب ۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بسا اوقات میرا تہبند ڈھیلا ہو کر نیچے چلا جاتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا تم ایسا تکبر سے نہیں کرتے۔ (بخاری کتاب اللباس باب ۱) اس کے تحت امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں اگر نیت میں تکبر نہ ہو تو تہبند سے ٹخنوں کا چھپانا ناجائز نہیں۔ (عمدة القاری جلد ۲۱ صفحہ ۲۹۵ دار الفکر بیروت)

اسی لیے حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص تکبر سے دامن کو گھیٹ کر چلے۔ اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔“ (بخاری کتاب اللباس باب ۱، مسلم کتاب اللباس حدیث ۴۲) معلوم ہوا اگر یہ عمل ازراہ تکبر نہ ہو بلکہ محض عادت ہو تو پھر یہ ناجائز نہیں۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيَتْهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ

تو قارون نے کہا مجھے یہ مال اس علم کی بنیاد پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے، کیا وہ نہ جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے قبل

مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۖ وَلَا يُسْئَلُ

کئی قویں ہلاک کر دیں جو قوت میں اس سے مضبوط اور مال جمع کرنے میں زیادہ تھیں اور مجرموں سے ان کے

عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٢﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ

گناہ نہیں پوچھے جائیں گے [52] پھر وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ٹھاٹ کے ساتھ نکلا، تو حیات دنیا کے طلب گار لوگ کہنے لگے:

يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَذُو

کاش ہمیں بھی وہ کچھ دیا جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ بڑے

حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ

نصیب والا ہے [53] اور جنہیں علم دیا گیا وہ (ان سے) کہنے لگے: تم پر افسوس، اللہ کی جزا اس شخص کے لئے بہتر ہے

لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٥٤﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ

جو ایمان لائے اور اچھا عمل کرے اور یہ طریقہ سوا صابروں کے کسی کو نہیں دیا جاتا [54] تب ہم نے قارون کو

وَبَدَارِهِ الْأَرْضُ ۖ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ

اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، تو ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو اسے اللہ کے مقابلہ میں مدد دیتا [55]

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿٥٥﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ

اور نہ وہ خود بدلہ لے سکتا تھا اور جو لوگ (کل) اس کے مقام و مرتبہ کی تمنا کرتے تھے (آج)

يَقُولُونَ وَيُكَانَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ

کہنے لگے ہم پر افسوس، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے

لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَاطٌ وَيُكَانَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ع (۸۳)

اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں (بھی) دھنسا دیتا۔ افسوس ہم پر، کافر فلاح نہیں پاتے۔ [56]

[52] قارون نے ناصحین مخلصین کو سخت کافرانہ وجاہلانہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسے جو دولت ملی ہے اس میں اللہ کا کوئی احسان نہیں یہ اس نے اپنے علم سے حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کیا قارون نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ نے اس سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جو قارون کی طرح اپنی دولت پہ اتراتی تھیں حالانکہ وہ قوت و تعداد میں قارون سے کہیں مضبوط تر تھیں اور جب مجرموں پر عذاب آتا ہے تو ان سے پوچھا نہیں جاتا کہ کیا واقعی تم مجرم ہو بلکہ انہیں اچانک عذاب آپکڑتا ہے۔

[53] ایک دن قارون پوری ٹھاٹ اور شان و شوکت کے ساتھ اترتا ہوا نکلا۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا جس پر سنہری زین تھی اس کے ساتھ اس کے چار ہزار ساتھی بھی تھے جو سب اہلے ہی گھوڑوں پہ سوار تھے سب نے زرق لباس پہن رکھے تھے۔ اس کی یہ شان و شوکت دیکھ کر حریصان دنیا نے کہا کاش ہمیں بھی قارون جیسی دولت ملتی۔

[54] ان کی یہ بات سن کر بنی اسرائیل کے علماء نے جن کے پاس دولت علم تھی، ان سے کہا: تم پر افسوس ہے، قارون کی دولت پر کیوں للچاتے ہو۔ ایک مومن اور صالح شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جو نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں وہ دولت قارون سے کہیں بہتر ہیں مگر وہ صبر کرنے والوں کو ملتی ہیں لہذا تم صبر رکھو اور قارون جیسا حرام مال مت طلب کرو۔ یہاں وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ سے معلوم ہوا کہ اہل علم کو کسی کے پاس زیادہ دولت دیکھ کر للچانا نہیں چاہیے، کیونکہ علم سب سے بڑی دولت ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

[55] جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر زکوٰۃ فرض کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے زکوٰۃ مانگی تو وہ بگڑ گیا اس نے ایک بدکار عورت کو مال دے کر تیار کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگائے (معاذ اللہ) اس نے آپ پر یہ الزام لگا دیا مگر جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئی تو ڈر گئی اور سچ بتا دیا کہ اسے قارون نے اس بہتان تراشی پر تیار کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور رو کر عرض کیا اے اللہ! میرے لئے تیرا غضب جوش میں آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! ہم نے زمین کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کرے۔ آپ نے زمین کو حکم دیا تو اس نے قارون کو اپنے اندر اتار لیا۔ تب بعض بنی اسرائیل نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کی ہلاکت کی دعا اس لئے کی ہے تاکہ آپ اس کی دولت پر قبضہ کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قارون کے خزانوں اور اموال کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۳) یہ اختصار ہے مفصل واقعہ مطولات میں لکھا ہے جو عبرت خیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قارون کا گروہ اسے بچانہ سکا اور نہ وہ خود بدلہ لے سکتا تھا۔ اور اللہ سے کون بدلہ لے سکتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس مال سے زکوٰۃ نہ دی جائے وہ قارون جیسا خزانہ ہے جو روز قیامت باعث عذاب ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ لَهُمْ بَعْدَ ابْتِلَائِهِمْ يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَآ كُنْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَآ كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾ ”جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو اس دن اس سونے چاندی کو گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیاں پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا اب اپنے خزانے کا مزہ چکھو۔“

(توبہ: ۳۴)

[56] جب قارون اپنے خزانہ سمیت زمین میں دھنس گیا تو جو لوگ اسے دیکھ کر کہتے تھے کہ کاش انہیں بھی قارون جیسی دولت ملتی، وہ نادم ہو کر کہنے لگے ہم پر افسوس، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق کو تنگ یا کشادہ کرتا ہے لہذا ہمیں قارون جیسی حرام دولت کی تمنا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے رزق حلال کی کشادگی کے لئے دعا کرنا چاہئے تھی اور اللہ کا ہم پر کرم ہوا کہ اس نے ہمیں قارون جیسی دولت نہ دی ورنہ آج ہم بھی اس کے ساتھ زمین میں دھنس چکے ہوتے کیونکہ قارون جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے منکر لوگ فلاح نہیں پاتے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

وہ جو آخرت کا گھر ہے اسے ہم انہی لوگوں کے لئے بنائیں گے جو زمین میں نہ سرکشی چاہتے ہیں

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۵۷﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا

نہ فساد، اور بہتر انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے [57] جو شخص نیکی کرے اس کے لئے اس سے بہتر جزا ہے

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا

اور جو بُرائی کرے اسے صرف اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر وہ لوگ برائیاں

يَعْمَلُونَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ قُلْ

کرتے تھے [58] بے شک جس رب نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ آپ کو عظیم الشان مقام کی طرف لوٹائے گا آپ فرمائیں

رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵۹﴾

میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور جو کھلی گمراہی میں ہے۔ [59]

فکر آخرت، وعدہ غلبہ دین اور رد شرک

[57] اس سے قبل فرعون و قارون کی سرکشی بتائی جا رہی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اُخروی گھر (جنت) انہی لوگوں کے لئے جو زمین میں سرکشی و فساد نہیں کرتے اس کی بجائے بہتر انجام اللہ سے ڈرنے والوں کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں یہ آیت ان حکمرانوں کے لئے ہے جو تواضع اختیار کریں۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۵) یعنی جو اقتدار میں ہونے کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے لوگوں پر ظلم و تعدی کا بازار گرم نہیں کرتے۔

ایک مسلم حاکم کو کیسا ہونا چاہیے

معلوم ہوا مسلم حاکم کو عجز و تواضع والا ہونا چاہئے۔ مروی ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کی زبان پر یہی آیت تھی اور وہ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود بکریوں کا دودھ دودھ کر غرباء کو پلاتے اور خچر پر سواری کرتے تھے۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۴۳۸) اور اس کی بہترین مثال خلفاء راشدین ہیں جنہوں نے بادشاہی میں فقیری کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو اگلے دن کندھے پہ کپڑے رکھ کر بازار میں بیچنے نکل پڑے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور دیگر صحابہ نے دیکھ کر کہا: اگر آپ بازار میں جا کر کام کریں گے تو نظام خلافت کون چلائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر میں کھاؤں گا کہاں سے اور بچوں کو کیا کھلاؤں گا؟ تب صحابہ کرام ﷺ نے ان کے لیے مختصر وظیفہ مقرر کر دیا۔ تو اس میں سے صرف کھانے اور ضروری حاجت کے لیے لیتے تھے۔ جب آپ فوت ہونے لگے تو گھر میں اس وظیفہ میں سے جو بچا پڑا تھا وہ بیت المال میں جمع کروا دیا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ جلد اول فضائل ابی بکر الصدیق)

[58] یہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے انعام عطا فرمایا کہ جو شخص نیکی کرے اسے اس سے کئی گنا زیادہ ثواب دیا جاتا ہے اور اس کا کم از کم درجہ دس گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں مثلاً ایک نماز کم از کم دس نمازوں کے برابر ہے ایک روزہ دس روزوں کے برابر اور ایک پونڈ یا روپیہ کا صدقہ دس پونڈ یا روپیہ کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا جبکہ بُرائی کا گناہ اتنا ہی ہے جتنی بُرائی ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال یوں ہے جیسے ایک دانے میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو (100) دانہ ہو اور جس کے لیے چاہے اسے دو گنا کر دے (1400) کر دے اور اللہ رب العزت اس سے بھی زیادہ وسعت والا علم والا ہے۔ (بقرہ: ۲۶۱)

[59] معاد کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے اس لئے وطن کو بھی معاد کہتے ہیں کیونکہ آدمی جہاں بھی جائے وہ واپس اپنے وطن کو لوٹ کر جاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے کہ جب ہجرت کے دن رسول اللہ ﷺ غار ثور سے نکل کر ایک غیر معروف راستہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو مقام حُجَفہ پر اترے، وہاں دیکھا کہ ایک راستہ مکہ مکرمہ کو جا رہا ہے دوسرا مدینہ طیبہ کو۔ اس وقت آپ کو مکہ کی یاد تڑپانے لگی اور ترک وطن کے درد سے دل تڑپنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے، کہا: کیا آپ کو یاد وطن نے تڑپایا ہے؟ فرمایا: ہاں، کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَاٰ ذَکَ اِلٰی مَعَادٍ (یعنی اے محبوب! جس رب نے آپ پر قرآن اتارا وہ آپ کو واپس وطن کی طرف لائے گا) (بنو جلد ۵ صفحہ ۱۸۶)

امام قرطبی کے بقول اکثر مفسرین نے یہاں لفظ معاد سے مکہ مکرمہ ہی مراد لیا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۱) اور بخاری شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے کہ اس سے مکہ مراد ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ قصص باب ۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو روز قیامت عظیم الشان انجام کی طرف لوٹائے گا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۴۶) یہ معنی بھی درست ہے تاہم پہلا معنی زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ شان نزول کے عین مطابق ہے۔

اہل تشیع کے عقیدہ رجعت کا رد

شیعہ مفسرین نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ اے نبی ﷺ اللہ آپ کو وصال کے بعد ایک بار واپس دنیا میں لائے گا۔ دراصل شیعہ عقائد میں ایک عقیدہ رجعت بھی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت سے قبل جب امام مہدی آئیں گے تو ان کے

ساتھ حضور ﷺ حضرت علی اور دیگر ائمہ اہل بیت (حسنین کریمین، زین العابدین، جعفر صادق، باقر، موسیٰ کاظم، علی رضا، تقی، نقی اور حسن عسکری رضی اللہ عنہم) بھی واپس دنیا میں آئیں گے اور ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو دوبارہ زندہ کر کے ان پر سزائیں نافذ کریں گے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

چنانچہ مشہور شیعہ مفسر شیخ علی قمی (جو صاحب اصول کافی شیخ یعقوب کلینی کا استاذ ہے) نے امام زین العابدین سے (من گھڑت جھوٹی) روایت کی ہے کہ انہوں نے اس آیت اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأٰكَ اِلٰی مَعَادٍ ط کے تحت کہا: تمہارے نبی محمد ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت علی اور دیگر ائمہ اہل بیت واپس دنیا میں آئیں گے۔ (تفسیر قمی صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ ایران)

ملا باقر مجلس نے ”حق الیقین“ میں لکھا ہے کہ اس امت میں فرعون، ہامان اور قارون کی مثال ابوبکر، عمر اور عثمان ہیں (معاذ اللہ استغفر اللہ) اور امام مہدی جب دوسرے ائمہ کے ساتھ قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے تو اس امت کے فرعون و ہامان اور قارون سے بدلہ لیں گے۔ (حق الیقین صفحہ ۲۱۶ باب ۵ در بیان رجعت مطبوعہ تہران) مگر یہ ملحدانہ، کافرانہ اور زندیقانہ خیالات ہیں جن کا اس آیت سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اور یہ عقیدہ ہی غلط ہے کہ بعض لوگ فوت ہونے کے بعد واپس دنیا میں آسکتے ہیں۔ یہ تو ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان دنیا میں ایک سے زائد بار آتا ہے۔ جبکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کی متعدد آیات کے خلاف ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ ”تم بے جان (نطفہ کی صورت میں) تھے تو اللہ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر (روز حشر) تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ (بقرہ، ۲۸) گویا جو مر گیا وہ قیامت ہی کو اٹھے گا، اس سے قبل نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۰﴾ مرنے والا مرتے ہوئے کہتا ہے ”اے میرے رب! مجھے واپس بھیج تاکہ میں اچھے اعمال کروں۔ جو میں نہ کر سکا، ہرگز نہیں۔ بس یہ ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے (مگر اس پہ عمل نہیں کریگا) اور ان کے پیچھے برزخی زندگی ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔“ (مؤمنون، ۱۰۰) یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ کسی مرنے والے کو واپس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا بلکہ اسے روز حشر تک برزخی زندگی ہی میں رہنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اہل تشیع کا عقیدہ رجعت کو اپنانا اور کہنا کہ حضور ﷺ اور بارہ (۱۲) ائمہ اہل بیت دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے اور ہزار ہا برس جئیں گے سب خرافات ہیں۔ اس موضوع پہ ہم پیچھے سورہ انبیاء آیت ۹۵ کے تحت بھی مفید کلام لکھ آئے ہیں وہاں بھی دیکھ لیں، تاکہ معاملہ کی پوری حقیقت آپ کے سامنے آجائے۔

بہر حال اس آیت سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) فتح مکہ کی پیش گوئی اور صداقت قرآن: لَرَأَيْتُكَ إِلَى مَعَادٍ میں یہ پیش گوئی ہے کہ حضور ﷺ واپس مکہ آکر اس پر غلبہ پائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ قرآن کی پیش گوئی سچ نکلی جو صداقت قرآن کی دلیل ہے۔

(۲) وطن کی محبت کا جواز: نبی اکرم ﷺ کو سفر ہجرت میں یاد وطن نے تڑپایا تو یہ آیت اتری۔ گویا وطن کی محبت سنت رسول ﷺ ہے تاہم ایمان وطن سے مقدم ہے جب معاملہ ایمان ہو تو اس پر وطن کا قربان کرنا بھی سنت رسول ﷺ ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ فَلَا

اور آپ (از خود) تمنا نہ رکھتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب اتاری جائے سوا آپ کے رب کی رحمت کے تو آپ

تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۝۸۱ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ

کافروں کے مددگار نہ بنیں اور کفار آپ کو اللہ کی آیات سے نہ روک دیں جب کہ وہ

أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۸۲ وَلَا تَدْعُ

آپ کی طرف اتاری گئی ہیں۔ اور آپ اپنے رب کی طرف بلا تے رہیں اور مشرکوں سے نہ ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ

مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط لَهُ

کسی دوسرے خدا کو مت پکاریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کے لئے

الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۸۳

سب حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ [60]

[60] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ کو از خود تو کچھ خواہش و آرزو نہ تھی کہ آپ پر کوئی کتاب اتاری جائے یہ تو اللہ

نے رحمت فرمائی کہ آپ کو رسول بنایا اور آپ پر کتاب اتاری لہذا آپ کفار کی کوئی بات مان کر ان کے مددگار نہ بنیں اور

آپ پر جو آیات اتاری گئی ہیں ان میں سے کسی آیت کی تبلیغ سے کفار آپ کو روک نہ دیں یعنی آپ ان کی خوشنودی کے

لئے کسی آیت کی تبلیغ سے مت رکیں اور اپنے رب کی طرف دعوت جاری رکھیں اور مشرکوں سے کوئی رابطہ و نااطہ نہ رکھیں۔

چنانچہ ان احکام خداوندی پر حضور سید عالم ﷺ نے عمل کر کے دکھا دیا۔ ایک بار کفار مکہ نے مل کر ابوطالب عم رسول

ﷺ سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو روکو وہ ہمارے خداؤں کو جہنم کا ایندھن کہتا ہے۔ (جیسے سورہ انبیاء، آیت ۹۸ میں بیان ہوا)

اگر تم نے اسے نہ روکا تو ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ ابوطالب نے حضور ﷺ سے اس بارے میں

بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا! اگر کفار میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند لا کر رکھ دیں تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانے سے باز آ جاؤں تو ایسا کبھی نہ ہوگا میں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچاتا رہوں گا تاکہ مجھے موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

(سیرت ابن کثیر جلد اول صفحہ ۷۷۴)

اس جگہ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ کے تحت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 667 تا 669 میں یہ ثابت کرنے پر بہت زور دیا ہے کہ حضور ﷺ کو چالیس برس تک کچھ خبر نہ تھی کہ آپ نبی و رسول بنائے جانے والے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا واضح مفہوم صرف یہ ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ کو از خود خواہش نہ تھی کہ آپ پر کتاب اتاری جائے مگر اللہ نے اپنی رحمت سے آپ پر کتاب اتاری۔ رہا یہ کہنا آپ کو اپنے رسول بنائے جانے کی خبر نہ تھی تو یہ قطعی غلط ہے۔ چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضور ﷺ کو چالیس برس سے قبل اپنی نبوت کا علم تھا

- (۱) ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور زہری وغیرہما سے مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ چھ برس کی عمر میں نبی اکرم ﷺ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے۔ یہاں کئی یہود آپ ﷺ کو دیکھنے آئے۔ ام ایمن جو اس سفر میں ساتھ تھیں کہتی ہیں ایک یہودی نے حضور ﷺ کو دیکھ کر کہا: هُوَ نَبِيُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهَذِهِ دَارُ هِجْرَتِهِ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا دار ہجرت ہے۔ (الخصائص الکبریٰ امام سیوطی جلد ۱ صفحہ ۷۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت) چھ سال کا بچہ سب باتیں سمجھتا ہے پھر اس بچے کی ذہانت کا کیا کہنا جسے رسول بنایا جانے والا ہو اور اس پہ قرآن کریم جیسا حکمت کا عظیم خزانہ اتارا جانے والا ہو، اگر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو یہ بات یاد تھی تو نبی اکرم ﷺ کو کیوں یاد نہ تھی۔
- (۲) ابن سعد اور ابن عساکر نے زہری، مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ (اپنی والدہ کے وصال کے بعد) جب اپنے دادا حضرت عبدالطلب کی کفالت میں آئے تو انہیں آپ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ ایک بار انہوں نے اپنے بچوں اور ام ایمن سے کہا اس بچے کی حفاظت کیا کرو کیونکہ اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ یہ میرا بیٹا اس امت کا نبی ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۱) جب دادا جان کو آپ کے نبی ہونے کی خبر تھی تو خود آپ ﷺ کو کیوں خبر نہ تھی۔
- (۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو طالب شام گئے تو حضور ﷺ کو ساتھ لے گئے۔ (اس وقت آپ کی عمر بارہ (12) برس تھی) وہاں وہ بحیرہ راہب کے گرجے کے قریب اترے۔ وہ پہلے بھی بغرض تجارت وہاں اترا کرتے تھے مگر بحیرہ راہب کی طرف توجہ نہ کی تھی مگر اس بار بحیرہ راہب نکلا اس نے حضور ﷺ کو ڈھونڈھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: هَذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ هَذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ هَذَا يَبْعَثُ اللَّهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ”یہ تمام جہانوں کا سردار ہے یہ رب العالمین کا رسول ہے اسے اللہ تعالیٰ رحمتہ للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا“ اور کہا کہ میں

نے کوئی درخت یا پتھر ایسا نہیں دیکھا جو اس کے لئے جھک نہ رہا ہو۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۳ حدیث ۳۶۲۰)
امام ترمذی نے اس کے بعد کہا: هذا حدیث حسن غریب۔ اور امام حاکم نے اسے روایت کرنے کے بعد لکھا
هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و لم یخرجاہ۔ یہ حدیث شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہے مگر انہوں نے
اسے روایت نہیں کیا۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۷۲ حدیث ۴۲۲۹)

اس حدیث نے فیصلہ کر دیا جب بحیرا راہب حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہا ہے ہذا رسول رب العالمین تو
پھر کہنا کہ حضور ﷺ کو اپنی رسالت کی خبر نہ تھی، کہنے والے کی بے خبری ظاہر کرتا ہے۔

(۳) امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سیدہ نفیسہ بنت امیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ۲۵ برس کی عمر میں
حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر بصرہ گئے ان کا غلام میسرہ بھی ساتھ گیا۔ وہاں ایک راہب نسطورا
نے حضور ﷺ کو دیکھا تو کہا: هو نبی و هو اخر الانبیاء آپ نبی ہیں اور سب سے آخری نبی ہیں میسرہ نے یہ بات
یاد رکھی۔ (دلائل النبوة جلد اول حدیث ۱۰۴ فصل ۱۱ مطبوعہ حلب) اس حدیث کو ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔
(خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۱) جب میسرہ کو یہ بات یاد تھی تو نبی کریم ﷺ کو کیوں بھول گئی۔ تاہم اس کے باوجود نبی کریم ﷺ
نے نزول وحی تک کبھی نہ کہا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں اور نہ آپ کو از خود خواہش تھی کہ آپ کو رسول بنایا جائے
اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوَا أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ
ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿۵﴾ ”یعنی اے پیارے محبوب! آپ کو خواہش نہ تھی کہ آپ کو رسول بنایا جائے۔“

پہلی وحی کے نزول پہ رسول اللہ ﷺ کا گھبرانا کیوں تھا؟

رہا یہ سوال کہ اگر آپ کو پہلے سے اپنی نبوت کا علم تھا تو آپ پہلی وحی کے نزول پر گھبرائے کیوں؟ تو جواب یہ ہے کہ
وہ اس لئے تھا کہ پہلی بار آپ ﷺ پر وہ قول ثقیل (مزل: ۵) نازل ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اگر ہم اسے پہاڑوں پہ
اتارتے تو وہ خوف خدا سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔“ (حشر: ۲۱) اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ ﷺ اپنی رحمت سے بے خبر تھے
اس لئے گھبرائے۔ کیا ان لوگوں کی نظر سے یہ حدیث نہیں گزری کہ پہلی وحی کے بعد جب آپ ﷺ احرار سے اتر کر گھر آئے تو
آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے راستے میں ہر شجر و حجر سے آواز آرہی تھی: السلام علیک یا رسول اللہ۔ (دلائل النبوة)
امام ابی نعیم عن عائشہ رضی اللہ عنہا جلد اول فصل ۱۴ حدیث ۱۵۷ صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ صلب شام) اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم نصیب فرمائے۔

الحمد للہ آج مورخہ ۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورۃ قصص کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة العنكبوت

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 29 ویں اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 84 ویں سورت ہے۔ اسے سورہ عنکبوت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عنکبوت (مکڑی) کا ذکر ہے: مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۚ ”اللہ کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کو مددگار بنانے والوں کی مثال مکڑی کی طرح ہے۔“ (عنکبوت: ۲۱)

اس سورت میں سات رکوعات، انہتر (69) آیات، نو سو اسی (980) کلمات اور چار ہزار ایک سو پینسٹھ (4165) حروف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکمل مکی ہے تاہم یہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی سورتوں کی ترتیب نزول میں سورہ عنکبوت کے بعد مکہ میں صرف سورہ مطفقین نازل ہوئی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا۔

امام ابواسحاق نیشاپوری نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے سورہ عنکبوت پڑھی اللہ تعالیٰ اسے تمام مومنین و منافقین کی تعداد سے دس گناہ زیادہ ثواب دے گا۔“ (الکشف والبيان جلد ۷ صفحہ ۲۶۹)

مضامین

سورہ عنکبوت میں ان موضوعات کو لیا گیا ہے۔ حقوق والدین، جو کسی کو گمراہ کرے وہ اپنا بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور اس کا بھی، حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیاں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و رفعت، خصوصاً وہ واقعہ جب قوم لوط کو ہلاک کرنے والے فرشتے پہلے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بتایا کہ قوم لوط کو تباہ کرنے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی فرشتوں نے آپ کو اولاد زینہ کی خوشخبری سنائی، اس کے بعد اس سورت میں مختلف نافرمان قوموں کی ہلاکت کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، پھر نماز کی اہمیت و برکت پر روشنی ڈالی گئی، پھر قرآن کا پراثر ہونا بتایا گیا اور آخر میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا لازوال ہونا بتایا گیا اور انسان کو متوجہ کیا گیا کہ وہ اپنی آخرت کی طرف متوجہ رہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ قصص ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طویل ذکر خیر ہے اور عنکبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی بیان ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا اجمالی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام، گویا یہ سب سورتیں انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز تذکروں پہ مشتمل ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تاقیامت اہل ایمان کے لیے وجہ تسلی رکھی گئی کہ دشمنان اسلام کی سازشوں اور ایذا رسانیوں کو خاطر میں لائے بغیر اشاعت اسلام کا کام جاری رکھا جائے۔ یہی سنت انبیاء کرام ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۶۹ سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْم ۱ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۲

الف لام میم۔ کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ [1]

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا

بلاشبہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا، تو اللہ ضرور سچے لوگوں کو ظاہر کرے گا

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ ۳ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ

اور جھوٹوں کو بھی ضرور ظاہر کرے گا [2] کیا برائیاں کرنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے قبضہ سے

يَسْبِقُونَا ۴ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۵ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ

نکل جائیں گے؟ وہ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ [3] جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کی میعاد

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۶

آنے والی ہے اور وہ سب سننے جاننے والا ہے [4]۔

راہِ حق میں استقامت، اطاعت والدین اور ردِ نفاق کا بیان

[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل ملعون حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے بوڑھے والدین اور دوسرے مومنوں کو ظالمانہ ایذائیں دیتا تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو سخت گرم دن میں لوہے کی تپتی ہوئی زرہ پہنا دی جاتی تھی ان کی والدہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا گیا جس سے وہ شہید ہو گئیں تو ان کے بارے میں یہ آیات اتریں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۵۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تمہارا اَمَنَّا کہہ دینا کہ ہم ایمان لائے، تمہاری

نجات کے لئے کافی ہے؟ نہیں، بلکہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہوگی تمہیں ایمان کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینا پڑیں گی۔

یہ شہادت گہرے الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تم سے پہلی امتوں کے اہل ایمان کو بھی ہم نے آزمایا تھا اور ہم تمہیں بھی آزمائیں گے تاکہ ہم سچے مومنوں اور منافقوں میں فرق ظاہر کر دیں۔ مومنین تو ہر قربانی دے کر ایمان بچائیں گے اور منافقین تکالیف دیکھ کر بھاگ اٹھیں گے۔ حضرت خبابؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلے مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ایک مسلمان کو زمین میں گاڑ دیا جاتا پھر آرائے کر اس کے سر کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا جاتا مگر یہ چیز اسے اپنے دین سے نہ پھیر سکتی۔ کئی لوگوں کے جسموں میں لوہے کی کنگھی ان کی ہڈیوں اور پٹھوں تک گہری گاڑ دی جاتی مگر یہ چیز انہیں دین سے نہ روک سکتی اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا حتیٰ کہ ایک مومن شخص یمن سے حضرموت تک بے خوف سفر کرے گا۔“ (بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة حدیث ۳۶۱۲)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اہمیت صبر و رضا: معلوم ہوا اللہ تعالیٰ مومنوں کو تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تاکہ آزمائے کہ وہ اپنے مولیٰ کی رضا پر کس قدر راضی ہیں تو مومن کو ہر پریشانی بیماری اور مصیبت میں صبر و رضا سے کام لینا چاہئے۔

(۲) صحابہ کا راہ حق میں تکالیف اٹھانا: جب صحابہ کو آغاز اسلام میں سخت مصائب اٹھانا پڑے تو ان کی تسلی کے لئے یہ آیات اتریں۔ چنانچہ انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا۔ آخر ان کی استقامت رنگ لائی اور اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کر دیا۔ ہمیں ان کا ممنون منت ہونا چاہیے۔ تو کس قدر بد نصیب ہیں وہ لوگ جو دن رات ان پہ تبرا کرتے ہیں۔

(۳) مسلم قوم ہمیشہ سے کفار کی دہشت گردی کا شکار رہی ہے: آج مسلمانوں کو امریکی زبان میں دہشت گرد کہا جاتا ہے مگر یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ہے سچ یہ ہے کہ مسلم قوم کو ہمیشہ سے محض ان کے اسلام کی وجہ سے طاغوتی قوتیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتی رہیں۔ مسلمانوں کو کئی دور میں ابتداء اسلام کے اندر اس قدر دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا جسکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج بھی فلسطین، کشمیر، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں پر غیر مسلم قوتیں ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہیں اور اُلٹا مسلمانوں کو دہشت گرد کہتی ہیں تاکہ ان کی اپنی دہشت گردی پر پردہ پڑا رہے۔

[3] یعنی کیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنانہ کارروائیاں کرنے والے کفار سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نکل جائیں گے؟ نہیں اللہ تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اس میں دور حاضر کی غیر مسلم طاغوتی طاقتوں کے لئے بھی وارننگ ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ غلام بنا کر رکھنے کے خبط سے باہر آجائیں۔

[4] یعنی جسے قیامت کے آنے کا یقین ہے اسے سفر آخرت اور موت کی تیاری کر لینی چاہئے اور اچھے اعمال کا زاد سفر بنالینا چاہئے دوسری جگہ فرمایا گیا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ ”جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ اچھے اعمال کر لے۔“ (کہف: ۱۱۰)

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥

اور جو (نیکی کے لئے) کوشش کرے وہ اپنے فائدہ ہی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں ہم ان کے گناہ مٹا دیں گے اور انہیں ان کے عمل کی

أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑤ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ

بہترین جزا دیں گے [5] اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے

وَإِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ إِلَىٰ

اور اے انسان اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا انجام تمہیں معلوم نہیں تو ان کی بات مت مان۔ میری ہی طرف

مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

تمہارا لوٹنا ہے، میں تمہیں بتاؤں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں

الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ⑨

ہم انہیں صالحین میں داخل کریں گے۔ [6]

[5] جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے کوششیں بجالاتا ہے وہ حقیقت میں

اپنے فائدہ کے لئے سب کچھ کرتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے اگر کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے تو

وہ اپنی ذات میں محمود ہے وہ ہماری حمد اور عبادت کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں نوازنے کے لئے ہمیں ایمان اور عمل صالح

کی دعوت دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کو ان کے عمل کی بہترین جزا دیں گے۔

[6] یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری جب وہ ایمان لائے تو ان کی والدہ ان سے

ناراض ہو گئی انہیں اپنی والدہ سے بہت پیار تھا۔ والدہ نے ان سے کہا میں کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ کسی چیز کا سایہ لوں گی

جب تک تم اپنے پرانے دین (بت پرستی) کی طرف لوٹ نہیں آتے یا مجھے موت آجائے۔ تو وہ دھوپ میں بھوکی پیاسی کھڑی ہوگئی۔ دو دن اسی طرح گزر گئے وہ سخت لاغر ہوگئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور کہا: اے اماں! مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ لیکن اگر تمہاری سوچاںیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکلیں تو بھی میں دین اسلام کو چھوڑ نہیں سکتا خواہ تم کچھ کھاؤ پیو یا نہ۔ جب وہ آپ سے مایوس ہوگئی تو کھانے پینے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں یہ آیت اتاری: **وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا** (بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۸۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے البتہ اگر والدین اپنی اولاد کو شرک کا حکم دیں جس کا انجام انہیں معلوم نہیں کہ کس قدر سخت ہے۔ تو اولاد کو والدین کا یہ حکم ماننا جائز نہیں۔ تاہم اس سے ہٹ کر اولاد کو ان سے حسن سلوک کرتے رہنا چاہئے۔ خواہ وہ کفار ہوں۔

والدین کا کوئی خلافِ شرع حکم ماننا جائز نہیں

لہذا والدین اگر اولاد کو نماز سے روکیں، بیٹی کو سر سے چادر اتار کر باہر نکلنے کو کہیں، بیٹے کو داڑھی منڈانے کا حکم دیں یا کسی رشتہ دار سے زیادتی کرنے پر اکسائیں تو ان کی ایسی بات ماننا ہرگز جائز نہیں۔ یونہی والدین کے کہنے پر کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ و رسول کی اطاعت سب سے بڑا حق ہے، ان کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ لا طاعة للخلق في معصية الخالق، جب حکم ربانی کے مقابلہ میں والدین کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں تو کسی دوسری ہستی کا کیا مقام ہے۔ خواہ وہ بھائی ہو، اولاد ہو، خاندان ہو یا حاکم وقت ہو۔

اطاعتِ والدین کی اہمیت

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ ہم نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر وہ شرک کا حکم دیں تو وہ نہ مانا جائے۔ یعنی اس سے ہٹ کر ان سے حسن سلوک جاری رکھا جائے۔ تو مومن والدین سے حسن سلوک بطریقِ اولیٰ لازم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ یہ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون؟ فرمایا: جس نے اپنے بوڑھے والدین پائے یا ان میں سے ایک کو بوڑھا پایا۔ پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔“ (مسلم کتاب البر حدیث ۹)

حضرت جابرہ سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا چاہتا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی کامیابی حاصل کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **وَمَحَلُّكَ أَحْيَا أُمَّكَ**، تمہارے لیے افسوس ہے۔ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے عرض

کیا: جی زندہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ارجع فیدرہا، جاؤ اس کی خدمت کرو۔ میں پھر دوسری طرف سے حاضر ہوا۔ میں نے پھر وہی عرض کیا کہ میں جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں عرض کیا: جی زندہ ہے۔ فرمایا: جاؤ اسکی اطاعت کرو۔ میں پھر دوسری جانب سے حاضر ہوا اور یہی سوال عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَيَحْكُ الزَّوْمَ رِجْلَهَا فَتَشْتَكُ الْجَنَّةُ، تم پہ افسوس! جاؤ ماں کے قدموں سے لپٹ جاؤ، جنت وہیں ہے۔
(ابن ماجہ کتاب الجہاد باب ۱۲ حدیث ۲۷۸۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۹۲)

البتہ اگر والدین حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرح کفر کا حکم دیں یا کسی ناجائز کام کے لیے کہیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ان کی توہین اور گستاخی نہ کی جائے۔ نہ ہی ان کی خدمت چھوڑی جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت

اس سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی پتہ چلا جن کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں یہ درس ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کیساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے والدین، اولاد اور تمام قبیلہ سے بڑھ کر محبت ہونی چاہیے۔ حضرت سعد عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں یعنی اسلام کے TOPTEN ہیں اسلام میں پہلا تیرا نہی کی کمان سے نکلا تھا۔ انہی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے احد میں فرمایا تھا اِذَا رَمَى سَعْدٌ فِدَاكَ ابْنِي وَأُحْيِ اے سعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ (بخاری کتاب الجہاد باب ۸۰، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۴۱) ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مستجاب الدعوات ہو نیکی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ انکے منہ سے نکلنے والی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ (اصابہ ج ۲ ص ۳۳)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَا اُودِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب ایسے شخص کو اللہ کی راہ میں ایذا ملے تو وہ لوگوں کی ایذا کو

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۚ وَلٰكِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ اِنَّا كُنَّا

اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیتا ہے اور اگر تمہارے رب کی طرف سے (مومنوں کو) مدد آئے تو یہ لوگ کہتے ہیں ہم

مَعَكُمْ ۚ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ

تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تمام جہانوں کے سینوں کی باتیں جاننے والا نہیں ہے؟ اور اللہ ایمان والوں کو

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

اور منافقوں کو ضرور ظاہر کر دے گا [7]

[7] یعنی بعض لوگ منافقانہ ایمان لاتے ہیں۔ وہ زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف آجائے جیسے صحابہ کرام نے راہ حق میں تکالیف اٹھائیں، تو منافقین سمجھتے ہیں کہ کفار کا انہیں تکلیف دینا اصل میں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اگر اللہ نہ چاہتا تو کفار کو ان پر کیوں مسلط کرتا گویا وہ کفار کے وقتی غلبہ کو ان کی صداقت پر محمول کر لیتے ہیں مگر جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد آ ملے اور وہ غالب آجائیں تو یہی منافقین لپک کر مسلمانوں سے کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے گویا ان کا ایمان پختہ نہیں ہے کبھی ادھر ڈولتا ہے کبھی ادھر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سب کے سینوں کے بھید جانتا ہے وہ ضرور مومنوں اور منافقوں میں تفریق کر دے گا۔ اس میں دور حاضر کے مسلمانوں کے لئے درس نصیحت ہے کہ وہ کفار کے موجودہ عارضی غلبہ سے کسی شک میں مبتلا نہ ہوں بلکہ دین پر قائم رہ کر فتح و نصرت کا انتظار کریں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ ط

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا: تم ہمارے راستہ پر چلو ہم تمہارے گناہ اپنے سر اٹھا لیں گے

وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ط إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝۱۳ وَلَيَحْمِلُنَّ

حالانکہ وہ ان کے گناہوں سے کچھ نہیں اٹھانے والے اور وہ جھوٹ کہتے ہیں، وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے

أَثْقَالَهُمْ وَاتَّقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ز وَلَيَسْئَلَنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا

بوجھ کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور روز قیامت ان سے اس جھوٹ کے بارے میں پوچھا جائے گا جو وہ

يَفْتَرُونَ ع ۝۱۴

گھڑتے تھے۔ [8]

[8] کفار مکہ میں سے سردار لوگوں کا طریقہ تھا کہ اگر ان کے قبیلہ کا کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو وہ اسے کہتے تم نیا دین کیوں قبول کرتے ہو تم اپنے پرانے دین پر رہو اگر اس کے سبب تم پر کوئی بوجھ آیا تو وہ ہم اٹھا لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں وہ روز قیامت بوجھ ضرور اٹھائیں گے مگر اپنے کفر کا بوجھ اٹھائیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کر کے کفر پر ڈالا یا کفر پہ پختہ کیا ان کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ مگر اس طرح وہ اپنے پیروکاروں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کر سکیں گے ان پر انکے گناہوں کا بوجھ بھی اسی طرح قائم رہے گا۔ یہی معنی ہے: وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ط کا۔ اسی مفہوم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۚ کہ ”کوئی بوجھ اٹھانیوالی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔“ (انعام: ۱۶۴) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور روز قیامت ان سے اس افتراء بازی کا حساب ضرور لیا جائے گا۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ

اور بلاشبہ ہم نے نوح (ﷺ) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ ان میں پچاس کم

عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۳﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ

ہزار برس رہے [9]۔ پھر انہیں طوفان نے آ پکڑا اور وہ اپنے ظلم میں مبتلا تھے چنانچہ ہم نے آپ کو اور اہل کشتی کو

السَّفِينَةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۵﴾

بچالیا اور اس کشتی کو تمام جہانوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا۔ [10]

حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی تبلیغی سرگرمیاں

[9] اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور سید عالم ﷺ کو یہ تسلی دینے کے لئے کہ کفار کی اسلام دشمنی سے پریشان نہیں ہونا چاہئے حضرت نوح علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں پچاس کم ہزار برس یعنی ساڑھے نو سو (950 years) برس تبلیغ فرماتے رہے مگر چند افراد کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَمِنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ۔ صرف چند افراد ہی ان پر ایمان لائے۔ (ہود: ۴۰) ان کی تعداد باختلاف روایات چالیس (40) یا اسی (80) تھی جس کا اوسط یہ بنتا ہے کہ تیس 23 برس کی تبلیغ سے ایک شخص ایمان لاتا تھا۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کی تیس سالہ (23) تبلیغ سے ایک لاکھ چوبیس ہزار (124,000) یا کم و بیش لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے (گویا اوسطاً پندرہ (15) افراد ہر روز اسلام لاتے تھے) پھر ہر زمانہ میں اہل اسلام کی تعداد بڑھتی رہی جواب ڈیڑھ ارب تک پہنچ چکی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہاں تک پہنچے گی۔ یاد رہے بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت نوح علیہ السلام چالیس برس کی عمر میں مبعوث ہوئے، ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرماتے رہے پھر قوم کی غرقابی کے بعد ساٹھ (60) برس زندہ رہے تو ان کی کل عمر ایک ہزار پچاس (1050) برس تھی۔ (قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۲)

[10] حضرت نوح علیہ السلام عراق میں مبعوث ہوئے اور اہل تحقیق کے نزدیک اس وقت انسان صرف جزیرہ عرب میں ہی آباد ہوئے تھے۔ یہیں آپ نے تبلیغ فرمائی اور بالآخر اسی علاقہ کو طوفان میں غرق کیا گیا۔ طوفان سے قبل آپ ﷺ نے بحکم الہی کشتی بنائی اور اس میں اپنے مومنین اہل خانہ اور دیگر اہل اسلام کو سوار کر لیا اور ہر جانور اور پرندے کا ایک جوڑا بھی سوار کر لیا پھر طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام سام اور یافث سے دنیا پر انسانوں کو نئے سرے سے پھیلایا گیا اور باقی اہل کشتی میں سے کسی کی ذریت نہ چلی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

الْبَاقِينَ ﴿۲۰﴾ ”اور ہم نے نوح (ﷺ) کی ذریت ہی کو باقی رہنے والے بنایا۔ (صافات: ۷۷)
 آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے کشتی کو اہل جہان کے لئے نشان عبرت بنا دیا یعنی بتا دیا کہ نبی کی کشتی میں
 سوار ہونے والا ہی نجات پاتا ہے اور جو نبی کی کشتی چھوڑ دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے خواہ نبی کا اپنا بیٹا ہو۔ اس کا یہ مفہوم بھی
 ہے کہ اس کشتی کو نشان عبرت بنا کر باقی رکھا گیا تا کہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ دور صحابہ تک موجود
 تھی کئی صحابہ نے اسے دیکھا۔ (درمنثور جلد ۸ صفحہ ۶۷۶) اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلَقَدْ ثَرَّ كُنْهَآ آيَةً۔ ہم نے کشتی کو
 نشان بنا کر چھوڑ دیا۔ (قمر: ۱۵)

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

- (۱) انبیاء استقامت کا پہاڑ ہوتے ہیں: حضرت نوح (ﷺ) نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی قوم صدیوں تک
 مخالفت کرتی رہی اور آپ ہر روز تازہ ولولے کے ساتھ میدانِ عمل میں اتر آتے تھے۔ ایسی استقامت صرف انبیاء ہی
 دکھا سکتے ہیں۔
- (۲) لوگوں کی مخالفت سے کار تبلیغ بند نہیں کرنا چاہئے: حضرت نوح (ﷺ) کی زندگی سے سبق ملتا ہے کہ مبلغ کو تبلیغ
 نہیں روکنی چاہئے خواہ قوم مخالفت کرتی جائے۔
- (۳) طویل عمر اگر حُسنِ عمل کے ساتھ ہو تو محمود ہے: جیسی عمر حضرت نوح (ﷺ) کی تھی۔ لہذا اگر لمبی عمر کی دعا کی
 جائے تو ساتھ میں حُسنِ عمل بھی مانگنا چاہیے۔

وَابْرَاهِيمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۙ اِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ اِفْكَاط

تم جانو۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض (بے جان) بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں ہیں، تو اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو اس کی عبادت کرو اور

عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لّٰهٖ ۖ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۙ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا

اس کا شکر بجا لاؤ تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے [11] اور اگر تم جھٹلاؤ تو

فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۙ

تم سے پہلی قوموں نے بھی جھٹلایا تھا اور رسول کے ذمے تو صرف کھلے طور پر پہنچانا ہی ہے [12]

اَوْ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ ۖ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پیدا کرتا پھر اسے لوٹا کر لاتا ہے۔ بے شک یہ اللہ پر

يَسِيْرٌ ۙ قُلْ سِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوْا كَيْفَ بَدَا الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ

آسان ہے [13] آپ فرمائیں کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو اللہ کس طرح مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے

يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْاٰخِرَةَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ يَعَذِّبُ مَنْ

دوسری اٹھان دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے [14] وہ جس (مجرم) کو چاہے عذاب دے

يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۙ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي

اور جس پر چاہے رحم فرمائے اور تم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے [15] اور تم اللہ کو نہ زمین میں

الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۴

عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی ہے نہ مددگار [16]

[11] حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے۔ انہوں نے بھی بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اور قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو کیونکہ ان کی قوم بتوں سے بہت ڈرتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ان بتوں کی بے ادبی کی جائے تو وہ تباہ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے ٹکڑے کر کے قوم کو دکھایا کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے ہاتھ سے بت تراش کر انہیں جھوٹ سے درجہ خدائی پر بٹھا دیتے ہو پھر ان سے رزق مانگنے لگتے ہو حالانکہ رزق کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی سے رزق مانگو، اور اس کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر بجالاؤ۔ تم نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

[12] یعنی تم سے قبل قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود رسولوں کی تکذیب ہی کے سبب ہلاک ہو چکی ہیں۔ اگر تم نے ان کا راستہ نہ چھوڑا تو تمہارا حشر بھی انہی جیسا ہوگا۔

[13] مثلاً اللہ تعالیٰ ایک درخت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اس پہ پھل لگا کر اس میں بیج بناتا ہے پھر ان بیجوں (SEEDS) سے اس درخت کو بار بار پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک جانور کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اس کے نطفے سے وہی جانور بار بار پیدا کیا جاتا اور اسے زمین پر پھیلا یا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ عمل آسان تر ہے جب وہ ایک بیج سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دیتا اور نطفے کے چند قطروں سے جیتا جاگتا جانور بنا دیتا ہے تو کیا وہ روز قیامت تمام جاندار مخلوقات کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا؟

[14] یعنی اللہ تعالیٰ نے کئی قوموں کو پیدا کیا پھر انہیں تباہ کر کے ان کی جگہ نئی قومیں اٹھا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کفار کو چاہئے کہ زمین میں چل پھر کر پہلی قوموں کے تباہ شدہ مکانات اور مقامات دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت سے باز آ جائیں۔

[15] اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرما رہا ہے کہ وہ گناہگار مومنوں میں سے جسے چاہے جہنم میں عذاب دے اور جسے چاہے رحم سے نواز کر بخش دے یا یہ معنی ہے کہ وہ کفار میں سے جس قوم کو چاہے دنیا میں عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے رحم سے نوازتا ہے۔

[16] یعنی اگر بالفرض کوئی زمین کی گہرائی میں چھپ جائے یا آسمان کی بلندی میں چڑھ جائے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا اور اسے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی یا مددگار نہیں مل سکتا جس کے سامنے اللہ تعالیٰ عاجز آ جائے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ

جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات سے انکار کیا وہی میری رحمت سے مایوس ہوئے اور ان کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ

دردناک عذاب ہے [17] تو ابراہیم (علیہ السلام) کی قوم کا یہی جواب تھا کہ کہنے لگے: اسے قتل کر دو یا جلا دو،

حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸﴾

تو اللہ نے آپ کو آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [18]

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا لَا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ

اور آپ نے فرمایا: تم نے صرف دنیوی زندگی کی باہمی محبت کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود پکڑ لیا ہے

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم

پھر روز قیامت تم ایک دوسرے سے انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانہ

بَعْضًا زَ وَمَاؤُكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّصِيرِينَ ﴿۱۹﴾ فَأَمَّن لَّهُ لُوطٌ مِّن

جہنم ہو گا اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا [19] تو آپ (علیہ السلام) پر لوط (علیہ السلام) ایمان لائے۔

وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۰﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ

اور آپ نے فرمایا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں بے شک وہ غالب ہے حکمت والا ہے [20] اور ہم نے آپ کو

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي

اسحاق اور یعقوب (علیہ السلام) دیئے اور ہم نے آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھی اور آپ کو دنیا میں اجر دیا اور آپ

الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۱﴾

آخرت میں سزاوارانِ قرب میں سے ہیں۔ [21]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور لوط علیہ السلام کی تبلیغی مساعی

[17] گزشتہ رکوع کی آخری آیات میں فرمایا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ قیامت برپا کر سکتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرتے ہوئے آخرت پہ ایمان نہیں لاتے وہ رحمتِ خداوندی سے مایوس ہیں کیونکہ جب وہ سمجھتے ہی نہیں کہ ایسا دن آنے والا ہے جب اعمال کی جزاء و سزا ہوگی تو وہ جہاں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے وہاں اس کی رحمت سے مایوس بھی ہو گئے۔ اور جب وہ جنت کو مانتے ہی نہیں تو انہیں جنت کیسے دی جائے گی، کسی نعمت کا حقدار وہی ہے جو اس نعمت کا وجود مانے۔ لہذا ان کے لئے صرف جہنم کا دردناک عذاب ہی ہوگا۔ اسی لئے بعض علماء متکلمین نے فرمایا کہ معتزلہ روزِ قیامت دیدارِ الہی سے محروم رہیں گے کیونکہ وہ دیدارِ الہی کے منکر ہیں۔ (دور حاضر کے اہل تشیع بھی دیدارِ الہی کے منکر ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے) یونہی ایصالِ ثواب کے منکر بھی اس نعمت سے محروم رہیں گے۔

[18] گزشتہ رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر شروع ہوا درمیان میں بطور جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے بارے میں چند ہدایات آگئیں اب روئے سخن پھر واقعہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف مڑ رہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آپ کی قوم آپ کے دلائلِ قاہرہ کے سامنے عاجز آگئی کیونکہ آپ نے ان کے بتوں کو توڑ کر ان کے تمام مشرکانہ عقائد کی عمارت زمین بوس کر دی تھی تو وہ ایمان لانے کی بجائے آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے جلانے کو بہت بڑی آگ روشن کی اور آپ کو اس میں پھینکا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ کے جلانے سے بچالیا۔ اس واقعہ میں مومنین کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام جان کی پرواہ کئے بغیر کافرو جابر حکمرانوں سے ٹکر لیتے رہے معلوم ہوا کہ سچے انبیاء کرام جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہتے تھے۔ یہ سچے انبیاء کرام کی شان ہے جبکہ جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح کفار کے اشارے ہی پہ میدانِ کذب و افتراء میں اترتے ہیں اور کفار کی غلامی میں زندگی بسر کرنا اپنی سعادت جانتے ہیں۔

اسی لیے مرزا غلام احمد قادیانی اپنی جماعت سے کہتا ہے: یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ (برطانیہ) کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ تم انکی نگاہ میں کافر و مرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم اس نعمتِ خداداد (سلطنتِ نصاریٰ) کی قدر کرو اور یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنتِ انگریزی تمہاری بھلائی کیلئے ہی اس ملک میں قائم کی ہے۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۸۴ مطبوعہ لندن)

اسی طرح مرزا قادیانی کہتا ہے:

آج اگر (ہندوستان میں) مسلمانوں کی بادشاہت ہوتی تو اس طرح ہم کب تبلیغ دین و مقاصد سلسلہ احمدیہ کر سکتے تھے۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہوا کہ مسیح موعود کے آنے سے پہلے انگریزوں کی سلطنت کو اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔ (تذکرۃ الحمد ی ص ۱۶۰)

گویا مرزا قادیانی کی خواہش تھی کہ ساری دنیا سے مسلمانوں کی حکومت ختم اور کفار کی حکومت قائم ہوتا کہ وہ کھل کر اپنی جھوٹی نبوت کو چلا سکے اور جھوٹے نبی ہمیشہ کفار ہی کے اشارے پر کھڑے ہوتے اور انہی کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

[19] یعنی مشرکین آج اپنی باہمی خاندانی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چل کر کفر و شرک کرتے جاتے ہیں مثلاً اگر باپ ہندو، عیسائی یا یہودی ہے تو بیٹے اور پوتے اور ان سے اگلی نسلیں بھی وہی ہوں گی مگر روز قیامت کفار کی ہر پچھلی نسل اپنے سے پہلی نسل پر لعنت کرتے ہوئے کہے گی کہ ہم ان کی وجہ سے جہنمی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعْنَتْ أُخْتَهَا ۖ "جہنم میں جب بھی کوئی جماعت آئے گی تو وہ اپنے ساتھ والی یعنی اپنے سے پہلی جماعت پر لعنت کرے گی۔" (اعراف: ۳۸)

معلوم ہوا روز قیامت جسمانی رشتے کٹ جائیں گے مگر ایمانی رشتے قائم رہیں گے۔ اسی لئے فرمایا گیا: أَلَا خِلَافُ يَوْمَئِذٍ لِّبَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۱۵﴾ "گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا متقین کے۔" (زخرف: ۶۷)

[20] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل (عراق) میں عرصہ تک تبلیغ فرمائی مگر آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی عمر زاد بہن حضرت سارہ علیہا السلام کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ چنانچہ آپ نے ان دو افراد کے ساتھ بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اسی دوران آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے نکاح فرمایا۔ آج فلسطین کے مقام الخلیل میں آپ کا مزار ہے۔

وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ سے معلوم ہوا جہاں دین پر عمل مشکل ہو وہاں سے مومن کو ہجرت کر جانا چاہئے۔

[21] فلسطین میں آپ نے کنعان (حبرون) میں ڈیرہ لگایا وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا نبی بیٹا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا نبی پوتا عطا فرمایا۔ آگے حضرت یوسف علیہ السلام جیسے نبی پر بوتے کا نام اسی لئے نہ لیا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں یہ جردیا کہ نبوت اور کتاب آپ کی ذریت میں رکھ دی۔ یعنی آپ کے بعد جتنے انبیاء آئے سب آپ کی ذریت میں آئے اور جس قدر کتابیں اتریں سب آپ کی ذریت میں انبیاء پر اتریں چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب آپ کی ذریت میں ہیں اور انہی پر زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید کا نزول ہوا۔

عظمتِ ذریتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یاد رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر کے اس کی جگہ ولایت کا دروازہ کھولا گیا اور جس طرح ذریت

ابراہیمؑ میں نبوت رکھی گئی اسی طرح ذریت محمدی میں ولایت رکھی گئی اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیلؑ کی نسلوں میں ہزاروں انبیاء کرام بھیجے گئے اس طرح حضور ﷺ کے دونوں نواسوں حضرت حسن و حضرت حسینؑ (جنہیں آپ اپنے بیٹے قرار دیتے تھے) کی نسلوں میں ہزاروں اولیاء بھیجے گئے چنانچہ سارے ائمہ اہل بیت اپنے ادوار کے اغواث تھے۔ پھر سید الاولیاء سیدنا غوث اعظمؒ بھی اولاد رسول میں سے تھے۔ اسی طرح حضور داتا علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بھی سادات میں سے تھے اور ”صواعقِ محرقة“ میں امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہر دور کا غوث، اولادِ رسول ﷺ میں سے ہوتا ہے۔

ردِ مرزائیت:

یہ آیت مرزائیت کا بھی خوب رد کر رہی ہے۔ اس لیے کہ اگر مرزا قادیانی بالفرض نبی تھا تو قرآن کے مطابق اسے اولاد ابراہیمؑ میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ۔ اور اولاد ابراہیمؑ کی دو ہی نسلیں معروف ہیں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل۔ اب قادیانی جماعت ثابت کرے کہ مرزا قادیانی ان دونوں میں سے کس نسل سے ہے۔ مگر مرزا قادیانی کو ان میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اس کے الہامات کے مطابق اس کے باپ دادا فارسی الاصل تھے۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۶۲ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳ مطبوعہ لندن) اور اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ میری قوم مغل برلاس ہے۔ اب کہاں مغل اور کہاں بنی اسرائیل و بنی اسماعیل۔ یہ باتیں صرف مرزائیوں کا منہ بند کرنے کے لیے کر رہے ہیں ورنہ اہل ایمان کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن نے رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی قرار دیا ہے۔ اس لیے آپ کے بعد کوئی شخص نبی بن کر نہیں آسکتا۔

اہل تشیع کی خانہ ساز امامتِ منصوصہ کا رد

اہل تشیع یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ وہ پہلے نبی و رسول ہیں جن کو امام بھی بنایا گیا اور ان کی نسل میں نبوت اور امامت دو چیزوں کو رکھا گیا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے ابراہیمؑ (علیہ السلام) میں آپ کو امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا یا اللہ میری اولاد میں بھی امام بنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔“ (بقرہ، ۱۲۳) کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں اللہ نے نبوت اور امامت دونوں کو رکھا اور نبوت تو آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پہ ختم ہو گئی اس کے بعد امامت چلائی گئی۔

اور آگے شیعوں نے بارہ امام خود بنا لیے، مزید وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ذریت ابراہیمؑ میں انبیاء کرام بھی اللہ نے بنائے اور امام بھی اللہ نے بنائے۔ تو جس طرح کسی نبی کا منکر کافر ہے اسی طرح کسی امام کا منکر بھی کافر ہے اور ان کے

نزدیک پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو چونکہ ابو بکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) نے پہلے امام کی امامت کو نہیں مانا اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت سنبھال لی اس لیے وہ کافر ہو گئے اور چونکہ تمام صحابہ نے ان کی بیعت کی اس لیے وہ بھی سب کافر ہو گئے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مگر ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اور امامت دونوں کو رکھا گیا تھا اور تمہارے نزدیک امامت کا درجہ نبوت سے بھی بلند تر اور اہم تر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں کیوں نہیں فرمایا: وجعلنا فی ذریتہ النبوة والامامة۔ کہ ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت اور امامت رکھی؟ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ اہم چیز (امامت) چھوڑ دی اور تھوڑی اہمیت والی چیز (نبوت) کا ذکر کر دیا؟ شیعوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ امامت محض من گھڑت ہے جس کی بنیاد پہ وہ تمام صحابہ کرام اور خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کو کافر قرار دیتے ہیں۔ معاذ اللہ

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط (علیہ السلام) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ جہانوں میں سے کسی نے تم سے

أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝۲۸ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۝

پہلے نہ کی تھی کیا تم مردوں سے بدفعی کرتے اور راستہ کاٹتے ہو

وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا

اور اپنی مجلس میں بُرائی کرتے ہو؟ [22] تو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا نہ تھا کہ کہنے لگے:

إِنَّا بَعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝۲۹ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَىٰ

تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! مجھے فساد کی قوم کے مقابلہ میں

الْقَوْمِ الْمَفْسِدِينَ ۝۳۰

مدد عطا فرما [23]

[22] فلسطین کے قریب ہی بستی سدوم تھی جہاں کفر کے علاوہ مردوں میں ہم جنس پرستی بھی پھیلی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت دے کر اہل سدوم کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ آپ نے جا کر انہیں سمجھایا کہ تمہارے جیسی بے حیائی تمام اقوام عالم میں سے کسی میں نہیں ہے تم اس قدر بے حیا ہو گئے ہو کہ بھری مجلس میں باہم بدفعی کرتے ہو اور راستہ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

کاٹتے ہو اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تم انسانی توالد و تناسل کا راستہ کاٹتے ہو دوسرا یہ معنی ہے کہ وہ لوگ مسافروں راہگیروں کو پکڑ کر ان سے بد فعلی کرتے تھے چنانچہ لوگوں نے ادھر سے گزرنا چھوڑ دیا۔

[23] اہل سدوم کو کہنا چاہئے تھا اے لوط علیہ السلام! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی اتباع پر لگائے مگر اس کی بجائے ان بد بختوں نے کہا اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر عذاب لے آئیں تو ان پر عذاب آ گیا۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۖ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ

اور بلاشبہ ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس (بیٹے کی) بشارت لائے اور کہنے لگے ہم اس بستی (سدوم) کو ہلاک کرنے

الْقَرْيَةِ ۚ إِنَّ أَهْلَهَا كَانَوَا ظَالِمِينَ ۖ قَالَ إِن فِيهَا لُوطًا ۖ قَالُوا نَحْنُ

والے ہیں، اس کے باشندے ظالم ہیں [24] ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) بھی ہیں؟ وہ کہنے لگے: ہم

أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ

خوب جانتے ہیں جو بھی وہاں ہے۔ ہم لوط (علیہ السلام) اور ان کے اہل خانہ کو بچالیں گے، سوا ان کی بیوی کے جو (عذاب میں) رہ جانے والی ہے۔

وَلَمَّا آتَانَا رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِلَيْهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالُوا لَا

اور جب ہمارے فرستادہ فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہیں ناگوار لگا اور ان کا دل تنگ ہوا۔ فرشتے کہنے لگے

تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجُونَكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ

آپ خوف نہ کریں اور غم نہ رکھیں ہم آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچالیں گے سوا آپ کی بیوی کے، وہ رہ جانے

الْغَابِرِينَ ۖ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا

والوں میں سے ہے۔ ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں۔

كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۖ

ان کی بدکاری کے سبب [25] اور ہم نے عقل والوں کے لئے اس کی ایک کھلی نشانی باقی چھوڑ دی [26]

مختلف انبیاء کا ذکر اور ان کے دشمنوں کا بیان

[24] حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اہل سدوم کے لئے عذاب لے کر اترے مگر پہلے وہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ ان کے ہاں اولاد نہ تھی ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بوڑھی ہو گئی تھیں فرشتوں نے انہیں بیٹے کی بشارت دی اور اس بشارت کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر فرشتوں نے انہیں بتایا کہ وہ اہل سدوم پر عذاب لے کر اترے ہیں۔ کیونکہ وہ شرک جیسے ظلم کے علاوہ ہم جنس پرستی کر کے خود پر ظلم کرتے ہیں۔

[25] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا سدوم میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے وہاں عذاب کیسے آئے گا؟ فرشتوں نے کہا ہمیں معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے ہم عذاب سے قبل حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے اہل خانہ سمیت وہاں سے نکال لیں گے البتہ ان کی بیوی وہیں رہ جائے گی کیونکہ اپنے کفر کی وجہ سے وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہے۔ پھر فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے تاکہ جب قوم ان کی طرف بُرے ارادہ سے بڑھے تو انہیں موقع واردات پر پکڑ لیا جائے۔ چنانچہ خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام کا دل تنگ ہوا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اہل سدوم بے حیا ہیں وہ باہر سے آنے والے مسافروں سے بد فعلی کرتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بتایا کہ وہ انسان نہیں فرشتے ہیں لہذا آپ خوف نہ رکھیں اور قوم کے عذاب سے غم نہ کریں کہ یہ اسی عذاب کے لائق ہیں۔ البتہ ہم آپ کو آپ کے اہل خانہ سمیت بچا لیں گے سوا آپ کی بیوی کے اس کے بعد ہم اس قوم پر آسمان سے عذاب اتاریں گے۔

یہاں سے چار فوائد حاصل ہوئے:

(۱) قوم پرستی کی لعنت:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اہل سدوم میں سے تھی آپ عراق سے آئے تھے اور یہاں شادی کی تھی۔ آپ کی بیوی نے اپنے شوہر اور اپنے نبی پر اپنی قوم کی محبت کو ترجیح دی۔ اور ہلاک ہو گئی کیونکہ وہ قوم پرستی کی لعنت میں گرفتار تھی۔

(۲) نبی کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا:

اہل سدوم پر عذاب لانے سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ؕ اے پیارے رسول! جب تک آپ ان میں ہیں اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ (انفال: ۳۳) اب حضرت لوط علیہ السلام ایک بستی کے رسول تھے تو انہیں عذاب سے قبل اس بستی سے نکال لیا گیا اور حضور ﷺ ساری کائنات کے رسول ہیں رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی بعثت کے بعد دنیا کے تمام کفار سے وہ عذابات اٹھائے گئے جو پہلی امتوں کے کفار پر آتے تھے۔ آج اہل یورپ نے لواطت کو قانوناً جائز قرار دیا ہے اور یورپ میں لواطت کے باقاعدہ مراکز ہیں۔ اور ہم نے برطانیہ میں ڈاکٹروں کی سرجریز اور ہسپتالوں میں گورنمنٹ کی طرف سے چھپے ہوئے کتابچے دیکھے ہیں جن میں لواطت کے آسان اور محفوظ طریقے بتائے گئے ہیں۔ استغفر اللہ، اسکے باوجود اہل یورپ پر قوم لوط والا عذاب نہیں آیا یہ بعثت رحمۃ للعالمین ﷺ کا صدقہ ہے۔ اگر آج حضور سید کائنات کی رحمت کا سایہ نہ ہوتا

تو یورپ عذاب سے ہلاک ہو چکا ہوتا۔

(۳) لواطت کی سزا قتل ہے:

اہل سدوم کو لواطت کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح لوطی کو سزائے موت دی جاسکتی ہے خواہ وہ فاعل ہو یا مفعول۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (ابوداؤد کتاب الحدود باب ۲۸۔ ترمذی کتاب الحدود باب ۲۴)
(۴) اورل سیکس لواطت سے بدتر اور بڑا گناہ ہے:

بیوی سے بھی لواطت حرام ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۴۹۷ مطبوعہ بیروت) اور (oral sex) اورل سیکس (عورت کے منہ کو استعمال کرنا) اس سے بدتر گناہ اور شدید حرام ہے۔ جب لواطت حرام ہے حالانکہ وہ گندگی کا راستہ ہے تو منہ اللہ کے ذکر کی جگہ ہے۔ اس کا اس کام کے لئے استعمال لواطت سے بدتر فعل ہے۔

[26] اہل سدوم پر برسائے جانے والے پتھر دنیا میں موجود رہے حتیٰ کہ بعض صحابہ نے دیکھے اور آج اردن میں بحر 'مردار' اس جگہ پر ہے جہاں بستی سدوم تھی اس کا پانی بدبودار ہے۔

وَالِی مَدِیْنِ اَخَاهُمْ شُعَبًا ۱۰ فَقَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا یَوْمَ الْاٰخِرِ

اور قوم مدین کی طرف ہم نے ان کے قوی بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز آخرت کی امید رکھو

وَلَا تَعْتُوا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۱۱ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو انہیں زلزلے نے آ پکڑا

فَاَصْبَحُوا فِی دَارِهِمْ جَثِیْمِیْنَ ۱۲ وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ

پھر وہ اپنے گھر میں اوندھے مڑے پڑے تھے۔ [27] اور قوم عاد و ثمود کو یاد کرو اور تمہارے لئے ان کی بستیاں

مَسْكِنِهِمْ ۱۳ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ

واضح ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے بُرے اعمال انہیں خوبصورت کر کے دکھائے پھر انہیں راہ حق سے روک دیا

وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِیْنَ ۱۴ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنُ وَهَامَانَ ۱۵ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ

حالانکہ وہ اہل بصیرت تھے [28] اور قارون، فرعون اور ہامان کو یاد کرو، ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام)

مُوسٰی بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سَابِقِیْنَ ۱۶

واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے زمین میں تکبر کیا حالانکہ وہ ہم پر سبقت نہیں لے جاسکتے تھے۔ [29]

[27] حضرت شعیب (علیہ السلام) کو اہل مدین میں بھیجا گیا۔ مدین خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر ایک علاقہ تھا جو آج کل شمالی سعودیہ میں شامل ہے یہ لوگ مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب (علیہ السلام) نے انہیں روکا مگر وہ باز نہ آئے آخر جبرائیل (علیہ السلام) نے ان پر خوفناک چیخ ماری جس سے شدید زلزلہ آیا اور ساری قوم منہ کے بل گر پڑی اور یکدم سب مر گئے۔

[28] قوم عاد حدود یمن میں آباد تھی اور قوم ثمود حدود شام میں۔ (آج کل قوم ثمود کا علاقہ سعودیہ میں شامل ہے) اور کفار مکہ شام و یمن کے تجارتی سفروں میں دونوں قوموں کے کھنڈرات دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان نے ان قوموں کے لئے ان کے بُرے اعمال کو اچھے کر کے پیش کیا اور وہ اپنے کفر پر فخر کرنے لگے یوں شیطان نے ان کی مت ماردی حالانکہ وہ اہل بصیرت تھے۔ گویا جو بصیرت دین کے کام نہ آئے وہ بیکار ہے۔

[29] قارون، بنی اسرائیل میں سے تھا اور منافقت سے کلمہ پڑھتا تھا اندر سے فرعون کا ساتھی اور اپنی قوم کا غدار تھا۔

اس غداری کے صلہ میں فرعون نے اس پر خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں تکبر سے کام لیا جو انہیں لے ڈوبا۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

تو ہم نے ہر کسی کو اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔ چنانچہ ان میں سے کسی پر ہم نے تیز ہوا بھیجی اور ان میں سے کسی کو

أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

چنچ نے آ پکڑا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے

أَغْرَقْنَاهُ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۰﴾

غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے [30]

[30] یعنی گزشتہ آیات میں مذکور اقوام میں سے ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کے سبب پکڑا چنانچہ قوم عاد پر تیز ہوا چلی جس نے انہیں اٹھا اٹھا کر سر کے بل زمین پر پھینکا اور ان کے بھیجے نکال دیئے۔ قوم مدین پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے چنچ ماری جیسا کہ ابھی گزرا۔ قارون کو اس کے خزانہ سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا اور فرعون و ہامان کو ان کے لشکروں سمیت سمندر میں غرق کر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے ان کے پاس انبیاء بھیجے گئے مگر انہوں نے انبیاء کو جھٹلا کر شیطان کی بات پر عمل کیا۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ

جو لوگ اللہ کے مقابلہ میں مددگار پکڑتے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا

جس نے ایک گھر بنایا اور سب گھروں میں سے کمزور تر گھر مکڑی ہی کا ہے اگر

يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ

وہ جانیں [31] بے شک اللہ جانتا ہے جو چیز بھی وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور وہ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا

غالب ہے حکمت والا ہے۔ اور ہم لوگوں کو یہ مثالیں بیان کرتے ہیں اور ان کو (مثالیں) علم والے ہی

الْعُلَمَاءُ ۚ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

سمجھتے ہیں [32] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا بے شک اس میں مومنین کے لئے

لِّلْمُؤْمِنِينَ ۚ

بڑی نشانی ہے۔ [33]

[31] اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے سمجھانے کے لئے فرمایا کہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں سے فریاد کرنے والوں کی حالت مکڑی کی طرح ہے۔ مکڑی گھروں کی چھتوں اور درختوں وغیرہ پہ جالا بناتی ہے جو اس کا گھر ہے اور وہ سب سے کمزور تر گھر ہے۔ کیونکہ سب سے پختہ گھر وہ ہے جو پتھروں اینٹوں وغیرہ سے بنایا جائے۔ اس سے کمزور وہ گھر ہے وہ ہے جو مٹی اور گارے سے بنایا جائے۔ اس سے کمزور وہ ہے جو کپڑے سے بنایا جائے جیسے خیمہ اور مکڑی کا گھر سب سے کمزور تر ہے، ہوا کا ایک جھونکا اس کے تار و پود بکھیرنے کو کافی ہے اور یہ گھر مکڑی کو کسی سردی گرمی وغیرہ سے بچا نہیں سکتا۔ یہی حال بت پرستوں کا ہے جیسے مکڑی کا جالا اسے کچھ فائدہ یا سہارا نہیں دے سکتا یونہی بت بھی کسی کو کچھ فائدہ یا سہارا نہیں دے سکتے۔

مکڑی کی مثال اور حقیقت دنیا

مکڑی کی مثال دنیا پرستوں کو بھی ہدایت دیتی ہے مکڑی اپنے گرد جالا بنتی رہتی ہے وہ اسے اپنا گھر سمجھتی ہے حالانکہ

وہ اس میں پھنستی چلی جاتی ہے گویا وہ قید خانہ کو اپنا گھر سمجھتی ہے اور اس کا بنا ہوا جالا ہوا کے ایک جھونکے یا جھاڑو کی ایک ضرب سے ختم ہو جاتا ہے۔ یونہی دنیا دار انسان اپنے گرد اسباب دنیا کا جالا بنتا رہتا ہے اور وہ اس قید خانہ دنیا کو اپنا حقیقی گھر سمجھ لیتا ہے۔ مگر دست موت کی ایک ضرب اس کی دنیا کا جالا توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے گرد اسباب دنیا کا بیکار جالا بننے کی بجائے آخرت کی بہتری کا سامان کر لے۔ یاد رہے کہ مکڑی کا جالا سب سے کمزور تر گھر ہے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے تو کمزور تر چیز سے مضبوط تر کام لے لیتا ہے۔ چنانچہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت مکڑی کے جالے سے ہی کی گئی۔

یہ آیت بتوں کے حق میں اتری ہے۔ چنانچہ امام بغوی اور امام خازن اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ای الا صنم یرجون نصرہا ونفعہا۔ ”یعنی اس سے بت مراد ہیں جن سے کفار مدد اور نفع کی امید رکھتے ہیں۔“ (بغوی وخازن جلد ۵ صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مثال دی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا جھوٹے خدا بنا لیتے اور ان سے مدد اور رزق مانگتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) قریباً ایسا ہی کلام امام قرطبی، امام رازی اور دیگر اجلہ مفسرین نے کیا ہے۔ اس کے باوجود آج نجدی فکر کے لوگ اس آیت کو انبیاء و اولیاء پر لگاتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ لوگ ان سے مدد مانگتے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے۔ مگر یہ استدلال افسوس ناک ہے۔ کفار کے حق میں اترنے والی آیات کو مسلمانوں پہ لاگو کرنا خوارج کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: ”خوارج بدترین مخلوق ہیں کہ مشرکوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پہ لاگو کرتے ہیں۔“ (بخاری کتاب استنباط الردین، باب ۶)

[32] جیسے اللہ تعالیٰ نے مکڑی کی مثال دی ہے یونہی ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی بے بسی کو مکھی کی مثال سے واضح کیا۔ (ج: ۷۳) اور ان مثالوں سے علم والے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور حدیث کے مطابق علم کی انتہا خوف خدا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: رَأْسُ الْعِلْمِ خُفَاةُ اللَّهِ۔ ”علم کا سب سے اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔“ (کنز العمال حدیث ۵۸۷۳) یعنی خوف خدا والے ہی قرآن کی مثالوں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ ”قرآن ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔“ (بقرہ: ۲)

[33] یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بے فائدہ و بیکار نہیں بنایا بلکہ آسمان وزمین کی ہر چیز کسی اعلیٰ مقصد کے لئے بنائی گئی ہے اور اس میں مومنین کے لئے نشانی ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ اس کائنات کا بنانے والا ہی مستحق عبادت ہے۔

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ

اے نبی (ﷺ) آپ کی طرف جو کتاب وحی کی گئی اسے پڑھیں اور نماز قائم رکھیں۔ بے شک نماز

عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۳۴﴾

بے حیائی اور بُرے کام سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ [34]

﴿حقانیت قرآن پر دلائل اور منکرین کے اعتراضات کا جواب﴾

[34] اس سے قبل متعدد انبیاء سابقین کا تذکرہ تھا۔ اب نبی آخر الزمان کی نبوت ﷺ اور کتاب کا ذکر ہے۔ تو فرمایا گیا کہ اے پیارے رسول ﷺ! آپ پر جو کتاب اتاری گئی آپ اس کی تلاوت فرمائیں اور نماز قائم کریں۔ یعنی نماز میں قرآن پڑھیں کیونکہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ بے حیائی سے وہ امور مراد ہیں جو سب ادیان کے نزدیک ناجائز ہیں جیسے جھوٹ، چوری، ڈاکہ وغیرہ۔ اور منکر وہ امور ہیں جن کی اسلام نے حرمت بیان کی جیسے زنا، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ۔

آگے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ نماز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی عبادت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿۳۴﴾ ”میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔“ (طہ: ۱۳) وَذَكَرْ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلِّ ﴿۱۵﴾ ”اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔“ (اعلیٰ: ۱۵)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ بندے کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو یاد کرنا زیادہ بڑی بات ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے جب بندہ نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے مجھے یاد کیا ہے۔ جب وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کہی ہے جب وہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کہی ہے۔ جب وہ مُلْكِ يَوْمِ الدِّينِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے جب وَاَيَّاكَ نَعْبُدُ وَاَيَّاكَ نَسْتَعِیْنُ آخر تک کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں اس کو دوں گا۔

(درمنثور بروایت دارقطنی و بیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۸)

قرأت قرآن نماز میں فرض ہے

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ کہہ کر بتایا گیا کہ تلاوت قرآن کی ایک صورت

اقامت صلوٰۃ ہے جو فرض ہے لہذا قرأت بھی فرض ٹھہری۔ اسی لئے فرمایا: يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ ۝ قُمْ الْيَلَّ إِلَّا قَلِيلًا ۝
 نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ یعنی ”اے چادر پوش محبوب ﷺ! آپ رات کو نماز تہجد پڑھیں مگر کچھ وقت آرام کریں۔ آدھی رات یا اس سے کم و بیش اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔“
 (مزل: ۱) گویا نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض کیا گیا۔ دراصل ابتداء میں صرف نماز تہجد ہی فرض کی گئی اور اس میں قرآن کا پڑھنا فرض کیا گیا بعد میں جب پانچ نمازیں فرض کی گئی تو تہجد کو نفل بنا دیا گیا مگر طریقہ نماز وہی رہا۔ اور چونکہ نماز میں قرأت فرض ہے اس لیے ہر مسلمان پر فرض عین ہے کہ قرآن کو اس قدر درست تلفظ کیساتھ پڑھے کہ قرآن کے معانی میں فرق نہ آئے۔

نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے

کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق نماز اس طرح پڑھنی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ نہیں تو کم از کم یہ خیالی ضرور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اس تصور کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز یقیناً فحشاء و منکر سے روک دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”ایک انصاری نوجوان نماز بھی پڑھتا تھا اور بے حیائی کے کام بھی کرتا تھا۔ نبی اکرم نور مجسم ﷺ سے اس کا ماجریٰ کہا گیا آپ نے فرمایا اس کی نماز ایک دن اسے اس سے روک دے گی۔ چند دن بعد اس نے توبہ کی اور اس کا حال بہتر ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ اس کی نماز ایک دن اسے روک دے گی؟“ (بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۹۵)

کہتے ہیں ایک چور چوری کرنے لگا۔ گھر والے جاگ اٹھے اس کے پیچھے دوڑے وہ بھاگ کر کسی مسجد میں داخل ہو گیا اور (شائد بے وضوء ہی) نماز میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا پیچھا کرنے والے لوگوں نے دیکھا مسجد میں ایک نمازی نماز پڑھ رہا ہے وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد میں اس نے توبہ کی اور کہا اے اللہ تعالیٰ! آج میں نے جھوٹی نماز پڑھی۔ تو نے مجھے دنیا کی رسوائی سے بچا لیا۔ اگر میں سچی نماز پڑھوں تو یقیناً تو مجھے آخرت کی رسوائی سے بچا لے گا۔ پھر اس نے چوری سے توبہ کر لی اور نیک نمازی مسلمان بن گیا۔ اسی طرح حکایت کی جاتی ہے کہ ایک نوجوان کسی عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ عورت نے کہا اگر تم چالیس دن تک مسجد میں پابندی سے نماز پڑھو تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔ اس نے چالیس دن مسجد میں ڈیرہ لگا لیا پھر عورت نے اسے پیغام نکاح بھیجا۔ نوجوان نے کہا اب میرے دل میں تیری جگہ پر اللہ کی محبت ساگئی ہے اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ گویا یقیناً نماز بیحیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

بعض لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور بُرے کام بھی نہیں چھوڑتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درست نماز نہیں پڑھتے ہمارا تلاوت قرآن کا تلفظ خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کہہ دو اللہ ایک ہے۔ ہم پڑھتے ہیں کُلْ ہو اللہ اھد جس کا معنی ہے ”کہ کھا جاؤ اللہ بزدل ہے“، (معاذ اللہ) جب ہم یوں نماز پڑھیں گے تو کیا تاثیر آئے گی۔

ہم رکوع و سجود صحیح نہیں کرتے جلدی جلدی نماز سے فارغ ہونا چاہتے ہیں پھر نمازوں میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ ہم نماز میں ٹیکسی بھی چلاتے رہتے ہیں۔ سودا بھی بیچ رہے ہوتے ہیں اور دوستوں سے میٹنگ بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی نمازیں بے تاثیر ہیں اگر نماز کو اس کے ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ پڑھا جائے تو یقیناً وہ بُرے کاموں سے روکے گی۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِلَّا الَّذِينَ

اور اہل کتاب سے صرف اچھے طریقہ کے ساتھ ہی بحث کرو سوا ان کے جنہوں نے

ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ

ان میں سے ظلم کیا اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا

وَالْهِنَا وَالْهَكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم اسی کے آگے سر جھکانے والے ہیں [35] اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف

الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ

کتاب اتاری ہے تو جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان (مشرکین) میں سے بھی کچھ اس پر

يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ۝

ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیات سے صرف ضدی منکر لوگ ہی انکار کرتے ہیں۔ [36]

[35] اہل کتاب چونکہ مشرکین کی نسبت مسلمانوں سے قریب تر ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اہل کتاب سے اچھی بحث کر کے انہیں دعوت اسلام دواچھی بحث یہ ہے کہ دلیل سے بات کی جائے جس میں دل آزاری کی بجائے خوش خلقی اور ہمدردی ہو۔ البتہ جو ظالم ہیں ان سے انہی کی زبان میں بات کی جائے، یعنی اگر کوئی اہل کتاب اللہ و رسول کی گستاخی کرے تو اس سے خوش خلقی کی بجائے سختی سے نمٹا جائے۔ ایک یہودی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اللہ فقیر ہے ہم سے قرض مانگتا ہے (اس نے اس آیت پر اعتراض کیا: إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ ”اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو وہ تمہیں بڑھا کر لوٹائے گا۔“ (تغابن: ۱۷)) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ آیت اتاری: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ۔

(آل عمران: ۱۸۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے کہو کہ ہم اپنی کتاب (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور تمہاری کتابوں (تورات و انجیل وغیرہ) پر بھی ہمارا ایمان ہے یعنی جب ہم تمہاری کتابوں کو مانتے ہیں تو تم قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اور ہمارا تمہارا خدا ایک ہی ہے لہذا اس نے جو بھی کتاب اتاری یا جو بھی رسول بھیجا ہے ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہئے خواہ وہ رسول موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام ہوں یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

یہاں سے تین فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام ہمیں کفار سے بھی خوش خلقی برتنے کا حکم دیتا ہے: مگر افسوس ہے کہ ہم کفار سے تو خوش خلقی برتتے ہیں کیونکہ وہ ہم سے سیاسی طور پر طاقتور ہیں اور آپس میں ہم بدخلق ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے فرمایا: **اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** کہ وہ کفار پہ سخت اور آپس میں رحیم ہوتے ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ **رُحَمَاءُ لِلْكَفَّارِ اَشِدَّاءُ بَيْنَهُمْ**۔

(۲) اسلام خوش خلقی کا درس دیتا ہے دہشت گردی کا نہیں: **وَلَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ رواداری و خوش خلقی کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا ہے دہشت گردی کرنے کا نہیں۔ اگر اس کے باوجود اسلام کو دہشت گردی سکھانے والا مذہب کہا جائے تو ایسا کہنے والوں کو شرم آنی چاہیے۔ اس کے برعکس آج کشمیر فلسطین افغانستان اور عراق میں مسلمانوں سے دہشت گردی کی جارہی ہے اور اٹا مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

(۳) تورات و انجیل کی جو باتیں قرآن و حدیث سے غیر متصادم ہیں انہیں مان لینا چاہئے: جیسا کہ **قُولُوا اٰمَنَّا بِالَّذِي اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ** سے ظاہر ہے۔ اس سے اسرائیلیات کا حکم معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو چیز **اُنْزِلَ اِلَيْنَا** کے مطابق ہو اسے ہم مانیں گے۔ جو نہ ہو تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات کا ترجمہ عبرانی سے عربی میں کر کے مسلمانوں کو بتاتے تھے (اور ترجمہ کرتے ہوئے اپنی مرضی چلاتے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ کہو: **اٰمَنَّا بِالَّذِي اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَالْهٰنَا وَالْهٰكُمْ وَاَحَدٌ وَّ اٰخَرٌ لَهُ مُسْلِمُوْنَ** (بخاری کتاب التوحید باب ۵۱ حدیث ۷۵۴۲)

[36] یعنی اہل کتاب میں سے کئی لوگ قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور مشرکین میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ آج جہاں یورپ و امریکہ میں ہزاروں عیسائی اسلام لارہے ہیں وہاں ہندوستان، کشمیر اور جاپان وغیرہ میں کئی ہندو بھی مسلمان ہو رہے ہیں یہ صداقت قرآن کی ایک دلیل ہے۔

غیر مسلمین میں نفوذِ اسلام

اگر اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو ”ہم مسلمان کیوں ہوئے“ نامی کتاب پڑھیں جس میں نوے نامور غیر مسلموں کے

اسلام لانے کے ایمان افروز واقعات لکھے گئے ہیں، جن میں سے ایک مولانا عبید اللہ سندھی ہیں جو سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ غفوان شباب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی شمع روشن کی وہ اسلام لے آئے خاندان نے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ کوہِ استقامت بن کر دین پر ڈٹے رہے۔ پھر جب انہوں نے اپنے ایمان کو خطرے میں محسوس کیا تو ہندوستان سے بھاگ کر سندھ چلے آئے۔ پھر انہوں نے علوم دینیہ سیکھنے شروع کیے پھر اتنے بڑے عالم دین بنے کہ آج حدیث کی کتب صحاح ستہ پر ان کے عربی حواشی موجود ہیں اور حدیث کا کوئی طالب علم ایسا نہیں جو ان کی شخصیت اور کام سے واقف نہ ہو۔ 1944 میں لاہور میں فوت ہوئے۔

اسی طرح امریکہ میں میلکم ایکس نام کا ایک سیاہ فام شخص مسلمان ہوا اس کا اسلامی نام محمد شہباز رکھا گیا پہلے وہ ایک گمراہ آدمی محمد عالیجاہ کے ہتھے چڑھ گیا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سیدھے راستہ پر ڈال دیا اس کی تبلیغ سے امریکہ میں قریباً پچیس لاکھ سیاہ فام عیسائی اسلام لائے جن میں سے ایک دنیائے باکسنگ کا بے تاج بادشاہ محمد علی کلیے بھی تھا جسے امریکی گورنمنٹ نے صرف اسلام لانے کے جرم میں جیل میں ڈالا اور اسے شکست سے دوچار کرنے کی تمام کوششیں کیں مگر اللہ تعالیٰ اسے ہر میدان میں اسلام کی برکت سے فتح پر فتح دیتا رہا جس کا یہ اثر ہوا کہ امریکہ میں تیزی سے اسلام پھیلا اور آج وہاں مسلمانوں کی تعداد اسی (۸۰) لاکھ سے تجاوز کر رہی ہے۔ اور ایک کروڑ کے قریب پہنچ رہی ہے۔ پھر امریکی گورنمنٹ نے میلکم ایکس یعنی محمد شہباز کو خفیہ طریقے سے قتل کروا دیا ابھی اس کی عمر صرف پینتیس برس تھی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اپنی سچائی دکھا رہا ہے کہ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَوْمِنُورٍ بِهٖ الْخٰلِقُ ”جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔“

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ يَمِينِكَ إِذَا لَارْتَابَ

اور آپ اس سے قبل کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ ورنہ باطل پرست لوگ ضرور شک میں

الْمُبْطِلُونَ ﴿۳۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ط وَمَا

پڑ جاتے [37] بلکہ وہ (قرآن) واضح آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری

يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۳۹﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ ط

آیات سے صرف ظالم لوگ ہی انکار کرتے ہیں [38] کفار نے کہا اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۴۰﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا

آپ فرمائیں کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں [39] کیا انہیں یہ کافی نہیں

أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى

کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے

لِقَوْمٍ يُوْمِنُونَ ﴿۴۱﴾ ع

رحمت اور نصیحت ہے [40]۔

[37] صداقت قرآن کی ایک اور دلیل بتائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کو نزول قرآن سے

قبل لکھنا پڑھنا نہ سکھا یا نہ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہ مکہ میں کوئی سکول تھا کہ آپ وہاں سے لکھنا پڑھنا سیکھ

سکتے۔ اس کے باوجود جب آپ نے حکمت و دانش سے بھرپور وہ قرآن پڑھنا شروع کیا جس کے آگے تمام پڑھے لکھے

فصحاء و شعر آء عرب عاجز آ گئے تو یہ صداقت قرآن کی دوسری دلیل ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زبان

پر قرآن جاری کیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر حضور سید عالم ﷺ پہلے سے پڑھنے لکھنے والے ہوتے تو باطل پرست لوگ

شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ ایک پڑھے لکھے انسان نے کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی طرف سے ایک نئی کتاب

لکھ دی ہے۔

آخری عمر میں رسول اللہ ﷺ کو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا گیا تھا

یاد رہے جب نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آخر میں آپ ﷺ کو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا حضور ﷺ نے کسی انسان سے نہیں سیکھا لہذا آپ کے اُمتی ہونے میں فرق نہ آیا۔ امام قرطبی نے حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: مَا مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَتَبَ۔ نبی اکرم ﷺ نے وصال سے قبل لکھنا جان لیا تھا۔ اور امام شعبی نے پوری سند کے ساتھ حضرت ابو کبشہ سلولی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن کا خط خود پڑھا اور لوگوں کو سنایا۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۳۵۲) اسی طرح حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ نے کفار کے اصرار پر معاہدہ نامہ سے محمد رسول اللہ کے الفاظ کاٹ کر اپنے ہاتھ سے ان کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھا۔ (مسلم شریف کتاب الجہاد حدیث ۹۲)

[38] یعنی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا نام ہے جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا حفظ کرنا آسان کر دیا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس طرح یاد نہیں کی جاسکتی جس طرح قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ۔ ”ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا۔“ (قر: ۱۷) اور یہ قرآن کی صداقت پر تیسری دلیل ہے۔

[39] کفار کہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پھاڑا اور عصا کو سانپ بنایا، حضرت صالح علیہ السلام نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے وغیرہ۔ ایسی ہی کوئی نشانی اس شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) پر کیوں نہیں اتاری جاتی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ آپ فرمادیں کہ نشانیاں (معجزات) تو اللہ کے پاس ہیں اس کے حکم کے بغیر کوئی نشانی نہیں دکھائی جاسکتی اور یہ اس لئے کہا گیا کہ کفار کا مقصد نشانی دیکھ کر ایمان لانا نہ تھا وہ محض کج بحثی کرتے تھے۔

[40] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار کے لئے معجزہ قرآن کافی نہیں کہ وہ ان پر پڑھا جاتا ہے؟ ’نی وہ اس کی ایک سورت کی مثال لانے سے عاجز رہے مگر وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ تو اب وہ مزید نشانی کیوں گتہ ہیں اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ مزید نشانی دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ آگے فرمایا کہ قرآن مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔ یعنی اس پر عمل کرنے والا دارین کی رحمت حاصل کر لیتا ہے اور اسے ابدی نصیحت مل جاتی ہے۔

قرآن نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ کہہ کر کفار کو بتایا گیا کہ قرآن جیسا معجزہ موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے معجزہ کی ضرورت نہیں تاہم نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سوا ہزاروں معجزات دیئے مگر ان سب کا سردار قرآن ہے۔ باقی معجزات حسی

وجسمانی ہیں مگر قرآن معنوی و علمی معجزہ ہے دیگر معجزات کا اعجاز تھوڑی دیر کے لئے ظاہر ہوا مگر قرآن کا نور اعجاز تا قیامت چمکتا رہے گا۔

قرآن کے بعد کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰی عَلَيْهِمْ ؕ ”کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔“ اس آیت میں یہ درس بھی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وہ کتاب ہے جو ہدایت کے لئے کافی و دافی ہے اس کے بعد کسی الہامی کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس لئے قرآن آخری آسمانی کتاب ہے اور حضور خاتم المرسلین ﷺ آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی رسول کی اور آپ کی کتاب کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔ حضرت ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تورات کا کوئی حصہ ملا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات درج تھے وہ اسے حضور ﷺ کے سامنے پڑھنے لگیں۔ آپ کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے اندر آجائیں اور میں تم میں موجود ہوں پھر تم انکی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (درمنثور ج ۶ ص ۴۷۲ بروایت مصنف عبد الرزاق) ایسا ہی ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۷۲)

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيِّنًا وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

آپ فرما دیں کہ اللہ کی گواہی میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ لَا أُولِيكَ هُمْ

زمین میں ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائیں اور اللہ سے انکار کریں وہی خسارے میں

الْخٰسِرُونَ ﴿۴۱﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمْ

رہنے والے ہیں [41] اور وہ آپ سے عذاب کی جلدی مانگتے ہیں اور اگر (عذاب کے لئے) مقرر مدت نہ ہوتی تو ان پر عذاب

الْعَذَابِ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْضَةً ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۲﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ

آ چکا ہوتا اور وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر نہ ہو گی [42] وہ آپ سے عذاب کی

بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمْ

جلدی چاہتے ہیں جبکہ جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔ جس دن انہیں

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ

عذاب ان کے اوپر سے اور نیچے سے گھیر لے گا اور اللہ فرمائے گا تم جو عمل کرتے تھے اس کا

تَعْمَلُونَ ﴿۴۴﴾

مزہ چکھو۔ [43]

توحید و رسالت اور قیامت کی حقانیت پر عمومی دلائل

[41] یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ اپنی نبوت و کتاب کے منکرین سے فرمادیں کہ جب میری صداقت پر اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے تو اس کی گواہی کافی ہے۔ اس کی موجودگی میں اگر تم میرا انکار کرو تو اس سے میری صداقت میں فرق نہیں آتا۔ گویا حضور سید عالم ﷺ ساری مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ مخلوق آپ پر ایمان لانے کی محتاج ہے آپ مثل آفتاب ہیں۔ ساری کائنات اس کے نور کی محتاج ہے وہ صرف اپنے رب کا محتاج ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

کہ آپ چمکانے والا آفتاب ہیں وَ سِرَّاجًا مُنِيرًا ﴿۳۶﴾ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اس لئے کافی ہے کہ وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے لہذا جو لوگ ایسے ہمہ گیر علم رکھنے والے رب کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں پر ایمان لاتے ہیں وہ عظیم خسارے میں مبتلا ہیں۔

[42] نصر بن حارث اور ابو جہل نے کہا تھا اے محمد (ﷺ) اگر یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ (انفال: ۳۲) اور کفار مکہ ایسی باتیں کہتے ہی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر منکر و سرکش اور اسلام دشمن قوم پر عذاب کا ایک مقرر وقت ہوتا ہے۔ کفار مکہ کے لئے بھی خدائی پکڑ کا وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو اللہ کی پکڑ ان پر اچانک آ جائے گی اور انہیں خبر نہ ہوگی۔ پہلی قوموں پر آسمان سے تباہ کن عذابات اترتے تھے مگر بعثت رحمۃ للعالمین ﷺ کے بعد ایسے عذابات موقوف کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ یہ کہا گیا کہ تم دشمنان اسلام سے جہاد کرو اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ (توبہ: ۱۳)

چنانچہ کفار مکہ پر بدر میں اچانک اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئی اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا گیا اور سارے جگ میں ان کی رسوائی ہو گئی۔ پھر وہ غزوہ احزاب میں تمام قبائل عرب کو ساتھ ملا کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے تب ان پر اچانک وہ ہوا چلائی گئی جو قوم عاد پر چلائی گئی تھی انہیں ہلاک تو نہ کیا گیا مگر انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا پھر اس کے بعد انہیں کبھی مدینہ طیبہ پر حملہ آوری کی جرأت نہ ہوئی تا آنکہ ان پر فتح مکہ کے موقع پر اچانک حملہ کیا گیا اور مکہ سے کفر کا بور یا بستر ہمیشہ کے لئے گول کر دیا گیا۔

[43] یعنی کفار مکہ عذاب کی جلدی مانگتے ہیں جبکہ کفار کے لئے جہنم میں عذاب تیار ہے تو جلدی کیوں کرتے ہیں۔ وہ عذاب انہیں اوپر نیچے سے گھیر لے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے عمل یعنی کفر و شرک کا مزہ چکھو۔ معلوم ہوا ہر طرف سے گھیر لینے والا عذاب جہنم صرف کفار کے لئے ہوگا اگر کوئی مومن شامت اعمال سے جہنم میں گیا تو اسے گھیرنے والا عذاب نہ ہوگا اور احادیث میں ہے کہ مومن کے اعضاء سجدہ کو نار جہنم بھی نہیں چھوئے گی۔

يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٧﴾ كُلُّ

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین وسیع ہے تو میری ہی عبادت کرو [44] ہر جان

نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۚ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں

الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

ہم انہیں جنت میں بالا خانے دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

فِيهَا ۖ نِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿٥٩﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٦٠﴾

یہ عمل کرنے والوں کا کتنا اچھا اجر ہے۔ یعنی جو لوگ صبر کریں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ [45]

[44] کلبی اور مقاتل کی روایت کے مطابق یہ آیت مکہ کے ضعفاء مسلمین کے لئے اتری اور ان سے کہا گیا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے اگر تم کو یہاں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جاتا تو یہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ اور وہاں اللہ کی عبادت کرو جہاں تمہیں عبادت کی مکمل آزادی ہے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸) گویا اس آیت میں مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کے لئے تیار کیا گیا۔

دین و ایمان کو قوم، وطن، خاندان اور مال و تجارت سب پر فوقیت ہے

مسلمانوں کو اپنا دین بچانے کے لئے مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم دیا گیا گویا کہا گیا کہ مومن کے لئے سب سے قیمتی چیز اس کا ایمان ہے، وطن، قوم، تجارت، پر اپرٹی اور خاندان یہ سب چیزیں دین کے لئے قربان ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا اگر تمہارے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، تمہارے کمائے ہوئے اموال، تمہاری تجارت جس کے خسارے کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے محبوب تر ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔

جہاں دین پر عمل مشکل ہو وہاں سے ہجرت لازم ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ معظمہ میں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جاتا تھا تو ان کو ہجرت کا حکم دیا گیا اسی لئے اس آیت کی تفسیر حضرت عطاء رحمہ اللہ نے یوں کی کہ جہاں تمہیں گناہوں پہ مجبور کیا جائے (دین کے خلاف چلنے پر مجبور کیا جائے) وہاں

سے ہجرت کر جاؤ پھر آپ نے اس آیت کا حوالہ بھی دیا: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسِعَتْ فِتْنَهَا جِرْ وَاَفِيْهَا ۝ ”کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔“ (نساء: ۹۷) یہ الگ بات ہے کہ آج ویزے پاسپورٹ اور شہریت کی رکاوٹیں حائل ہیں مگر حکم اپنی جگہ برقرار ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں لاکھوں کروڑوں اہل اسلام آباد ہیں، ان کا وہاں رہنا جائز ہے، کیونکہ انہیں اپنے دین پہ عمل کی مکمل آزادی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ عظیم الشان مساجد و مدارس قائم کیے جا رہے ہیں، جن میں ہزاروں لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر لمبے لمبے جلوس نکلتے ہیں۔ ہزاروں لوگ ان میں شامل ہو کر توحید و رسالت کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں اور علماء کرام کی مساعی سے ہزاروں غیر مسلمین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ گویا اہل اسلام کا یورپ و امریکہ میں رہنا اسلام کے حق میں مفید تر ہے۔

ساری زمین مسلمان کا وطن ہے

اِنَّ اَرْضِيْ وَاَسِعَتْ کہہ کر بتایا گیا کہ اللہ کی ساری زمین اللہ کے بندوں کیلئے ہے۔ لہذا مسلمان کو نہ عربی ہونے پہ ناز ہے نہ عجمی ہونے پر، اسے صرف محمدی ہونے پر ناز ہے۔ اسی لئے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْبِلَادُ بِلَادُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ فَحَيْثُمَا اَصْبَتْ خَيْرًا فَلَقُمْنَا سَبْ شَهْرَ اللّٰهِ کے ہیں اور سب بندے اللہ کے ہیں تو جہاں تمہیں خیر ملے وہیں اقامت کر لو۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۶۶) حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ جب کانگرس میں تھے تو کہتے تھے۔

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
ہم پاسباں ہیں اس کے یہ پاسباں ہمارا
پھر جب رموز دین سے آشنا ہوئے اور کانگرس کو ترک کیا تو فرمایا۔
چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

میتیں برطانیہ سے پاکستان لے جانا شرعاً قبیح ہے

بہت سے پاکستانی مسلمان اپنے عزیزوں کی اموات کو برطانیہ میں دفنانے کی بجائے پاکستان لے جا کر دفناتے ہیں کہتے ہیں پاکستان ہمارا وطن ہے ہم وطن میں پیوند خاک ہوں گے اور میت کو پاکستان لے جانے کے لئے اس کا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے اس کے پیٹ میں دوائیاں ڈالی جاتی ہیں تاکہ میت راستے میں خراب نہ ہو حالانکہ یہ میت پر ایک ظلم ہے پھر شرعی رو سے سارا جہاں مسلمان کا وطن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا فہم عطا کرے۔

[45] جب ہجرت کا حکم دیا گیا تو اس راہ میں جان بھی جاسکتی تھی اور کئی صحابہ کو راہ ہجرت میں کفار نے شہید بھی کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! ہر جان نے ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے لہذا موت کے ڈر سے ہجرت نہ چھوڑو کیا ہجرت چھوڑ کر تم موت سے بچ جاؤ گے۔ موت آنے والی ہے زہے نصیب کہ اللہ کی راہ میں آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے

لوگو! تم نے میری ہی طرف لوٹنا ہے تو جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے اعمال کریں یعنی اگر ایمان بچانے کے لئے وطن قربان کرنا پڑے تو بھی دریغ نہ کریں تو ہم انہیں جنت میں بالا خانے یعنی اونچے محلات دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان محلات میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس عمل کی کہ انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا یعنی اپنے وطن، تجارت اور خاندان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح نہ دی۔

وَكَايْنٌ مِّنْ دَا بَّةٍ لَا تَحِيلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ

اور زمین پہ چلنے والے کتنے ہی (جانور) ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھائے پھرتے۔ اللہ انہیں اور تمہیں

الْعَلِيمُ ۖ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَسَخَّرَ

رزق دیتا ہے اور وہ سب سننے والا جاننے والا ہے [46]۔ اور آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو

الشَّمْسِ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ۖ ۝۱۱ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

کس نے پیدا کیا اور کس نے شمس و قمر کو تابع نظام کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو وہ کہاں بھٹکتے ہیں۔

لِمَنْ يَّشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِۦ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ وَلَئِنْ

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کر دے بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے [47]۔ اور اگر

سَأَلْتَهُمْ مِّنْ نَّذْلٍ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِهَا

آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین کی موت کے بعد اسے زندہ کر دیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے،

لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۖ ۝۱۲

آپ فرمادیں کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، بلکہ ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے [48]۔

[46] مکہ میں مسلمانوں کی تجارتیں تھیں کاروبار تھے جب انہیں ہجرت کا حکم ہوا تو ساتھ ہی فرمایا گیا دیکھو جانور اپنا رزق اپنی پشتوں پہ اٹھائے نہیں پھرتے وہ صبح خالی پیٹ گھر سے نکلتے ہیں اور جنگل میں چر کر رات کو سیر شکم لوٹتے ہیں پرندے صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے اور رات کو کھاپی کر لوٹتے ہیں، تو اللہ جانوروں کو اور تمہیں روزی دینے والا ہے وہ سب سنتا جانتا ہے، یعنی جب وہ جانوروں کو بھوکا نہیں مارتا تو کیا اشرف المخلوقات انسان کو بھوکا مارے گا؟ لہذا بھوک کے

خوف سے ہجرت مت چھوڑو جہاں جاؤ گے رزق ملے گا چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آئے تو چند ہی برسوں میں ان پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے گئے۔

[47] اب روئے سخن پھر اس سورت کے اصل مضمون یعنی اثبات توحید و رد شرک کی طرف لوٹ رہا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بنایا اور شمس و قمر کو تابع نظام کیا اور اس حقیقت کو مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر مشرکین اللہ کو چھوڑ کر کدھر بھٹک رہے ہیں کبھی پتھروں کو پوجتے ہیں کبھی شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کو۔ حالانکہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوقات اور اس کے زیر فرمان ہیں۔ مکہ میں اکثر کفار مالدار اور اکثر مسلمان نادار تھے۔ اور کفار مسلمانوں کی غربت کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ جس کے لئے چاہے رزق کو کھول دیتا یا تنگ کر دیتا ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کتنا رزق دینا ہے۔ وہ کبھی کافروں کو زیادہ رزق دے کر ان کی رسی دراز کر دیتا ہے پھر انہیں اچانک ان کی خرمستی میں پکڑ لیتا ہے اور کبھی مومنوں کا رزق تنگ کر کے ان کا صبر آزماتا اور ان کے درجات آخرت میں بلند کرتا ہے۔

[48] یعنی اگر مشرکین سے بھی پوچھا جائے کہ آسمان سے کون بارش برساتا ہے اور اس کے ساتھ خشک اور مردہ زمین کو زندہ یعنی سرسبز کر دیتا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ جب اللہ ہی کرتا ہے تو سب تعریفوں کا وہی حق دار ہے ہر انسان کو اسی کی حمد و ثنا کرنا اور اسی کے آگے جھکنا چاہئے۔ مگر اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کے آگے جھکتے ہیں۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌ وَلَعِبٌ ط وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ

اور یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں ہے اور آخرت کا گھر ہی حقیقی

الْحَيَاةُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۹﴾ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ

زندگی ہے اگر لوگ جانتے ہوتے [49]۔ جب کفار کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اخلاص کے ساتھ

لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۵۰﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا

پکارتے ہیں پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں، تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس سے

أَتَيْنَهُمْ ۖ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۵۱﴾

انکار کریں اور (دنیا سے) نفع کمائیں تو وہ عنقریب جان لیں گے۔ [50]

حقیقت دنیا، ردِ شرک اور دعوتِ عملِ خیر

[49] دنیوی زندگی کھیل تماشا ہے اور حقیقی زندگی آخرت کی ہے کیونکہ اس پہ چند دلائل ہیں۔

(۱) کھیل تماشا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے یونہی دنیوی زندگی بھی تھوڑی دیر کے لئے ہے اور اخروی زندگی لازوال ہے۔

(۲) اور کھیل تماشا کی حقیقت نہیں ہوتی وہ ایک تمثیل ہوتا ہے۔ مثلاً تماشا اور کھیل دکھانے والوں میں سے ایک بادشاہ بن جاتا ہے کچھ اس کے وزیر بن جاتے ہیں اور کچھ درباری وغیرہ جیسے سٹیج ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب کھیل کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے تو وہاں بادشاہ ہوتا ہے نہ وزیر نہ درباری۔ یہی دنیا کا حال ہے یہاں کوئی بادشاہ ہے کوئی افسر ہے کوئی نوکر ہے مگر جب دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی تو بادشاہ ہوگا نہ افسر نہ نوکر، بلکہ اصل زندگی سامنے آجائے گی۔

(۳) دنیا کی نعمتیں کھلونوں کی طرح ہیں اگر بچے کا کھلونا ٹوٹ جائے تو وہ بہت روتا چلاتا ہے کیونکہ وہ اپنے کھلونے کو حقیقی متاعِ حیات سمجھتا ہے اسی طرح دنیا میں دل لگانے والے لوگ نا سمجھ بچوں کی طرح ہیں اگر ان سے ان کی کوئی نعمت چھین جائے یا ضائع ہو جائے تو بہت روتے چلاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اصل نعمتیں تو اصل زندگی میں ملیں گی۔ یہاں تو ہم کھلونوں سے بہلائے گئے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں ایک عصار کھنے کی جگہ دنیا و مافیہا کی سب نعمتوں سے کہیں بہتر ہے اور اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام (جہاد یا تبلیغ کے لیے) نکلنا دنیا و مافیہا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے۔“ (بخاری کتاب الرقاق باب ۲ حدیث ۶۴۱۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک مردار بکری کا کان پکڑ کر فرمایا کیا اسے کوئی ایک درہم میں خریدے گا؟ صحابہ نے عرض کیا اسے تو کوئی بلا قیمت بھی نہیں لے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں دنیا اس مردار سے بھی بے قیمت ہے۔“ (مسلم کتاب الزہد باب اول حدیث ۲)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”واللہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے پھر دیکھے اس کی انگلی پر کتنا پانی لگا ہے۔“ (مسلم کتاب صفۃ الحجۃ حدیث ۵۵) یعنی اس کی انگلی پہ لگنے والے پانی کو جو نسبت سمندر سے ہے وہی نسبت دنیا کو آخرت سے ہے۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) دنیوی نعمتوں کے چھن جانے پر مومن کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں کی حقیقت کھلونوں سے زیادہ نہیں ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ جب بندہ دنیوی نعمتوں کے چھن جانے پہ صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اور اس نعمت کا کثیر بدلہ دیا جاتا ہے۔

(۲) دنیا صفر ہے اور آخرت عدد: صفر کی کچھ حقیقت نہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ایک لگ جائے تو وہ 10 بن جاتا ہے یونہی جو کام دنیا میں آخرت کے لئے کیا جائے وہ دس گنا ہو جاتا ہے اور جو کام دنیا کے لئے کیا جائے وہ صفر ہے۔

[50] حضرت عکرمہ (تابعی) کہتے ہیں جب اہل جاہلیت سمندر میں سفر پہ جاتے تو اپنے بتوں کو بھی ساتھ رکھتے تاکہ وہ انہیں غرق ہونے سے بچائیں۔ پھر جب وہ ڈوبنے لگتے (اور انہیں یقین ہو جاتا کہ ان کے خداؤں نے انہیں نہیں بچانا) تو انہیں سمندر میں پھینک کر یا اللہ یارب پکارنے لگتے مگر خشکی پہ آ کر پھر وہی بت پرستی شروع کر دیتے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۰۰) ابو جہل کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ پہلے اسلام کے شدید مخالف تھے جب مکہ فتح ہوا تو وہ یہاں سے سمندر کے راستے حبشہ کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ دوران سفر کشتی سمندر میں ڈوبنے لگی۔ اہل کشتی نے کہا اس وقت صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے اس سے گڑگڑا کر فریاد کرو۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا اگر سمندر میں اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا اور اگر اللہ نے مجھے بچا لیا تو میں سیدھا مکہ مکرمہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ایمان لے آؤں گا چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ (تفسیر ابن کثیر بروایت ابن اسحاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صرف مصیبت میں اللہ رب العزت کو یاد کرنا مشرکین کا طریقہ ہے

گو یا مومن ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ رحمت و رحمت، نعمت و نعمت اور خوشی و غمی میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتا رہتا

ہے۔ بلکہ مومن کو چاہیے کہ راحت میں اللہ کو خوب پکارے تاکہ وہ اس سے زحمت کو ٹال دے اور مالداری میں اللہ کو خوب یاد کرے تاکہ وہ آنے والے فقر کو اس سے ٹال دے۔ حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت شمار کر لو۔ صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، عافیت کو مصیبت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرقاق)

رد شرک والی آیات کا مومنین سے کوئی تعلق نہیں:

یہ آیت مشرکوں کے رد میں اتری۔ آج بعض انتہاء پسند لوگ اسے اور ایسی دیگر آیات کو ان مومنین اہل سنت پر چسپاں کرتے ہیں جو مصائب میں یا اللہ کے ساتھ یا رسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ پکارتے ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حل مشکل کا وسیلہ بنیں۔ حالانکہ کسی نبی یا ولی کو وسیلہ سمجھ کر پکارنا کسی طرح بھی زمرہ شرک میں نہیں آتا۔ صاحب قصیدہ بردہ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

یا اکرّم الخلق مالی من الودّ به
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے ساری مخلوق سے سخی رسول! آپ کے سوا کون ہے کہ میں عمومی حوادث میں جس کی پناہ لوں۔

اور علماء اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خان یہ وظیفہ کیا کرتے تھے۔

قبلہ دین مددے کعبہ ایماں مددے
ابن قیم مددے قاضی شوکان مددے

یعنی اے قبلہ دین و کعبہ ایمان میری مدد کرو اے ابن قیم میری مدد کرو اے قاضی شوکان میری مدد کرو۔ (ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۳ مصنفہ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی اہل حدیث مطبوعہ میور پریس دہلی) اگر نواب صدیق حسن خان اپنے اکابر و ہابیہ ابن قیم و قاضی شوکانی کو مدد کے لئے پکارنے کا وظیفہ کرنے کے باوجود مسلمان ہیں تو الحمد للہ یا رسول اللہ اور یا علی کہنے والے بھی مسلمان ہیں۔ اور یہ شرک بازی کے فتوؤں سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ڈالنے سے گریز کرنا چاہئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی سے یا اکرّم الخلق مالی من الودّ به جیسے اشعار کا وظیفہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والاہاحہ صفحہ ۶۴)

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی عربی نظم شیم الحبیب اور ساتھ میں اس کے منظوم ترجمہ شیم الطیب میں کہتے ہیں۔

یا شفیع العبادِ خُذْ بیدی
أَنْتَ فِي الْإِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِ

دستگیری کیجئے میری نبی
کشکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لَيْسَ لِي مُلْجَأٌ سِوَاكَ أَغِثْ
مَسْنِي الضُّرِّ سَيِّدِي سَنَدِي

جز تمہارے کہاں ہے میری پناہ
فوج کلفت مجھ پر آ غالب ہوئی

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

غَشْنَى الدَّهْرُ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ كُنْ مُغِيثًا فَأَنْتَ لِي مَدَدِي
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری

(شم الطیب ضمیمہ نشر الطیب ترجمہ شیم الحیب صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور)

اور بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی قصائد قاسمیہ صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں:۔
مدد کر اے کرم احمد کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
اب اگر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا قاسم نانوتوی مسلمان ہیں تو یا رسول اللہ اور یا علی وغیرہ پکارنے والے اہل
سنت کس طرح اسلام سے خارج ہیں۔

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے (ان کے لئے) امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے آس پاس سے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں۔

أَفِی الْبَاطِلِ یُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ یَكْفُرُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن

تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمت سے انکار کرتے ہیں؟ [51] اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو

افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ط أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ

اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں کافروں کا

مَثْوًی لِّلْكَافِرِينَ ﴿۵۲﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ

ٹھکانہ نہیں؟ [52]۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اللہ

اللَّهُ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۳﴾ ع

مخلصین کے ساتھ ہے۔ [53]

[51] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مشرکین کہتے تھے اگر ہم ایمان لے آئیں تو اہل عرب ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۷۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل مکہ! تم تو اہل حرم ہو اور جائے امن میں ہو۔ تمہارے آس پاس دشمن لوگ ایک دوسرے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں مگر اہل حرم کو کبھی کسی نے نہیں چھیڑا تو تمہارا یہ بہانہ غلط ہے کہ اگر تم ایمان لائے تو تمہیں لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے تو تم باطل یعنی بت پرستی پہ ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ سے انکار کرتے ہو۔ بغوی، خازن، مظہری، قرطبی و دیگر مفسرین نے یہاں نعمت

سے حضور ﷺ کی ذات مقدسہ مراد لی ہے گویا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں۔ بلکہ سب سے بڑی نعمت ہیں اور نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اسی لیے محافل میلاد النبی اسی نعمت کے شکریہ کے طور پر منعقد کی جاتی ہیں۔

[52] یعنی بتوں کو خدا مان کر اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا اور قرآن کی آیات سے انکار کرنا سب سے بڑا ظلم ہے اور ایسے ظالموں کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے یاد رہے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنا بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور حضور ﷺ کے بعد باب نبوت بند ہو چکا ہے اب آپ کے بعد ہر مدعی نبوت اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا ہے اور ایسے کفار کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے۔

[53] مکی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت مصائب کی زندگی گزار رہے تھے مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اللہ انہیں ضرور کامیابی دیتا ہے بشرطیکہ وہ مخلص ہو تو اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہجرت کے بعد اہل اسلام پر فتوحات کے دروازے کھلتے گئے۔ عارف ربانی حضرت سہل بن سعد تستری علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیریوں فرماتے ہیں جو لوگ اقامت سنت کی کوشش کریں ہم انہیں جنت کا راستہ دکھاتے ہیں جو توبہ کی کوشش کریں ہم انہیں اخلاص کا راستہ دکھاتے ہیں اور جو طلب علم کی کوشش کریں ہم انہیں عمل کی راہ دکھاتے ہیں۔ (روح البیان جلد ۶ صفحہ ۷۹) یہ معنی بھی کیا جاسکتا ہے کہ جو اہل علم قرآن و حدیث سے استنباط مسائل کی کوشش کریں ہم ان کو اجتہاد و استخراج کی راہ دکھاتے ہیں۔ الغرض اللہ رب العزت کسی کی نیک کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

الحمد للہ آج 11 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 19 اپریل 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورہ عنکبوت کی تفسیر مکمل ہوئی۔
و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سورة الروم

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 30 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 80 ویں سورت ہے۔ یہ مکی سورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت کے مطابق اس کے بعد مکہ معظمہ میں عنکبوت اور وَيْلٌ لِلْبَطِّفَيْنِ کا نزول ہوا اس کے بعد ہجرت ہو گئی۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد اول صفحہ ۲۳ مطبوعہ دارالکتب بیروت)

اس سورت میں چھ (6) رکوعات ساٹھ (60) آیات آٹھ سو انیس (819) کلمات اور تین ہزار پانچ سو چونتیس (3534) حروف ہیں۔ اسے سورہ روم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا آغاز اَللّٰهُ غُلِبَتِ الرُّومُ سے ہوا اس میں پیش گوئی کی گئی کہ کچھ ہی عرصہ میں اہل روم کو ایرانیوں پر غلبہ ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس لئے اسے سورہ روم کہا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے بسا اوقات نماز فجر میں پڑھتے تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں یہ سورت پڑھ رہے تھے آپ نے بعض آیات کو دہرایا پھر سلام کہہ کر فرمایا کئی لوگوں کا وضوء درست نہیں ہوتا اور ان کی وجہ سے ہم پر نماز ملتبس ہو جاتی ہے لہذا اچھی طرح وضوء کر کے آیا کرو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۷۷۲)

مضامین

اس سورت کے ابتداء میں رومیوں کے غلبہ کی بشارت دی گئی۔ پھر گزشتہ قوموں کی نافرمانیوں کا حوالہ دے کر اسلام دشمن قوتوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ پھر درس توحید کو مثال کے حسین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر اہمیت نماز بتائی گئی ہے اور انسان کی ناشکری کا حال بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مکی سورتوں کی طرح سورہ روم میں بھی توحید، رسالت، قیامت، جنت، نار، صفات باری تعالیٰ اور حقانیت قرآن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ عنکبوت ہے۔ جس میں دلائل توحید، حقانیت قرآن اور اثبات رسالت محمدیہ کے مضامین ہیں اور یہی مضامین سورہ روم میں ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دونوں الف لام میم سے شروع ہوئی ہیں۔ اور آگے سورہ لقمان اور سجدہ بھی الف لام میم سے شروع ہو رہی ہیں۔ گویا یہ بھی اس بات کا سبب ہے ان چاروں کو اکٹھا رکھا گیا۔ جیسا کہ آگے چل کر وہ سورتیں اکٹھی آئیں گی جو حامیم سے شروع ہوتی ہیں۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

﴿آیاتھا ۶۰﴾ ۳۰ سُورَةُ الرُّومِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ ﴿رکوعاتھا ۶﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْمَلَّةُ ۱ غَلِبَتِ الرُّومُ ۲ فِيْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْۢ بَعْدِ غَلِبِهِمْ

الف، لام، میم۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوئے ہیں اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب چند برسوں میں

سَيَغْلِبُوْنَ ۳ فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ ۴ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ط

غالب آ جائیں گے [1]۔ اللہ ہی کے لئے سب اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔

وَيَوْمَئِذٍۭ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۵ يَنْصُرُ اللّٰهُ ط يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ

اور اس دن اہل ایمان اللہ کی مدد پر خوشیاں کریں گے۔ اللہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب ہے

الرَّحِیْمُ ۶ وَعَدَ اللّٰهُ ط لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

رحم والا ہے۔ اللہ کا وعدہ یاد رکھو۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ۷

نہیں جانتے۔

﴿ایرانیوں پر اہل روم کے غلبہ کی پیش گوئی اور دشمنان اسلام کو وارننگ﴾

[1] جب حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا گیا اس وقت دنیا پر دو بڑی سلطنتیں قائم تھیں رومی اور ایرانی۔ رومی سلطنت میں سارا یورپ، سارا افریقہ اور تمام بلاد ترک و شام شامل تھے اور ایرانی سلطنت کی فرماں روائی یمن سے آذربایجان تک اور افغانستان سے اردن تک تھی۔ رومی لوگ اہل کتاب عیسائی تھے اور اہل ایران آتش پرست مشرکین تھے۔ ان دونوں کے درمیان جنگیں چلتی رہتی تھیں۔ 610 عیسوی میں ظہور اسلام ہوا اس وقت ایرانی فوجیں رومیوں پر غالب آرہی تھیں حتیٰ کہ 622ء میں بیت المقدس پر بھی ایرانی قابض ہو گئے۔ بیت المقدس کے قریب سوکلومیٹر کے

ساتویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں

شام و فلسطین



فاصلہ پر بستی ناصرہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جائے پیدائش ہے۔ بقول نصاریٰ وہاں اصلی صلیب ہے جس پر عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدہ کے مطابق سولی دی گئی۔ (حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پہ اٹھائے گئے) جب ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے اس علاقہ پر قبضہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش والا کلیسا جو عیسائیوں کا سب سے مقدس کلیسا ہے گرا دیا اور ان کی مزعومہ صلیب اپنے ساتھ ایران لے گیا۔

رومیوں کے لئے یعنی دنیائے عیسائیت کے لئے یہ واقعہ قیامت سے کم نہ تھا ان کی اس مغلوبیت اور شکست کو یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ رومی لوگ قریب کی زمین میں مغلوب ہوئے۔ اَذْنَى الْأَرْضِ (قریب کی زمین) اس لئے فرمایا گیا کہ وسیع و عریض رومی سلطنت کا وہ حصہ جو ظہور اسلام کی وقت حجاز مقدس سے قریب تر تھا۔ وہ یہی سرزمین بیت المقدس و ناصرہ تھی۔ جب رومیوں کی اس شکست کی خبر مکہ میں پہنچی تو مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور صحابہ کرام بہت مغموم۔ کیونکہ رومی اہل کتاب ہونے کے ناطے آتش پرست ایرانیوں کی نسبت مسلمانوں سے قریب تر تھے بلکہ اس موقع پر مشرکین مکہ نے صحابہ کرام سے کہا کہ جس طرح آج رومی عیسائیوں کو ذلت اٹھانا پڑی ہے ایک دن تمہیں بھی اپنے دین پر ذلت اٹھانا پڑے گی۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر فرمایا: وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿۵﴾ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۖ کہ رومی لوگ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند ہی برسوں میں پھر غالب آئیں گے۔ مزید اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب رومی لوگ ایرانیوں پر پلٹ کر غالب آئیں گے تو اس دن مومنین اللہ کی مدد پر خوش ہوں گے اور اللہ جس کی چاہے مدد فرماتا ہے وہی سب پر غالب ہے۔ اللہ کے اس وعدہ کو یاد رکھو اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور وہ اللہ کے سچے وعدوں پر یقین نہیں لاتے۔

حضرت عکرمہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے۔ انہیں اس قرآنی پیش گوئی سے آگاہ فرمایا کہ چند ہی برسوں میں رومیوں کو ایرانیوں پر پھر غلبہ ہوگا۔ ابی بن خلف نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر تین برسوں میں رومی غالب نہ آئے تو میں تمہیں دس اونٹ دوں گا اور اگر وہ غالب آگئے تو تم مجھے دس اونٹ دو گے۔ پھر انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر ماجری سنایا حضور ﷺ نے فرمایا تم واپس جا کر شرط کی مدت تین برس سے بڑھا کر نو برس اور شرط کی رقم دس اونٹوں سے بڑھا کر سو اونٹ کروالو۔

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۵ حدیث ۲۷۸۷۲)

چنانچہ اس سے سات برس بعد جس دن صلح حدیبیہ ہوئی اس دن خبر آئی کہ رومی فوج ایرانیوں پر غالب آگئی ہے اور وہ اس قوت سے غالب آئی کہ انہوں نے ایران کے پایہ تخت مدائن میں اپنے گھوڑے جا باندھے اور رومیہ شہر تعمیر کر ڈالا اور وہ اپنی صلیب بھی واپس ناصرہ لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف (جو جنگ احد میں قتل ہو گیا تھا)

کے ورثاء سے جا کر سوانٹ وصول کئے اور نبی اکرم ﷺ کے پاس لائے آپ نے فرمایا انہیں صدقہ کر دو۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۰۱) امام زہری فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ شرط لگانا اور شرط کا مال وصول کرنا جوئے کی حرمت سے قبل تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۰۸ حدیث ۱۷۴۵۹) حضرت قتادہ (تابعی) کا بھی یہی ارشاد ہے۔ (حوالہ مذکورہ حدیث ۱۷۴۶۱) کیونکہ جو اسود کی ایک قسم ہے اور سود مدنی دور کے آخر میں حرام ہوا۔

اہل روم ایرانیوں پر کیسے اور کب غالب آئے؟

روم دوہی کی جمع ہے جیسے عرب عربی کی جمع ہے۔ رومی لوگ روم بن یونان بن یافت بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ جبکہ اہل فارس فارس بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ رومی سلطنت اہل فارس پہ کیسے غالب آئی؟ تو اہل تاریخ کے مطابق شاہ ہرقل بستی ناصرہ کی پامالی سے سخت پریشان تھا۔ مگر قدرت نے اس کی مدد کی۔ اس نے بحر اسود کے راستے مشرق کا رخ کیا اور ایرانی سلطنت پر اس کی پشت کی طرف سے حملہ کیا وہ افغانستان کے راستہ سے ایران میں داخل ہوا اور فتح پہ فتح کرتا ہوا ایرانی سلطنت کے پایہ تخت مدائن جا پہنچا اور حملہ کر کے شاہ ایران کا بیٹا گرفتار کر لیا اور ایرانی آتش کدہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ جس طرح ایرانیوں نے بستی ناصرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کی پامالی کی تھی۔

ادھر شاہ ایران خسرو پرویز کی اپنی حکومت میں بغاوت ہو گئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اٹھارہ بیٹے قتل کر دیے گئے۔ شاہ ہرقل کو جب ایرانیوں پہ آرمینیا میں پہلی فتح حاصل ہوئی عین اسی دن اللہ تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ پہ فتح عطا فرمائی۔ اور جب ہرقل مدائن میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ کفار مکہ سے حدیبیہ میں صلح نامہ تحریر کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس لیے اس موقع پہ مسلمانوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ بِنَصْرِ اللَّهِ ۖ کہ جب رومی غالب آئیں گے تو مومنین اللہ کی مدد پہ خوش ہوں گے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) صداقت قرآن:

قرآن نے جو پیش گوئی کی کہ رومی چند برسوں میں پھر غالب آئیں گے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ سچی ثابت ہوئی یہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے حالانکہ ظاہری حالات میں رومیوں کا پھر غالب آنا ممکن نہ تھا۔

(۲) نصاریٰ دوسرے مذاہب کی نسبت اہل اسلام سے قریب تر ہیں:

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایرانیوں کی بجائے رومیوں کے غلبہ کی تمنا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی اور اسے مومنوں کے لئے باعث فرحت قرار دیا اور فرمایا: يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ۔ اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۖ اور تم مومنوں کے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ (مائدہ: ۸۲) اسی لیے دوسرے مذاہب کی نسبت عیسائی لوگ زیادہ اسلام قبول کرتے ہیں۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ

وہ دنیوی زندگی کی ظاہری چمک ہی جانتے ہیں اور آخرت سے

غفلُونَ ﴿۴﴾ أَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ

غافل ہیں۔ [2] کیا انہوں نے اپنے دل میں غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے برحق اور مدت مقررہ کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور اکثر لوگ

النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ ﴿۵﴾ أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں [3]۔ کیا وہ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ ان سے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا

پہلے لوگوں کا کیا (بُرا) انجام ہوا؟ وہ قوت میں ان سے شدید تر تھے۔ انہوں نے

الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ

زمین کو جو یا تھا اور اسے ان (اہل مکہ) کی آبادکاری سے بڑھ کر آباد کیا، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۶﴾ ثُمَّ كَانَ

تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ اپنی جانوں پہ خود ظلم کرتے تھے۔ پھر بُرائی کرنے والوں کا

عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوْءَىٰ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا

بُرا انجام ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۷﴾

اڑاتے تھے۔ [4]

[2] یعنی وعدہ الہی پر یقین نہ لانے والے لوگ صرف دنیوی زندگی کی ظاہری چمک دمک ہی کو سب کچھ جانتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔ معلوم ہوا آخرت سے بے خبر ہونا کافر کا کام ہے مومن اپنی آخرت ہی کے فکر میں رہتا ہے۔

[3] جن لوگوں کا اپنے رب کی ملاقات یعنی قیامت پر ایمان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ آسمان وزمین کو اور ان کے مابین ہر چیز کو کسی مقصد کے لئے اور ایک مدت تک کے لئے بنایا گیا ہے اس مدت کے ختم ہونے پر کائنات ارضی و سماوی کو ختم کر کے عالم آخرت برپا کر دیا جائے گا۔

[4] شمع اسلام کا نور بجھانے میں کوشاں لوگوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر دیکھا نہیں کہ اس سے قبل اسلام دشمنی کرنے والے ظالموں کا کیا انجام ہو چکا ہے وہ قوت و سطوت میں ان سے بڑھ کر تھے انہوں نے ان سے بڑھ کر زمین کو آباد کیا۔ ان کے پاس ان کے رسول اللہ کی آیات یعنی اس کا کلام لے کر آئے یا یہ معنی ہے کہ معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور بالآخر وہ اللہ کے عذاب کا شکار ہو کر دنیا سے مٹ گئے ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرنے والے تھے کیونکہ بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے، جب انہوں نے اللہ کی آیات پر ایمان لانے کی بجائے ان کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا تو اس کا انجام ہلاکت کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ اس میں تا قیامت اسلام دشمن قوتوں کے لئے خدائی وارننگ ہے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی پہلی منکر قوموں جیسا ہوگا۔

اَللّٰهُ يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يَعِيْدُهُ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَّ يَوْمَ تَقُوْمُ

اللہ مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے [5] اور جس دن قیامت

السَّاعَةِ يُبْلِسُ الْمَجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاۗءُ

قائم ہوگی تب مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے اور ان کے جھوٹے خداؤں میں سے ان کے لئے کوئی سفارشی نہ ہوں گے

وَكَانُوْا بِشُرَكَائِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَّ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ يَتَفَرَّقُوْنَ ۝

اور وہ اپنے جھوٹے خداؤں سے انکار کر دیں گے۔ [6] اور جس دن قیامت قائم ہوگی تب لوگ باہم بٹ جائیں گے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ ۝

تو ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والے جنتی گلستان میں شاد کام کئے جائیں گے۔ [7]

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي

اور جو لوگ کفر کریں اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلائیں وہ

الْعَذَابِ مُحَضَّرُوْنَ ۝ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝

عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔ تو اللہ کی تسبیح کہو جب تم شام کرو اور صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ يُخْرِجُ

شام کرو اور اسی کے لئے آسمانوں اور زمین میں حمد ہے اور دن ڈھلے اس کی تسبیح کہو اور جب تم

الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ظہر کرو [8] وہ زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور زمین کو

مَوْتَهَا ۝ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تم اسی طرح (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ [9]

آیاتِ قدرت اور احوالِ قیامت کا بیان

[5] یعنی اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے پھیر پھیر کر لاتا ہے جیسے اس نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر وہ اسی انسان کو بار بار لاکھوں کروڑوں اربوں شکلوں اور صورتوں میں لا رہا ہے اور روز قیامت سب کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا تو جس رب نے ہر انسان کو پہلی بار بنایا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟

[6] بت پرست اور دیگر مشرکین سمجھتے ہیں کہ روز قیامت ان کے معبودانِ باطلہ ان کی مدد کر کے ان کو چھڑوا لیں گے مگر اس دن انہیں شدید مایوسی ہوگی انہیں کوئی چھڑوانے والا نہ ہوگا تب وہ اپنے جھوٹے خداؤں سے انکار کریں گے مگر اس دن کا انکار کچھ کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جھوٹے خدا ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت کب کرتے تھے۔ اللہ گواہ ہے ہم تمہاری عبادت سے قطعاً بے خبر تھے۔ (یونس: ۲۹)

معلوم ہو اور روز قیامت مومنین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں گے اور ان کے لئے سفارشی بھی ہوں گے اسی لئے فرمایا گیا کہ گہرے دوست اس دن باہم دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔“ (زخرف: ۶۷)

[7] یحییٰ ابن کثیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یُخْبَرُونَ کا کیا معنی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اہل جنت لذتِ سماع سے لطف اندوز ہوں گے۔“ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۳ حدیث ۲۷۹۱۶)

چنانچہ حکیم ترمذی نے ”نوادراصول“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اچھی آواز کا سننا محبوب ہے تو کیا جنت میں اچھی آوازیں سننے کو ملیں گی؟ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اشجارِ جنت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو جنہوں نے دنیا میں خود کو باجہ و سارنگی اور بانسری وغیرہ کے سننے سے محفوظ رکھا اور میرے ذکر میں مصروف رہے۔ انہیں کچھ سناؤ تو ان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و تقدس کے ساتھ مترنم آوازیں پھوٹیں گی جو مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۸۷)

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) جو لوگ دنیا میں گانے سنتے ہیں وہ جنت کی اس لذتِ سماع سے محروم رہیں گے: الا یہ کہ توبہ کر لیں۔ اسی لیے دنیا میں مزامیر کے ساتھ گانا بجانا اور گانا سننا حرام کیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت سے قبل کچھ لوگ ریشم، شراب اور گانا بجانے کو حلال کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بند و خنزیر بنادے گا۔“ (بخاری کتاب الاشرار باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ سورہ لقمان کے پہلے رکوع کے تحت آئے گا وہاں دیکھیں۔ وہاں ہم نے مروجہ قوالی کا

شرعی حکم بھی بیان کیا ہے

(۲) انسانوں میں روز قیامت وجہ تفریق عقیدہ و عمل ہوگا نہ کہ رنگ و نسل: یَوْمَ مَبْدٍ یَّتَفَرَّقُونَ کے بعد اَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کہنے سے معلوم ہوا قیامت کے دن عقیدہ و عمل کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق ہوگی۔ کفار و بدکار لوگ جہنم میں بھیجے جائیں گے اور مؤمنین صالحین جنت میں۔ اور یہی تفریق اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰیكُمْ ط ”تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔“ (حجرات: ۱۳) مگر افسوس آج مسلمان قوم رنگ و نسل اور علاقہ کی بنیاد پر باہم بٹ گئی ہے۔ اسی لیے وہ دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی ہے اور ان کے دشمن ان پہ غالب آتے جا رہے ہیں۔

[8] لہذا اے مومنو! صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہو کیونکہ آسمان و زمین میں ہر تعریف کی اصل حقدار اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ کیونکہ ہر مخلوق میں ہر خوبی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ تو وہی حقدار حمد ہے اور دن ڈھلے اور ظہر کے وقت بھی اسی کی تسبیح کہو۔

پانچ نمازوں کی فرضیت

ان آیات میں شام کے وقت تسبیح کہنے سے مغرب و عشاء کی طرف اشارہ ہے اور صبح کی تسبیح سے نماز فجر مراد ہے۔ یونہی دن ڈھلے تسبیح کہنا نماز عصر ہے اور ظہر کے وقت تسبیح کہنا نماز ظہر ہے کیونکہ نماز میں سبحانک اللہم سے بات شروع ہوتی ہے جو تسبیح ہے۔ پھر رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کی صورت میں تسبیح ہے۔ پھر تلاوت قرآن اور تشہد بھی معنا تسبیح ہے۔ اور چونکہ سورہ روم مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی اس کے بعد عنکبوت اور مطففین دو سورتیں ہی نازل ہوئیں اور نماز پنجگانہ بھی مکی دور کے آخر میں شب معراج میں فرض ہوئی لہذا ان آیات میں بجا طور پر نماز پنجگانہ مراد ہے۔

اوقات نماز کا فلسفہ

شام کی تسبیح اس لئے ہے کہ نماز مغرب پڑھو کہ خیر سے دن ڈوبا اور رات آئی اور نماز عشاء پڑھو تاکہ خالق کو سجدہ کر کے سویا جائے۔ پھر نماز فجر پڑھو کہ دن کا آغاز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہو۔ ظہر کے وقت نماز پڑھو تاکہ معلوم ہو کہ بندہ اپنے کاروبار و معاملات کو عبادت کے لئے چھوڑ سکتا ہے اور نماز کے لیے وقت نکال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کاروبار و کسب معاش کا وقت ہے اور نماز عصر پڑھو کہ وقت عصر انسان کو اس کی موت یاد دلاتا ہے کہ جیسے دن ڈھلتا ہے یونہی آفتاب زندگی بھی ڈھل جاتا ہے۔

صبح و شام تسبیح کہنے کی فضیلت

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے اپنا خلیل بنایا کہ وہ صبح و شام یہی آیات پڑھ کر اللہ وحدہ لا شریک کی تسبیح کہتے تھے: فَسُبْحَنَ اللّٰهُ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿۱۸﴾ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۳۹) گویا فجر و عشاء کے بعد ان آیات کا پڑھ لینا مومن کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص صبح و شام سو بار سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا کرے روز قیامت اس سے افضل عمل کسی کا نہ ہوگا۔“ (ترمذی کتاب الدعوات باب ۶۰)

[9] یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو نطفے سے اور نطفے کو انسان سے، مرغی کو انڈے سے اور انڈے کو مرغی سے اور درخت کو بیج سے اور بیج کو درخت سے پیدا کرتا ہے اور وہ بارش برسا کر مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یعنی خشک بیجوں (SEEDS) سے لہلہاتے کھیت نکال لاتا ہے اور اسی طرح روز قیامت وہ خشک ہڈیوں پر گاڑھی بارش برسا کر انہیں گوشت پوست کا لباس پہنائے گا اور ان میں روحیں لوٹا کر انہیں زندہ کر دے گا حدیث کے مطابق دوسری بار صور پھونکے جانے سے قبل ساری زمین پر چالیس دن گاڑھے پانی کی بارش ہوگی۔ (مسلم کتاب الفتن ۱۴۱)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ۝

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اب تم (دنیا میں) پھیلتے ہوئے انسان ہو [10] اور اس کی

آیۃ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ

نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور اس نے

بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

تمہارے درمیان محبت اور رحمت بنائی ہے بے شک اس میں فکر کرنے والی قوم کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [11] اور اس کی

آیۃ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنِّتِكُمْ وَالْوَانِكُمْ ۝ اِنَّ

نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے اس میں

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [12] اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات کو سونا

وَابْتَغَا وَاَكْمَرُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

اور دن کو اس کا فضل تلاش کرنا ہے اس میں سننے والے لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [13]

وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی توحید و قدرت پر دلائل

[10] انسان کے مٹی سے بنائے جانے کے کئی معانی ہیں۔

اول: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام کا پتلا زمین کے مختلف حصوں کی مٹی

سے بنایا گیا۔ اسی لئے کوئی انسان سرخ ہے کوئی سفید اور کوئی کالا اور کوئی خوش خلق ہے کوئی بد خلق۔“ (ابوداؤد کتاب السنۃ باب

۱۲، ترمذی کتاب التفسیر سورہ بقرہ باب ۱) یعنی جب پہلا انسان مٹی سے بنا تو یہ کہنا درست ہے کہ ہر انسان مٹی سے بنا ہے۔

دوم: عطا خراسانی سے مروی ہے کہ جب کسی انسان کا نطفہ اس کی ماں کے رحم میں ڈالا جاتا ہے تو فرشتہ اللہ تعالیٰ کے

حکم سے وہاں سے مٹی لاتا ہے جہاں وہ انسان دفن کیا جائے گا اور اسے اس نطفہ پر ڈال دیتا ہے پھر وہ وہیں دفن ہوتا ہے

جہاں سے اس کی مٹی اٹھائی گئی۔ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۵۱۳) گویا باقاعدہ ہر انسان کی مٹی زمین سے لی جاتی ہے۔

سوم: انسان مٹی سے اُگنے والی غذا کھاتا ہے اس سے اس کی پشت میں نطفہ پیدا ہوتا ہے اس نطفے سے اس کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔

یوں ہر انسان کا جسم مٹی سے اٹھتا ہے اور یہ تینوں معانی درست ہیں اس لئے فرمایا گیا: خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) انسان کے مٹی سے پیدا ہونے میں درس عجز ہے: کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی میں عجز ہے تو انسان کو عاجزی اختیار کرنی چاہئے۔ جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک عجز سے بہت جھکا ہوا تھا ایک آدمی ڈر کر بھاگا آپ ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں میں آدم کا بیٹا ہوں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا۔

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ ۴۹)

(۲) انسان مٹی سے بنا ہے تو اسے مٹی ہی میں دفن کرنا چاہئے: مرنے کے بعد اسے جلانا یا بہانا خلافِ فطرت ہے۔ اور اس کے دفنانے ہی میں انسان کی تکریم ہے۔ جبکہ جلانے میں اس کی توہین ہے۔

[11] اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اس کی جنس سے اس کی بیوی بنائی ہے تاکہ وہ اپنی بیوی سے سکون پائے اور اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور رحمت رکھی ہے۔ محبت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ عموماً میاں بیوی جیسے جیسے بوڑھے ہوتے ہیں ان میں جنسی خواہش کم اور باہمی محبت و ہمدردی زیادہ ہو جاتی ہے اور رحمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد دیتا اور ان کے ذریعے ان کے خاندانی روابط بڑھاتا ہے اور اولاد والدین کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔

عورت مرد کے تابع ہے

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا سے معلوم ہوا عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ مرد کو سکون پہنچائے۔ گویا مرد کو فوقیت حاصل ہے کیونکہ مرد اپنے گھر کا حاکم ہے عورت اور بچے اس کی رعایا ہیں۔ جیسے فرمایا گیا: اَلرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔ ”مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔“ (نساء: ۳۴) اور لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو اپنی اطاعت کے ذریعے مرد کو سکون پہنچانا چاہئے تاکہ جب وہ دن بھر کام کر کے رات کو تھکا ہارا گھر آئے تو بیوی کی اطاعت گزاری و خدمت سے سکون پائے۔ اس میں ان عورتوں کے لیے مقامِ عبرت ہے جو شوہروں کو بلاوجہ تکلیف و آزار دیتی ہیں۔

عورت وہی اچھی ہے جو شوہر کی فرماں بردار ہو

جب عورت مرد کے سکون کے لئے بنائی گئی ہے تو سکون اطاعت ہی میں ہے، نافرمانی میں سکون کہاں؟ اس لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”جب عورت اپنے شوہر سے بگڑ کر اس سے الگ سوتی ہے تو ساری رات فرشتے اس پر لعنت

کرتے رہتے ہیں۔“ (مسلم کتاب النکاح حدیث ۱۲۰) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْصَّلَاحُ قِنْتُ حِفْظُ لِلْغَيْبِ۔ ”تو نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں (ان کی عزت و ناموس کی) حفاظت کرتی ہیں۔“ (نساء، ۳۴)

میاں بیوی کے درمیان محبت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے (جیسا کہ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً سے ظاہر ہے) کیونکہ اس سے معاشرہ میں استحکام ہے اور جو لوگ اسے توڑنے کی کوشش کریں وہ شیطان کے چیلے ہیں۔ کئی لوگ جہالت کی وجہ سے شوہر کو بیوی کے خلاف یا بیوی کو شوہر کے خلاف بھڑکا کر یا جادو وغیرہ کر کے ان کے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

[12] آسمان و زمین کی تخلیق بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ کوئی رب ہے جو اس کائنات ارض و سماوی کا خالق ہے اور وہ اللہ کے سوا کون ہے تو وہی مستحق عبادت ہے۔ پھر سب انسانوں کی زبان گلا اور ہونٹ ایک جیسے ہیں مگر ان کی بولیاں مختلف ہیں یہ بولیاں کس نے بنائیں؟ وہ اللہ ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔ پھر اس نے اربوں انسان بنائے اور ہر انسان کی شکل دوسرے انسان سے الگ بنائی تو اللہ کے سوا کون ہے جو یہ شکلیں بناتا ہے۔

[13] اللہ تعالیٰ نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں سولیں اور دن بنایا تاکہ اس میں کام کاج کر لیں تو یہ دن رات کس کے حکم پر آ جا رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے اور خود نیند اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی ہے۔ سخت تھکا ہوا انسان تھوڑی دیر سو کر تازہ دم ہو جاتا ہے تو انسان کی یہ حالت کس نے بنائی ہے اور جو لوگ گوشِ دل سے کلام حق سننا چاہیں ان کے لئے اس میں بڑی آیات قدرت ہیں۔

وَمِنْ اٰتِيهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں خوف اور امید کے ساتھ بجلی دکھاتا اور آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پھر زمین کو

بِهِ الْاَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَمِنْ

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، اس میں عقل کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [14] اور اس کی

اٰتِيهِ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۚ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنْ

نشانوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے کھڑے ہیں۔ پھر جب وہ

الْاَرْضِ ۚ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ

تمہیں پکارے گا تو تم زمین سے نکل آؤ گے [15] اور اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے

لَهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يَعِيْدُهٗ ۚ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ

مطیع ہیں [16] اور اللہ وہ ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور لوٹانا اس پر آسان تر ہے

وَلَهٗ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۷﴾

اور اسی کے لئے سب سے بڑی شان ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ [17]

[14] اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں بجلی چمکتی ہے جسے دیکھ کر کبھی خوف پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں کے جھوپڑے اور فصلیں تباہ کر دے گی اور کبھی امید پیدا ہوتی ہے کہ خوب اناج پیدا ہوگا۔ پھر بجلی کے چمکنے کے بعد بارش برسنے لگتی ہے اور بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کے سوا کون ہے جو بارش برساتا اور زمین سے اناج اُگاتا ہے؟ اس میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جب بارش نہیں ہوتی تو خدا کے منکر بھی آسمان کی طرف نظر حسرت سے دیکھتے اور بارش کی التجاء کرتے ہیں۔

[15] اتنا بڑا آسمان کس کے حکم سے بغیر ستون کھڑا ہے اور یہ زمین سائنس دانوں کے نزدیک اپنے محور پر کلومیٹر فی منٹ (82.27km/m) کی رفتار سے گھوم رہی ہے اور وہ سورج کے گرد اپنے مدار میں سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے اس کی رفتار ایک لاکھ سات ہزار دو سو چالیس کلومیٹر فی گھنٹہ (107240km/m) ہوتی ہے۔ تو اللہ کے سوا کون سی طاقت ہے جس نے اتنی بڑی زمین کو فضا میں محو گردش کر رکھا ہے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُمِیْسُکُ

السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَنْ تَزُولَا ۚ ”اللہ نے آسمان اور زمین کو گرنے سے روک رکھا ہے۔“ (فاطر: ۴۱) پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو سب انسان زمین سے نکل آئیں گے اور قیامت بپا ہوگی۔

[16] آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور خواہی نہ خواہی اسی کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے قرآن مجید میں ہے: **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا**۔ ”آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی و ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔“ (رعد: ۱۵) معنی یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کی پابند اور خواہی نہ خواہی اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ وہ جب چاہے صحت دے جب چاہے بیمار کرے جب چاہے زندہ کرے جب چاہے مارے۔

[17] ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی مخلوق کو روز قیامت دوبارہ اٹھائے گا اور دوبارہ اٹھانا انسانی ذہن کے مطابق پہلی بار پیدا کرنے سے آسان تر ہے جب اس نے ہر چیز پہلی بار پیدا کر دی تو موت کے بعد اسے دوبارہ اٹھانا اس کے لئے کیا مشکل ہے اور آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے لئے سب سے بڑی شان ہے، اکثر مفسرین نے اس سے لا الہ الا اللہ مراد لیا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ط هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اللہ نے خود تمہارے حال سے تمہیں ایک مثال بتائی ہے، کہ کیا تمہارے زیر دست غلاموں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس رزق میں

مِّنْ شُرَكَاءَ فِيمَا رَزَقْنَكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ

(تمہارے) شریک ہوں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہوں تم ان سے یوں ڈرو جیسے اپنوں سے

اَنْفُسِكُمْ ط كَذٰلِكَ نُقِصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ

ڈرتے ہو؟ [18] اس طرح ہم عقل کرنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بتاتے ہیں۔ بلکہ ظالموں نے کسی

ظَلَمُوْا اَهُوْا اَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ فَمَنْ يُّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ط وَمَا لَهُمْ

علم کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ تو جسے اللہ گمراہ کرے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کے لئے

مِّنْ نَّصْرِیْنَ ﴿۱۹﴾

کوئی مددگار نہ ہوں گے۔ [19]

دلائل توحید اور رد شرک کا پر مغز بیان

[18] اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ایک مثال سے بات سمجھائی ہے کہ دیکھو کیا تمہارے غلام تمہارے مال میں اس طرح شریک ہو سکتے ہیں کہ تم اور وہ برابر کے حصہ دار ہو جائیں اور پھر تم ان سے یوں ڈرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ کوئی مخلوق اللہ کی خدائی میں یوں شریک ہو جائے کہ اس کا اختیار اللہ کے برابر ہو اور اللہ اس سے یوں ڈرے جیسے کسی چیز میں حصہ دار لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو پیدا نہیں کیا ہوتا بلکہ وہ کسی وجہ سے اس کا غلام بن جاتا ہے جب کہ ہر مخلوق اللہ کی پیدا کردہ ہے جب کسی کا غلام اس کا شریک نہیں بن سکتا تو کوئی مخلوق اللہ کی شریک کیسے بن سکتی ہے؟

حقیقت شرک اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی مذمت

فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط کہ تم اپنے غلاموں کے ساتھ برابر ہو جاؤ اور ان

سے یوں ڈرو جیسے باہم ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔ سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب اپنے جھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں برابر کا حصہ دار بناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اللہ ان سے یوں ڈرتا ہے جیسے باہم حصہ دار ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے ہوتے تو اللہ رب العزت یہ مثال دے کر اس طرح ان کا رد کیوں فرماتا۔ اور آج بھی ہندو لوگ اپنے اوتاروں کو بھگوان یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیارات و قدرت میں شریک جانتے ہیں۔ تو یہ ہے وہ شرک جس کے رد میں سارا قرآن نازل ہوا۔

الحمد للہ کوئی مسلمان اس شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو! بخدا مجھے ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے مگر یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پڑ جاؤ گے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۷۲) اس لئے بات بات پہ مسلمانوں پہ شرک کے فتوے لگانے والے نجدی فکر کے لوگ امت میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں۔

یاد رہے کوئی مسلمان کسی ولی یا نبی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بناتا۔ البتہ مقربین الہی کا وسیلہ بارگاہ الہی میں پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے دعا کی اور خود نبی کریم ﷺ نے نابینا صحابی کو وسیلہ کی تعلیم دی۔ اور اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو غائبانہ پکارتا ہے تو اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کی روح ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہماری مشکل کو حل کر دے۔

[19] مشرکین کسی علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض جہالت کی بنیاد پر بت پرستی کرتے ہیں۔ وہ صرف خواہش کے پیروکار ہیں۔ کسی دلیل کے نہیں اور جب کوئی شخص حق کے مقابلہ میں ایسی ضد بازی سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر گمراہی کی پکی مہر لگا دیتا ہے یہی اس کی سزا ہے اور ایسے شخص کو کوئی ہادی ہدایت نہیں دے سکتا۔

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ

تو تم یکسو ہو کر اپنی توجہ دین کے لئے پختہ کر لو۔ اللہ کے دین فطرت کو پکڑ لو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلٰكِنَّا أَكْثَرُ النَّاسِ لَا

اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں [20] یہ دین مستحکم ہے مگر اکثر لوگ

يَعْلَمُونَ ۚ ۝ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ

نہیں جانتے۔ اللہ کی طرف رجوع رکھو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے

الْمُشْرِكِينَ ۚ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا

نہ بنو۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے

لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۚ

پاس ہے۔ [21]

[20] یعنی اے مومنو! تم دین اسلام کی طرف اپنی ساری توجہ مبذول کر لو۔ کیونکہ یہ وہ دین فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں یعنی کسی استثناء کے بغیر ہر انسان دین اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں اس بات کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہوتا ہے وہ فطرت اسلام لے کر آتا ہے۔

ہر بچہ فطرت اسلام پہ پیدا ہوتا ہے

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَوْاهُ يَهُودَانَهُ أَوْ نَصْرَانَهُ أَوْ مَجَسَّانَهُ۔“ یعنی ”ہر نومولود

بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ جیسے ہر جانور صحیح الاعضاء پیدا ہوتا ہے پھر بعض جانوروں کے کان یا سینگ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔“

(بخاری کتاب الجنائز باب ۸۰ حدیث ۱۳۵۹، مسلم کتاب القدر حدیث ۲۲)

یہی وجہ ہے کہ ولادت کے وقت بچے کا سر پہلے ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ نیچے زمین کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ گویا

وہ اس اللہ وحدہ لا شریک خالق کو سجدہ کرتے ہوئے پیدا ہوتا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ اور ہر بچے کا دین فطرت پر پیدا ہونا اس لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ میثاق عالم ارواح میں سب ارواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کا سوال کیا تھا تو سب ارواح نے کہا: بلی، یعنی کیوں نہیں اے اللہ تو ہم سب کا رب ہے۔ (اعراف: ۱۷۲) تو ہر بچہ روزِ اول کے اسی میثاقِ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کہہ رہی ہے۔

کفار کے نا سمجھ بچے جنتی ہیں

جب ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے تو اگر وہ سمجھ داری حاصل ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو خواہ وہ کفار کے ہاں پیدا ہو۔ بہر حال وہ مسلمان متصور ہوگا اور جنت میں جائے گا۔ کیونکہ ابھی اس کے والدین نے اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی نہیں بنایا۔ اور بخاری کتاب التعمیر باب ۴۸ میں حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ نا سمجھی میں فوت ہونے والے مشرکین کے بچے جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گرد جمع ہیں۔ یہ حدیث اس بات پہ نص ہے کہ مشرکین و کفار کے نا سمجھ بچے جنتی ہیں۔ کیونکہ وہ فطرتِ اسلام پہ پیدا ہوئے اور فطرتِ اسلام پہ فوت ہو گئے۔

[21] لہذا اے مومنو! تم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اپنا رخ رکھو کسی جھوٹے خدا کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز پابندی سے پڑھو کیونکہ نماز پڑھنے والا انسان مشرک نہیں ہو سکتا خواہ اس پر کتنے ہی شرک کے فتوے لگیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیئے اور وہ گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے نظریہ پر خوش ہے چنانچہ مشرکین کے ہر گروہ نے اپنے اپنے خدا بنا رکھے ہیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ کوئی پتھروں کو پوجتا ہے کوئی درختوں کو کوئی جانوروں کو کوئی ستاروں کو اور کوئی انسانوں کو۔

نماز شرک سے بچاتی ہے

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۳۱﴾ سے معلوم ہوا امت مسلمہ بت پرستوں اور یہود و نصاریٰ جیسے شرک سے اس لئے محفوظ ہے کہ وہ نماز پڑھتی ہے یعنی مسلمانوں کو عقیدہ توحید پر قائم رکھنے میں نماز کا اہم کردار ہے۔ جو پیشانی اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہے وہ کسی اور کے آگے سجدہ نہیں کر سکتی، اور جو چند جاہل مسلمان غیر خدا کے آگے سر جھکاتے ہیں وہ سجدہ نہیں کرتے بلکہ آداب بجالاتے ہیں۔ اگرچہ کسی کے آگے ادب و تعظیم میں حد رکوع یا حد سجدہ تک جھکنا حرام اور گمراہی ہے، مگر یہ شرک نہیں ہے۔

نماز پڑھنے والا شخص مشرک نہیں ہو سکتا

جب نماز شرک سے بچاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بصورتِ نماز جھکنے والا مسلمان مشرک نہیں

ہو سکتا۔ اسے مشرک کہنا تفرقہ بازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر افسوس آج بعض انتہا پسند تفرقہ باز لوگ اپنے سوا دوسرے مسلمانوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ خصوصاً سعودی عرب کے موجودہ نجدی علماء اس بارے میں سخت شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ انکے نزدیک کسی نبی یا ولی کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی شرک ہے جیسا کہ ان کی بارے کتابوں سے ظاہر ہے جو وہ حجاج میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ انتہا پسندی اور غلو فی الدین نہیں تو اور کیا ہے۔

دین میں تفرقہ بازی کی مذمت

الَّذِينَ فَرَّقُوا دِيْنَهُمْ کہہ کر مسلمانوں کو بھی بالواسطہ تفرقہ بازی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔ (آل عمران: ۱۰۳) تفرقہ بازی یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی بعض نصوص کا من پسند معنی کر کے ان پر اپنے مخصوص نظریات کی عمارت کھڑی کر لینا اور باقی سارے قرآن اور ذخیرہ حدیث سے منہ موڑ لینا۔ جیسے آج ختم نبوت، حدیث رسول، مقام صحابہ اور توسل و شفاعت وغیرہ کے منکر فرقوں کا یہی طریقہ ہے۔

لفظ شیعہ قابل فخر لفظ نہیں ہے

یہاں فَرَّقُوا دِيْنَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا میں شِيعًا شیعہ کی جمع ہے۔ شیعہ کا معنی گروہ ہے اور یہاں مشرکین کے گروہوں کو شیعہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح جہنم میں جانے والے کافر گروہوں کو بھی قرآن میں شیعہ کہا گیا ہے: ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ”پھر ہم ہر منکر گروہ میں سے ان (لیڈروں) کو نکال کر الگ کر لیں گے جو رحمان کے سخت تر نافرمان تھے۔“ (مریم، ۶۹) تو جو لفظ کفار و مشرکین اور اہل جہنم کے لیے بھی بولا گیا ہے اسے اگر دعویٰ اسلام رکھنے والے لوگ اپنے لیے شعار بنائیں تو اچھی بات نہیں ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ

اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچے تو وہ اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں اپنی

رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ ط

رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

فَتَمَتَّعُوا ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ أَمْ أَنْزَلْنَاهُمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا

تاکہ جو ہم نے انہیں دیا اس سے انکار کریں، تو تم مزے اڑالو عنقریب تم جان لو گے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے جو ان کے

كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ط وَإِنْ تُصِيبَهُمْ

شرک پر گواہی دیتی ہو؟ [22] اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر انہیں ان کے

سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

کرتوتوں کے سبب کوئی بُرائی پہنچے تو تب وہ مایوس ہو جاتے ہیں [23] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لئے

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

چاہے رزق کھول دیتا اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ [24]

[22] مشرکین عرب پر جب کوئی مصیبت آتی تو وہ سب جھوٹے خداؤں کو بھول کر صرف ایک اللہ کو خلاص کے ساتھ پکارنے لگتے پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں مصیبت کی جگہ رحمت دے دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرتے ہوئے پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ تم مزے اڑالو عنقریب تمہیں اپنی کرتوت کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا مشرکین صرف مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور مومن کی یہ شان ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے خواہ خوشی ہو یا غمی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا مشرکین کے پاس اپنی بت پرستی کے جواز میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ کوئی دلیل ہے جو ان کے شرک کا جواز بیان کرتی ہو؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

[23] یہ انسان کی عمومی حالت ہے کہ وہ رحمت ملنے پر اللہ تعالیٰ سے غافل اور مصیبت آنے پر اللہ تعالیٰ سے مایوس ہو جاتا ہے، اور کہنے لگتا ہے بس ہمارا مقدر ہی ایسا ہے۔ ہمارے نصیب میں کوئی خیر نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی مصیبت اس

کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصْلِحِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ ”انسان کو جلد باز بنایا گیا ہے۔ جب اسے بُرائی پہنچتی ہے تو واویلا مچاتا ہے اور جب بھلائی ملتی ہے تو نافرمان بن جاتا ہے۔ سوا ان لوگوں کے جو نماز پہ پابندی کرتے ہیں۔“ (معارف، ۱۹ تا ۲۳)

معلوم ہوا کہ مومن کو چاہئے کہ وہ رحمت ملنے پر شکر اور مصیبت آنے پر صبر سے کام لے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا حال عجیب ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا خیر بن جاتی ہے۔ وہ خوشی میں شکر کرتا ہے تو وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور مصیبت میں صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے اچھا ہو جاتا ہے۔“ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۶۳)

[24] ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس پر ناراض ہو اس کا رزق تنگ کر دیتا اور جس پر خوش ہو اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ بلکہ وہ کبھی اپنے دشمنوں کی رسی دراز کر دیتا ہے اور پھر انہیں اچانک غفلت میں پکڑتا ہے اور کبھی اپنے نیک بندوں پہ رزق تنگ کر کے انہیں توفیق صبر دیتا اور ان کے درجات بلند فرماتا رہتا ہے۔ لہذا مومن کو چاہئے کہ وہ تنگی و فراخی ہر حالت میں رضاء رب پر راضی رہے۔

فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۖ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ

تو قریبی عزیز کو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی

يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۸﴾ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا

رضا چاہتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں [25] اور تم جو سود دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں

لَّيْرُبُوا فِيْٓ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ

(شامل ہو کر) بڑھے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو تم رضاء الہی چاہتے ہوئے

تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۲۹﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ دونا دون کماتے ہیں۔ [26] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا

ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مِّنْ

پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے جھوٹے خداؤں میں سے

يَفْعَلُ مِن ذٰلِكُم مِّنْ شَيْءٍ ۖ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۰﴾

بھی کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔

[25] یعنی ہر قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ مثلاً نہ بیوی بچوں کی وجہ سے والدین اور بھائیوں کا حق مارونہ والدین اور بھائیوں کے کہنے پر بیوی بچوں کو محروم کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو بھی ان کا حق دو اور ایسا اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے کرو کہ اسی میں کامیابی ہے۔ دکھاوے اور احسان جتلانے کے لئے ایسا مت کرو۔

نادار والدین بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا خرچہ قریب ترین عزیزوں پر لازم ہے معلوم ہوا کہ اگر والدین بوڑھے ہیں کہ کچھ کما نہیں سکتے تو ان کا خرچہ ان کے بچوں پہ لازم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بھائی بہن اس حالت میں ہے کہ کما نہیں سکتا تو اس کا خرچہ بھی دوسرے بھائیوں پہ لازم ہے۔ کیونکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ۔ ”کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔“ یعنی تم انہیں کچھ دے کر ان پہ احسان نہیں کرو گے بلکہ ان کا تم پہ حق تھا جو تم نے ادا کیا۔ اب وہ حق کیا ہے؟ تَوَوَّ عَلٰی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ؕ (سورہ بقرہ، آیت: ۲۳۳) میں بتایا

گیا ہے جو قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، جیسے والدین، اولاد، بیوی، بھائی، بہنیں وغیرہ۔ ان میں سے اگر کوئی اپنا حج و معذور یا نادار ہو تو اس کا خرچہ اس کے مالدار قریبی رشتہ داروں پہ حق وراثت کے حساب سے لازم ہے، اس کی کچھ تفصیل وہیں سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۳ کے تحت گزر گئی ہے وہاں دیکھیں۔

مالداروں پہ غریبوں مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے

اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ و عشر اور دیگر صدقات واجبہ ان تک پہنچائے جائیں۔ جو ان کا حق نہیں دیتا وہ حرام کھاتا ہے۔ جیسا کہ قَاتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٖ وَالْيَتٰمٰی وَالسَّابِیْنَ ۝ سے ظاہر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّابِیْلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (۱۹) ”اور ان کے اموال میں سائلین اور محروم لوگوں کا حق ہے۔“ (ذاریات، ۱۹) سائلین وہ ہیں کہ وقتی طور پہ حاجت مندی کا شکار ہو گئے ہیں اور محرومین وہ ہیں جو مستقل طور پہ حاجت مند ہیں۔

[26] بعض لوگ سود کے ذریعے اپنا مال بڑھانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مال میں برکت ڈالنے والا اللہ ہے۔ وہ سود کے ذریعے برکت نہیں ڈالتا بلکہ زکوٰۃ (یعنی صدقات و خیرات) دینے کی صورت میں مال میں برکت ڈالتا اور مال کو دونا دون (دُگنا) بڑھا دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے: یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَیُزِیْدِی الصَّدَقٰتِ ۝ ”وہ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“ (سورہ بقرہ، آیت: ۲۷۶) یاد رہے برکت ضروری نہیں کہ دنیوی ہو اصل برکت تو اخروی ہے۔ اور دنیا میں بھی سودی کاروبار والے عموماً بالآخر روتے ہی دیکھے جاتے ہیں اور اخروی خسارہ الگ ہے اور صدقات و خیرات کرنے والوں کا رزق دنیا میں بھی بڑھتا ہے اور اخروی اجر کا تو کیا کہنا۔

یہاں زکوٰۃ سے مطلق صدقات مراد ہیں کیونکہ یہ سورہ روم ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ اسی لئے مکی سورتوں میں جہاں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے اس سے مطلقاً صدقات و خیرات مراد ہوتے ہیں۔ جیسے سورہ مومنون آیت 4، سورہ نمل آیت 3، سورہ لقمان آیت 4، سورہ فصلت آیت 7، سورہ مزمل آیت 20 اور سورہ بینہ آیت 5 میں ذکر کیا گیا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ

خشکی اور سمندر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے فساد برپا ہوا تاکہ اللہ انہیں ان کے

الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

بعض اعمال کی سزا چکھائے تاکہ وہ باز آئیں [27] آپ فرما دیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۖ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۲۸﴾

پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا ان میں سے اکثر مشرکین تھے [28]

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ

تو تم دین محکم کے لئے اپنی توجہ پختہ کر لو اس سے قبل کہ وہ دن آجائے جس کا اللہ کی طرف سے ٹلنے کا کوئی امکان نہیں،

اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصْدَعُونَ ﴿۲۹﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا

اس دن لوگ باہم بٹ جائیں گے۔ جس نے کفر کیا اس پر اس کا کفر پڑے گا اور جس نے اچھا عمل کیا

فَلَا تُفْسِدُهُمْ يَمْهَدُونَ ﴿۳۰﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ

تو یہ لوگ اپنے بھلے کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ [29] تاکہ اللہ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو اپنے فضل سے

فَضْلِهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۱﴾

جزا دے بے شک وہ کافروں کو پسند نہیں رکھتا۔ [30]

ردِ شرک، تحقیق رسالت اور آیات قدرت کا بیان

[27] یعنی جب انسان زمین پر بازار گناہ گرم کرتے ہیں تو اس کی نحوست خشکی اور سمندر میں ظاہر ہوتی ہے قحط سالی آتی ہے اور عذاباات اترتے ہیں بارش برسا بند ہو جاتی ہے جس سے خشکی کے جانور مرتے اور سمندر کی مچھلیاں متاثر ہوتی ہیں اور حضرت زید بن رفیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”بارش نہ ہونے سے سمندری جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔“ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۹۷) اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کی ناشکری و نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آتا ہے، جس کے

سبب بحر و بر میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً زلزلے آتے ہیں، جن سے پورے پورے شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور سمندروں میں طغیانیاں آتی ہیں جو بسا اوقات انسانی آبادیوں کا رخ کر لیتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں افراد ان کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح اللہ انسانوں کو ان کے بعض بُرے اعمال کا مزہ چکھاتا ہے یعنی بعض اعمال سے درگزر فرماتا ہے۔

اس آیت کی دیگر تفاسیر بھی ہیں۔ مثلاً اسکی تفسیر یہ بھی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے خلاف قتل و غارت کا سلسلہ خشکی کی طرح سمندر میں بھی جاری کرتے اور ایک دوسرے کی کشتیاں ڈبوتے ہیں۔ بلکہ آج تو ہر ملک کی اپنی بحری فوج ہے جسکو بعض ممالک دوسرے ممالک کے خلاف استعمال کرتے ہوئے ناجائز طریقہ سے ان کے بحری راستے مسدود کر دیتے ہیں۔ یوں انسان خشکی و سمندر دونوں میں اپنے کرتوتوں کے ذریعہ فساد پیا کرتا ہے۔

[28] یہ کہا گیا کہ انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پھیلتا ہے اور ان کو ان کے گناہوں کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔ تو اب آگے فرمایا جا رہا ہے کہ گزشتہ مشرک قوموں نے جب اسلام کے خلاف کفر و شرک کی آندھی چلائی تو ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہلاک ہونے والی گزشتہ اقوام اکثر مشرک تھیں یعنی ان کی دیگر بد اعمالیوں کے علاوہ وہ اکثر مشرک بھی تھیں۔ گویا ان کی بد اعتقادی ان کا بڑا جرم تھی دوسرے جرائم کا درجہ کم تر تھا۔

[29] یعنی قیامت کا دن جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ قیامت کا دن آنے سے قبل دین اسلام کے احکام پر سختی سے عمل کر لو اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے کفر والوں پر ان کے کفر کا وبال پڑے گا اور اچھا عمل کرنے یعنی ایمان لانے والوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی کیونکہ وہ دنیا میں اپنے ہی بھلے کی تیاری کر رہے ہیں۔

[30] روز قیامت اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو اپنے فضل سے بہتر جزا یعنی جنت عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں رکھتا اس لئے وہ انہیں آخرت میں کوئی نعمت نہ دے گا اور ایمان والوں کو ان کے عمل صالح کی جزا ملے گی۔ اس آیت میں مِّنْ فَضْلِهِ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت جس کو جنت دے گا اپنے فضل سے دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے برابر کوئی بھی اس کی عبادت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے اعمال سے جنت کا حقدار بنے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”روز قیامت ایک شخص آئے گا جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو گا اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کیا میں تمہیں تمہارے عمل کے مطابق جزا دوں یا اپنے فضل سے جنت عطا کروں؟ وہ کہے گا اے اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا (لہذا تو مجھے میرے عمل کے مطابق جزا دے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے تمام اعمال کو میری عطا کردہ کسی نعمت کے ساتھ تولو تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اس کے تمام اعمال سے بھاری ہو جائے گی۔ تب اللہ فرمائے گا اب تم میرے فضل سے جنت میں چلے جاؤ۔“

(مظہری جلد ۷ صفحہ ۲۳۹ بروایت طبرانی)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيَذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بشارت سنانے والی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت چکھائے اور کشتیاں

الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ

اس کے حکم سے چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجا لاؤ [31] اور آپ سے قبل

أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاَنْتَقَمْنَا

ہم نے رسولوں کو ان کی اقوام کی طرف مبعوث کیا تو وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر ہم نے

مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۲﴾ اللَّهُ الَّذِي

جرم کرنے والوں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے [32] اللہ وہ ہے جو

يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ

ہوائیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھا لاتی ہیں پھر اللہ بادل کو آسمان میں جیسے چاہے پھیلا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے بنا دیتا ہے

كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۚ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ

پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر جب وہ اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے

عِبَادَةٍ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ

پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کے ان پر برسائے جانے سے قبل

مِّنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿۳۴﴾ فَانْظُرْ إِلَىٰ أَثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ

وہ یقیناً مایوس تھے [33] تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۵﴾

زندہ کر دیتا ہے، بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [34]

[31] اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ بارش سے قبل بارش کی بشارت لانے والی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ لوگ اس کی رحمت کا مزہ چکھیں اور ہواؤں کے دباؤ سے کشتیاں چلتی ہیں اور لوگ کشتیوں کے ذریعے سفر کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرتے ہیں اور اس کا شکر بجالانے والے شکر بجالاتے ہیں۔ تو آخر اللہ کے سوا کون ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو پھر اللہ ہی مستحق عبادت ہے مگر یہ بات مشرکوں کی عقل میں نہیں آتی۔

[32] اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی جسمانی راحت کے لئے ہوائیں چلائیں اسی طرح اس نے اس کی روحانی راحت کے لئے رسالت کی ہوائیں چلائیں۔ مرسلین گرامی واضح نشانیاں یعنی اللہ کا کلام اور معجزات لے کر آئے۔ مگر کچھ بد بخت لوگوں نے ان سے دشمنی کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ان سے انتقام لیا اور انبیاء اور ان کے مومن ساتھیوں کی مدد کی، کیونکہ مومنوں کی مدد ہمارے ذمے ہے۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اسلام دشمن قومیں ایک نہ ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ جاتی ہیں: تو میں محض کفر کے ساتھ پٹپٹ سکتی ہیں مگر اہل اسلام پر مظالم روا رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ جہاد کا حکم بھی سب کفار کے خلاف نہیں ہے بلکہ دشمنان اسلام و دشمنان اہل اسلام کے خلاف ہے۔ جو قومیں اسلامی حکومت کو مان لیں یا مسلمانوں سے مصالحت کر لیں ان کے خلاف جہاد نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) مومنوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۵﴾ مگر شرط یہ ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کریں اسی لئے فرمایا گیا: وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۶﴾ ”اگر تم (مخلص) مومن ہو تو تم ہی غالب ہو۔“ (آل عمران: ۱۳۹)

[33] اللہ تعالیٰ ہواؤں کے دوش پر بادلوں کی فوج دنیا کے مختلف حصوں کی طرف بھیجتا ہے جب وہ اپنی منزل پہ پہنچتے ہیں تو ان کے اندر سے موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے اور منزل پہ پہنچنے سے قبل نہیں برستی اور اس کے برسنے سے قبل وہاں کے لوگ مایوس بیٹھے ہوتے ہیں پھر باران رحمت کے نزول سے ان کے دل خوشی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ آخر اللہ کے سوا یہ بارشیں کون برساتا ہے کیا مشرکوں کے جھوٹے خدا ایسا کرتے ہیں؟ ان کا اس سے کیا واسطہ ہے۔

[34] اللہ رب العزت خشک مردہ زمین پر بارش برسا کر اسے زندہ کر دیتا ہے یعنی اس میں خشک گھٹیوں اور خشک بیج سے لہلہاتے درخت اور کھیت پیدا کر دیتا ہے تو جو رب یہ کر سکتا ہے کیا وہ روز قیامت خشک ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گا؟ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلٰیۤنُ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاوَهُ مُصْفَرًّاۙ الظُّلُوۤا مِنْۢ بَعْدِہِ یَکْفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّکَ

اور اگر ہم (گرم) ہوا بھیجیں جس کی وجہ سے وہ اپنی کھیتی کو زرد (خشک) پائیں تو وہ اس کے بعد کفر کرنے لگتے ہیں۔ [35] تو بے شک

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیۡنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا

آپ مردوں کو (ہدایت کی بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر جائیں۔ اور نہ

اَنْتَ بِہِدِ الْعُمٰی عَنْ ضَلٰلَتِہِمۡ ط اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِآیٰتِنَا فَہُمۡ

آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دے سکتے ہیں، آپ تو اس کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے تو وہی

مُسْلِمُوۡنَ ﴿۵۳﴾ ع

سر جھکاتے ہیں۔ [36]

[35] یعنی کفار کی اللہ تعالیٰ سے بے وفائی کا یہ حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بارش برسا کر ان کے لئے زمین سے اناج اُگائے تب وہ خوشیاں مناتے ہیں اور جب وہ ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر گرم ہوا بھیجے جس سے ان کی کھیتی خشک ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوا مومن ایسے نہیں کرتا بلکہ وہ ہر حال میں رضاء الہی پر راضی و خوش رہتا ہے۔

[36] جب کفار کے عناد کی یہ حالت ہے تو اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ایسے مردہ دل لوگوں کو ہدایت کا پیغام نہیں سنا سکتے اور جب وہ آپ کی بات سننے کی بجائے پیٹھ پھیر کر اٹھتے ہیں تو آپ ایسے بہرے لوگوں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے اور جب وہ راہ ہدایت دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو آپ ان اندھوں کو کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ آپ تو انہی لوگوں کو پیغام حق سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانا چاہیں اور سر جھکائیں۔

سماع موتی پہ تحقیق اور اس کے خلاف شبہات کا رد

ان دو آیات سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ مردے نہیں سنتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی، آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ جب نبی کریم ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کیسے سنا سکتا ہے لہذا کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر یا غائبانہ اس سے توسل و استغاثہ کرنا حرام اور کفر و شرک ہے۔ مگر یہ استدلال محض غلط اور کامل گمراہی ہے۔ ان آیات کا ہر لفظ بتا رہا ہے کہ یہاں دل کے مردے اور دل کے اندھے اور بہرے یعنی ضدی کفار مراد ہیں اسی لئے آخر میں فرمایا گیا: اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ، یعنی آپ تو صرف مومنوں کو سنا سکتے ہیں۔ اور قرآن میں کئی جگہ کفار کو

مردے بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا ہے جیسے سورہ بقرہ: آیت 18، سورہ یونس: آیت 42، 43، سورہ نمل: آیت: 80، 81، سورہ فاطر: آیت 23 و 19 میں آیا ہے۔

رہا یہ کہ مردے برزخی زندگی میں سنتے ہیں یا نہیں تو قرآن و حدیث کے مطابق وہ نہ صرف سنتے ہیں بلکہ دیکھتے اور جانتے پہنچانتے بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمایا انہیں مردہ نہ کہو اور مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں۔ (بقرہ، ۱۵۴: آل عمران، ۱۶۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ ﴿٥﴾ آپ ان رسولوں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا کوئی خدا بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟ (زخرف، ۴۵) گویا جو رسولان گرامی فوت ہو گئے ہیں ان سے سوال کرنے کا کہا گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب لوگ اپنے کندھوں پہ جنازہ اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے مجھے جلد لے چلو اور اگر بد ہو تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور انس و جن کے سوا ہر مخلوق اس کی آواز سنتی ہے اور اگر انسان یہ آواز سن لے تو ہوش میں نہ رہے۔“ (بخاری کتاب الجنائز باب ۵۱، نسائی کتاب الجنائز باب ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولان بدر (ابو جہل و عقبہ وغیرہ) سے خطاب کیا کہ کیا تم نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ما انتم باسمع منهم غیر انہم لا یستطیعون ان یجیبوا۔ تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ مگر یہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب لوگ مردے کو دفنانے کے بعد لوٹتے ہیں۔ حتیٰ انہ لیسمع قرع نعالہم۔ تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ بھی سن رہا ہوتا ہے۔“

(بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷، مسلم کتاب صفۃ الجنۃ حدیث ۷۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المیت یعرف من یغسلہ و یحملہ و من یکفنه، و من یدلیہ فی حفرتہ۔ میت جانتی ہوتی ہے کہ اسے کون غسل دے رہا، کون اٹھا رہا، کون کفن دے رہا اور کون قبر میں اتار رہا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی قبروں پہ کھڑے ہو کر فرمایا: ”لوگو ان کی قبروں پر آیا کرو قیامت تک جو انہیں سلام کہے گا یہ ضرور اسے جواب دیں گے۔“ (متدرک للحاکم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸) الغرض کثیر احادیث صحیحہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ مردے سنتے جانتے ہیں حتیٰ کہ کفار بھی۔ تو مومنین اور ان میں سے شہداء و صالحین اور مرسلین کا کیا کہنا ہے۔

بلکہ بعض صالحین تو اپنی قبور میں قرآن پڑھتے اور عبادات کرتے ہیں اور اپنے زائرین کو اچھی طرح جانتے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ نے ایک جگہ خیمہ لگایا تو نیچے کوئی قبر تھی اور اس میں سے کسی کے سورہ ملک کے پڑھنے کی آواز آنے لگی۔ پڑھنے والے نے ساری سورت مکمل کی۔ رسول اللہ ﷺ سے ماجرا عرض کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت مانعہ ہے جو عذاب کو منع کر دیتی ہے اور منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن حدیث ۲۸۹۰) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک تمہارے اعمال تمہارے وفات یافتہ قرابت داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو خوش ہوتے ہیں اگر بُرے ہوں تو کہتے ہیں اے اللہ انہیں مرنے سے قبل توبہ کی توفیق دے دے۔“

(مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۶۵)

البتہ یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے بارے میں فرمانا: فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْكَلِمَۃَ الَّتِي تَقُولُ، تم مردوں کو نہیں سنا سکتے، اس معنی میں ہے کہ کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی جیسے مردے نہیں سن سکتے اسی طرح کفار ہدایت کی بات نہیں سن سکتے، تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سن سکتے اور یہی قرآن کا مفاد ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ کلام مردوں کی ظاہری حالت کے مطابق ہے۔ کیونکہ بظاہر مردے نہیں سنتے اور ان کا سننا اگرچہ برحق ہے مگر ہم اس کی حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے۔ یہ اسی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ (بقرہ، ۱۵۴) اور قرآن میں کئی مقامات پہ چیزوں کی ظاہری حالت کے مطابق کلام کیا گیا ہے۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا ففِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ ”نیک بخت لوگ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان ہیں۔“ (ہود، ۱۰۸) چونکہ انسان کی عام سوچ یہی ہے کہ زمین و آسمان ہمیشہ رہنے والے ہیں تو زمین و آسمان کی ظاہری حالت کے مطابق یہ بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح بظاہر مردے نہیں سنتے تو اس بنیاد پہ کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی۔

میت کے پوسٹ مارٹم کی ممانعت اور اموات کو برطانیہ سے پاکستان لیجانے کی قباحت ان تمام احادیث کی روشنی میں جب ثابت ہو گیا کہ میت سب کچھ سنتی، دیکھتی اور جانتی ہے تو پھر اس کا پوسٹ مارٹم کرنا۔ اور اس کا چیر پھاڑ کرنا شرعاً حرام ہے۔ رہا اس کو دفنانا تو یہ ایک شرعی ضابطہ ہے اس کو مکمل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردہ جانتا دیکھتا نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں صاف آگیا کہ مردہ کو دفنا کر جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے پاؤں کی آہٹ بھی سن رہا ہوتا ہے۔ یہاں برطانیہ میں کئی لوگ اپنے رشتہ داروں کی میتوں کو پاکستان لے جا کر دفناتے ہیں، جس کے لیے میت کی چیر پھاڑ کی جاتی اور اس میں مختلف کیمیکلز بھرے جاتے ہیں تاکہ

میت راستہ میں خراب نہ ہو اور اگر ان کو برطانیہ ہی میں دفن کر دیا جائے تو کسی چیر پھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاوجہ ان حالات میں میت کو پاکستان لیجانا جائز نہیں ہے، یہ میت کی بے حرمتی ہے اور اس کو بے جا اذیت سے دوچار کرنا ہے۔

رہا وہ فقہی جزیئہ کہ اگر حاملہ عورت فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو تو عورت کا پیٹ پھاڑ کر اس میں سے بچہ کو نکالنا جائز ہے۔ تو وہ ایک ضرورت ہے ایک بے بسی کی صورت ہے۔ اس کے لیے ہم مجبور ہیں اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ بچہ مر جائے گا۔ جبکہ میت کو پاکستان لیجانا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ

قوت بنائی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا رکھ دیا۔ اللہ جو چاہے پیدا کرے

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ (37) وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ۚ مَا

وہ علم والا قدرت والا ہے [37] اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم لوگ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں)

لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۖ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ (38) وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

ایک گھڑی کے سوا نہ رہے تھے وہ اسی طرح جھوٹ گھڑتے تھے اور جنہیں علم اور

الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَذَا

ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ تم اللہ کی تحریر کے مطابق روز قیامت تک ٹھہرے تھے۔ تو یہ

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (39) فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ

روز قیامت ہے، مگر تم جانتے نہ تھے۔ تو اس دن ظالموں کو

ظَلَمُوا مَعْذِرَتَهُمْ وَلَا هُمْ يَسْتَعْتَبُونَ ۝ (40) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي

ان کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ ہی ان کی خوشی چاہی جائے گی [38] اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے

هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۖ وَلَكِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ

ہر مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لائیں تو کفر کرنے والے

كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝ (41) كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ

کہتے ہیں تم تو بس جھوٹ گھڑتے ہو، اسی طرح اللہ نہ جاننے والوں کے دلوں پر

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۴۰﴾

مہر لگا دیتا ہے۔ تو آپ صبر رکھیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقین نہ لانے والے آپ کو کمزور نہ کر دیں [39]

عظمتِ ربوبیت اور حقانیتِ قیامت کا بیان

[37] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و قدرت کی یہ عظیم نشانی ہے کہ انسان بہت کمزور پیدا ہوتا ہے وہ اس وقت اپنی مرضی سے پہلو بھی نہیں بدل سکتا کچھ کھانا پینا یا لباس پہننا تو درکنار۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو آہستہ آہستہ قوت عطا فرماتا ہے وہ شیر خوارگی سے بچپن، بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی تک جا پہنچتا ہے جہاں اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر چالیس برس کی عمر کے بعد اس کے جسم میں کمزوری آنے لگتی ہے پھر وہ وقت آتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے پہلو بد لے اور کھانے پینے اور لباس پہننے سے معذور اور ذہنی طور پر بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُؤَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ”اور تم میں سے بعض کو کمزور ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے کہ وہ جاننے کے باوجود کچھ نہ جانے۔“ (ج: ۵) تو یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے وہ جیسے چاہے پیدا کرے۔ وہ علم و قدرت والا ہے۔

اس میں یہ درس ہدایت ہے کہ جوانی اور حسن ظاہری ڈھلتی چھاؤں ہے یعنی زور جوانی کے گھمنڈ میں کسی کمزور کا مذاق اڑانا یا اسے ستانا بہت فتنہ حرکت ہے۔ بلکہ انسان کو جسمانی قوت پہ اڑنے کی بجائے اپنے اندر روحانی قوت پیدا کرنی چاہیے اور جسمانی حسن پہ نازاں ہونے کی بجائے اپنے اندر اخلاق صالحہ کا روحانی حسن لانا چاہیے۔

[38] روز قیامتِ نجر میں یعنی کفار و مشرکین کہیں گے کہ وہ دنیا میں صرف ایک گھڑی رہے تھے لہذا انہیں توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کا وقت ہی نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح وہ دنیا میں بھی جھوٹ گھڑتے تھے یعنی جھوٹے خداؤں کی پرستش کرتے اور قیامت سے انکار کرتے تھے۔ ویسا ہی جھوٹ وہ روز قیامت گھڑ لیں گے۔ کفار کی اس بات کے جواب میں وہ لوگ جو حق کا علم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے کہیں گے کہ تم دنیا میں ایک گھڑی نہیں بلکہ دنیا میں طویل زندگی گزار کر قبروں میں تا قیامت رہے اور اب تم قیامت میں کھڑے ہو مگر تم قیامت پہ یقین نہ لاتے تھے تب کفار معذرت کریں گے مگر اس دن معذرت کرنا کام نہ آئے گا اور نہ ان کی کوئی خوشی یا خواہش پوری کی جائے گی۔

[39] قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر وہ مثال بیان کر دی ہے جس سے کسی گمراہ انسان کو ہدایت مل سکتی ہے مگر جن کے نصیب میں ہدایت نہیں وہ ساری مثالیں سن کر بھی ہدایت نہیں پکڑتے۔ اس لئے آگے فرمایا گیا کہ اے پیارے

محبوب ﷺ! جب آپ کفار کو قرآن کی کوئی آیت سناتے ہیں تو کفار کہتے ہیں تم نے اسے اپنی طرف سے بطور جھوٹ گھڑا ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ جب بھی آپ انہیں کوئی معجزہ دکھاتے ہیں تو کفار کہتے ہیں کہ تم نے جادو سے یہ شعبدہ کیا ہے۔ ایسے ضدی لوگوں کے دلوں پہ اللہ مہر لگا دیتا ہے یہ لوگ جاننا ہی نہیں چاہتے لہذا اے پیارے محبوب ﷺ! آپ ان کے انکار پر صبر رکھیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اللہ کی مدد آنے والی ہے اور آپ کی باتوں پہ یقین نہ لانے والے آپ کے حوصلے کو کمزور نہ کر دیں۔ معلوم ہوا مبلغ دین کو لوگوں کے انکار کے باوجود پورے عزم کے ساتھ اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔

الحمد للہ آج 20 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 26 اپریل 2008ء بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل سورہ روم کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة لقمان

چونکہ اس سورت میں حضرت لقمان کا ذکر ہے اس لئے اسے سورہ لقمان کہا گیا۔ دراصل اس سورت کے دوسرے رکوع میں ان نصائح کا بیان ہے جو حضرت لقمان ؑ نے اپنے بیٹے سے فرمائیں۔ یہ نصائح اس قدر جامع ہیں کہ تمام اسلامی عقائد و اعمال کی روح ان میں سمائی ہوئی ہے۔ اس لئے انہیں یہاں اس اہتمام سے بیان کیا گیا۔

اس سورت میں چار (4) رکوعات چونتیس (34) آیات، پانچ سواڑتالیس (548) کلمات اور دو ہزار ایک سو دس (2110) حروف ہیں۔ یہ مکی سورت ہے مگر تعین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مکہ میں کس سن بعثت میں نازل ہوئی البتہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ترتیب نزول سورت ہائے قرآن کے مطابق، یہ سورت سورہ صافات کے بعد اور سورہ سبا سے قبل نازل ہوئی اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 56 ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے 31 ویں سورت۔

حضرت براء ؓ سے مروی ہے کہ فرمایا: ”ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز ظہر پڑھتے تھے اور ہم سورہ لقمان اور سورہ ذاریات کی ایک ایک آیت الگ الگ سنتے تھے۔“ (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب ۸ حدیث ۸۳۰) یعنی حضور نبی کریم ﷺ نماز ظہر پڑھیں ان سورتوں کو یوں والہانہ انداز میں پڑھ رہے تھے کہ خفیہ تلاوت کے باوجود صحابہ کرام کو آپ کی قرأت سنائی دے رہی تھی۔

سورہ لقمان کے پہلے رکوع میں موسیقی کی حرمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں خدائی نعمتیں گنوائی گئی ہیں۔ دوسرے رکوع میں حضرت لقمان ؑ کا واقعہ ہے۔ اور ان کی اپنے بیٹے کے لیے ایمان افروز نصائح کا بیان ہے۔ تیسرے رکوع میں جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے وہاں اس کی قدرتوں اور عظمتوں کا بیان ہے اور آخری رکوع میں بتایا گیا ہے مشرکین مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کے بعد پھر اپنے کرتوتوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں، پھر علم الہی کا بیان ہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورہ روم ہے جس میں توحید ربانی کے مفصل دلائل ہیں اور یہی مضمون سورہ لقمان میں بھی شروع ہو رہا ہے، اور دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ پھر یہ سورتیں وہ ہیں جو الف، لام، میم سے شروع ہو رہی ہیں۔ ان کو اکٹھا رکھا گیا ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

۳۲ آیاتہا ۳۱ سُورَةُ لُقْمَن مَكِّيَّةٌ ۵۷ رُكُوعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْم ۱ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۲ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۳

الف، لام، میم، یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں، یہ کتاب نیکوکاروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یُوْقِنُوْنَ ۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵

یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ [1]

مومنوں اور کافروں کے کام اور انجام میں فرق

[1] اس سورت کی ان ابتدائی آیات کے الفاظ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات سے ملتے جلتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں قرآن کو محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت قرار دیا ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ عقائد و اعمال درست ہو جائیں اور رحمت اس کے دنیوی و اخروی ثمرات ہیں۔ محسنین سے متقین مراد ہیں کیونکہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ گویا تقویٰ اور احسان ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں۔ تقویٰ کا مفہوم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور احسان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کی جائے کہ بندہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور کم از کم بندہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور ایسے بندوں کی صفات یہ ہوتی ہیں کہ وہ نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے اور آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہدایت یا فستگی اور کامیابی پر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ یاد رہے یوں تو قرآن ساری انسانیت کے لئے ہدایت ہے جیسے فرمایا گیا: هُدًى لِّلنَّاسِ (بقرہ: ۱۸۵) مگر چونکہ قرآن سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ اور احسان ہو اس لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ (بقرہ: ۲) اور هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۳ (لقمان: ۳) فرمایا گیا۔

یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

- (۱) اہمیت نماز: یہاں اقامت صلوٰۃ کو احسان کی پہلی علامت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا جو شخص نماز کی پرواہ نہ رکھے وہ اگر اتقاء و احسان کا دعویٰ کرے تو محض جھوٹ اور فراڈ ہے۔ آج ہمیں ایسے پیر فقیر نظر آتے ہیں جن کو نماز سے کوئی لگاؤ نہیں، پھر بھی لوگ ان کے مرید ہوتے اور اور ان پہ نذرانوں کی برسات کرتے ہیں تو یہ جہالت و ضلالت کے سوا کچھ نہیں
- (۲) قرآن کے بعد کسی نئی آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں: هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ سے معلوم ہوا کہ قرآن تا قیامت سرچشمہ ہدایت و رحمت ہے۔ اس کے باوجود قرآن کے بعد کسی نئی الہامی کتاب یا نئی وحی نبوت کا ماننا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن کی ہدایت کافی نہیں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ

اور کچھ لوگ (فضول) باتوں کا کھیل تماشا خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بغیر علم

عِلْمٌ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۲۱﴾

گمراہ کریں اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑائیں ان لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ [2]

[2] حضرت مقاتل اور کلبی کے مطابق یہ اور اس کے بعد والی آیات دشمن خدا نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئیں وہ مکہ میں لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا تھا اس نے گانے والی لونڈیاں خرید رکھی تھیں وہ محفل رقص و سرود بپا کر کے لوگوں کو قرآن کے سننے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا اس کے علاوہ وہ یمن و ایران جاتا وہاں سے شاہان فارس رستم و اسفندیار کی کہانیوں والی کتابیں خرید کر لاتا اور انہیں پڑھ کر سناتا۔ لوگ قرآن سننے کی بجائے اس کی باتیں شوق سے سنتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۱۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نصر بن حارث گانے والی عورتیں خریدتا (ان سے وقت لیتا) اور جو شخص اسلام کی طرف مائل ہونا چاہتا اسے وہ محفل رقص و سرود میں لے آتا تاکہ وہ قرآن سننے کی بجائے گانا سننے میں لگ جائے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۰۴) اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی شخص لَهْوَ الْحَدِيثِ (کھیل تماشے کی بات) خریدتا ہے تاکہ علم کے بغیر یعنی جہالت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکے اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑائے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے اور وہ قرآن کی آیات سن کر منہ پھیر لیتا ہے الخ۔

گانا سننا اور بجانا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا حرام ہے، احادیث کی روشنی میں

خصوصاً عورتوں سے گانا سننا شدید بے حیائی اور گناہ ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید کائنات

ﷺ نے فرمایا گانے والی عورتیں مت خریدو (ان سے گانے کا وقت مت لو) اور نہ انہیں بیچو ان کی تجارت میں کچھ خیر نہیں ان کی کمائی حرام ہے اور اسی تجارت کے بارے میں یہ آیت اتری ہے: وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهُوَ الْحَدِيثُ۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ لقمان باب ۱ حدیث ۳۱۹۵)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، سعید بن منصور، ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۰۴) اس حدیث کے مطابق فرمان رسول ﷺ نے تشریح کر دی کہ لہو الحدیث سے گانا سننا سنانا مراد ہے۔ اور اسی کے لیے اس آیت میں عذاب مہین کا وعدہ ہے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پیئیں گے۔ ان کے سامنے گانا بجایا جائے گا اور گانے والی گائیں گی۔ تو (قرب قیامت میں) اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسائے گا اور ان میں سے بعض کو بندر و خنزیر بنادے گا۔“ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا ”گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی زمین میں پودا اُگاتا ہے۔“ (سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ مزا میر و معازف یعنی منہ یا ہاتھ کیساتھ بجائے جانے والے آلات موسیقی کو اور بتوں کو توڑ دوں اور گانے والی عورتوں کی خرید و فروخت اور انکے گانے کی اجرت حرام ہے۔“ (مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے گانا سننے والی سے گانا سنا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالے گا۔“ (کنز العمال ج ۱۵ ص ۲۲۱)

یاد رہے گانا بجانا اور سننا تین صورتوں میں حرام ہے۔

اول:

جب اسے معازف (آلات موسیقی) کے ساتھ گایا جائے۔ کیونکہ آلات موسیقی کا استعمال اصلاً حرام ہے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت میں کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور معازف (گانا بجانے کے آلات) کو حلال بتائیں گے اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو ہلاک کر دے گا اور بعض کو بندر و خنزیر بنادے گا۔“ (بخاری کتاب الاشرار باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا ”جب میری امت میں گانے والی عورتیں اور معازف (گانے کے آلات) عام ہو جائیں تو سرخ آندھی، زمین میں دھنسائے جانے اور شکلوں کے

بگاڑے جانے کا انتظار کرو۔“ (ترمذی کتاب الفتن باب ۶ صفحہ ۲۲۱۰)

لہذا ڈھول باجے اور دیگر آلات موسیقی کے ساتھ گائی جانے والی ہر چیز کا سننا حرام ہے خواہ وہ حمد و نعت ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ حمد و نعت کو آلات موسیقی کے ساتھ پڑھنا شدید تر حرام ہے کیونکہ اس میں حمد و نعت کی توہین اور ذکر الہی کی اہانت ہے۔ یاد رہے کہ معازف معزفۃ کی جمع ہے جس کا معنی گانا بجانے کا آلہ ہیں (منجد) اسی لیے گانے کو عازف اور مبالغہ کے لیے عازف کہتے ہیں۔

البتہ دف کے ساتھ گانا جائز ہے جب اس میں کوئی فحش بات نہ ہو۔ احادیث میں دف کی اجازت ثابت ہے اور دف آدھا ڈھول ہوتا ہے یعنی ڈھول دونوں جانب سے بجایا جاتا ہے اور دف ایک طرف سے بجائی جاتی ہے اور دف کا بجانا بھی تب حلال ہے جب اس کے ساتھ گھنگھرو نہ لگے ہوں۔ ورنہ وہ بھی حرام ہے۔

دوم:

عورتوں کا مردوں کے سامنے گانا حرام ہے۔ یعنی وہ گانا جس میں عورت کی آواز ہو حرام ہے۔ کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اسی لیے عورت کو اذان کہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ وجہ یہی ہے کہ عورت کی آواز میں کشش ہے جو مردوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب عورت مردوں کے سامنے آکر گائے اور ناچے تو اس کی حرمت میں کون شک کر سکتا ہے۔ کوئی غیرت مند شخص برداشت نہیں کرتا کہ اس کی ماں بہن یا بیٹی رقصہ بنے اور ناچ گاکر لوگوں کا دل لہوائے۔ ہاں اگر کوئی خود بے حیاء بن جائے تو اسے اپنی بیٹی کو رقصہ بنانے میں شرم نہیں آتی۔ بلکہ وہ اسے ایک بزنس سمجھتا ہے۔ افسوس آج کنجروں اور کنجریوں کو فنکار، آرٹسٹ اور گلوکار کہہ کر معاشرے کے معزز ترین افراد قرار دیا جاتا ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ایسے لوگ قرب قیامت میں بندر و خنزیر بنائے جائیں گے۔ پھر جو لوگ کنجریوں سے گانے سنتے ہیں وہ پرلے درجے کے بے حیاء ہیں وہ دوسرے مسلمانوں کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی نہیں سمجھتے۔

سوم:

جب گانے میں فحش گوئی ہو۔ یعنی نوجوان لڑکی اور لڑکے کے باہمی پیار و محبت کو عمدہ چیز بنا کر پیش کیا جائے۔ اجنبی مرد و عورت کی خفیہ ملاقاتوں کی تعریف ہو اور عورتوں کے حسن و جمال خدو خال اور لب و رخسار کی بات کی جائے۔ (اور عموماً گانے انہی حیا سوز باتوں پہ مشتمل ہوتے ہیں) کیونکہ یہ سب چیزیں حرام اور بے حیائی ہیں اور حرام چیز کی تحسین اسے حلال کرنے کے برابر ہے جس میں اندیشہ کفر ہے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ آلات موسیقی کے بغیر حمد و نعت کو خوش الحانی سے پڑھنا اور جنگی نغمے سنانا وغیرہ جائز ہے جیسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے نابالغ چھوٹی بچیوں نے دف بجا کر فتح بدر کا ترانہ پڑھا تھا۔ یونہی موقع ہجرت پر اہل مدینہ

نے دف بجا کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا اور طلع البدر علینا پڑھا تھا اس لئے فقہاء اسلام نے آلات موسیقی میں سے دف کا بجانا جو کسی اچھے مقصد کے لئے ہو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ دف کے جواز پہ صحیح احادیث دال ہیں

آلات موسیقی کی حرمت پہ محدثین و فقہاء کے اقوال

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ متوفی 974ھ فرماتے ہیں:

سارنگی کی تار بجانا اور سننا اگر ایک بار ہو تو یہ شہادت کو رد نہیں کرتا اور اگر بار بار ہو تو ایسے شخص کی شہادت مردود ہے۔ تمام عراقی فقہاء اور اصحاب مذہب کا اجماع ہے کہ یہ چیز کبیرہ گناہ ہے۔ امام غزالی نے بھی یہی کہا ہے۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ کبیرہ گناہ ۴۴۹ تار بجانا اور سننا، بانسری بجانا اور سننا اور طبلہ بجانا اور سننا، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ متوفی 312ھ فرماتے ہیں:

ناچنا، گانے کے لیے تالی بجانا، سارنگی کی تار بجانا، بربط، رباب قانون، بانسری، جھانجن اور بگل وغیرہ کا بجانا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ اور ڈھول سننا اور بانسری کی آواز کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اگر یہ باتیں اچانک ہو گئیں تو معذور ہے۔ مگر واجب ہے کہ انہیں سننے کی کوشش نہ کی جائے۔ (رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۴۷ مکتبہ عثمانیہ استنبول)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفی متوفی 587ھ فرماتے ہیں:

گانا گانے کے آلات اگر دف اور شاخ کی حد تک ہوں تو جائز ہے۔ ان سے عدالت ساقط نہیں ہوتی اور بانسری وغیرہ ہو تو ان کا بجانا عدالت کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ یہ چیزیں کسی صورت میں حلال نہیں ہیں۔ (بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

امام بدر الدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں:

شادی میں دف بجانے کی حلت سے دوسرے آلات موسیقی کا جواز ثابت نہیں ہوتا، جیسے سارنگی وغیرہ۔ (عمدة القاری جلد ۶ صفحہ ۲۷۱ الطباعة المنیر یہ مصر)

موسیقی کے بارے میں شبہات کا ازالہ

موسیقی کو جائز کہنے والے لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی جنگ سے واپس آئے تو ایک سیاہ رنگ والی لڑکی نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ: میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی سے واپس لایا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا: اگر تو نے نذر مانی تھی تو بجا لو ورنہ رہنے دو۔ تو وہ دف بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے تو وہ بجاتی رہی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بدستور بجاتی رہی، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے دف رکھ دیا اور اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے، میں بیٹھا تھا تو یہ لڑکی دف بجاتی رہی، پھر ابوبکر

کے آنے پہ بھی بجاتی رہی، پھر علی اور عثمان کے آنے پہ بھی بجاتی رہی، پھر اے عمر جب تم آئے تو اس نے فوراً دف پھینک دیا۔ (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطاب حدیث ۳۶۹۰)

اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتوں سے گانا سننا جائز ہے۔ جب عورتوں سے سننا جائز ہے تو مردوں سے سننا بطریق اولیٰ جائز ٹھہرا۔ یہ استدلال سخت کمزور ہے۔

اول: اس حدیث کو اگرچہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی علی بن حسین بن واقد ہے۔ اس کے بارے میں امام ابو حاتم فرماتے ہیں: وہ ضعیف الحدیث ہے، امام نسائی کے بقول اس میں حرج نہیں اور ابن حبان نے اسے ثقات میں لکھا ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ اس کے سخت خلاف۔ تھے وہ کہتے تھے کہ مُرجئی ہے (یعنی کہتا ہے کہ بندے پہ کوئی پکڑ نہیں خواہ جو بھی کرتا رہے) اس لیے ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے اور ابن حبان نے امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: میں اس شخص کے پاس سے صبح و شام گزرتا ہوں مگر میں اس سے کچھ نہیں لکھتا (اس سے حدیث کا لینا پسند نہیں رکھتا)

(تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح اس کا ایک راوی حسین بن قدامہ بھی ہے۔ جسے ابن حبان نے کثیر الخطاء امام احمد بن حنبل منکر الحدیث اور امام ساجی اسے وہم کا شکار قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۷۴) تو جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو اس سے مذکورہ بالا احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں حجت پکڑنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

دوم: یہ حدیث درایت کے بھی خلاف ہے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وہ لڑکی جس کا واقعہ اس میں بتایا گیا ہے بالغہ تھی۔ کیونکہ اس کا نذر ماننا اور حضور ﷺ کا اسے فرمانا کہ اپنی نذر پوری کرو اس کے بالغہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نابالغ پہ تو کوئی شرعی حکم لازم نہیں ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جلیل القدر خلفاء راشدین ایک جوان عورت سے گانا سنیں اور اسے دیکھیں۔ پھر یہ کیسی الٹی بات ہے کہ شیطان رسول اللہ ﷺ سے نہ ڈرے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ڈر جائے؟ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جو بھی تقویٰ ہے وہ فیضانِ صحبت رسول ﷺ ہی ہے۔ الغرض یہ حدیث روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔

سوم: اگر اس حدیث کو بالفرض درست بھی مان لیا جائے تو پھر اس کے منسوخ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پھر ماننا پڑے گا کہ یہ احکام پردہ کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ جب احکام پردہ آگئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نامحرم عورت کو بار بار دیکھنے سے منع فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ آپ مومنوں کو حکم فرمائیں کہ اپنی نگاہیں جھکا کر رکھیں۔ (نور، ۳۰)

حضرت جریر بنکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر کے پڑ جانے کے بارے میں

پوچھا: فامرنی ان اصرف بصری، حضور سید کائنات ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر پھیر لوں (اور دوبارہ نہ دیکھوں) (ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۳، ترمذی کتاب الادب باب ۲۸ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۵۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تتبع النظرة النظرة فان لك الاولى وليست لك الاخرة، ایک نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو تمہارے لیے پہلی ہی نظر حلال ہے دوسری نہیں۔

(ابوداؤد کتاب النکاح باب ۴۳ دارمی کتاب الادب باب ۲۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی مسلمان کسی عورت کی طرف پہلی نظر دیکھتا ہے پھر اپنی نظر جھکا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق دیتا ہے جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔“ (درمنثور بحوالہ احمد بن حنبل، طبرانی، ابن مردویہ، شعب الایمان جلد ۶ صفحہ ۱۷۸)

بتائیے ان روشن تعلیمات اسلامیہ اور نصوص و قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اس حدیث سے کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔ یقیناً یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور حکم حجاب سے پہلے کی ہے۔ کیونکہ مضمون حدیث کے مطابق اس لڑکی نے اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف بجایا اور گایا جب آپ غزوہ بدر سے واپس آئے تھے اور یہ ہجری دو کی بات ہے۔ جبکہ احکام پردہ کا نزول ہجری پانچ میں ہوا۔

سنن ابوداؤد میں بھی اس مضمون کی حدیث ہے مگر اس میں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ حضور ﷺ کے پاس دف بجائے گی تو آپ نے اسے دف بجانے کی اجازت دیدی۔ مزید کچھ نہیں۔ (ابوداؤد کتاب الایمان باب ۲۲) مگر اس حدیث کے رواۃ میں سے بھی حارث بن عبید کو مضطرب الحدیث، ضعیف اور وہم کی بیماری میں مبتلا قرار دیا گیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۰) پھر اس کے رواۃ میں سے عمرو بن شعیب بھی ہے جس کے بارے میں امام ابو زرہ کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایات منکر ہیں۔ اور امام ابوداؤد کے نزدیک اس کی مروی حدیث پوری تو کیا آدھی بھی حجت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۵۰) اور اگر اس حدیث کو درست مان بھی لیں تو اس میں صرف دف بجانے کا ذکر ہے اور کچھ نہیں۔ اور دف کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے کہ اس کی اجازت ہے۔ اسے آلات موسیقی کے ساتھ گانا گانے اور سننے کے جواز پہ دلیل بنانا گمراہی ہے۔

کیا مروجہ قوالی جو آلات موسیقی کے ساتھ ہوتی ہے جائز ہے؟

آج کل بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب دف بجانا جائز ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بجایا گیا ہے تو اسی پہ قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ باقی آلات غنا کا استعمال بھی جائز ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ ذکر الہی اور نعت شریف کو پڑھا جائے۔ جیسا کہ مروجہ قوالی میں ہوتا ہے۔ اور اگر آلات غنا کے ساتھ لہو و لعب کیا جائے اور بیہودہ گانے گائے جائیں تو وہ ناجائز ہے لہذا دیکھا جائے گا کہ آلات غنا کا استعمال کس مقصد کے لیے ہے اگر ذکر و نعت کے لیے ہے تو جائز ہے۔ اگر لہو و لعب کے لیے ہے تو ناجائز ہے۔

مگر یہ غلط استدلال ہے۔ دف کو رسول اللہ ﷺ کے عمل مبارک نے دوسرے معارف سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف نہ بجائی گئی ہوتی اور آپ ﷺ نے اس پہ خاموشی نہ اختیار فرمائی ہوتی تو دف کا بجانا بھی حرام ہی ٹھہرتا۔ کیونکہ دف بھی معارف میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے معارف کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور ان کے استعمال پہ عذاب شدید کی وعید سنائی ہے جیسا کہ ہم ابھی وہ تمام احادیث بیان کر چکے۔ اسکی مثال یوں ہے کہ احادیث صحیحہ میں مرد کے لیے سونا چاندی کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے۔ مگر آپ نے چاندی کی انگوٹھی (جو ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو) خود بھی پہنی ہے اور اس کے پہننے کی اجازت بھی دی ہے۔ لہذا اس مقدار کی چاندی کی انگوٹھی حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ تو کیا چاندی کی انگوٹھی کو بنیاد بنا کر مردوں کے لیے سونے چاندی کے تمام زیورات کو حلال کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں کیا جاسکتا اور یقیناً نہیں کیا جاسکتا تو صرف دف کی بنیاد پہ تمام آلات موسیقی کا جواز کیسے نکالا جاسکتا ہے؟

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لیے ریشم کا لباس حرام قرار دیا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسی چادر استعمال فرمائی ہے جس کے کناروں پہ چار انگلیوں کے برابر چوڑی ریشم کی کناری لگی ہوئی تھی۔ (مسلم کتاب اللباس) لہذا فقہاء نے ریشم کی کناری کا استعمال چار انگلیوں کے برابر جائز قرار دیا ہے بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے خطبہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مسلم کتاب اللباس) لہذا اس قدر ریشم کی کناری حکم حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ اب کیا اس کو دلیل بنا کر مردوں کے لیے ریشم کو مطلقاً جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح دف کا استعمال دیگر معارف و مزامیر محرّمہ سے مستثنیٰ ہے۔ اسکی بنیاد پہ دیگر آلات غنا کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا خواہ وہ ذکر و نعت کے لیے ہو یا لہو لعب کے لیے ہو۔

تو جس طرح دف کو بنیاد بنا کر آج تمام آلات غنا کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ آگے چل کر بعض نفس پرست لوگ کہنے لگیں گے کہ جب چاندی کی انگوٹھی جائز ہے تو باقی سونا چاندی بھی مرد کے لیے بطور زینت جائز ہے مگر بطور تکبر جائز نہیں۔ اور یونہی وہ ریشم کو بھی جائز قرار دے لیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث پوری ہوگی جو آپ نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور آلات غنا کو جائز قرار دیں گے۔ ان میں سے بعض کو ہلاک کیا جائے گا اور بعض کو بندر و خنزیر بنادیا جائے گا۔ (بخاری کتاب الاثر بہ باب ۶ حدیث ۵۵۹۰)

مروجہ قوالی کے بارے میں اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ ایک عرس میں شامل ہوا۔ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا وہاں ایک ڈھول اور دو سارنگیاں بج رہی ہیں۔ اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار گارہے ہیں اور نعت کے اشعار بھی پڑھ رہے ہیں۔ یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔ کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ

اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہیں؟ اور کیا ایسی قوالی جائز ہے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب تحریر فرمایا: ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گناہگار ہیں اور ان سب کا گناہ عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا گناہ بھی اس عرس کرنے والے پر ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۵ مطبوعہ کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور)

صدر الشریعہ بدرالطریقہ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسئلہ: ناچنا تالی بجانا، ستار، ایک تارہ، دو تارہ، ہارمونیم، چنگ، طنبورہ بجانا اسی طرح دوسری قسم کے باجے سب ناجائز ہیں۔

مسئلہ: متصوفہ زمانہ جو کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے ہیں اور کبھی اچھلنے کودنے اور ناچنے لگتے ہیں اس قسم کا گانا بجانا ناجائز ہے ایسی محفل میں جانا اور وہاں بیٹھنا ناجائز ہے مشائخ سے اس قسم کے گانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (بہار شریعت حصہ ششم صفحہ ۸۸ لبو ولعب کا بیان مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور)

کیا خواجگان چشت مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواجگان چشت جیسے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ نظام الدین محبوب الہی و دیگر رحمۃ اللہ علیہم مزامیر کے ساتھ قوالی سنتے تھے۔ اسی لیے آج ان بزرگوں کے مزارات پہ مزامیر یعنی ڈھول باجے کے ساتھ قوالی ہوتی ہے۔ تو کیا ان جلیل القدر اولیاء اللہ کو حرمت مزامیر کا علم نہ تھا؟۔ اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی سننا ان اولیاء اللہ پہ بہتان عظیم ہے۔ کوئی مسلمان درجہ ولایت پہ تب ہی پہنچتا ہے جب محرمات کے ساتھ مکروہات کو بھی ترک کر دے، اور نہ صرف فرائض و واجبات کا پابند ہو جائے بلکہ ہر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ پیدا کر لے۔ جس قدر وہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب جاتا ہے اسی قدر اس کو قرب الہی ملتا جاتا ہے۔ اسی مقام کو قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران، ۳۱) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اولیاء کاملین محرمات شرعیہ کے نہ صرف مرتکب ہوں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور مزامیر والی قوالی خود سنیں اور لوگوں کو سنوائیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پھر اسی پہ بس نہیں۔ بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشتیہ کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضرت محبوب الہی سیدی و مولائی خواجہ نظام الدین سلطان اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام است۔ اور مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ سیدنا محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کے زمانہ مبارکہ میں خود حضور (حضرت محبوب الہی) کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ ”کشف القناع عن اصول السماع“ میں صاف ارشاد فرمایا:

اما سماع مشائخنا رضی اللہ عنہم فبریء عن هذه التهمة وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار، رہا ہمارے مشائخ کا سماع تو وہ مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہوتی ہے، اشعار کے ساتھ۔ (احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۷)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سیدی مولانا محمد بن مبارک جو شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر رحمہ اللہ کے مرید اور حضور سیدنا محبوب الہی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہیں کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں: حضرت سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز فرمود: اگر گوئندہ مرد تمام باشد کودک و عورت نباشد و آنکہ بگویند فحش و مسخرگی نہ باشد و آلہ سماع کہ مزامیر است چوں چنگ و رباب و مثل آن نباشد ایس چنیں سماع حلال است۔ یعنی اگر قوالی کرنے والے سب مرد ہوں کوئی بچہ یا عورت نہ ہو اور جو کلام پڑھا جائے وہ بیحیائی اور تمسخر پہ مشتمل نہ ہو اور آلہ سماع جو کہ مزامیر ہیں جیسے سارنگی اور ڈھول وغیرہ نہ ہوں تو ایسی قوالی حلال ہے۔

(احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۸۸ مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور)

کیا اس تصریح کے بعد کوئی شک باقی رہ گیا ہے کہ مشائخ چشت رحمہ اللہ جو قوالی سنتے تھے وہ صرف قوال کی آواز ہوتی تھی اور اس میں کوئی آلہ موسیقی جیسے ڈھول، باجہ، سارنگی وغیرہ نہیں ہوتا تھا اور یہ کہ ڈھول باجوں والی موجودہ قوالی کو مشائخ چشت حرام کہتے تھے اس لیے بزرگان چشت کی طرف موجودہ قوالی کو منسوب کر کے ان کی ارواح کو دکھ پہنچانے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِ آيٰتُنَا وَلِيٰ مُسْتَكْبِرًا كَانُ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَانُ فِيْٓ اُذُنِهٖ

اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو وہ تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے جیسے اس نے انہیں

وَقَرَّآۙ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۱ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے، تو اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ بے شک جو لوگ

لَهُمْ جَنَّتُ النَّعِيْمِ ۝۴۲ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۖ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں جن میں وہ

الْحٰكِمِ ۝۴۳ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ

ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو بنایا کسی ایسے ستون کے بغیر

رَوٰى اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

جو تم دیکھ سکو [3] اور زمین میں میخیں ڈالیں تاکہ وہ تمہیں لے کر لرزتی نہ رہے اور زمین میں

مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۴۴ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرَوْنٰى

ہر جانور پھیلایا اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین میں ہر طرح کا عمدہ جوڑا لگایا یہ تو اللہ کی تخلیق ہے تو تم مجھے دکھاؤ

مَاۤذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۵

کہ جو اللہ کے سوا (جھوٹے خدا) ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ [4]

[3] یعنی جو شخص دنیا کا دلدادہ ہے۔ جب اس پہ اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اس کے دل پہ کوئی اثر نہیں

ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سننے کی بجائے تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں ہے اور اس کے کانوں

میں کوئی رکاوٹ آگئی ہے، اس کے برخلاف جو ایمان والے ہیں وہ اطاعت بجالاتے ہیں۔ ان کے لیے جنت کے

باغات ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا۔ یعنی اللہ کی شان یہ ہے کہ آسمان اس کے حکم پر

بغیر کسی ستون کے کھڑے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيُمَسِّكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلٰى الْاَرْضِ اِلَّا

بِأَذْنِهِ ط اللہ نے آسمان کو روکا ہوا ہے کہ وہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا۔ (ج: ۶۵)

گویا وہ نادیدہ ستون جس پہ آسمان قائم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جب تک یہ ستون قائم ہے آسمان قائم ہے۔ جیسے ہی یہ ستون ہٹ جائے گا آسمان گر جائے گا۔

[4] زمین میں مدوجزر ہوتا ہے ہر قمری مہینے کے نصف میں سورج زمین کی ایک طرف اور چاند دوسری طرف آ جاتا ہے اور دونوں زمین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں جس سے کرۂ زمین کی شکل ہلکی بیضوی بن جاتی ہے اسے مدوجزر صغیر کہتے ہیں اور ہر قمری مہینے کے اختتام پر سورج اور چاند دونوں زمین کی ایک طرف آ جاتے اور مل کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہیں اس سے مدوجزر کبیر ہوتا ہے اور کرۂ زمین واضح بیضوی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی وجہ سے سمندروں میں عظیم بل چل اور طیفانی آتی ہے۔ (فلکیات جدیدہ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ انڈیا)

ایسے میں اگر زمین پر پہاڑوں کی عظیم وزنی میخیں نہ گاڑی جاتیں تو زمین خوفناک طریقے سے ہلتی رہتی بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی اللہ تعالیٰ نے خشکی پر اور سمندروں کی تہ میں بڑے بڑے کوہستانی سلسلے کھڑے کر کے زمین کو ٹھہرا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارشیں برسا کر زمین سے ہر طرح کے پھلوں کے عمدہ جوڑے بناتا ہے یعنی سردی اور گرمی کے پھل، یہ ایک جوڑا ہے، ایسے ہی خشک اور تر، میٹھے اور نمکین، چھلکے والے اور چھلکے کے بغیر وغیرہ مختلف جوڑے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو یہ رنگارنگی پیدا کرتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ط وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شکر کرے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے

لِنَفْسِهِ ج وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝۱۲ وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ

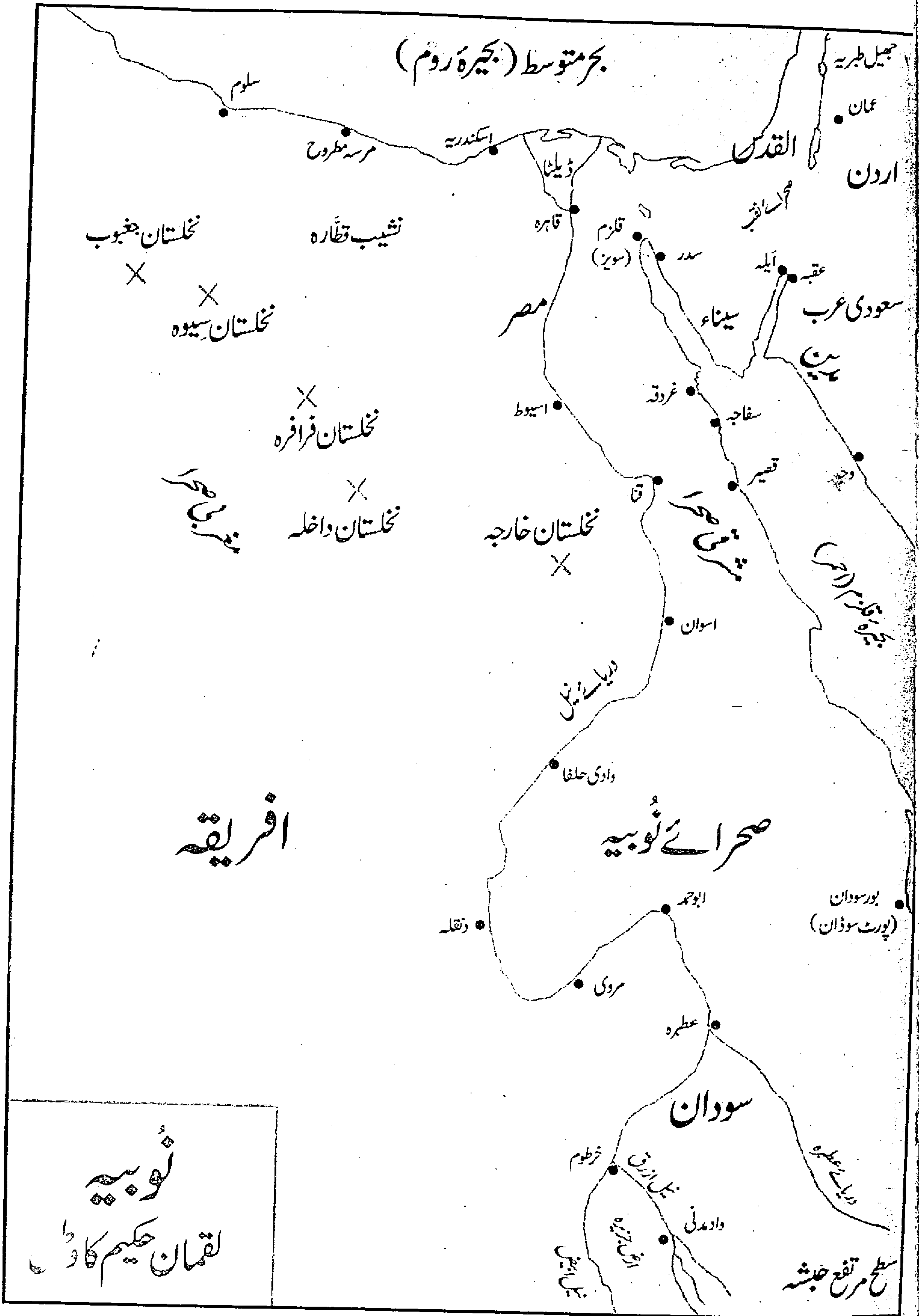
شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے۔ [5] اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا

يَعِظُهُ ابْنِي لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ط إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝۱۳

اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ بے شک شرک بڑا ظلم ہے [6]۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نیک وصیات

[5] حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کے لئے وصیات کے ذکر سے پہلے بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے لقمان کو یہ حکمت یعنی دانائی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر بجالانا چاہئے اور بندہ جس قدر شکر کرے اس کا فائدہ خود اسی کو ملتا ہے کہ نعمت میں اضافہ کر



سب نے آپ کے ہاتھ پہ اپنی جانیں بیچ کر غلہ لیا یوں وہ داغ غلامی اتار دیا گیا۔

[6] یاد رہے ظلم یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق نہ دیا جائے اس کے مقابلہ میں عدل یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اسے اپنی ذات و صفات میں یکتا مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اسے یہ حق نہ دینا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق مارنا سب سے بڑا ظلم ہے تو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہی بات سمجھائی کہ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ لقمان کے بیٹے کا نام ثار ان تھا اور مروی ہے کہ آپ کا بیٹا اور بیوی دونوں کافر تھے آپ انہیں وعظ فرماتے رہے تا آنکہ دونوں اسلام لے آئے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُهُ فِي

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ اسے اس کی والدہ نے کمزوری پہ کمزوری سہہ کر (پیٹ میں)

عَامِينَ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَى الْمَصِيرِ ﴿۱۴﴾ وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى

اٹھایا اور دو سال کے بعد دودھ چھڑایا، کہ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر کرو، میری ہی طرف (سب کا) لوٹنا ہے۔ [7]

أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي

اور اگر تمہارے والدین تمہیں مجبور کریں کہ میرے ساتھ شرک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی بات مت مانو اور دنیا میں

الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۖ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُم

ان سے بھلائی کرو [8] اور جو میری طرف رجوع لائے اس کے طریقہ پر چلو۔ میری ہی طرف تم نے لوٹنا ہے۔

فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

میں تمہیں بتاؤں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ [9]

[7] حضرت لقمان کی باتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے والدین کے بارے میں حکم فرما رہا ہے کہ وہ اللہ

کا شکر بجالائے اور اپنے والدین کا شکر بجالائے کیا وہ دیکھتا نہیں کہ اس کی والدہ نے کس قدر تکلیف پہ تکلیف سہہ کر اسے

نو ماہ تک اپنے پیٹ میں اٹھایا۔ یعنی اس وقت وہ آرام سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتی۔ پھر اسے جننے کے بعد دو برس تک

دودھ پلایا دودھ خون سے بنتا ہے گویا ماں نے بچے کو اپنے جسم کا خون نچوڑ کر پلایا۔ پھر اگر وہ بڑا ہو کر والدین کی نافرمانی

کرے ان کا دل توڑے تو کس قدر ظلم ہے۔ اسے شرک کے بعد اسی لئے بیان کیا گیا کہ جب نعمتیں مہیا کرنے والے

والدین کا شکر بجالانا اس قدر اہم ہے تو نعمتیں پیدا کرنے والے رب کا شکر بجالانا کس قدر اہم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد حقوق العباد میں سب سے اول ماں باپ کا حق ہے اس لئے فرمایا گیا: اِنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اور دوسری جگہ فرمایا گیا: اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ کہ ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔“ (بنی اسرائیل: ۲۳) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی خالق ہے اور والدین مجازی خالق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی رازق ہے اور والدین مجازی رازق ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی رب (پالنے والا) ہے اور والدین مجازی رب (پالنے والے) ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پہ سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے۔

ماں کا حق خدمت باپ سے زیادہ ہے (اور باپ کا حق اطاعت زیادہ) اس جگہ والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم کرنے کے بعد ماں کی تکالیف بیان کی گئیں جو اس نے اولاد کے لئے برداشت کیں اس میں اشارہ ہے کہ ماں کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والدین میں سے میری خدمت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا تمہاری ماں تمہاری ماں تمہاری ماں پھر فرمایا تمہارا باپ۔“ (بخاری کتاب الادب باب ۲، مسلم کتاب البر حدیث ۱)

یاد رہے کہ اطاعت میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت میں ماں کا۔ مثلاً اگر باپ کو ایک ہزار روپے پیش کرے تو ماں کو دو ہزار یا اس سے بھی زائد۔ لیکن اگر باپ اسے کوئی حکم کرے اور ماں اس کے خلاف کہے تو اسے باپ کا حکم ماننا چاہیے۔ کیونکہ اس کی ماں پہ بھی اس کے باپ کی اطاعت لازم ہے۔ وجہ یہی ہے کہ گھر کا سربراہ مرد ہے۔ جو مائیں اپنے بچوں کو ساتھ ملا کر اپنے شوہر کے خلاف محاذ بنالیتی اور بچوں کو اپنے باپ کا نافرمان بنادیتی ہیں وہ اپنی دنیا بھی خراب کر لیتی ہیں کہ ان کا گھر ٹوٹ جاتا ہے اور آخرت بھی برباد کر لیتی ہیں۔

[8] یعنی اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانی جائے مگر اس کے باوجود دنیا میں ان سے بھلائی جاری رکھی جائے۔ شرک سے ہر طرح کا کفر مراد ہے۔ جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ (اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے)۔ (نساء، ۱۱۶) میں شرک بمعنی مطلقاً کفر ہے۔ کیونکہ کسی کافر کے لیے بخشش نہیں ہے خواہ وہ شرک کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔

فاسق و فاجر والدین سے بھی حسن سلوک لازم ہے

والدین اپنے اعمال میں خواہ کتنے ہی بُرے ہوں بہر حال ان سے حسن سلوک لازم ہے۔ لہذا اگر وہ نادار ہوں تو

ان کا خرچہ اٹھایا جائے، بیمار ہوں تو تیمارداری کی جائے اور جو جائز بات کہیں وہ مانی جائے۔ کیونکہ جب کافر والدین سے بھلائی لازم ہے تو کسی گناہ میں مبتلا والدین سے بھلائی کیسے ترک کی جاسکتی ہے؟

والدین کا خلافِ شرع حکم نہ مانا جائے

اسی لئے ان کے کہنے پر شرک نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں ہے: لَا طَاعَةَ لِلْخَلْقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ کہ ”خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔“ (مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۳۹) اور قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ ”انصاف کی گواہی دو خواہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین اور قریبی عزیزوں کے خلاف۔“ (نساء: ۱۳۵)

[9] حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ الفاظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اترے۔ جب وہ ایمان لائے تو حضرت عثمان غنی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ان کے پاس آتے جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دعوت اسلام دی اور تبلیغ حق کی تو وہ اسلام لے آئے تو یہ اسلام میں آنے والے اول ترین لوگ تھے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۲۵۶) اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لایا ہے اس کی اتباع کرنی چاہیے۔

عظمت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی سابقیت فی الاسلام

اس آیت نے اپنے شان نزول کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سابقیت فی الاسلام پر دلالت کی ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ مگر یہ بات مسلم ہے کہ سب سے پہلا آزاد مرد مسلمان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اور یہ کہ انہی کی دعوت سے اسلام کا پیغام پھیلنا شروع ہوا۔

اسی بات کو شیعہ مورخ علامہ مسعودی بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ ثم اسلم ابو بکر و دعا قومه الى الاسلام فاسلم على يدیه عثمان بن عفان والزبیر بن العوام و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و طلحة بن عبید اللہ فجاء بهم الى النبی ﷺ فاسلموا۔ پھر ابوبکر اسلام لائے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ تو ان کے ہاتھ پر عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ (رضی اللہ عنہ) اسلام لائے۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ان کو نبی اکرم ﷺ کے پاس لائے تو یہ لوگ اسلام میں (باقاعدہ) داخل ہو گئے۔ (مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

يُبْنَىٰ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي

اے بیٹے! اگر (کوئی بُرائی) رائی کے دانہ کے برابر پہاڑ کی چٹان میں یا آسمان

السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ^ط إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ^{۱۰} يُّبْنَىٰ

یا زمین کے اندر مخفی ہو تو اللہ اسے لے آئے گا بے شک اللہ لطف و کرم والا خبر رکھنے والا ہے۔ اے میرے بیٹے

اقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا

نماز قائم رکھو بھلائی کا حکم دو بُرائی سے روکو اور جو مصیبت تمہیں آئے اس پر صبر کرو بے شک یہ فرض کاموں

أَصَابَكَ^ط إِنَّ ذَٰلِكَ مِّنْ عَزْمِ الْأُمُورِ^{۱۱} وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

میں سے ہے [10] اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیرو اور زمین میں تکبر سے

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا^ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ^{۱۲}

نہ چلو بے شک اللہ کسی متکبر غرور پسند سے محبت نہیں رکھتا [11] اور اپنی چال میں میانہ روی رکھو

وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ^ط إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ

اور اپنی آواز پست رکھو بے شک سب سے بُری آواز گدھے

لَصَوْتُ الْحَمِيرِ^{۱۳}

کی آواز ہے۔ [12]

[10] اب پھر حضرت لقمان ؑ کی اپنے بیٹے کے لئے وصیات کی طرف روئے سخن موڑا گیا ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا یاد رکھو اگر بالفرض کوئی شخص کسی پہاڑ میں چھپ کر، آسمان پہ چڑھ کر یا زمین میں اتر کر ذرہ برابر بُرائی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی انسان کے نامہ اعمال میں روز قیامت لے آئے گا کیونکہ وہ بہت لطیف و خبیر ہے لہذا اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

اور مزید فرمایا کہ اے بیٹے! نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کسی بھی مصیبت میں صبر سے کام لیا کرو۔

[11] تُصَعِّرُ کا معنی رُخ پھیرنا اور تکبر کرنا ہے۔ حضرت لقمان نے فرمایا: اے بیٹے! لوگوں سے بے رخی نہ برتو یعنی ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھو اور زمین میں تکبر سے مت چلو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ ہرگز پسند نہیں ہیں۔ اس میں حاکموں، قاضیوں، پیروں، فقیروں، عالموں اور سیاسی لیڈروں سب کے لئے بڑی راہنمائی ہے۔

[12] چال کو درمیانہ رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہر کام میں اعتدال رکھا جائے۔ اخراجات میں کفایت شعاری، کھانے پینے میں اعتدال اور پیدل یا سواری پہ چلتے ہوئے بھی میانہ رفتار اختیار کی جائے نہ بہت تیز نہ بہت سست۔

گدھے کی آواز کا سب سے بدتر ہونا

آگے فرمایا کہ اپنی آواز پست رکھو۔ گدھا سب سے زیادہ چیختا ہے اور اس کی آواز سب سے بدتر ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”گدھے کی آواز سن کر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھتا ہے (تب آواز لگاتا ہے)۔“
(بخاری کتاب بدء الخلق باب ۱۵، حدیث ۳۲۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔“ (سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ۱۰۶)

راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے سے گدھے کی آواز فوراً رک جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ لا حول پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ لہذا جو شخص بے مقصد اونچا اونچا بولتا ہے وہ گدھے کی صفت اپناتا ہے۔ البتہ کسی کو دور سے بلند آواز سے پکارنا یا مجلس وعظ میں کسی خطیب کا بلند آواز سے بولنا تا کہ سب سن لیں کسی طرح معیوب نہیں کیونکہ وہ بے مقصد نہیں بامقصد ہے۔ البتہ خطیب کا مقصد سے زائد گلا پھاڑنا بھی معیوب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیات فرمائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مجید میں اس لیے دہرایا تا کہ ہمیں سبق ملے کہ اولاد کی نیک تربیت میں کوئی کمی نہیں رکھنی چاہیے۔ انہیں سب سے پہلے اسلامی عقائد کی تعلیم دی جائے جیسا کہ حضرت لقمان نے بیٹے کو سب سے پہلے شرک سے بچنے کی وصیت کی۔ پھر انہیں نماز سکھائی جائے اور پھر انہیں دیگر اسلامی آداب سکھائے جائیں۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہاری خاطر آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے کام پر لگا دیا ہے؟ اور اس نے

عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۖ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ

تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بہا دیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝۱۳ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ

کسی علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں [13] اور جب انہیں کہا جائے کہ جو اللہ نے اتارا

اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۖ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ

اس کی پیروی کرتا تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اگرچہ شیطان

يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝۱۴ وَمَن يُّسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ

انہیں عذاب جہنم کی طرف بلاتا تھا؟ [14] اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دے اور وہ

مُحْسِنٌ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۖ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝۱۵

مخلص ہو تو اس نے مضبوط رسی تھام لی اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی انتہاء ہے [15]

وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۖ إِنَّ

اور جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو غمزدہ نہ کرے۔ انکو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، ہم انہیں بتائیں گے انہوں نے جو عمل کیا، بے شک

اللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۶ نُبِتَّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ

اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ہم انہیں کچھ برتاؤ دیں گے پھر انہیں سخت عذاب کی طرف (جانے پر)

عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۱۷

مجبور کر دیں گے۔ [16]

اللہ کی قدرتیں اور نعمتیں اور کفار کی ہٹ دھرمی

[13] حضرت لقمان ؑ کی وصیات کے بعد روئے سخن کو اسی مضمون کے طرف موڑا جا رہا ہے جو ابتداء سورت میں شروع ہوا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور کفار کو دعوت حق دینا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسانو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو تمہارے لئے کام میں لگا رکھا ہے۔ یعنی شمس و قمر تمہیں روشنی دیتے ہیں۔ فرشتے تمہیں روزی مہیا کرتے تمہارے لئے بارشیں برساتے اور اناج اُگاتے ہیں۔ یونہی دریا، سمندر، درخت، پہاڑ سب اپنی اپنی شکل میں تمہاری خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ انسان پہ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی برسات کر دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے بقول ظاہری نعمت اسلام ہے اور باطنی نعمت ہمارے بُرے اعمال کا چھپایا جانا ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۲۶) دیگر مفسرین نے ظاہری و باطنی نعمتوں میں یوں فرق کیا کہ مثلاً صورت کی عمدگی ظاہری نعمت ہے اور سیرت کی عمدگی باطنی نعمت، اعضاء کا سالم ہونا ظاہری نعمت ہے اور عقائد و اخلاق کا سالم ہونا باطنی نعمت یونہی شریعت ظاہری نعمت ہے اور طریقت باطنی نعمت۔ اس کے باوجود جو لوگ کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب (جیسی مومنوں کے پاس ہے) کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی اس کی ربوبیت اور توحید بلکہ اس کے وجود سے انکار کرتے ہیں ان سے بڑا بد بخت اور گمراہ کون ہے۔ کاش انسان اپنی اس حالت پہ غور کرے۔

انسان مقصود کائنات ہے

سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ مَّعْلُوْمٍ هُوَ اَكْبَرُ النَّٰتِ كِي هَرْجِزِ اِنْسَانِ كِي خِدْمَتِ كِي لِيْ بِنَاۓ كُنِيْ هِيْ۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَآءً ۚ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الشَّجَرٰتِ رِزْقًا لَّكُم ۚ ”اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا جس کے ساتھ زمین سے پھل نکالے جو تمہارے لیے رزق ہیں۔“ (بقرہ، ۲۲)

گویا تمام جہان انسان کے لیے بنایا گیا۔ تو انسان مقصود کائنات ہے۔ اب انسان کس لیے بنایا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ انسان اللہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۱﴾ ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔“ (ذاریات، ۵۶)

[14] جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیا شیطان نے ان کے باپ دادا کو گمراہ نہ کر دیا تھا؟ معلوم ہوا کسی خاندان میں جو رسمیں قرآن و سنت کے خلاف رائج ہوں ان کا چھوڑ دینا لازم ہے۔

بندے پر لازم ہے کہ وہ خاندان کی بجائے خدا کی بات مانے۔ اگر شیطان نے کسی کے باپ دادا کو گمراہی پر لگا دیا تھا تو اسے باپ دادا کی بجائے خدا و مصطفیٰ عزوجل و ﷺ کی بات ماننی چاہئے۔ آج ہمارے ہاں شادی و غمی پر بعض ناجائز رسمیں رائج ہیں جیسے شادی پہ ناچ گانا اور موت پہ سینہ کو بی وغیرہ، ان کا رد لازم ہے۔

[15] یعنی جو شخص باپ دادا، خاندان، قوم اور معاشرہ کے کافرانہ و فاسقانہ عقائد و رسوم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے اس نے بڑی مضبوطی تھام لی کیونکہ انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے وہاں خاندان اور قوم بچانے نہیں آئے گی۔

[16] اے پیارے رسول ﷺ! اس واضح پیغام کے باوجود جو لوگ آپ کی دعوت سے انکار کرتے ہیں آپ ان کے طرز عمل سے پریشان نہ ہوں انہوں نے ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے ہم انہیں دیکھ لیں گے۔ یہ دنیا کی زندگی چند دن کا برتاؤ ہے جو ہم ہی نے انہیں دیا ہے۔ اس کے بعد ان کے لئے عذاب جہنم کے سوا کچھ نہیں۔

وَلٰكِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلْ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تم کہہ دو کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اللہ کے لئے سب تعریف ہے، بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔ [17] اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

بے شک اللہ بے پرواہ قابل حمد ہے [18] اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں

وَالْبَحْرِ يَمْدُهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ اُبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ

اور سمندر (سیاہی) اس کے بعد سات سمندر اس کی مدد کریں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، بے شک اللہ غالب ہے

عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ اِلَّا كُنُفٍ وَّاحِدَةً ط اِنَّ اللّٰهَ

حکمت والا ہے [19] تمہارا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا (اللہ کے لئے) ایک جان (کے پیدا کرنے) کی طرح ہی ہے۔ بے شک اللہ

سَمِیْعٌ بَصِيْرٌ ۝۲۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اللَّیْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِى

سننے والا دیکھنے والا ہے۔ [20] کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

اللَّیْلَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۝۲۹ کُلٌّ یَّجْرِیْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ

اس نے شمس و قمر کو کام پر لگایا۔ ہر سیارہ ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ

اس سے خبردار ہے کیونکہ اللہ ہی سچا خدا ہے اور اس کے سوا وہ جسے پوجتے ہیں

دُوْنِهٖ الْبَاطِلُ ۝۳۱ وَّاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ۝۳۲

وہ باطل ہے اور اللہ ہی سب سے بلند اور بڑا ہے۔ [21]

[17] اگر مشرکین سے پوچھا جائے کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو کہتے ہیں اللہ ہے۔ اس کے باوجود وہ جھوٹے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاتے ہیں تو مومن کو چاہیے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہی کی حمد میں لگا رہے۔ مشرکین کا شرک کسی تحقیق یا استدلال کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض لاعلمی و جہالت پر مبنی ہے۔

[18] اللہ تعالیٰ ساری کائنات سے بے نیاز ہے ہر چیز اس کی نیاز مند ہے لہذا اللہ وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کرنی چاہئے کہ وہی ساری مخلوقات کا مالک و خالق و رازق ہے۔

[19] اللہ تعالیٰ کی عظمتیں قدرتیں نعمتیں اور صفات کو تحریر میں لانے کے لئے اگر ساری زمین کے درختوں کو قلمیں بنا لیا جائے اور سارے سمندر سیاہی بنا لئے جائیں اور سارے جاندار (مخلوقات) اللہ کی عظمتیں لکھنا شروع کر دیں تو یہ قلمیں ٹوٹ جائیں گی یہ سیاہی ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں گی۔ اللہ رب العزت کی عظمت کو اللہ ہی جانتا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَىٰ نَفْسِكَ، ”اے اللہ! جس طرح تو خود اپنی تعریف کر سکتا ہے میں اس طرح تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۲۲)

[20] یعنی سارے انسانوں کا دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے اس قدر آسان ہے جیسے ایک چھوٹی سی جان (خواہ وہ مکھی یا مچھر ہو) کا پیدا کرنا۔ لہذا کفار کو قیام قیامت پر تعجب نہیں یقین کرنا چاہئے۔

[21] اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدل دیتا ہے کونکہ اس نے شمس و قمر کو ایک کام پر لگا رکھا ہے وہ اپنے دائروں میں گھوم رہے ہیں بلکہ ہر سیارہ ایک مدت مقررہ تک اپنے مدار میں محور حرکت ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل سے واقف ہے تو ایسا خالق و مالک اور دانا رب ہی مستحق عبادت ہے اور اس کے سوا ہر معبود جھوٹا و من گھڑت ہے اور اللہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ط اِنَّ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی نعمت سے چلتی ہیں تاکہ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے؟ اس میں

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۲۲ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ

ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [22]۔ جب انہیں (سمندر میں) بادلوں جیسی (بڑی) لہر گھیر لیتی ہے

دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ

تو وہ اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو ان میں سے کوئی (ہی)

مُقْتَصِدٌ ط وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا اِلَّا كُلٌّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۲۳

منصف ہوتا ہے اور ہماری آیات سے ہر غدار کافر ہی انکار کرتا ہے۔ [23]

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نعمتوں اور اُس کے علم کا بیان

[22] یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ ہزاروں ٹن وزنی بحری جہاز پانی کے اوپر تیرتے اور لوگوں کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک لے جاتے ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کے سوا کون سی طاقت ہے جس نے جہازوں کو پانی میں ڈوبنے سے بچا رکھا ہے اس میں ہر صابر و شاکر شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جب سمندروں میں طغیانی آتی ہے اور جہاز ڈوبنے لگتے ہیں تو ہر شخص اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو انسان کو چاہئے کہ صرف مصیبت میں نہیں بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اور صبر و شکر کا دامن نہ چھوڑے۔

[23] مشرکین عرب کے بحری جہاز جب طوفانوں میں گھر جاتے تو وہ تمام جھوٹے خداؤں کو بھول کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں خشکی پر لے آتا تو ان میں سے کوئی ہوتا جو انصاف سے کام لے کر یہ سوچتا کہ جس رب کو اس نے طوفان میں پکارا ہے خشکی میں بھی اسی ہی کو پکارنا چاہئے مگر اکثر کا حال یہی تھا کہ وہ خشکی پر پہنچتے ہی جھوٹے خداؤں کو پکارنا شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگ غدار اور پکے کافر ہیں جو ہماری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ مروی ہے کہ ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ (حالت کفر میں) سمندر میں طوفان میں گھر گئے۔ اہل سفینہ نے کہا اللہ تعالیٰ کو پکارو اس وقت تمہارے دوسرے خدا تمہیں نہیں بچا سکتے۔ حضرت عکرمہ نے دل میں کہا جب سمندر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی وہی بچانے والا ہے چنانچہ وہ واپسی پہ سیدھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۹۹)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاحْشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے خوف کرو جب نہ والد اپنی اولاد کو بچا سکے گا نہ کوئی بچہ

مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

اپنے والد کو کچھ بچانے والا ہو گا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تمہیں دنیوی زندگی

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ

دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں دھوکے باز (شیطان) اللہ کے بارے میں دھوکہ دے دے [24] بے شک اللہ ہی کے پاس

السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْآرْحَامِ ۚ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ

قیامت کا علم ہے وہی بارش برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے رحموں میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ

مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

وہ کل کیا کرے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں مرے گی، بے شک اللہ

عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝۴

علم والا خبر والا ہے [25]

[24] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ وہ اولاد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہیں لہذا ان کی نجات کے لئے یہ نسب ہی کافی ہے اس کے

جواب میں یہ آیت اتری گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت کے دن کوئی مومن باپ اپنے کافر بیٹے کو اور نہ کوئی مومن اولاد

اپنے کافر باپ کو بچا سکے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے لہذا کسی کو دنیا اور دھوکہ باز شیطان دھوکہ میں نہ ڈالے۔

باپ بیٹے کا روز قیامت فائدہ نہ دینا کفار کے لیے ہے

یادر ہے اس آیت کا یہ معنی نہیں کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو یا بیٹا اپنے باپ کو نہ بچا سکے گا۔ خواہ وہ سب مومن ہوں،

بلکہ یہ مراد ہے کہ کوئی کافر اولاد یا کافر والد روز قیامت کچھ فائدہ نہ دے گا۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے: جَنَّتٌ عَدْنٍ

يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ۔ ”وہ لوگ جنت عدن میں داخل ہوں گے اور (ان

کی وجہ سے) ان کے مومن باپ دادا اور بیویاں اور اولاد بھی داخل ہوں گے۔“ (رعد: ۲۳)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ ”جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے۔“ (طور: ۲۱) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کے تین بچے بلوغت سے قبل فوت ہو جائیں اسے دوزخ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے۔ (بخاری کتاب الجنائز باب ۶) اور حدیث طیبہ میں ہے کہ جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی بہتر تربیت کر کے ان کی شادی کر دے تو وہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ۱۲۱)

ان تمام آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ مومن اولاد اپنے مومن والدین کے لیے، اور مومن والدین اپنی مومن اولاد کے لیے روز قیامت باعث بخشش اور باعث بلندی درجات ہوں گے۔ لہذا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَالْخ کا یہی معنی ہے کہ کوئی مومن شخص اپنے آباء و اولاد میں سے کسی کافر کو نہ بچا سکے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں دنیا اور دھوکے باز شیطان کسی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ لہذا انسان کو اپنی عاقبت اور اپنے رب سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کو حمام میں داخل ہونے سے اس لئے روک دیا گیا کہ آپ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ آپ کے منہ سے چیخ نکل گئی آپ نے فرمایا جب شیطان کے گھر میں مفت داخلہ ممکن نہیں تو رحمان کے گھر (جنت) میں مفت داخلہ کیسے ممکن ہے۔ یعنی بغیر عمل صالح وہاں کیسے داخلہ مل سکتا ہے؟ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۰۲)

[25] اس آیت میں پانچ علوم غیب بتائے گئے ہیں جو تمام غیوب پر محیط ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ اول: قیامت کب آئے گی۔ دوم: بارش کب اور کہاں ہوگی۔ سوم: ماں کے پیٹ میں کیا ہے بچہ یا بچی اور وہ سالم الاعضاء ہے یا ناقص الاعضاء۔ چہارم: کون کل کیا کرے گا یعنی اس کا آئندہ مستقبل کیا ہوگا۔ پنجم: کس جاندار کو کہاں موت آئے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱﴾ (بخاری کتاب الاستقواء، باب ۲۹) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَالْخ (بخاری کتاب التفسیر باب ۲ حدیث ۴۷۷۷)

اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء میں سے جسے چاہے علوم غیبیہ خمسہ عطا فرماتا ہے

یہ پانچ علوم بالذات اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں مگر اللہ تعالیٰ جب چاہے جس کو چاہے ان علوم میں سے کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیر اللہ کے لیے ماننا شرک نہیں ہے۔ دیکھیں لوح محفوظ میں سب

کچھ لکھا ہے کہ قیامت کب آئے گی، بارش کب کہاں ہوگی، فلاں عورت بچہ جنے گی یا بچی، فلاں نے کل کیا کرنا ہے اور کون کہاں مرے گا اور لوح محفوظ میں لکھنے والے فرشتے ان سب چیزوں کو جانتے ہیں تو ان کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے۔ تو جو رب یہ چیزیں فرشتوں کو بتا سکتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کو بھی بتا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا کہ یہ پانچ علوم غیب کی چابیاں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ان کی تعلیم دے دے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۶۲)

یاد رہے نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آپ نے چند بار بارش کی خبر دی اور قیامت سے قبل ایک عالمی بارش کے بارے میں بھی بتایا۔ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۰) ماں کے رحم میں کیا ہے اس بارے میں بھی نبی کریم ﷺ نے کئی لوگوں کو خبر دی۔ مثلاً سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے ہاں امام حسین کی ولادت کی خبر دی۔ (سنن ابن ماجہ کتاب تعبیر الرؤیا باب ۱۰ حدیث ۳۹۸۱) یونہی ام الفضل کے ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت کی خبر عطا فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء) اسی طرح کون کہاں مرے گا، اس کی خبریں بھی آپ نے کئی بار عطا فرمائیں۔ جیسے آپ نے جنگ بدر سے ایک دن قبل نشانات لگائے کہ یہاں ابو جہل مرے گا یہاں عقبہ کی لاش تڑپے گی وغیرہ اور جہاں جہاں آپ نے ستر نشانات لگائے ہر کافر وہیں گرا۔ (مسلم کتاب الجہاد حدیث ۸۳، ابوداؤد کتاب الجہاد باب ۱۱۵) اور کئی اولیاء اللہ بھی بطور کرامت ایسی خبریں دیتے ہیں کہ فلاں وقت بارش ہوگی، فلاں وہاں مرے گا۔ وغیرہ اور جیسے وہ کہتے ہیں اسی طرح ہوتا ہے۔ مگر یہ ان کا ذاتی علم نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے اور آج سائنس کے ذریعے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ماں کے رحم میں بچہ ہے یا بچی، اور یہ کہ بارش کب اور کہاں ہوگی مگر یہ علم سائنسی آلات کے ذریعے ہے، یہ علم غیب نہیں اور جو علم خاصہ خدا ہے وہ علم غیب ہے جس میں کسی آلات کی ضرورت نہیں۔

گویا یہ پانچ علوم اس لحاظ سے خاصہ خدا ہیں کہ ذاتی طور پر انکو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جب چاہے ان میں سے کوئی چیز اپنے کسی نبی یا ولی پر ظاہر فرما سکتا ہے۔ اسی لیے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ اور خَبِيْرٌ اس کا معنی ملا جیون ﷺ نے یہ کہا ہے کہ اللہ جسے چاہے ان علوم کی خبر دے دیتا ہے۔ (تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان، ملا جیون)

امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه ﷺ اوتي علم الخمس ايضا وعلم الساعة والروح وانه امر بكتهم ذاك، يعني اللہ تعالیٰ نے ان پانچ علوم اور علم روح سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع فرمایا مگر آپ کو ان کے اخفاء کا حکم دیا۔ (الخصائص الكبرى ج ۲ ص ۱۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اور امام صاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا سے اٹھانے سے قبل ان پانچ علوم پر مطلع فرما دیا تھا

مگر انکے اخفاء کا حکم فرمایا۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور عارف باللہ شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ پانچ علوم رسول اللہ ﷺ سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں جبکہ امت محمدیہ میں سے کوئی صاحب تصرف (جیسے فرشتے اور رجال غیب) ان علوم کے بغیر کوئی تصرف ہی نہیں کر سکتا۔
(الابریز صفحہ ۴۸۳)

الحمد للہ آج 24 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق یکم مئی 2008ء بروز جمعرات بعد نماز عصر سورہ لقمان کی تفسیر مکمل ہوئی
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة السجده

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 32 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 60 ویں سورت ہے۔ (اتقان جلد ۱ صفحہ ۲۳) اس میں تین رکوعات، تیس آیات، تین سو اسی کلمات اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ حروف ہیں۔ اسے سورۃ سجده اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خصوصی حکم سجده ہے جس پر سجده تلاوت بھی ہے یعنی آیت 15 میں، یہ سورت مکمل طور پر مکی سورت ہے۔

فضیلت

یہ بڑی فضیلت والی سورت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کو نماز فجر میں سورۃ سجده اور سورۃ دھر تلاوت فرماتے تھے۔ (بخاری کتاب الجمعہ باب ۱۰ حدیث ۸۹۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک سورۃ سجده اور سورۃ ملک نہ پڑھ لیتے۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ۹ حدیث ۲۸۹۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے سورہ ملک اور سورۃ سجده نماز مغرب و عشاء کے درمیان پڑھی گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کا ثواب پایا۔“ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۳۵ بروایت ابن مردویہ)

مضامین

اس سورت کے پہلے رکوع میں یہ مضامین ہیں۔ زمین و آسمان کا چھ دنوں میں بننا، روز قیامت کا ہزار برس پہ مشتمل ہونا، انسان کا مٹی سے اٹھایا جانا اور اثبات قیامت۔ دوسرے رکوع میں روز قیامت کفار کی حسرت و ندامت، مومنین کا شوق عبادت، احوال جہنم اور مقامات جنت کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں رسالت موسوی، داعیان حق کی فضیلت، قدرت خداوندی اور اثبات قیامت کا بیان ہے۔

ما قبل سے مناسبت

سورہ لقمان میں عموماً اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں مذکور ہیں جو اس نے بندوں پہ فرمائی ہیں اور یہی مضمون الف لام میم سجده میں ہے۔ اور دونوں الف لام میم سے شروع ہوئی ہیں اور دونوں سورتوں میں انسان کو بتایا گیا ہے اس کی تخلیق کس چیز سے ہوئی ہے، کیسے ہوئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ ۙ تَنْزِلْ الْكِتٰبَ لَا رَيْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ اَمْ یَقُوْلُوْنَ

الف لام میم [1] یہ کتاب کا اتارا جانا کوئی شک نہیں کہ یہ رب کائنات کی طرف سے ہے، کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے

اَفْتَرٰهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ

اس نے (نبی مکی ﷺ نے) گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے قبل

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝۲ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں [2] اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ

بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهِ

ان کے مابین ہے اسے چھ دنوں میں پیدا کیا [3] پھر اس نے عرش پر (اپنی شان کے مطابق) استواء فرمایا۔ تمہارے لئے اس کے مقابلہ میں

مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۳

کوئی مددگار اور سفارشی نہیں، کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ [4]

حَقَانِیْتَ قُرْآنَ، دَلٰیْلِ تَوْحِیْدٍ اور نِعْمَتِ ہَاۤءِ الٰہِیَّہ کا بیان

[1] حروف مقطعات میں سے الف، لام، میم قرآن میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں الف اقضاء حلق سے نکلتا ہے (اور یہی سیبویہ نحوی کا مذہب ہے) یہ سب سے پہلا مخرج ہے۔ لام کا مخرج طرف لسان ہے اور یہ مخرج کا درمیان ہے اور میم ہونٹوں کی خشکی سے ادا ہوتی ہے یہ سب سے آخری مخرج ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ

بندے کو اپنے اقوال و افعال کے آغاز درمیان اور اختتام میں ہر وقت اپنی زبان ذکر الہی سے تر کھنی چاہئے۔ اور یہ کہ بندے کے ہر کام کی ابتداء و انتہاء اور درمیان اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے ہے۔

[2] تمام کفار یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اللہ نے نہیں اتارا بلکہ اسے محمد عربی (ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرما رہا ہے کہ قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب میں ہونے میں کوئی شک نہیں اور اے پیارے محبوب ﷺ! آپ کو ہم نے قرآن دے کر اس قوم میں عذاب جہنم سے ڈرانے کے لئے مبعوث فرمایا جن کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔

کیونکہ حضور سید عالم ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے اور مکہ میں اس وقت کسی نبی کی تعلیمات موجود نہ تھیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام اگرچہ عرب کے بعض علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے مگر ان کی تعلیمات اہل مکہ تک نہ پہنچی تھیں۔ اور وہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام سے بھی بہت پہلے دنیا میں آئے تھے۔ جبکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے بھی تقریباً چار ہزار برس گزر گئے تھے ان کی تعلیمات مٹ گئی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے ان کی تعلیمات بھی مکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ اس لئے یہاں کفر و شرک کا گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا تب رحمت پروردگار جوش میں آئی اور یہاں آفتاب محمدی کو طلوع کیا گیا جس کی روشنی سارے جہان میں پھیل گئی۔ جہاں تاریک تھا اندھیر تھا اور سخت کالا تھا کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

صداقتِ قرآن، عدالتِ صحابہ کی دلیل ہے

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پہ نازل فرمایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو پڑھایا۔ صحابہ نے آگے امت کو سکھایا۔ تو آپ کے اور باقی امت کے درمیان حصول قرآن کا واسطہ صحابہ کرام ہیں۔ جب قرآن تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ کی شان رکھتا ہے یعنی اس میں کوئی شک نہیں ہے تو جن صحابہ کے واسطے سے امت کو قرآن ملا ان کی عدالت میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ تو افسوس ہے اہل تشیع پہ جنہوں نے صرف تین صحابہ (ابوذر، سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم) کے سوا باقی تمام صحابہ کو کافر قرار دیا۔

(دیکھیے اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ دار المجتبیٰ نجف اشرف، تفسیر قمی صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ تہران، تفسیر عیاشی جلد اول صفحہ ۱۹۹ مطبوعہ المکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ تہران)

اسی لیے اہل تشیع کو قرآن میں بھی شک ہو گیا اور وہ اس میں تحریف کے قائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ صحابہ نے قرآن میں سے اہل بیت کی عظمت اور ان کی امامت پہ نص کرنے والی تمام آیات نکال دیں۔ اور اصل قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا جس کو صحابہ نے نہ مانا تو حضرت علی نے اسے چھپا دیا اب اسے مہدی لے کر آئے گا۔ (اصول کافی کتاب فضل القرآن)

صفحہ ۶۵۶) اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے دفاع فرماتا ہے

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر جب کفار اعتراض کرتے تو انبیاء اپنا دفاع خود کرتے تھے۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی یہ شان ہے کہ آپ پہ کفار کے اعتراضات کا جواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے قرآن کو خود گھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: **أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ الْخ**

[3] چھ دنوں سے چھ ادوار بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ عربی میں یوم بمعنی وقت بھی آتا ہے جیسے یوم القیامت کہا جاتا ہے۔ اب قیامت صرف چند گھنٹے کا دن نہیں ہے بلکہ وہ ہزار ہا برس کا وقت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ چھ دنوں سے چھ دن ہی مراد ہیں یعنی 144 گھنٹے اور حدیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہفتے کو مٹی، اتوار کو پہاڑ، سوموار کو اشجار، منگل کو معدنیات (جیسے لوہا تانبا وغیرہ)، بدھ کو نور اور جمعرات کو جانوروں کی تخلیق فرمائی اور جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ (مسلم کتاب صفۃ المنافقین حدیث ۲۷)

اس میں یہ درس ہے کہ ہر کام کو ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو چشم زدن میں ساری کائنات بنا دیتا۔ مگر اس نے ٹھہر ٹھہر کر کام کرنے کو ہمارے لیے سنت بنایا۔

[4] اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء (قرار) فرمانا مشابہات میں سے ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ استواء کا ہونا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے۔ اس پر ایمان لانا لازم ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اس کی پوری تحقیق ہم نے اعراف 54 اور یونس 3 کے تحت کی ہے وہاں دیکھیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی کسی کی مدد یا سفارش نہیں کر سکتا۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ عذاب سے بچانا نہ چاہے اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی زبردستی نہیں چھڑا سکتا۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے پھر ہر کام اس کی طرف اٹھے گا اس دن میں

مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ⑤ ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ہزار برس کے برابر ہے [5] وہ ہر خفیہ و ظاہر چیز کا

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑥ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ

جاننے والا ہے وہ غالب اور رحمت والا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے جو چیز پیدا کی اسے خوب تر بنایا [6] اور انسان کی تخلیق کی

مِنْ طِينٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ⑧ ثُمَّ سَوَّاهُ

ابتداء مٹی سے کی، پھر اس نے اس کی نسل کو نطفہ یعنی حقیر پانی سے چلایا۔ پھر اس کی تخلیق

وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط

برابر کی اور اس میں اپنی (پیدا کردہ) روح پھونکی اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ⑨

تو تم کتنا کم شکر کرتے ہو [7]

[5] قیامت کے دن کی ایک مقدار ہزار برس بتائی گئی ہے۔ جیسے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنَّ يَوْمًا

عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ⑤ یعنی قیامت کا دن تمہارے رب کے ہاں تمہاری گنتی کے مطابق ہزار برس

جیسا ہے۔ (حج، ۴۷) اسی لیے حدیث مبارکہ میں ہے کہ غریب لوگ امراء سے پانچ سو برس قبل جنت میں چلے جائیں گے

اور یہ نصف دن ہے۔ (ترمذی کتاب الزہد باب ۳۷) گویا قیامت کے دن کی مقدار ہزار برس کے برابر ہے۔

قیامت کا دن کتنا لمبا ہوگا، اس کی تحقیق

اور قرآن پاک ہی میں قیامت کی دوسری مقدار پچاس ہزار برس بتائی گئی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: مِقْدَارُهُ

خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ③ قیامت کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (معارج: ۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زکوٰۃ نہ دینے والے کی پیشانی اور پہلو داغے جائیں گے اور یہ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار

پچاس ہزار برس ہے پھر اسے جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔“ (مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۲۴)

دراصل اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ایک وقت کو کسی شخص کے لئے مختصر اور کسی کے لئے طویل کر دے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا قیامت پچاس ہزار برس طویل ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسے مومن کے لئے ایک نماز کے وقت کے برابر خفیف کر دیا جائے گا۔ (بیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یہاں سے فلسفہ معراج بھی سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کس طرح راتوں رات سات آسمانوں عرش و کرسی اور لامکان کی سیر کر آئے۔ بات یہ ہے کہ اس رات کو دنیا والوں کے لئے چند گھنٹے اور حضور ﷺ کے لئے طویل ترین وقت پر مشتمل کر دیا گیا جس کی طوالت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں نوح ؑ جتنی عمر پاؤں تو بھی وہ سب کچھ بیان نہ کر سکوں جو میں نے شب معراج دیکھا۔“

(کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۵۹۰ حدیث ۳۵۸۳۸)

جب واقعہ معراج کے بیان کرنے میں اتنا وقت درکار ہے تو خود اس واقعہ میں کتنا وقت لگا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر وہ سب کچھ رات کے کچھ حصہ میں سما گیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قیامت کا پچاس ہزار سالہ دن مومن کے لیے ایک نماز کے وقت کے برابر ہو جائے گا۔

[6] اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہترین طرز پر بنایا اور عقل کو ماننا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر طرز کوئی اور نہیں ہو سکتی مثلاً بعض جانور اونچے قد اور لمبی ٹانگوں والے ہیں اب زمین سے وہ غذا کیسے کھائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کی گردن لمبی کر دی جیسے اونٹ زرافہ اور شتر مرغ وغیرہ اور کسی کی سونڈھ لمبی کر دی جیسے ہاتھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے تمام اعضاء میں پٹھوں کا جال بچھایا ہے جن کے ذریعے ہر عضو حرکت کرتا ہے اگر ایک بھی پٹھا خراب ہو جائے تو اس عضو کی حرکت معطل یا مختل ہو جاتی ہے۔ انسان کی آنکھ میں بصارت کا وہ حیران کن نظام ہے جسے انسان آج تک صحیح طرح سمجھ نہیں سکا۔

[7] انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ پہلا انسان مٹی سے بنا پھر اس سے تمام انسان بنے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا شدہ خوراک کھاتا ہے جس سے اس کے جسم میں خون بنتا ہے خون سے نطفہ تیار ہوتا ہے اور نطفے سے دوسرا انسان بنتا ہے تو ہر انسان مٹی ہی سے اٹھتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ جَعَلْ نَسْلَهُ الْخَ ہر انسان کی نسل نطفے کے ذریعے آگے چلتی ہے اور نطفہ بظاہر حقیر سا پانی ہے مگر ڈاکٹرز کے مطابق اس میں ہزاروں زندہ سپرمز (sperms) ہوتے ہیں اور ہر سپرم ایک انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کوئی سپرم عورت کے مادہ میں موجود کسی انڈے سے ٹکرا جائے تو ایک انسان جنم لیتا ہے۔ اس لیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ۔ یعنی عورت کے پیٹ میں انسان کے اعضاء بنتے ہیں پھر اللہ اس میں اپنی پیدا کردہ روح ڈالتا ہے اور ماں کے پیٹ ہی میں اس کے کان سننے، آنکھیں دیکھنے اور دل دھڑکنے لگتا ہے گویا وہ سمیع و بصیر بن کر پیدا ہوتا ہے۔

وَقَالُوا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ بَلْ هُمْ

کفار کہتے ہیں جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم نئی تخلیق میں اٹھیں گے؟ بلکہ وہ اپنے

بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كُفْرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ يَتَوَفُّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ

رب سے ملاقات کے منکر ہیں آپ فرما دیں کہ فرشتہ موت ہی تمہاری جان نکالے گا جو تم پر مقرر ہے

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ [8]

[8] منکرین قیامت چونکہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکر ہیں اس لئے وہ بہانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ہم مرکز زمین میں یعنی مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں دوبارہ نئی تخلیق میں کیسے اٹھایا جائے گا حالانکہ اگر وہ اپنی پہلی تخلیق پر غور کر لیتے تو دوسری تخلیق پر تعجب نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے انسانو! ملک الموت تمہاری جان لیتا ہے پھر تم روز قیامت اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ملک الموت جانیں کیسے قبض کرتا ہے؟ حدیث کی روشنی میں

اس بارے میں ایک خزر جی صحابی سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ایک مرنے والے شخص کے سر ہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا: اے ملک الموت! میرے اس ساتھی سے نرمی برتنا۔ یہ مومن ہے۔ ملک الموت نے عرض کیا: اے محمد ﷺ! آپ مطمئن رہیں میں ہر مومن سے بہت نرمی برتا ہوں۔ جب میں کسی کی روح نکالتا ہوں تو اسکے گھر والے چیخ و پکار کرتے ہیں، اس وقت میں ان سے کہتا ہوں اے چیخنے والو! اللہ کی قسم! میں نے اس شخص پر کچھ ظلم نہیں کیا نہ ہم وقت مقرر سے قبل آئے نہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اب اگر تم صبر کرو گے تو اجر پاؤ گے اگر بے صبری کرو گے تو گناہ گار ہو گے اور ہم نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے، تو جلدی کر لو۔ کوئی پختہ یا کچا گھر ایسا نہیں ہے جس کے باشندوں کے پاس میں صبح و شام نہیں آتا حتیٰ کہ میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد کو انکے اہل خانہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں حکم الہی کے بغیر ایک مچھر کی جان بھی نہیں لے سکتا۔ (درمنثور جلد ۶ ص ۵۴۱، بروایت طبرانی، ابی نعیم، وابن مندہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا تم کافر کی روح کیسے قبض کرتے ہو؟ اس نے کہا میں جس خوفناک شکل میں کافر کی روح قبض کرتا ہوں آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے اصرار کیا، تو اس نے اپنی شکل ایسی دکھائی کہ نہایت سیاہ رنگ ہے، منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور جسم کے ہر رونگٹے میں ایک شکل ہے جس کے منہ سے آگ نکل رہی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ کر غشی آگئی۔ جب ہوش آیا تو ملک الموت کو پہلے والی حالت میں پایا۔ کہا اے ملک الموت! اگر کافر کو کوئی اور سزا نہ بھی دی جائے تو اس کے لیے تمہاری یہ صورت ہی کافی ہے۔ پھر فرمایا: اب تم مجھے دکھاؤ کہ تم مومن کی جان کیسے قبض کرتے ہو؟ تب اس نے اپنی شکل ایسے دکھائی کہ ایک نوجوان ہے جس کے حسن و جمال کی مثال نہیں۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہے اور اس سے نہایت عمدہ خوشبو آرہی ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! اگر موت کے وقت مومن کو کچھ اور نظر نہ آئے تو تمہاری یہ صورت ہی اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کافی ہے۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۴ بروایت ابن ابی الدنیا)

ملک الموت کی وسعت علم و اختیار

دیکھیں ایک وقت میں دنیا کی مختلف اطراف میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور یَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ بیک وقت پہنچتا اور جان قبض کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت زہیر بن محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایک وقت میں ملک الموت ہزار ہا افراد کی جان کیسے نکالتا ہے؟ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ حَوَى الدُّنْيَا لِمَلَكِ الْمَوْتِ حَتَّى جَعَلَهَا كَالطَّسْتِ بَيْنَ يَدَيْ أَحَدِكُمْ فَهَلْ يَفُوتُهُ شَيْءٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو ملک الموت کے لئے یوں لپیٹ کر رکھ دیا ہے جیسے تم میں سے کسی کے سامنے تھالی پڑی ہو تو کیا تھالی کا کوئی حصہ اس کی پہنچ سے باہر رہ سکتا ہے؟ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۰۵ حدیث ۱۷۸۳۰ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا اہل دنیا کے ہر شخص کے گھر کے دروازہ پر ملک الموت دن میں سات مرتبہ چکر لگتا ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت تو نہیں ہوا۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۰۵ حدیث ۱۷۸۳۱)

وسعت علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جب ملک الموت کی وسعت علم و تصرف کا یہ عالم ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی کا کیا عالم ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جیب بھی کوئی شخص (کہیں سے) مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف لوٹاتا ہے اور میں اسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

(ابوداؤد کتاب المناسک باب ۹۶ حدیث ۲۰۴۱)

اس حدیث کے تحت امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ فرماتے ہیں اگر اطراف عالم سے بیک وقت ایک کروڑ آدمی السلام علیک ایہا النبی کہتے ہیں تو آپ بیک وقت سب کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ جب ملک الموت کی وسعت علمی یہ ہے تو حضور سید کائنات ﷺ کا حال اس سے کہیں بہتر ہے۔

(مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۸۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا

اور کبھی تم دیکھو جب مجرم لوگ اپنے رب کے پاس سر جھکائے (کہتے) ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ

وَسَمِعْنَا فَأَرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿٩﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ

اور سن لیا، اب تو ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دے ہم اچھا عمل کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے [9] اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو

نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

اس کی ہدایت دے دیتے مگر میری طرف سے یہ قول ٹھہر چکا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٠﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَكُمُ

انسانوں سے بھروں گا [10] تو جو تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اس کا مزہ چکھو، ہم نے (بھی) تمہیں چھوڑ دیا ہے

وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

اور اس عمل کے سبب جو تم کرتے تھے ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ [11]

احوال قیامت اور مومنوں اور کافروں کی جداگانہ صفات

[9] جو لوگ دنیا میں قیامت کے آنے سے انکار کرتے ہیں وہ قیامت والے دن شرمندگی سے سر جھکا کر عرض کریں گے اے اللہ! اب ہم نے قیامت کے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کی آوازوں کو اپنے کانوں سے سن لیا اور ہمیں یقین آ گیا ہے کہ قیامت ہے۔ لہذا تو ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے ہم وہاں اچھے اعمال کریں گے۔ مگر ان کی ان بیکار باتوں کا وہاں کچھ وزن نہ ہوگا کیونکہ جس نے قیامت کو دیکھ کر اسے مانا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا وہ اپنی آنکھوں پہ ایمان لایا ہے۔ مزہ تو یہ تھا کہ وہ بن دیکھے اللہ و رسول کی بات پہ ایمان لاتا۔ اسی لئے مومنوں کی

شان یہ ہے: یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کہ وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ (بقرہ: ۳) اس جگہ تَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ کے الفاظ سے معلوم ہوا جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور خوشی سے سر نہیں جھکاتے انہیں قیامت کے دن شرمندگی کے ساتھ سر جھکانا پڑے گا۔

[10] اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر انسان کو زبردستی مسلمان بنا دے اور ہر انسان کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا جائے مگر ایسا کرنا حکمت الہیہ کے خلاف ہے۔ حکمت الہیہ یہ ہے کہ ہر شخص پر ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیئے جائیں اور بتا دیا جائے کہ ہدایت کی راہ اپنانے پر جنت ملے گی اور گمراہی کا راستہ اپنانے پر جہنم۔ پھر ہر انسان کو اختیار دے دیا جائے کہ خواہ وہ ہدایت کی راہ اپنائے یا گمراہی کی۔ اس کے بعد ہدایت اپنانے والوں سے جنت کو بھرا جائے اور گمراہی اختیار کرنے والوں سے جہنم کو۔ خواہ وہ جنات ہوں یا انسان۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ البتہ یہ مروی ہے کہ جنات بھی انسانی شکل ہی میں جنت میں جائیں گے۔

[11] روزِ قیامت منکرین قیامت کی اس درخواست پر کہ اے اللہ! تو ہمیں دنیا میں واپس بھیج۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اس دن کی صدقات کو بھلا دیا تھا اب ہم نے بھی تمہیں چھوڑ دیا ہے لہذا اب عذابِ جہنم کے مزے لو، یہی تمہارے انکار کا بدلہ ہے۔

اِنَّهَا يَوْمَئِذٍ بِآيَتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ

ہماری آیات پر تو وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ آیات انہیں یاد دلائی جائیں تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۵ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ

اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے [12] ان کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب کو

رَبِّهِمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا

خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں [13] تو کوئی جان نہیں جانتی جو

اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۷

ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے یہ جزا ہے اس عمل کی جو وہ کرتے تھے۔ [14]

[12] یعنی قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کرنے کی بجائے اُس

کے حضور عجز و انکسار ہو۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن سن کر سجدے میں گر جاتے ہیں اور اُس کی حمد و تسبیح بجا لاتے ہیں۔

[13] یعنی اہل ایمان نماز کے لئے نرم و گداز بستروں سے اپنے پہلو جدا کر لیتے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ مومنین نماز عشاء کے لئے بستروں سے دور رہتے ہیں اور نماز پڑھ کر سوتے ہیں اور نماز فجر کے لئے بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ یعنی نرم و گداز بستر کو چھوڑ کر نماز تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور یہی احسن تفسیر ہے۔ کیونکہ بستر سے الگ ہونا جس قدر تہجد کے وقت مشکل ہے اور کہیں اس قدر مشکل نہیں۔

نماز تہجد کی فضیلت

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب بیداری کا ذکر فرمایا حضور سید کائنات ﷺ رو پڑے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ”ان کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔“ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۱ حدیث ۲۸۲۴۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: للخير ابواب الصوم فانه جنة من النار والصدقة فانها تطفئ نار جهنم وقيام الليل۔ نیکی کے بڑے دروازے یہ ہیں روزہ رکھنا کہ یہ دوزخ کی ڈھال ہے، صدقہ کرنا کہ یہ نار جہنم کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھنا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۳۱)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومنین اپنے رب کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے ہیں یعنی وہ بخشش کی امید اور عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں غرباء و مساکین اور کمزور انسانوں کے لئے جذبہ ہمدردی ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ نماز روزہ پہ قوی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نام پہ دینے میں کمزور کیونکہ جیب میں سے کچھ نکالنا بڑی ہمت کا کام ہے۔

اور بلاشبہ یہ بہت فضیلت والی نماز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا:

خير الصيام بعد رمضان صوم عاشور وخير الصلوة بعد الفريضة قيام الليل
روزہ رمضان کے بعد سب سے افضل عاشورہ (دس محرم) کا روزہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز تہجد ہے (مسلم کتاب الصوم) نماز تہجد کے مزید فضائل سورہ مزمل میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے کی فضیلت

یہاں فرمایا گیا: **يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا** کہ مومنین اپنے رب کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا** ”اللہ کو خوف و امید کے ساتھ پکارو۔“ (اعراف: ۵۶) اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

[14] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال گزرا ہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی: **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم**۔“

(بخاری کتاب التفسیر سورہ سجدہ حدیث ۴۷۸۰)

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوْنَ ۝۱۸ اَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا

تو جو مومن ہو، کیا وہ فاسق (کافر) کی طرح ہو سکتا ہے؟ وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰی نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۹

اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے دائمی ٹھکانے کے باغات ہیں یہ ان کے عمل کے بدلے میزبانی ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوٰهُمْ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

اور جنہوں نے بُرے کام کئے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی وہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں

أَعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ

لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ عذاب جہنم چکھو جسے تم

تُكَذِّبُونَ ۝۲۰ وَلَنَذِيقَنَّ هُمُ الْعَذَابِ الْأَدْنٰی دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ

جھٹلاتے تھے [15] اور ہم انہیں بڑے عذاب سے قبل قریب والا عذاب چکھاتے ہیں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۲۱ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ

تاکہ وہ باز آئیں۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں تو وہ ان سے

عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمَجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ۝۲۲

منہ پھیر لے۔ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔ [16]

[15] مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ کافر خواہ کتنا خوش اخلاق عالم فاضل بہادر سخی اور انسان دوست ہو اس کا کفر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سب خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ بیٹا کتنا ہی عالم فاضل خوش اخلاق اور ملنسار ہو اگر وہ اپنے باپ کو باپ نہ مانے یا اس کے ساتھ کسی اور شخص کو بھی باپ مانے تو ایسے بیہودہ شخص کا اس کے باپ کے ہاں کیا مقام ہے اس کے برعکس جو شخص اپنے باپ کا احترام بجالاتا اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اس کے لئے باپ کے ہاں ہر انعام و اکرام ہے اس لئے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے ان کے لئے جنت میں میزبانی ہے اور جنہوں نے بُرے کام کئے (اور سب سے برا کام کفر ہے) ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے وہ جب بھی وہاں سے نکلنا چاہیں گے انہیں

واپس اس میں پھینک دیا جائے گا۔

مروی ہے کہ جب آگ کے شعلے کفار کو اٹھا کر دوزخ کی دیواروں سے اوپر لے جائیں گے تو وہ وہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کریں گے مگر انہیں آگ واپس نیچے لے جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم عذاب جہنم سے انکار کرتے تھے تو اب اس کا مزہ چکھو۔

فضیلتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ آیت 18 اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید نے کہا اے علی! میں تم سے زیادہ خطیب بہادر اور قوی ہوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا خاموش رہو تم فاسق (کافر) ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تائید میں یہ آیت اتاری اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۵)

اس سے سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت ایمانی معلوم ہوئی۔ اسی لئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ فرمایا:

ان علیا لا یبغضہ مومن ولا یحبہ منافق۔ ”مومن علی سے بغض اور منافق علی سے محبت نہیں رکھ سکتا۔“

(ترمذی کتاب المناقب باب ۲۰)

[16] یعنی ہم کفار کو قیامت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں چھوٹے عذابات سے دوچار کرتے ہیں جو کہ قریب کے عذابات ہیں تاکہ وہ کفر سے باز آئیں جیسے کفار مکہ کو سات برس قحط میں مبتلا کیا گیا پھر بدر و احزاب اور حنین وغیرہ میں ذلت و ہزیمت سے دوچار کیا گیا تاکہ وہ باز آئیں پھر بارہ صدیوں تک یہی سلسلہ رہا کہ کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں مسلسل ذلت و شکست سے دوچار کر کے متنبہ کیا جاتا رہا۔ لیکن اب قریباً دو صدیوں سے مسلمانوں کی اپنی بد عملی کے سبب ان پر وقت زوال ہے مگر اللہ تعالیٰ دشمنان اسلام کو تادیر ڈھیل نہیں دیتا عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں پھر شکست و ذلت سے دوچار کر کے انہیں متنبہ فرمائے گا تاکہ وہ اسلام دشمنی سے باز آئیں اور عذاب آخرت سے بچ جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین حق دین اسلام کو غالب رہنے کے لیے بنایا ہے مغلوب رہنے کے لیے نہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے الاسلام یعلو ولا یعلیٰ یعنی ”اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں رہتا۔“ یعنی ہمیشہ مغلوب نہیں رہتا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو [17] اور ہم نے اسے

هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا

بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جب انہوں نے

صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۝

صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے [18]

اہل کتاب اور مشرکین کو دعوت حق

[17] جب قرآن مجید نازل ہوا تو بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ نے اس سے زوردار انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور گزشتہ آیت وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ۝ میں بھی یہی مضمون تھا کہ اللہ کی نازل کردہ آیات سے اعراض کرنے والوں سے بڑا ظالم کون ہے اور ہم ایسے لوگوں سے انتقام لیں گے۔ اسی بارے میں مزید فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی جب تم اسے مانتے ہو تو تمہیں قرآن دیا گیا ہے تم اس کے ملنے میں کیوں شک کرتے ہو۔

اس جگہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ سے خطاب ہو اور مِّنْ لِّقَائِهِ میں ضمیر مجرور کا مرجع موسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔ یعنی اے پیارے محبوب ﷺ! آپ موسیٰ (علیہ السلام) سے ضرور ملیں گے اس بارے میں آپ شک نہ رکھیں۔ چنانچہ مکی زندگی کے آخر میں واقعہ معراج ہوا اور اس میں جس نبی سے حضور ﷺ کی سب سے زیادہ اور بار بار ملاقات ہوئی وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ مسجد اقصیٰ میں ملاقات ہوئی، پھر آپ ان کی قبر کے قریب سے گزرے اور انہیں قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا، پھر آسمان میں ملاقات ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے بعد آپ واپس آئے تو راستے میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ آپ اپنی امت کے لئے کیا لائے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا پچاس نمازیں۔ انہوں نے آپ کو تخفیف کے لئے واپس جانے کا مشورہ دیا آپ واپس جا کر پانچ نمازیں کم کر دلائے انہوں نے پھر جا کر مزید تخفیف کا مشورہ دیا یوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بار بار ملاقات ہوئی۔ بلکہ حجتہ الوداع پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے آپ کے ساتھ مل کر حج کیا۔ (ابن ماجہ کتاب المناکب باب ۴) گویا یہ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ والے وعدہ کی تکمیل تھی۔

[18] تورات کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا چنانچہ ان میں سے کئی لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ تورات کے

عالم بن کر بنی اسرائیل کے لئے پیشوا بنے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم کو ہدایت دیتے تھے۔ اور یہ مرتبہ انہیں صبر اور یقین کی برکت سے حاصل ہوا یعنی ان کے دلوں میں صبر پیدا ہوا اور وہ حرام خوری، کذب بیانی اور دیگر گناہوں سے دور ہو گئے اور انہیں یقین حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ گویا اگر قرآن کے پڑھنے والے بھی اسے صبر و یقین کے ساتھ پڑھیں تو وہ بھی پیشوایان امت بن سکتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ پر نبوت ختم کر دی گئی اور آپ کے بعد امت میں ہمیشہ ایسے علماء و مشائخ پیدا ہوتے رہے جو قرآن کو صبر و یقین کے ساتھ پڑھتے تھے اور انہوں نے امت مسلمہ کی راہنمائی کی اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

تورات پر قرآن کی برتری

تورات کو صرف بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا: وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۵﴾ مگر قرآن مجید کے بارے میں فرمایا گیا: هُدًى لِّلنَّاسِ۔ یہ ساری نسل انسانی کے لئے ہدایت ہے۔ (بقرہ: ۱۸۵) دوسری جگہ ارشاد ہوا: اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ ”یہ تمام جہانوں کے لئے ذکر ہے۔“ (تکویر: ۲۷) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿۱﴾ ”برکت والا وہ اللہ ہے جس نے اپنے بندہ خاص پہ فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔“ (فرقان: ۱)

امامت کے لئے کوئی عدد مخصوص نہیں اور یہ ایک کسی منصب ہے

تورات کی ہدایت سے فیض یاب ہو کر بنی اسرائیل میں ائمہ دین پیدا ہوئے جنہوں نے قوم کی راہنمائی کی گویا ان ائمہ کی کوئی خاص تعداد مقرر نہ تھی اس لئے ائمۃ کلمہ نکرہ استعمال کیا گیا۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے فیض یاب ہو کر درجہ امامت حاصل کرنے والے ائمہ دین کی بھی کوئی مقرر تعداد نہیں بلکہ تا قیامت محدثین، مفسرین، فقہاء اور علماء حق اور مشائخ دین یعنی اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے ان کی تعداد کا تعین نہیں ہے جیسا کہ اہل تشیع نے امامت کو بارے افراد میں منحصر کر دیا۔ اور لَمَّا صَبَرُوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امامت ایک کسی منصب ہے جو شخص بھی اللہ و رسول کی اطاعت میں صبر و رضا کو اپنالے اللہ تعالیٰ اسے درجہ امامت عطا فرماتا ہے۔ یعنی اپنے قرب سے نوازتا اور درجہ ولایت عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل والی حدیث اس پہ دلالت کرتی ہے لہذا اہل تشیع کا امامت کو نبوت کی طرح منصوص من اللہ منصب قرار دینا غلط ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ بے شک آپ کا رب ان کے درمیان روز قیامت اس بارے میں

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي

کیا انہیں اس بات نے ہدایت نہ دی کہ ہم نے ان سے قبل کئی قومیں تباہ کر دیں جن کے مسکنوں میں (آج) وہ

مَسْكِنِهِمْ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةٍ ط أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا

چلتے پھرتے ہیں؟ اس میں بڑی نشانیاں ہیں تو کیا وہ سنتے نہیں؟ [19] کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ

نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرْزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ

ہم پانی کو خشک زمین کی طرف لے چلتے ہیں پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جس سے ان کے جانور اور وہ خود

وَأَنْفُسُهُمْ ط أَفَلَا يَبْصُرُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ

کھاتے ہیں، کیا وہ دیکھتے نہیں؟ [20] اور وہ کہتے ہیں یہ فتح کب ہو گی اگر تم

صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

سچے ہو؟ آپ فرما دیں فتح والے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت

يَنْظُرُونَ ﴿٢٩﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ﴿٣٠﴾ ع

دی جائے گی، تو آپ ان سے اعراض کریں اور انتظار کریں وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں [21]

[19] اہل کتاب اور مشرکین جن چیزوں سے انکار کرتے ہیں مثلاً قرآن اور نبوت محمدیہ، روز قیامت اللہ اس بارے میں ان پر حق واضح کر دے گا اور انہیں اس بات سے ہدایت لینی چاہئے کہ جب پہلی قوموں نے انبیاء سے مخالفت کی تو ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور آج وہ ان کے کھنڈرات میں سے گزرتے ہیں اس میں ان کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور آج بھی جزیرہ عرب میں عاد و ثمود کے کھنڈرات موجود ہیں۔

[20] اللہ تعالیٰ پہاڑوں پہ بارش برسا کر وہاں سے آبشاروں، وادیوں، نہروں اور دریاؤں کی صورت میں پانی کو چلا کر خشک زمین تک لے آتا ہے جس سے وہ غذا پیدا ہوتی ہے جسے سب انسان و حیوان کھاتے ہیں تو جو اللہ پانی سے

خشک زمین کو زندہ کر دیتا ہے کیا وہ روز قیامت خشک ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ لہذا انسان کی عظمت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسکی توحید پہ ایمان لائے اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں کی اطاعت کرے جن کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو تسلیم کرے جن کی سردار کتاب قرآن کریم ہے۔

[21] جب کہا گیا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کفار و مؤمنین کے درمیان ہر معاملہ میں حقیقت کو کھول دے گا۔ اور قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿۲۱﴾ ”آپ فرما دیں ہمارا رب ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ حقیقت کا کھول دینے والا علم والا ہے۔“ (سباء: ۲۱) تو کفار پوچھتے تھے اے مسلمانو! اگر یہ یوم الفتح حق ہے تو وہ کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ دن آجائے گا تو کفار کو اس دن ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں یہ مہلت دی جائے گی کہ وہ دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے اعمال کر لیں۔ لہذا سب کو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔

الحمد للہ آج 27 ربیع الثانی 1429ھ بمطابق 3 مئی 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر سورہ سجدہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورة الاحزاب

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 33 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 88 ویں سورت ہے۔ اس کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے اس لئے اسے سورہ احزاب کہتے ہیں۔ اس سورت میں نو (9) رکوعات، تہتر (73) آیات، ایک ہزار دو سو اسی (1280) کلمات اور پانچ ہزار سات سو نوے (5790) حروف ہیں۔

یہ سورت ابتداء میں بہت لمبی نازل ہوئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سورہ احزاب کو سورہ بقرہ کے برابر پایا اور اس میں یہ آیت بھی تھی: الشیخ والشیخۃ اذا زینا فارجموہبا نکالا من اللہ جب بوڑھے (شادی شدہ) مرد و عورت باہم زنا کریں تو انہیں سنگسار کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزائے عبرت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا واپس اٹھالیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ ۱۲۳)

یہ مکمل مدنی سورت ہے جو قریباً 5ھ میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے جو 5ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ آگے سورت کی تفسیر میں اس غزوہ کے احوال آرہے ہیں۔

مضامین

اس سورت کے ابتداء میں منہ بولے بیٹوں کا شرعی حکم اور ظہار کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت پہ اختیار اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی عظمت بتائی گئی ہے، پھر دوسرے رکوع سے غزوہ احزاب کا ذکر شروع ہوتا ہے جو تیسرے رکوع تک چلا گیا ہے۔ تیسرے رکوع میں غزوہ بنو قریظہ کا ذکر ہے۔ چوتھا رکوع رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی عظمتوں پہ مشتمل ہے۔ جس کے ضمن میں آپ کے داماد مولا علی المرتضیٰ، بیٹی سیدہ فاطمہ الزہرا اور نواسوں حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر بھی ہے۔

پانچویں رکوع میں رسول اللہ ﷺ کے حضرت سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح پر منافقین و یہود کے اعتراضات

کا جواب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان ختم نبوت بیان فرمائی گئی ہے۔ چھٹے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کا شاہد، بشیر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر ہونا بیان کیا گیا ہے اور نکاح کے بارے میں آپ ﷺ کے لیے خصوصی اختیارات بیان کیے گئے ہیں۔ ساتویں رکوع میں رسول اللہ ﷺ کے کا شانہ اقدس میں حاضری کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور آپ ﷺ پہ درود و سلام بھیجنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔ آٹھویں رکوع میں خواتین اسلام کو پردہ کے احکام بتائے گئے اور منافقین کے کردار پہ رد کیا گیا ہے اور نویں اور آخری رکوع میں بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں گفتگو کا ادب اور اطاعتِ خدا و مصطفیٰ ﷺ پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ الغرض یہ سورت علوم و معارف کا نہایت حسین مجموعہ ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

اے نبی اکرم (ﷺ) آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بے شک اللہ

عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا

علم والا حکمت والا ہے۔ اور جو وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ پر کی گئی ہے اس کی پیروی کریں بے شک اللہ

تَعْمَلُونَ خَيْرًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی کارساز ہے۔ [1]

نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کیلئے اللہ کی طرف سے ایک ہدایت نامہ

[1] واحدی، قشیری، ثعلبی اور ماوردی کے مطابق ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ چند سردارانِ کفار مکہ مدینہ طیبہ آئے اور چند منافقین کا سہارا لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ آپ ہمارے خداؤں لات وعزى اور منات کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور یہ کہہ دیں کہ جو ان کی عبادت کرے یہ روز قیامت اس کی شفاعت کریں گے۔ اگر آپ اتنا کہہ دیں تو ہم بھی آپ کے رب اور آپ کے دین کو بُرا کہنا چھوڑ دیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کو ان کی بات سخت بُری لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں کہ میں ان کی گردنیں اتار دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں انہیں امان دے چکا ہوں کہ وہ جو چاہیں مجھ سے بات کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا نکل جاؤ یہاں سے اللہ تم پر اپنی لعنت اور غضب اتارے۔ تو انہیں مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا۔ تب یہ آیت اتری: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے نبی ﷺ! آپ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیں اور جو وحی آپ پر کی جاتی ہے صرف اسی کی پیروی جاری رکھیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں وہ آپ کا کافی کارساز ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا گیا

کہیں حضور جانِ عالم ﷺ کو یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ کہہ کر پکارا گیا، کہیں یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ کہا گیا مگر سارے قرآن میں کہیں یا محمد اور یا احمد نہ کہا گیا۔ جبکہ پہلے انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے یا آدم یا ابراہیم یا موسیٰ یا داؤد اور یا عیسیٰ ابن مریم کہہ کر پکارا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کو آپ کے نام سے بھی پکار سکتا ہے وہ رب ہے آپ اس کے بندے ہیں۔ اور بعض احادیث قدسیہ میں اللہ تعالیٰ کا آپ کو نام کے ساتھ پکارنا مذکور بھی ہے۔ مگر سارے قرآن کریم میں کہیں بھی آپ کو نام کے ساتھ نہیں پکارا گیا اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سید المرسلین ﷺ کی جو عظمت ظاہر ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اگر کسی شخص کا بیٹا قاضی ہے تو وہ اپنے بیٹے کو اس کے نام کے ساتھ بھی پکار سکتا ہے لیکن اگر وہ اسے قاضی صاحب کہہ کر پکارے تو اس میں اس کے لیے بہت زیادہ عزت افزائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے کی ممانعت

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے نام کے ساتھ پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا یعنی ”جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو رسول اللہ ﷺ کو ایسے مت پکارو۔“ (نور، ۱۳) اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین کو ان کے نام کے ساتھ پکارنا سوء ادب ہے۔ ایک حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کو نام لے کر پکارنے میں کس قدر سوء ادب ہے یہ کسی مومن پہ مخفی نہیں ہے۔ رہا وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئے تو اہل مدینہ کے بچے اور نو جوان اور غلام چھتوں پہ چڑھ کر اور راستوں میں پھیل کر یا محمد یا رسول اللہ ﷺ کے نعرے لگا رہے تھے۔ (مسلم کتاب الزہد حدیث ۷۵)

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا پاؤں خراب ہونے پر پکارا تھا: یا محمد! (الادب المفرد صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ پاکستان) اور حدیث تو سل میں ہے: یا محمد انی اتوجه بک الی ربی۔ (ابن ماجہ، باب اقامۃ الصلاۃ، حدیث ۱۳۸۵) تو ان سب میں رسول اللہ ﷺ کو بلانا مقصد نہیں ہے بلکہ آپ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصد ہے یعنی ان میں یہ مقصود نہیں کہ آپ آگے سے جواب دیں۔ بلکہ یہ صرف آپ کو یاد کرنے اور آپ کے ذکر سے اپنے دل کو سکون پہنچانے کا ایک انداز ہے اس کی پوری تحقیق ہم پیچھے اسی آیت لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ الْخ کے تحت لکھ آئے ہیں۔

کفار کی خوشنودی کے لئے دین کے کسی حصہ کا ترک یا اس کا بدلنا جائز نہیں

کفار مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنے بتوں کے بارے میں نرمی برتنے کی درخواست کی جو حکم خداوندی کے خلاف تھی تو آپ ﷺ نے انہیں سختی سے جھڑک کر مدینہ طیبہ سے نکال دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی۔ آج مسلمانوں

پر مغربی طاقتوں کا پریشر ہے کہ جہاد کی بات نہ کی جائے ایسے میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان پر جہاد کی اہمیت واضح کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ اپنے فلسطینی، کشمیری، عراقی اور افغانی مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے جہاد کریں گے۔ مگر اسکے لیے جرأت ایمانی چاہیے جو آج ہمارے نام نہاد مسلم حکمرانوں میں نہیں ہے۔ کیونکہ انکی بادشاہتیں اور حکومتیں اسلام دشمن طاقتوں کے سہارے قائم ہیں۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الْإِيۡتِ

اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے اور نہ ہی اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم

تُظْهِرُوْنَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۖ ذٰلِكُمْ

ظہار کر لو تمہاری حقیقی مائیں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے، یہ

قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝

تمہاری بات تمہارے اپنے منہ کی ہے اور اللہ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے [2]

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ

لوگوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو یہی اللہ کے ہاں منصفانہ بات ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے باپ

فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۖ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا

معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں۔ اور تم پر اس معاملہ میں جس میں تم سے بھول ہو گئی

أَخْطَاكُمْ بِهِ ۚ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

کوئی گناہ نہیں مگر جو کام تمہارے دلوں نے قصداً کیا (اس پر گناہ ہے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [3]

[2] دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا یعنی اسے کہہ دیتا کہ تمہاری ظہر (یعنی پشت) میرے

لئے میری ماں کی طرح ہے (کہ جیسے میں اپنی ماں کی پشت سے کپڑا نہیں اٹھا سکتا تمہاری پشت سے بھی کپڑا نہیں اٹھاؤں

گا) تو سمجھا جاتا کہ اب اس کی بیوی اس کے لئے ماں کی طرح ہو گئی ہے اور نکاح ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح دورِ جاہلیت

میں جب کوئی شخص کسی نو جوان کو جسمانی اور مالی اعتبار سے عمدہ دیکھتا تو وہ اسے منہ بولا بیٹا قرار دیتا اور وہ نو جوان اس کے

سگے بیٹوں کی طرح اس کا وارث قرار پاتا اور وہ شخص اس نو جوان کا وارث ٹھہرتا اور اس کی نسب بھی اس کے ساتھ معروف

ہو جاتی اور اسے فلاں بن فلاں کہا جاتا اور اس کے حقیقی باپ سے اس کا نسب ختم کر دیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ رسوم کے رد میں یہ آیات اتاریں۔ (قرطبی) یاد رہے کہ ادعیاء دعویٰ کی جمع ہے جس کا معنی منہ بولا بیٹا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن بیویوں سے تم ظہار کر لو وہ تمہاری حقیقی مائیں نہیں بن سکتیں۔ بلکہ وہ تمہاری بیویاں ہی رہتی ہیں اور جن لڑکوں یا نوجوانوں کو تم اپنے منہ بولے بیٹے بنا لو وہ تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بن سکتے۔ کیونکہ وہ حقیقی طور پر اپنے والدین ہی کے بیٹے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ میں فرمایا کہ اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے یعنی ایک دل سے وہ ایک شخص کو باپ کہے اور دوسرے دل سے دوسرے آدمی کو باپ قرار دے۔ جب ایسا نہیں ہو سکتا تو منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا کیسے بن سکتا ہے؟

ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا

الَّتِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ کے تحت یاد رہے کہ کسی کا اپنی بیوی سے کہنا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت یا بطن یا ران کی طرح ہو یعنی جس طرح میں اپنی ماں کی پشت یا بطن یا ران کو نہیں دیکھ سکتا تمہیں بھی نہیں دیکھوں گا مطلب یہ کہ کبھی تم سے مباشرت نہیں کروں گا اسے ظہار کہتے ہیں۔ اس سے نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ کفارہ لازم آتا ہے کہ غلام آزاد کرے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے یا مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور جب تک کفارہ نہ دے دے وہ اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کر سکتا (کنز الدقائق صفحہ ۱۳۸ کتاب النکاح باب الظہار) ظہار کا تفصیلی بیان سورہ مجادلہ کے پہلے رکوع میں آئے گا۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ بعض جہلاء غصہ میں اپنی بیوی سے کہہ دیتے ہیں کہ تم میری ماں ہو یا میری بہن ہو اور وہ اسے طلاق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ طلاق نہیں ہے بلکہ یہ ایک بیکار اور مہمل جملہ ہے۔ جو سراسر جھوٹ ہے۔ ہاں اگر کسی نے بیوی سے یوں کہا کہ تم میری ماں یا بہن کی طرح ہو تو اب یہ جملہ لغو نہیں بلکہ اس کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم میری ماں یا بہن کی طرح نیک اور سخی ہو۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم ان کی طرح مجھ پر حرام ہو، اگر کہنے والے نے یہ معنی مراد لیا تو اس سے طلاق بائن ہو جائے گی اور اگر اس سے ظہار مراد لیا ہے تو پھر ظہار ہے یعنی کفارہ ظہار لازم ہو گیا۔ (در مختار جلد ۵ صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے احکام حاصل نہیں کر سکتا

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ اس لیے فرمایا گیا کہ دور جاہلیت کے لوگ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے والے احکام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا اور یہ جہالت آج بھی مسلمانوں میں ہے کہ بعض جاہل مسلمان کسی بچے کو بچپن سے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ پھر اس کو سگے بیٹے والے احکام دیدیتے ہیں۔ یعنی اس کو اپنی بہو بیٹیوں میں یوں داخل کر دیتے ہیں جیسے وہ ان کا محرم ہے۔ مگر اس سے شرعی احکام نہیں بدل سکتے، نہ ہی وہ محرم بن سکتا ہے۔ لہذا اگر کوئی عورت

کسی نو جوان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لے خواہ اسے بچپن سے گود لے لے تو بھی وہ اس کا شرعی بیٹا نہیں ہے۔ اس سے پردہ لازم ہے اور اس عورت کی جوان لڑکیوں پر بھی اس سے پردہ لازم ہے۔ وہ تنہائی میں اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے نہ ہی کسی لمبے سفر پر اکٹھے جاسکتے ہیں جب تک لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی عورت کسی شیرخوار بچے کو گود لے کر اسے اپنا دودھ پلا دے تو وہ رضاعی بیٹا ہے اس سے پردہ لازم نہیں ہے اور اس سے نکاح حرام ہے مگر وہ بھی حقیقی بیٹا نہیں بن سکتا اور نہ وراثت کا حقدار قرار پاسکتا ہے۔ وراثت کا حقدار صرف حقیقی اور صلبی بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔

اس جگہ یہ خرابی بیان کرنا ضروری ہے کہ آجکل جو لوگ کسی بچے کو بچپن سے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں اور کاغذات میں ولدیت کے خانے میں اپنا نام ڈال دیتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے اپنا نسب بدلا اس پہ اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (متفق علیہ)

[3] یعنی تم اپنے منہ بولے بیٹوں کا نسب اپنے ساتھ نہ لگاؤ بلکہ انہیں ان کے حقیقی باپوں کے نام کے ساتھ ہی پکارو یہی منصفانہ طریقہ ہے ورنہ لوگوں کے نسب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا باپ معلوم نہ ہو کہ کون ہے تو تم اسے اپنا دینی بھائی اور دوست کہو اسے بھی کوئی شخص اپنی طرف منسوب کر کے اسے اپنے حقیقی بیٹے کا درجہ نہ دے۔ البتہ اس سے قبل جو تم کر چکے وہ تمہاری خطا تھی اسے معاف کیا جاتا ہے مگر آئندہ جان بوجھ کر کوئی شخص ایسا نہ کرے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طویل قصہ مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے وہ بچپن میں ملک شام سے غلام بنا کر لائے گئے اور مکہ میں فروخت کر دیے گئے۔ انہیں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا۔ جب ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں دے دیا تو وہ آپ کی خدمت ہی میں جوان ہوئے۔ پھر ان کے والدین انہیں تلاش کرتے ہوئے مکہ آ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ زید کو ان کے حوالے کر دیں اور جتنا مال چاہے لے لیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مفت لے جاؤ مگر حضرت زید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ آپ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا آج سے زید آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث ہوگا میں اس کا وارث ہوں گا (یہ اعلان نبوت سے قبل کی بات ہے جو بعد میں منسوخ ہو گئی اور کہا گیا کہ نبی کی مالی میراث نہیں ہوتی) چنانچہ اس آیت کے نزول سے قبل انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر جب یہ آیت اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ (کہ ہر شخص کو اس کے حقیقی باپ کے ساتھ ہی پکارو) نازل ہوئی تو انہیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۶۳ بروایت ابن مردویہ)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابو حذیفہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک نو جوان سالم نامی کو اپنا بیٹا قرار دے رکھا تھا اور اسے سالم بن ابی حذیفہ کہا جاتا تھا حالانکہ سالم ایک انصاری عورت کا غلام تھا۔ جب یہ آیت اتری:

اَدْعُوْهُمْ لِاَبَائِهِمْ تَوَّاسَ سَالِمٍ مَّوْلٰى اَبِى حَذِيفَةَ كِهَاجَانِ لَگَا۔ (درمنثور)

النَّبِیُّ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَتُهُمْ ط وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

نبی اکرم (ﷺ) مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ باختیار ہیں [4] اور آپ کی بیویاں مومنوں کی

بَعْضُهُمْ اَوَّلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ اِلَّا

مائیں ہیں [5]۔ اور قریبی رشتہ دار ہی آپس میں اللہ کی تحریر کے مطابق دوسرے مومنوں اور مہاجرین کی

اَنْ تَفْعَلُوْا اِلَّا اَوْلِیَیْکُمْ مَّعْرُوْفًا ط کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْطُوْرًا ⑥

یہ نسبت زیادہ حق دار ہیں۔ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے بھلائی کرو، یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ [6]

[4] النَّبِیُّ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے تین معانی ہیں۔ اور ہر معنی اپنی جگہ درست ہے اور یہ اعجاز قرآن ہے کہ ایک آیت کے کئی معانی بنتے ہیں۔ یہ جامعیت اور گہرائی و گیرائی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

النَّبِیُّ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے تین معانی

اول معنی

یہ ہے کہ اولیٰ بمعنی احکم یا اقدار ہے یعنی نبی کریم ﷺ کو مومنوں پہ ان کی جانوں سے زیادہ اختیار ہے کیونکہ اولیٰ ولی سے نکلا ہے جس کا معنی حاکم اور کارساز بھی ہوتا ہے اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ کا حکم مسلمانوں پہ یوں جاری ہے کہ وہ خود پر اپنی مرضی نہیں چلا سکتے بلکہ حکم رسول ان پر نافذ ہے۔

دوم معنی

یہ ہے کہ اولیٰ بمعنی احب (محبوب تر) ہے کیونکہ یہ ولی سے اسم تفضیل ہے اور ولی کا معنی دوست اور محبوب بھی ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی محبوب تر ہیں۔ اسی لئے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے محبوب تر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں (تم بار ایمان مکمل نہیں) جب تک تم مجھے اپنی جان سے بھی محبوب تر نہ جانو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی پیارے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَلَا اَنْ لِّیْ عِنْدَیْ اَب بَات مَکْمَل ہوئی (اب ایمان مکمل ہوا)

(بخاری کتاب الایمان والنذر باب ۳ حدیث ۶۶۳۲)

سوم معنی

اولیٰ بمعنی اقرب (قریب تر) بھی ہے جیسے اِنَّ اَوَّلٰی النَّاسِ بِاَبْرِہِیْمَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ ”بے شک

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

مومنین ہی سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم (علیہ السلام) سے قریب تر ہیں۔“ (آل عمران، ۶۸) معنی یہ ہوا کہ حضور سید کائنات ﷺ مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے بھی قریب تر ہیں یعنی ان کا کوئی قریبی عزیز ان کا وہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا جو آپ ان کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اولاً: آپ ﷺ نے وہ بوجھ اتار دیئے جن کے نیچے انسانیت دبی ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ آپ مومنوں کے بوجھ دور کرتے اور گلے کے پھندے اتارتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ (اعراف، ۱۵۷) ثانیاً: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں ہر مومن کے لئے دنیا و آخرت میں اس کا قریب ترین عزیز ہوں لہذا مومن کا مال اس کے ورثاء کا ہے اور اگر وہ قرض چھوڑ جائے تو میں اس کا سب سے قریبی ہوں (اس کا قرض میرے ذمے ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: اَللّٰہِیْ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہُمْ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب) اور آج بھی یہی حکم شریعت ہے کہ جس کا قرض اتارنے والا کوئی نہ ہو اس کا قرض حاکم اسلامی بیت المال سے اتارے، کیونکہ حاکم اسلامی رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے کہ آپ ہی کی شریعت کو نافذ کرتا ہے۔ ثالثاً: آپ روز قیامت ساری امت کی شفاعت کر کے ان کا بوجھ اٹھائیں گے۔

جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
 رابعا: اس جگہ اَوَّلٰی بمعنی اقرب کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کی توجہ اور تصرف سارے جہان کو محیط ہے اور ہر مومن کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لحاظ سے آپ ان کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”جب بھی کوئی مومن مجھے سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری توجہ اسکی طرف مبذول کرتا ہے تو میں اسے اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“ (سنن ابی داؤد کتاب المناکب حدیث ۲۰۴۱) اس حدیث کے تحت امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ ایک وقت میں سارے جہان سے کروڑوں اہل اسلام آپ پر درود و سلام پڑھتے ہیں تو آپ سب کو بیک وقت کیسے جواب دیتے ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ملک الموت آن واحد میں سارے جہاں سے لاکھوں لوگوں کی جانیں قبض کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنے اذکار میں بھی مشغول رہتا ہے۔ اگر ملک الموت کی توجہ کا یہ عالم ہے تو سید المرسلین ﷺ کی توجہ کا کیا عالم ہوگا۔ (مواہب لدنیہ ج ۴ ص ۵۸۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی شام) تو حضور سید کائنات ﷺ کا مومنوں کی جانوں سے بھی انکے قریب ہونا اس معنی میں بھی ہے کہ آپ کی توجہ نے ہر مومن کو گھیر رکھا ہے۔

[5] یعنی جس طرح نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لئے ان کے ہر قریبی عزیز سے بڑھ کر قریب تر ہیں یونہی نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ساری امت کے لئے روحانی و ایمانی مائیں ہیں اور حقیقی ماؤں سے بڑھ کر مومنوں پہ ان کا احترام لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَلَا اَنْ تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہُمْ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا ۝ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے

مت نکاح کرو۔ (احزاب: ۵۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ساری امت کے لئے روحانی و ایمانی باپ ہیں اور ہر نبی اپنی امت کا ایمانی باپ ہوتا ہے اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: هُوَ لَاءِ بَنَاتِي هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ یہ (قوم کی عورتیں) میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ (حجر، ۷۱)

ام المومنین سیدہ عائشہ و ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں اہل تشیع کی بدزبانی

معلوم ہوا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بدزبانی کرنے والے نام نہاد مومنین ازلی بد بخت اور گمراہ ترین بے حیا لوگ ہیں۔ کوئی حیا دار حلالی بیٹا اپنی جسمانی ماں کی بُرائی نہیں سن سکتا اور جو شخص اپنی روحانی و ایمانی ماؤں یعنی امہات المومنین کی بُرائی کرے اس سے بڑھ کر بے حیا کون ہے وہ کس منہ سے خود کو مومن کہتا ہے۔ جسمانی ماں چند بیٹوں کی ماں ہوتی ہے اور امہات المومنین کو اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ اب جو فضیلت ایمان کو جسم پر ہے وہی فضیلت ہماری ایمانی ماؤں کو ہماری جسمانی ماؤں پر ہے۔

افسوس ہے کہ اہل تشیع نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے حضور سید کائنات ﷺ کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ (معاذ اللہ) (تفسیر عباشی جلد اول صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ تہران) یہ وہ بہتان عظیم ہے جس سے عرش الہی کانپ اٹھے۔ اسی طرح اہل تشیع کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے تھے اور سب کا نام لیتے تھے، چار مرد ہیں فلاں فلاں فلاں اور معاویہ، اور چار عورتیں یہ ہیں، فلانیہ فلانیہ ہند اور ام حکیم معاویہ کی بہن۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ تہران) یہاں مسلمانوں کے ڈر سے بطور تقیہ نام نہیں لیے گئے مگر ہر شخص جانتا ہے کہ فلاں فلاں فلاں سے ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور فلانیہ فلانیہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔۔۔

پھر انکے نہایت معتبر و مستند محدث و فقیہ ملاں باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہوگا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کر کے انہیں سزا دے گا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا بدلہ لے گا۔

(حق الیقین ص ۲۱۹ در بیان اثبات رجعت، مطبوعہ تہران)

میں نے یہ غلیظ بد بودار باتیں بادل ناخواستہ صرف اس لیے نقل کی ہیں تاکہ مسلمانوں کو اس فرقہ کی اصلیت سے آگاہی ہو جائے اور وہ ان سے بچ کر رہیں۔

کیا وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَتُهُمْ میں مومنہ عورتیں شامل نہیں ہیں؟

یہاں برطانیہ کے ایک مولانا نے در فتنی چھوڑی ہے کہ ازواج رسول ﷺ صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں مومنہ عورتوں کی مائیں نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَتُهُمْ فرمایا اور هُمْ ضمیر جمع مذکر ہے۔ اس میں عورتیں

شامل نہیں ہیں مگر یہ نہایت غلط اور بے بنیاد دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید میں عموماً مذکر صیغوں میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں جیسے: أَقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا، لَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ، أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ تَوَكُّلِ ان آیات کے احکام میں عورتیں شامل نہیں ہیں؟ پھر اس جگہ فرمایا گیا: النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ، اب حضور ﷺ تمام مومن مردوں عورتوں کے لئے قریب تر ہیں اس سے عورتیں خارج نہیں ہیں تو الْمُؤْمِنِينَ کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہُمْ سے عورتیں کیسے خارج ہو گئیں۔ اور اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت یہ ہے: النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ، وہو اب لہم، نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے قریب تر ہیں کیونکہ آپ ان کے باپ ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ (سنن بیہقی، حاکم، ابن مردویہ) اب جو شخص ازواج رسول کی امومت (ماں ہونے) کو صرف مردوں سے خاص مانتا ہے اسے حضور ﷺ کی محبوبیت اور ابوت کو بھی مردوں سے خاص ماننا چاہیے۔ رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک عورت سے فرمانا کہ میں مومن مردوں کی ماں ہوں، تمہاری ماں نہیں ہوں۔ (سنن بیہقی جلد ۷ صفحہ ۷۰) تو یہ روایت مفہوم قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اسکے علاوہ یہ روایت سنداً بھی کمزور ہے اس کے راوی احمد بن عبید کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا: لیس بعمدة وہ روایت میں عمدہ نہیں ہے اور حاکم نے کہا اس کی اکثر مروی احادیث قابل حجت نہیں ہوتیں اور مشائخ اس سے روایت کرنے میں سکوت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۴۳ راوی ۱۰۳ مطبوعہ دار الحیاء التراث العربی بیروت) اور اگر اس روایت کو قابل قبول مان بھی لیں تو اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہار عجز فرمایا ہے اور اظہار عجز کو حقیقت پہ محمول نہیں کیا جاتا۔

[6] ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار اور غرباء و امراء صحابہ کے درمیان عقد مواخات قائم کیا یعنی ایک مہاجر اور ایک نصاریٰ اسی طرح ایک غریب اور ایک امیر صحابی کے درمیان بھائی بندی بنادی۔ تب وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے پھر یہ آیت: وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلىٰ بِبَعْضٍ اتار کر عقد مواخات والوں کا توارث ختم کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تحریر میں قریبی رشتہ دار ہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ البتہ اگر تم اپنے دوستوں کی مالی مدد کرو تو اس میں حرج نہیں مگر انہیں وراثت میں داخل نہ کرو۔ (قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۴)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ

اور یاد کرو جب ہم نے انبیاء سے ان کا عہد لیا اور آپ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ

وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۚ لِّيَسْأَلَ

اور عیسیٰ ابن مریم سے عہد لیا اور ہم نے ان سے مضبوط پیمان لیا تاکہ اللہ سچے لوگوں سے ان کی

الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

سچائی کے بارے میں پوچھے اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ [7]

[7] یعنی ہر نبی سے مضبوط عہد لیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے گا تاکہ جن سچے لوگوں نے انبیاء کی بات مان کر سچائی کا ساتھ دیا روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کی سچائی ظاہر فرما کر انہیں اس کا بدلہ دے اور منکروں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَبَّاءُ أَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ ۖ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا ۖ أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ (آل عمران، ۸۱) کے مطابق سب انبیاء سے لیا گیا کہ اگر کسی نبی کے زمانہ میں حضور ﷺ مبعوث ہوں تو ہر نبی حضور ﷺ کی اتباع کرے گا اور نبی ﷺ سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ اعلان کریں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ امام قرطبی نے اس تفسیر کو پسند فرمایا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۷)

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا ذکر سب انبیاء سے قبل کیا گیا حالانکہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔ اس کی وضاحت خود نبی اکرم ﷺ نے فرمائی۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت امام ابن ابی حاتم نے حدیث مبارک روایت کی ہے۔ وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنَا أَوَّلُ النَّبِيِّينَ خَلْقًا وَآخِرُهُمْ بَعثًا۔ میں تخلیق میں سب انبیاء سے قبل ہوں اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد اس لئے میرا ذکر پہلے کیا گیا۔ (ابن ابی حاتم عن ابی ہریرہ جلد ۹ صفحہ ۳۱۶ حدیث ۱۷۵۴۹)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ لِمَنْجِدٍ فِي طِينِهِ۔ میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی ابھی گوندھی جا رہی تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

الغرض نبی اکرم ﷺ اول بھی ہیں آخر بھی، آپ تخلیق میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخر میں تشریف

لائے۔ آپ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور آپ کو سب سے آخر میں دنیا میں مبعوث فرمایا گیا۔ گویا آپ کی مثال دائرہ نبوت کی طرح ہے، دائرہ جس نقطہ سے شروع ہو اسی نقطہ پہ آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دائرہ نبوت کو آپ ﷺ کی ذات سے شروع کر کے آپ کی ذات ہی پہ ختم کر دیا۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

فتح باب نبوت پہ بے حد درود ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ

اور اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جب تم پر کئی لشکر آ دھمکے تو ہم نے ان پر

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جو تم نہ دیکھ سکے اور تم جو بھی عمل کرو اللہ اسے

بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ

دیکھتا ہے [8] جب (کفار کے) لشکر تم پر اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب (خوف سے تمہاری)

الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ

آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں کئی طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں

أُبْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝

مومنوں کی آزمائش ہوئی اور انہیں شدید جھنجھوڑا گیا۔ [9]

غزوہ احزاب میں صحابہ کرام کی جانثاری اور منافقین کی مکاری و عیاری

[8] گزشتہ رکوع میں تقویٰ اور توکل پر زور دیا گیا اور تقویٰ کے خلاف بعض جاہلانہ رسوم کا رد کیا گیا اب تقویٰ اور توکل کی مثال دی جا رہی ہے کہ دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ احزاب میں کس طرح مشکل ترین حالات میں توکل و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! یاد کرو جب اللہ نے تم پر یعنی تم میں سے ایک جماعت (صحابہ کرام) پر نعمت فرمائی کہ جب ان پر کفار کے لشکروں نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفانی آندھی بھیج کر انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا اور تمہاری مدد کے لیے نظر نہ آنے والے فرشتوں کے لشکر بھیجے جنہوں نے کفار پر ایسا رعب طاری کیا کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

یادر ہے غزوہ احزاب شوال 5ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ احزاب حزب (بمعنی گروہ) کی جمع ہے اس جنگ میں کفار مکہ نے عرب کے کئی قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کیا اس لئے اسے غزوہ احزاب کہتے ہیں اور اس میں کفار کے راستہ میں جدھر سے ان کے حملہ کا امکان تھا گہری خندق کھودی گئی اس لئے اسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ کفار نے اس غزوہ میں ایک ماہ تک مدینہ طیبہ کا محاصرہ جاری رکھا مگر وہ خندق عبور نہ کر سکے آخر اللہ تعالیٰ نے تیز اور سرد تر ہوا بھیج کر اور فرشتوں کی خوفناک ہیبت خیز تکبیروں کے ذریعے ان پر شدید خوف و ہراس پیدا کر کے انہیں بھاگ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری مدد بادِ صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو بادِ بور سے ہلاک کیا گیا۔“ (بخاری کتاب الاستقواء باب ۲۶) اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر تیز ہوا چلائی کہ ان کے خیمے اڑ گئے جانور بھاگ اٹھے اور ہنڈیاں الٹ گئیں اور اگر وہ ٹھہرے رہتے تو ان میں سے کوئی زندہ نہ بچتا۔

معلوم ہوا جب مسلمان قوم دین کے لئے مخلص ہو تو ہوائیں ان کی مدد کرتی اور فرشتے ان کی مدد کو اتارے جاتے ہیں۔ اگر آج بھی مسلمانوں میں صحابہ کرام والا جذبہ جہاد بیدار ہو تو ان کے دشمنوں پر طوفان بھیجے جاسکتے اور فرشتے ان کی مدد کو اتارے جاسکتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

[9] مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں یہود بنو قریظہ رہتے تھے ان سے مسلمانوں کا باہمی معاہدہ تھا کہ اگر فریقین میں سے کسی پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اس کے مقابلہ میں دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا مگر یہود نے بدعہدی کرتے ہوئے اس موقع پر مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے کفار مکہ کا کھل کر ساتھ دیا بلکہ روایات کے مطابق انہی کی پراصرار دعوت اور بھرپور حمایت کی یقین دہانی پر ہی کفار مکہ نے حملہ کیا تھا۔ تو بالائی حصہ سے یہود حملہ آور تھے اور مدینہ طیبہ کے نشیب میں کفار عرب جمع تھے اور خندق عبور کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے ایسے میں مسلمانوں پہ سخت خوف و ہراس کا ایک وقت آیا یوں لگا کہ ان کی آنکھیں خوف سے پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے ہیں ایسے میں لوگ مختلف گمان کرنے لگے۔ حسن تابعی فرماتے ہیں منافقین تو یہ گمان کرنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام تمام ہونے والا ہے اور مومنین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے غلبہ دین کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۹ حدیث ۱۷۶۰۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں کثیر غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہی۔ ان میں سے غزوہ احزاب حضور ﷺ کے اور مسلمانوں کے لئے شدید تر تھا انہیں سخت بھوک، شدید سردی اور کثیر زخم سہنا پڑے۔“ معلوم ہوا اہل ایمان سخت خوف و ہراس میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔

محلہ کا نام

(برسابقہ تاریخ)

الحمد لله

١٠٠



غطفان

فتی

受



روزنامه کائنات

مکتبہ اسلامیہ

3

(غزوہ افواج) (شمار 5)

”یہ سچ ہے کہ میں نے تم سے ملنے کے لئے آج کل کی تمام باتیں کر لی ہیں۔“

5

بنو حارث بن خنزرج

五


3

۱۰۰

۱۰۰

25

三




卷之六


3

163

بنو عبد المطلب



3



255415

4.62.5.4

3.234.054

蘇子瞻

三、

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ

اور جب منافقین اور جن کے دلوں میں مرض ہے، کہنے لگے ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جھوٹ کے سوا

وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۱۰ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

کوئی وعدہ نہ کیا تھا [10] اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا اے اہل یثرب! تمہارے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے

فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ

تو لوٹ چلو۔ اور ان میں سے ایک گروہ نبی (ﷺ) سے رخصت مانگنے لگا، وہ کہتے تھے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۚ وَلَوْ دَخَلْتُ عَلَيْهِمْ مِّنْ

حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف فرار چاہتے تھے [11] اور اگر ان پر اطراف مدینہ سے

أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبِلُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا فِيهَا إِلَّا يَسِيرًا ۚ وَلَقَدْ

فوجیں آجائیں پھر ان سے فتنہ (کفر) مانگا جائے تو وہ اسے ضرور دے دیں گے اور اس میں تھوڑی ہی دیر کریں گے۔ حالانکہ

كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْلُونَ إِلَّا دُبَارًا ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ

اس سے قبل انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے اور اللہ کے وعدہ کے بارے میں (روز قیامت)

مَسْئُولًا ۚ قُلْ لَّنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ

پوچھا جائے گا۔ آپ فرما دیں اگر تم موت یا قتل سے فرار کرو تو تمہیں فرار نفع نہ دے گا

وَإِذَا لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ

اور تب تمہیں (دنیا میں) بس تھوڑا ہی برتاؤ دیا جائے گا۔ آپ فرما دیں کہ اگر اللہ تمہارے ساتھ بُرائی (عذاب) کا

أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ

ارادہ کرے تو تمہیں کون بچا سکتا ہے یا اگر وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ کرے (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور وہ اللہ کے سوا

مع

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۲﴾

کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار۔ [12]

[10] غزوہ احزاب میں منافقین (جو دل سے بکے کافر اور زبان سے مومن تھے) اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض تھا (یعنی بعض وہ منافقین جو شک میں مبتلا تھے کہ پتہ نہیں کون سچا ہے مومنین یا کفار، بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا تو وہ انہیں سچا سمجھنے لگے پھر احد میں حالات مومنوں کے خلاف ہوئے تو وہ شک میں مبتلا ہو گئے) کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدہ غلبہ دین کیا وہ جھوٹ تھا۔

جب غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے روم و ایران اور یمن کی فتوحات کی بشارات دیں

در اصل واقعہ یہ ہوا کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں ایک چٹان حائل ہو گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پر کدال مارا تو چمک نمودار ہوئی اور چٹان سے ایک بڑا ٹکڑا جدا ہو گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا مجھے قیصر روم کے محلات (جو شام میں تھے) دکھائی دے رہے ہیں اور میری امت وہاں تک پہنچے گی۔ پھر دوبارہ کدال مارنے سے چمک پیدا ہوئی اور چٹان کا ایک اور بڑا ٹکڑا کٹ گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کسریٰ ایران کے محلات دکھائے گئے ہیں اور میری امت وہاں تک پہنچے گی پھر تیسری ضرب پر حضور ﷺ نے یمن کی فتح کی بشارت دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے ہر ارشاد پر نعرہ تکبیر بلند کیا اور منافقین یہ سن کر کہنے لگے: یہ شخص ایک طرف ہمیں روم و ایران کی فتوحات کے وعدے دیتا ہے اور دوسری طرف خوف کا یہ عالم ہے کہ ہم دشمن کے ڈر سے باہر پیشاب کرنے نہیں جاسکتے۔ یعنی اس کے وعدے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) (مدارج النبوة، مواہب لدنیہ، زرقانی وغیرہ)

تو منافقین کی یہ باتیں سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿۲۲﴾ یہ ”ہم سے اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ ہے اور ان کا وعدہ سچا ہے اور اس سے ان کا ایمان اور جذبہ اطاعت مزید بڑھ گیا۔“ (احزاب، ۲۲)

چنانچہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں شام و ایران اور یمن کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں پوری ہوئیں معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر مومن شک نہیں رکھتا اور منافق یقین نہیں لاتا۔

یہ خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ ﷺ کا شام، ایران اور یمن کی فتوحات کی بشارت دینا کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔ جیسے حیات القلوب جلد ۴ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ انتشارات سرور قم، بحار الانور جلد ۲۰ صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت وغیرہ۔

اور ظاہر ہے کہ شام اور یمن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا۔ اس سے ان کی خلافت کا برحق ہونا اور بشارت رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہونا بھی ثابت ہوا۔

[11] بعض منافقین ان مسلمانوں سے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکل کر خندق کے قریب خیمہ زن تھے۔ کہنے لگے: اے اہل یثرب! واپس لوٹ چلو یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور ان میں سے ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ ہم اپنے گھر غیر محفوظ چھوڑ آئے ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ محض بہانہ کر کے میدان جنگ سے فرار چاہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ یہ منافقین ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔

مدینہ طیبہ کو یثرب نہیں کہنا چاہیے۔ یہ منافقین کا طریقہ ہے

منافقین نے کہا: يَا أَهْلَ يَثْرِبَ۔ گویا مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا منافقین کا طریقہ ہے۔ یاد رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مدینہ طیبہ کو یثرب کہا جاتا تھا جس کا معنی بیماریوں کی جگہ ہے کیونکہ یہاں کی آب و ہوا بہت مسموم تھی اکثر مہاجرین صحابہ کرام کو یہاں آ کر بخار ہو گیا۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے یہاں کا بخار ختم کر کے یہاں کی آب و ہوا اور خاک کو باعث شفا بنا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام یثرب سے بدل کر مدینہ رکھ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے اللہ تعالیٰ نے اس بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں مگر یہ مدینہ ہے (یعنی اس کا نام بدل کر مدینہ کر دیا گیا ہے) اور مدینہ لوگوں کے (گناہوں کے) زنگ یوں اتارتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا زنگ اتارتی ہے۔“ (بخاری کتاب فضائل المدینہ باب حدیث ۱۸۷۱)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”غِبَارُ الْمَدِينَةِ شِفَاءٌ مِنَ الْجُزَامِ۔“ ”مدینہ طیبہ کی مٹی کوڑھ کی مرض کے لئے شفاء ہے۔“

(کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۶ بروایت ابی نعیم فی الطب)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللهم حبب الينا المدينة كما حبت الينا مكة واشد حبا۔

”اے اللہ! ہمیں مدینہ طیبہ سے ایسی محبت دے دے جیسی تو نے ہمیں مکہ سے دی بلکہ اُس سے بھی شدید تر محبت دے دے اس کے پیانوں میں برکت عطا فرما اور اس کے بخار کو جحفہ (یہود کی ایک بستی) میں بھیج دے۔“

(بخاری کتاب فضائل المدینہ حدیث ۱۸۸۹)

اس حدیث بخاری سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ طیبہ سے زیادہ محبت رکھنی چاہیے۔ تو اس دعا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر ہے کہ اہل اسلام عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ طیبہ کا زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ اور جس قدر شاعری مدینہ طیبہ پر کی گئی ہے مکہ مکرمہ پر نہیں کی گئی۔ وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دعا فرمائی کہ یا اللہ ہمیں مکہ

کی نسبت مدینہ سے زیادہ محبت عطا فرما۔ آج کئی خشک لوگ اس بات سے چڑتے ہیں کہ اہل سنت اکثر و بیشتر عظمت مدینہ منورہ پہ نعتیں کیوں پڑھتے رہتے ہیں۔ انہیں جان جانا چاہیے کہ یہی علامت ایمان ہے، اگر ان میں یہ علامت نہیں پائی جاتی تو انہیں دوسروں پہ برسنے کی بجائے اپنے ایمان کی اصلاح کرنی چاہیے

جہاد سے منافقین کئی کتراتے ہیں

آج کے نام نہاد مسلم حکمران کفار کی ظاہری طاقت سے گھبرا کر جہاد سے اس طرح بہانہ بازی کر رہے ہیں جس طرح منافقین دور رسالت میں کرتے تھے۔ جبکہ اہل ایمان کو چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا کردار اپنائیں اور جہاد کا علم بلند کریں۔

[12] یعنی منافقین کا یہ حال ہے کہ اگر مدینہ طیبہ پر مختلف اطراف سے کفار کی افواج حملہ کریں اور منافقین سے مطالبہ کریں کہ کفر کا فتنہ اپنا لو تو وہ جان بچانے اور دنیوی مفادات کے لئے علانیہ کفر کرنے میں بھی تھوڑی ہی دیر کریں گے یعنی ظاہر داری کے لئے تھوڑا سا توقف کریں گے حالانکہ اس سے قبل انہوں نے اللہ تعالیٰ سے (یعنی اس کے رسول ﷺ سے) وعدہ کیا تھا کہ وہ میدان جنگ سے پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کے بارے میں اللہ ضرور پوچھے گا۔ دراصل غزوہ احد میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے بے وفائی کی تھی اور راستہ سے اپنے ساتھیوں سمیت پلٹ آیا تھا۔ بعد میں اس نے معذرت کی اور پکا وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کسی جنگ میں پیٹھ پھیر کر نہیں جائے گا مگر غزوہ احزاب میں اس نے پھر عہد شکنی کی اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوک پیاس اور سردی سبہ کر خندق کا پہرہ دے رہے تھے ایسے میں وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ کو لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیارے رسول ﷺ ان سے فرمادیں کہ جنگ سے بھاگ کر تم موت سے بچ تو نہیں سکتے۔ البتہ اللہ کو ناراض کر کے تم نے اپنی آخرت برباد کر لی اور دنیا میں تو تھوڑا سا ہی برتاؤ ہے اس کے بعد ان کے لئے دائمی جہنم ہے۔ اور اے پیارے رسول ﷺ ان سے یہ بھی فرمادیں کہ اللہ جس کسی کے لئے عذاب یا رحمت کا ارادہ کرے تو اسے کون روک سکتا ہے تو پھر انہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی حامی کار اور مددگار نہیں ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ

اللہ جانتا ہے جو تم میں سے (جہاد سے) روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہنے والے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ

وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۸ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ

اور وہ جنگ میں بہت کم ہی جاتے ہیں۔ وہ تمہاری مدد پر بہت بخیل ہیں، پھر جب خوف آئے تو تم دیکھو گے کہ

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ

تمہیں یوں دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر

الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِاللِّسَانِ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى

موت چھائی ہو۔ پھر جب خوف جاتا رہے تو تمہیں تیز زبانوں سے آ لیتے ہیں، وہ مال پر بہت

الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى

حریص ہیں، یہ لوگ ایمان نہیں لائے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر

اللَّهُ يَسِيرًا ۝۱۹ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ

بہت آسان ہے [13] وہ سمجھتے ہیں کہ (حملہ آور) لشکر ابھی واپس نہیں گئے۔ اور اگر لشکر (دوبارہ) آ جائیں

يُودُّوْا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا

تو وہ چاہیں گے کہ گاؤں میں دیہاتیوں کے پاس جا کر رہیں اور تمہاری خبریں پوچھتے ہوں اور اگر وہ تم میں رہیں

فِيكُمْ مَا قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۚ

تو بہت کم ہی لڑائی کریں گے [14]

[13] یعنی اللہ ان منافقین کو جانتا ہے جو غزوہ احزاب میں مسلمانوں کو میدان جنگ میں ٹھہرنے سے روکتے تھے اور

اپنے بھائیوں یعنی اپنے خاندان کے مسلمان لوگوں سے کہتے تھے کہ محمد عربیؐ کا ساتھ چھوڑ کر ہماری طرف آ جاؤ۔

غزوہ احزاب میں منافقین کا شرمناک کردار

مردی ہے کہ اس غزوہ میں منافقین نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے کہا کہ اس دفعہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے ارادے بہت خطرناک ہیں اگر وہ غالب آگئے تو ہم سب کو قتل کر کے دم لیں گے مگر مسلمانوں نے اس کا کچھ اثر نہ لیا۔ (تفسیر مظہری) اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ یہ منافقین اگر کسی جنگ میں شریک ہوں تو صرف نام لکھوانے کی حد تک شریک ہوتے اور جلد واپس بھاگ آتے ہیں۔ وہ تمہاری مدد کرنے میں بہت بخیل ہیں، جب انہیں میدان جنگ میں حالت خوف میں ٹھہرنا پڑے تو تم دیکھو گے کہ خوف سے ان کی آنکھیں یوں گھومتی ہیں جیسے انہیں موت نے آگھیرا ہو مگر جب خوف جاتا رہے اور دشمن بھاگ جائے تو مال غنیمت کے لالچ میں تمہارے پاس چرب زبانی کرتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم بھی شریک جہاد تھے ہمیں بھی حصہ دیا جائے۔

چنانچہ غزوہ احزاب میں جب کفار مکہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگے تو وہ مسلمانوں کے ہاتھ آیت منافقین بھی آ کر اپنا حصہ مانگنے لگے حالانکہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ مفاد پرستی کے لئے چالیں چل رہے ہیں اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ یعنی انہوں نے جو دکھاوے کی چند نمازیں پڑھیں یا کچھ زکوٰۃ دی وہ سب برباد گئی۔ اور اللہ کے لئے کسی مفاد پرست کے اعمال کا برباد کرنا مشکل تو نہیں۔

اس سے صحابہ کرام کی استقامت اور پختگی ایمان کا پتہ چلا کہ وہ منافقین کے ڈرانے دھمکانے اور ہر طرح کے خوف و خطر، بھوک پیاس اور شدید سردی کے باوجود میدان میں ڈٹے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے کفار پر رعب ڈالا اور انہیں تیز آندھی نے آلیا اور وہ بھاگ اٹھے اور دین غالب آ گیا۔ اس جنگ کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا آئندہ کفار ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے بلکہ ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ کفار کا مدینہ طیبہ پر آخری حملہ ثابت ہوا اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے 8ھ میں مکہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ گویا آج دنیا میں جو اسلام موجود ہے یہ خندق کھودنے والے صحابہ کرام کی استقامت کا نتیجہ ہے۔ اگر وہ اس موقع پہ کمزوری دکھاتے تو اسلام آگے کیسے بڑھتا۔ یاد رہے اس غزوہ میں کفار کی تعداد تیرہ ہزار تھی اور مسلمانوں کی تین ہزار جن میں کچھ بچے تھے۔ اس جنگ کے اسباب، مفصل حالات اور اس میں ظاہر ہونے والے معجزات کی کیا تفصیل ہیں ہم اس کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

غزوہ احزاب کا مختصر نقشہ احوال

یاد رہے کہ غزوہ احزاب سیرۃ النبی ﷺ میں تیسرا بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب اصلی یہ ہوا کہ سن 4ھ میں یہود بنی نظیر کو انکی بد عہدیوں کے سبب مدینہ طیبہ سے نکالا گیا وہ خیبر میں جا بسے انہوں نے کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا حتیٰ کہ ان بد بختوں نے انکی خوشنودی کے لیے ان کے بڑے بت ہبل کو سجدہ بھی کیا پھر انہوں نے بنی غطفان کو اکسایا اور

اس کے عوض انہیں خیبر کی کھجوروں کے ایک سال کے پھل دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اس طرح کفار مکہ اور بنو غطفان کا لشکر تیار ہوا جو تیرہ ہزار افراد پر مشتمل تھا انکے ساتھ بنو اسلم و بنو مرہ وغیرہ بھی شامل ہو گئے اسی لیے اسے غزوہ احزاب کہا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حفاظت مدینہ کے لیے خندق کھدوائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سخت سردی اور بھوک میں پیٹوں پر پتھر باندھ کر خندق کھودی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی بطن مبارک پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ اسی دوران حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آپ کی بھوک نہ دیکھی گئی تو انہوں نے اپنے گھر میں چند افراد کا کھانا تیار کروایا اور آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ آپ نے اعلان فرمایا سب چلو جابر نے کھانا تیار کیا ہے۔ پھر آپ نے انکے گھر جا کر ہنڈیا میں اور گندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا چنانچہ وہ آٹا اور ہنڈیا ایک ہزار صحابہ کے لیے کافی ہو گئی۔

(بخاری کتاب المغازی باب ۳۰ حدیث ۴۱۰۱)

خندق کی کھدائی کے دوران ایک دن شدت خوف و ہراس، قلت وقت اور کثرت کار کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں قضا کرنا پڑیں جو بعد میں باجماعت ادا کی گئیں۔ جب حالات سنگین ہو گئے تو حضور سید کائنات ﷺ نے دعا فرمائی اے کتاب کے نازل کرنے والے! اے جلد حساب لینے والے! ان گروہوں کو ذلت دیدے اور انکے قدم اُکھیر دے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور کفار مکہ کے درمیان کسی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی جس سے قریش کے حوصلے پست پڑ گئے ادھر اللہ تعالیٰ نے سخت تیز اور ٹھنڈی آندھی چلا دی جس نے قریش مکہ اور بنو غطفان کے خیمے اُکھیر دیے اور انکے اعضاء ٹن کر دیے تو انہوں نے بھاگ کر جانیں بچائیں۔ ایک ماہ تک انہوں نے خندق عبور کرنے کی سر توڑ کوشش کی مگر وہ اس قدر وسیع اور گہری تھی کہ وہ اسے عبور نہ کر سکے آخر وہ ناکام بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

[14] کفار کے بھاگ جانے کے باوجود منافقین خوفزدہ تھے اور سمجھتے تھے کہ حملہ آور گروہ ابھی واپس نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر حملہ آور گروہ واپس آجائیں تو منافقین مدینہ طیبہ چھوڑ کر کسی گاؤں میں چلے جائیں گے اور وہاں سے مسلمانوں کی خبریں حاصل کریں گے کہ ان کا کیا بنا۔ اور اگر وہ مدینہ ہی میں رہیں تو بھی جنگ میں صرف نام ہی کو شریک ہوں گے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ

بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ زندگی ہے یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا ۝ ط

اور روز آخرت (کی جزا) چاہتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے [15]۔

﴿رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں مومنوں کیلئے بہترین نمونہ زندگی ہے﴾

[15] غزوہ احزاب کے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ ان مومنوں کے لئے جو رضائے خدا اور جزائے آخرت چاہتے ہیں بہترین نمونہ حیات ہے۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ غلبہ دین کے لئے جہاد میں ہر تکلیف اٹھا رہے اور دشمنان اسلام سے بھی عدل و انصاف برت رہے ہیں اور مومنوں کے ساتھ مل کر بھوک پیاس برداشت کر کے اور پیٹ پہ پتھر باندھ کر ان کے شانہ بشانہ خندق کھودتے اور دوسرے امور بجالاتے ہیں اس میں مومنوں کے لئے بہترین نمونہ زندگی ہے اس لئے اللہ نے فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ”اے پیارے رسول (صلی اللہ علیک وسلم) آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“ (قلم: ۴) اور آپ کا ارشاد ہے: بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ ”مجھے تمام اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔“ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۸۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر پہلو سے کامل نمونہ حیات ہونا

اور بلاشبہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لئے کامل و احسن نمونہ عمل ہے اور دنیا میں کوئی ایسا مذہب یا سیاسی لیڈر نہیں دکھایا جاسکتا جس کی زندگی اس طرح ہمہ گیر اور جامع ہو جیسے ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی پیاری زندگی ہے۔

محشیت باب

آپ ﷺ نے بچوں کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ کے چاروں بیٹے طیب، طاہر، قاسم اور ابراہیم شیر خوارگی میں فوت ہو گئے آپ ﷺ نے ان کی وفات پر جو صبر و تحمل کیا وہ ان لوگوں کے لئے بہترین سبق آموز نمونہ عمل ہے جن کے بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں آپ نے چاروں کی شادیاں کیں اور ان کی اولاد کو اپنے کندھوں پر کھلایا، گھر میں بچی کی پیدائش پہ غمزدہ ہونے والوں کے لئے آپ کی زندگی کے اس پہلو میں بہترین درس عمل ہے۔ آپ محو نماز ہوتے تو کئی بار حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت پر سوار ہو جاتے اور جب تک وہ اتر نہ جاتے آپ

ان کے لئے سجدہ لمبا کر دیتے۔ آپ ﷺ ان کے لئے خطبہ موقوف فرما دیتے اور انہیں گود میں بٹھا کر خطبہ ارشاد فرماتے، بچوں کے ساتھ پیار کا اس سے بہتر نمونہ کیا ہو سکتا ہے۔

بحیثیت بیٹا

حضور سید کائنات ﷺ نے دور یتیمی دیکھا۔ اس میں یتیموں کے لئے درس صبر ہے کہ ان کے پیارے آقا بھی یتیم پیدا ہوئے تھے، لہذا کوئی یتیم اپنے لیے یتیمی کو وجہ عار نہ سمجھے۔ آپ کو آپ کے چچا ابوطالب نے پال پوس کر جوان کیا۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی آپ نے چچا کا بوجھ اٹھا لیا اور غلہ بانی کر کے ان کی مدد کرنے لگے اور ان کے ایک بچے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا یہ احسان کا بدلہ احسان کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور اس میں یتیموں کے لئے اپنے مربین و محسنین بزرگوں کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ درس عمل ہے۔

بحیثیت بھائی

حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی اور بہن کے ساتھ عدل و احسان کا خوبصورت نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو گود میں لے کر اپنا دودھ پلانا شروع کیا تو آپ ایک طرف سے دودھ پیتے تھے دوسری طرف سے نہیں تاکہ آپ کے رضاعی بھائی حارث کے لئے ایک طرف باقی رہے۔ قربان جائیں آپ ﷺ نے ماں کی گود میں بھائی کے حق کا تحفظ کیا اور درس عدل دیا۔ پھر جب آپ نے 8ھ میں طائف پر قبضہ کیا تو آپ کے رضاعی خاندان بنو سعد کے لوگ بھی گرفتار ہوئے ان میں آپ کی رضاعی بہن سیدہ شیماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں جب شیماء نے اپنا تعارف کروایا کہ میں ہی وہ شیماء ہوں جو بچپن میں آپ کو لوریاں دے کر بہلاتی تھی تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے تمام قبیلہ بنو سعد کو آزاد کر دیا، جن کی تعداد چار ہزار سے متجاوز تھی جس سے متاثر ہو کر وہ سب اسلام لے آئے۔ گویا بھائی ہو تو ایسا ہو۔

بحیثیت شوہر

آپ کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں آپ نے ان سے حسن سلوک کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ کبھی کسی کو مارا نہ پیٹا نہ سخت لفظ کہا۔ اگر ان سے غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ درگزر فرماتے۔ وہ بھی آپ پر جان چھڑکتی تھیں۔ واقعہ ایلاء میں آپ کی ازواج نے زیورات مانگے آپ کو یہ مطالبہ پسند نہ آیا آپ ﷺ نے ان سے علیحدگی فرمائی۔ آخر آپ ﷺ نے قرآن کے نازل ہونے پر اپنی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زیورات اور آپ کی صحبت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں تو سب نے بیک زبان کہا کہ وہ دنیا کی ہرزینت اور نعمت چھوڑ سکتی ہیں مگر آپ ﷺ کی صحبت اور ساتھ نہیں چھوڑ سکتیں۔ گویا شوہر ہو تو

ایسا ہو۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ دوڑ لگایا کرتے تھے۔ ایک بار حضور ﷺ نے دوڑ لگائی تو میں آگے نکل گئی۔ پھر جب میرا بدن کچھ بھاری ہو گیا تو ہم نے ایک دوڑ لگائی، تب سرکار ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمانے لگے: ادلے کا بدلہ ہو گیا۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح باب ۵۰)

بحیثیت آقا

حضور سید عالم ﷺ نے اپنے غلاموں سے وہ حسن سلوک کیا کہ دنیا اس کی مثال نہیں لاسکتی۔ آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا انہیں لینے آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا تب سے آپ ﷺ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ جو عرب کے سب سے معزز خاندان قریش سے تھیں۔ یعنی ایک غلام کی عزت افزائی کا اس سے بہتر نمونہ کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت زید کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے آپ کو اسقدر پیار تھا کہ اپنے دست مبارک سے ان کا ناک صاف کرتے اور فرماتے اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو پیارے پیارے کپڑے پہناتا اور کھیلنے کے لیے گڑیاں لاکر دیتا۔ کئی بار لوگوں نے ایسے دیکھا کہ حضور ﷺ نے ایک ران پہ اپنے نواسے حضرت حسن یا حضرت حسین کو بٹھایا ہوتا تو دوسری ران پہ اسامہ کو۔ سبحان اللہ! کیا دنیا میں ایسا آقا ہے جو اپنے غلام زادوں اور نواسوں میں کوئی فرق نہ رکھے؟ گویا آقا ہو تو ایسا ہو۔

بحیثیت سربراہ مملکت

حضور سرور دو عالم نور مجسم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو پہلی اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آیا۔ آپ اس ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ ﷺ نے یہود مدینہ سے پر امن بقائے باہمی کا معاہدہ کیا، جو اہل ذمہ (اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلمین) کے حقوق کا مکمل پاسان ہے۔ آپ ﷺ نے اس معاہدہ کی ہمیشہ پاسداری کی، مگر یہود مار آستین نکلے، انہوں نے معاہدہ کی آڑ میں اسلامی ریاست کی جڑیں کاٹنے کی کوشش کی۔ تب آپ ﷺ نے ان کو مدینہ طیبہ سے نکالا اور مرکز اسلام کو ان کے وجود سے پاک کیا۔ بحیثیت سربراہ مملکت آپ نے مجرموں پہ سزائیں نافذ کیں، اور اس بارے میں کسی چھوٹے بڑے یا اپنے بیگانے میں امتیاز نہ کیا۔ آپ نے چوروں کے ہاتھ کاٹے، زانیوں کو سنگسار کیا، قاذفوں کو کوڑے لگائے اور جرائم ثابت ہو جانے کے بعد اقامتہ حدود میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ ایک بار فاطمہ نامی ایک قریشی عورت پہ چوری ثابت ہو گئی۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے حکم فرمایا۔ کچھ لوگوں نے رعایت کی درخواست کی آپ جلال میں آگئے اور فرمایا: ”اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر (بالفرض) میری بیٹی

فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔“

یہ بھی یاد رہے کہ بحیثیت سربراہ ریاست اسلامی آپ نے نہایت سادہ زندگی اپنائی، کوئی دربان، یا چوکیدار، کوئی دربار یا تخت و تاج نہ تھا، بلکہ آپ کے نقش قدم پہ چلنے والے خلفاء راشدین کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ سربراہ مملکت ہونے کے باوجود آپ کے گھر میں کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلتا تھا اور آپ کے چہرہ مبارک پہ بھوک کے آثار نظر آتے تھے۔ آپ ﷺ خشک چٹائی پہ سو جاتے تھے جس کے نشانات آپ کے جسم پہ نظر آتے جنہیں دیکھ کر ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی

بحیثیت کمانڈر انچیف

حضور سید کائنات ﷺ نے سترہ غزوات لڑے اور ہر غزوہ میں فتح حاصل کی۔ صرف غزوہ احد میں آپ کے ایک حکم سے کچھ مجاہدین نے عدول کیا تو مشکل پیدا ہوئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کوئی مشکل نہ تھی۔ آپ نے جنگ میں عورتوں بچوں بوڑھوں اور عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے راہبوں سے کچھ تعرض نہ کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ وہ جنگ نہیں کر سکتے۔ اس میں احترام آدمیت کی اعلیٰ مثال ہے۔ ایک بار آپ نے جنگ میں صف بندی کرتے ہوئے ایک سپاہی حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی پشت پہ چھڑی لگا دی۔ آپ ﷺ نے وصال سے کچھ دن قبل منبر پر فرمایا کہ اگر میں نے تم میں سے کسی پہ کچھ زیادتی کی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ عکاشہ نے کہا آپ نے فلاں جنگ میں مجھے چھڑی لگائی تھی آپ نے فوراً اپنی پشت سے چادر ہٹا دی کہ بدلہ لے لو، مگر انہوں نے لپک کر آپ کی مہر نبوت کو چوم لیا اور عرض کیا کہ یہی میری تمنا تھی۔ کیا کسی امیر لشکر کے لیے اس سے بہتر نمونہ عمل ہو سکتا ہے؟۔ اس موضوع پہ مزید بات ہو سکتی ہے مگر اسی پہ اکتفاء ہے۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۚ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ

اور جب مومنوں نے (کفار کے) لشکر دیکھے تو بولے یہ وہ ہے جو ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا

وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۖ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور اس سے ان کے ایمان اور جذبہ اطاعت ہی میں اضافہ ہوا [16]،

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ

مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا۔ تو ان میں سے کچھ نے اپنی نذر پوری کر دی

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۖ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ

اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنی نیت میں) کوئی تبدیلی نہیں کی، تاکہ اللہ سچے لوگوں کو ان کی سچائی

بِصَدَقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ ۚ إِنِ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

کی وجہ سے جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ بیشک اللہ بخشنے والا

كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۖ

مہربان ہے۔ [17]

[16] جب غزوہ احزاب کے موقع پر قریباً اکثر قبائل عرب نے مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تو منافقین اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں میں شک کرتے ہوئے کہنے لگے ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جھوٹا وعدہ کیا تھا (احزاب، ۱۲) مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکاراٹھے یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ اور ان کا وعدہ سچا ہے اور ان کے ایمان میں کوئی شک نہ آیا بلکہ ان کے ایمان و جذبہ اطاعت میں اضافہ ہو گیا یعنی ان کے دل کہنے لگے کہ آخر کار دین ہی غالب آئے گا۔ اور یہ کہ اگر کفار سے لڑتے ہوئے ان کی جان چلی جائے تو یہ بڑی سعادت ہے اور یہی راہِ فلاح ہے۔

[17] یعنی منافقین کو چھوڑ کر مخلص مومنین کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یعنی اللہ کے رسول ﷺ سے عہد کیا تھا کہ وہ دین کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے چنانچہ ان میں سے بعض نے بدر واحد میں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ دین پر اپنی جانیں قربان کر گئے اور جو باقی ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب ان کی جان اللہ و رسول کے لئے قربان ہو گی ان کے اس جذبہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے سچے لوگوں کو ان کی سچائی کی جزا دے گا اور منافقوں میں

سے جسے چاہے عذاب دے گا یعنی وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی طرح منافقت پہ مرجائیں گے اور کچھ کو اللہ تعالیٰ توفیق تو بہ دے گا جیسا کہ عبد اللہ بن ابی کی موت پر نبی کریم ﷺ کے اس کے ساتھ حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کی قوم کے ایک ہزار منافقین صدق دل سے ایمان لے آئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ آیت رَجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۸۰﴾ ان کے چچا حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ انہیں بدر میں عدم شمولیت کا افسوس تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر مشرکین سے قتال کا پھر کوئی موقع آیا تو وہ جان کی بازی لگا دیں گے۔ چنانچہ احد میں وہ کفار پر اکیلے حملہ آور ہو گئے اور آگے بڑھتے گئے وہ کہہ رہے تھے سبحان اللہ! مجھے کوہ احد کی طرف سے جنت کی ہوا آ رہی ہے۔ شہادت کے بعد ان کے جسم پر اسی (80) سے زائد تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخم تھے اور ان کا چہرہ مثلہ شدہ ملا صرف ان کی بہن نے ان کی انگلیوں سے ان کو پہچانا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ (تفسیر بنوی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ شہادت

اس سے صحابہ کرام کا جذبہ شہادت معلوم ہوا کہ وہ راہ حق میں شہادت کے انتظار میں جیتے تھے۔ جب کہ منافقین حیلے بہانے کر کے جنگ میں جانے سے کتراتے تھے اور اگر چلے بھی جاتے تھے تو نیا بہانہ کر کے وہاں سے نکل بھاگتے تھے۔ جیسے ابھی گزرا کہ منافقوں نے غزوہ احزاب میں کہا: اِنَّ بَيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہ یہ بہانہ کر کے گھروں کو چل دیے۔

شیعہ لوگ اپنی گمراہی کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ منافقین میں سے سمجھتے ہیں۔ مگر کیا یہ لوگ بتا سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہے ہوں؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے شریک نہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں اجرا اور غنیمت دونوں میں سے حصہ عطا فرمایا۔

غزوہ بدر میں جس نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیش کیا وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر اس کے بعد جو بولا وہ ان کی پیروی میں بولا۔ گویا ان کی ولولہ انگیز گفتگو نے سب صحابہ کا خون گرمادیا اور ان کو تپتے ہوئے صحراء میں اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ حالانکہ ان کے پاس نہ اسلحہ تھا نہ سواری تھی۔ جنگ بدر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں ہشام بن عمرو کے ٹکڑے کر دیے۔

(اہل تشیع کی معتبر کتاب سیرت بحار الانوار جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۳)

غزوہ احد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے مقابلہ میں تلوار لے اتر پڑے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو واپس بلا لیا۔ (اہل تشیع کی معترب کتاب تاریخ ناخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۳ صفحہ ۳۲۷)

کیا اس سے بڑا کوئی جذبہ فداکاری ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود ان کے بارے میں اہل تشیع کے یہ غلیظ خیالات کس قدر افسوس ناک ہیں۔

وَرَدَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۖ وَكَفَى اللَّهُ

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا وہ کوئی بھلائی نہ پاسکے اور اللہ ہی مومنوں (کی جگہ)

الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ

جنگ کے لئے کافی ہو گیا اور اللہ قوت والا غالب ہے [18] اور اللہ نے کفار کی پشت پناہی

مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۖ وَأَوْرَثَكُمُ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور ایک گروہ کو قید، اور تمہیں ان کی زمین

وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّهُمْ تَطَّوُّهَا ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

اور ان کے گھروں کا وارث کر دیا اور اس زمین کا بھی جہاں تم ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے [19]

[18] کفار مکہ اور دیگر قبائل عرب کو غزوہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ذلت و خواری کے ساتھ بے نیل مرام واپس کر دیا

اور اہل ایمان کو بغیر جنگ ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ دوبارہ کفار کو مدینہ طیبہ پر حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔

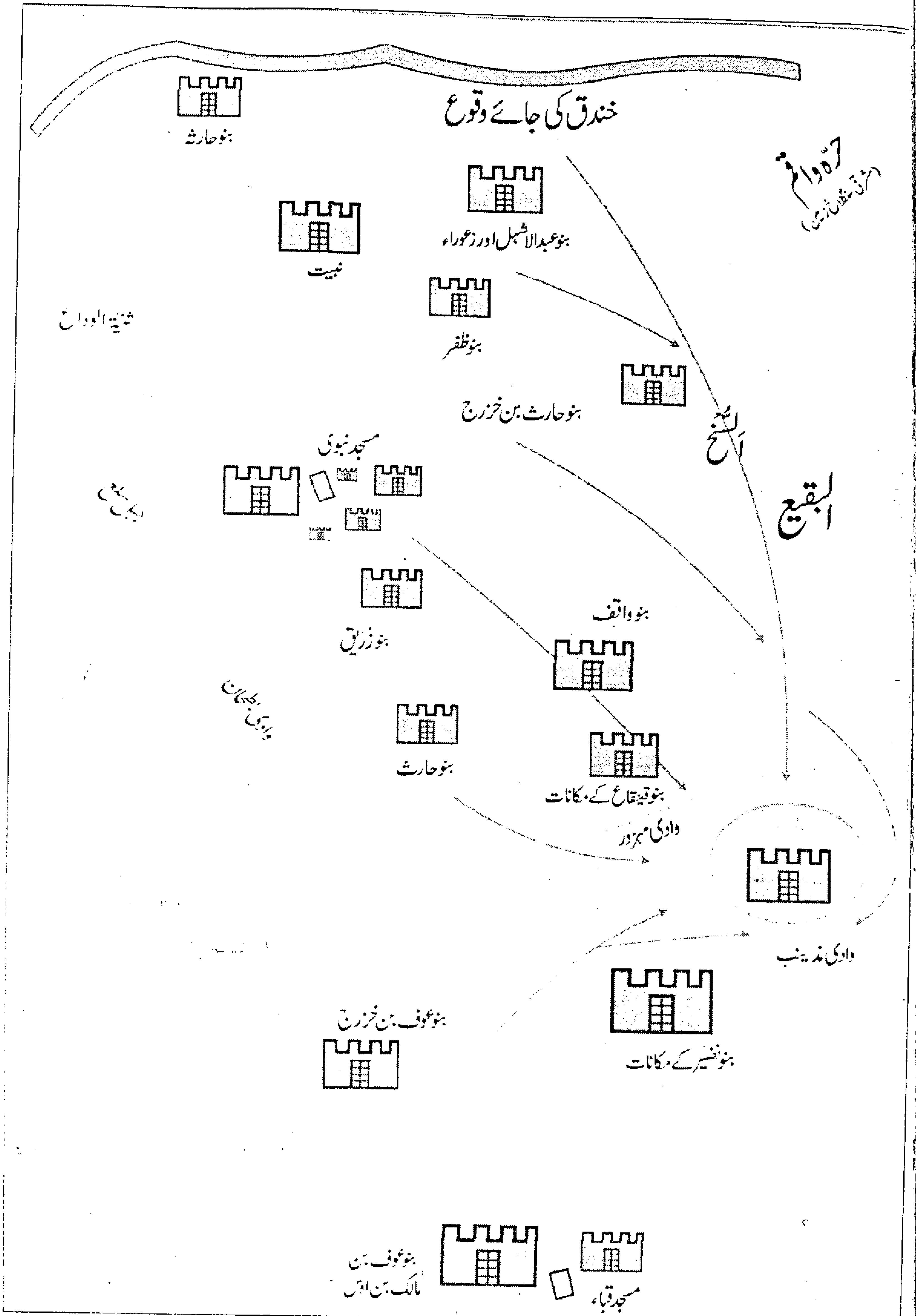
[19] مدینہ طیبہ کے یہود بنی قریظہ نے سخت بد عہدی، بے شرمی و بے وفائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غزوہ احزاب میں

حملہ آور کفار عرب کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جنگ ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا

کہ اسلحہ کو جسم سے جدا کئے بغیر سیدھا بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جائے۔ چنانچہ پچیس دن کے محاصرہ کے بعد بنو قریظہ نے ہتھیار

ڈال دیے۔ پھر ان کے مقرر کردہ فیصل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پہ ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو

قید کر لیا گیا جو بعد میں بیچ دیے گئے۔



غزوہ بنو قریظہ کا مختصر واقعہ

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ سے واپسی پہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے وہ آپ کے سر مبارک سے غبار دھونے لگیں۔ ابھی انہوں نے آدھا سر ہی دھویا تھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام اتر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ لوگوں نے جلدی اسلحہ اتار دیا مگر فرشتوں نے اسلحہ اٹھا رکھا ہے، آپ ابھی چل کر بنو قریظہ کا محاصرہ کریں۔ چنانچہ 23 ذی القعدہ 5ھ کو آپ مدینہ طیبہ سے نکلے اور نواحی مدینہ میں بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ مروی ہے کہ اس وقت بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے انہیں جمع کر کے کہا: اے یہود! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ شخص (محمد مصطفیٰ ﷺ) اللہ کا سچا رسول ہے اور ہمیں صرف یہ حسد اس پہ ایمان نہیں لانے دیتا کہ نبوت بنی اسرائیل سے باہر کیوں چلی گئی ہے۔ ہمیں اس پہ ایمان لے آنا چاہیے تاکہ ہمیں اس ذلت سے نجات مل جائے اور ہماری جانیں اور اموال و اولاد محفوظ ہو جائیں۔ یہود بنی قریظہ نے کمال بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم تورات کو چھوڑ کر کوئی دوسری کتاب نہیں مانیں گے۔ یہ باتیں سن کر ان میں سے تین افراد ثعلبہ بن سعید، اسید بن سعید اور اسد بن عبید اٹھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ایمان لے آئے۔ باقی سب اپنے کفر پہ ڈٹے رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو محاصرہ کر رکھا تھا وہ پچیس دن جاری رہا۔ آخر یہود نے کہا کہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہوگا کیونکہ وہ انصار کے قبیلہ اوس کے سردار تھے اور یہ قبیلہ شروع سے بنو قریظہ کا حلیف تھا۔ اس لیے یہود بنی قریظہ کو اپنی ذات میں توقع تھی کہ شاید حضرت سعد ان کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ حضرت سعد غزوہ احزاب میں زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں خنجر پہ بٹھا کر لایا گیا جب وہ آئے تو نبی کریم ﷺ نے انصار سے فرمایا: قوموا السیدکم، اپنے سردار کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد نے فیصلہ فرمایا کہ یہود بنی قریظہ کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے سعد! تم نے وہ فیصلہ کیا جو سات آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا چنانچہ ان کے چھ سو یا سات سو مرد قتل کر دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو فروخت کر کے اس سے اسلحہ خرید لیا گیا۔ اور ان کے قلعوں، زمینوں، باغات اور کثیر اسلحہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (بخاری، ترمذی، قرطبی، مظہری وغیرہ)

تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور تم ان کے ایک گروہ (مردوں) کو قتل اور ایک گروہ (عورتوں اور بچوں) کو قیدی بناتے تھے اور تمہیں ان کی زمین اور گھروں کا مالک بنا دیا اور اہل کتاب کی وہ زمین بھی تمہیں دے دی جس پر ابھی تم نہیں پہنچے۔ اس سے ارض خیبر اور اہل روم کے قبضہ سے مسلمانوں کو ملنے والے تمام ممالک مراد ہیں جیسے شام، فلسطین اور ترک و افریقہ وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

اے نبی (ﷺ) اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝۲۰ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

میں تمہیں سامان (دنیا) دیتا ہوں اور تمہیں بہتر طریقہ سے آزاد کر دیتا ہوں [20]۔ اور اگر تم اللہ

اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَالِدَارَ الْآخِرَةِ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا

اور اس کے رسول (کی رضا) اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے اخلاص والیوں کے لئے اجر عظیم

عَظِيمًا ۝۲۱ يُنْسَاءُ النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ يُضَعَّفُ لَهَا

تیار کیا ہے۔ اے نبی (ﷺ) کی ازواج، (بالفرض) جو تم میں سے کھلی بے حیائی کرے اس کے لئے

الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۝۲۲ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۲۳

سزا دوگنی کر دی جائے گی اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

عظمت ازواج رسول ﷺ

[20] گزشتہ سے پیوستہ رکوع میں ازواج رسول ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ سب مومنوں کی مائیں ہیں۔ اب ازواج رسول سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے اس منصب جلیل کے کیا تقاضے ہیں اور یہ کہ اہل بیت رسول ﷺ ہونے کے ناطے ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا انعامات ہیں۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ازواج رسول ﷺ میں سے بعض نے آپ سے کچھ نئے کپڑے مانگے، کچھ نے انگوٹھی مانگی۔ اللہ و رسول عزوجل و ﷺ کو ان کا یہ مطالبہ پسند نہ آیا کیونکہ رسول خدا کے گھر میں مال دنیا کا کوئی شائبہ اللہ و رسول کو ناپسند تھا۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار فرمائی جو ایک ماہ تک جاری رہی۔ اس دوران آپ ایک الگ حجرہ میں قیام پذیر رہے۔ حتیٰ کہ یہ افواہ پھیل گئی کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ آخر یہ آیت اتری، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی اکرم ﷺ! آپ اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اگر تم دنیوی زندگی کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں متاع دنیا دے دوں پھر تمہیں اپنے نکاح سے بہتر طریقہ سے آزاد کر دوں یعنی ایک طلاق دے دوں جس کی عدت کے ختم ہونے سے نکاح ختم ہو جائے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور دارِ آخرت کی نعمتیں چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے اخلاص والیوں کے لئے (اور ازواج مطہرات سبھی اخلاص

والی تھیں جیسا کہ آگے واضح ہو رہا ہے) بحیثیت ازواج رسول جو کچھ آخرت میں جنتی بہاریں تیار کی ہیں وہ ایسا اجر عظیم ہے جو تمہارے تصور سے بلند تر ہے۔

اس جگہ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۵۱ میں لفظ مِنْكُنَّ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ تمام ازواج مطہرات اخلاص والی نہ تھیں اور اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے اجر عظیم کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ اس کی مثال ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (بنی اسرائیل، ۸۲) تو کیا کوئی شخص اس میں من القرآن کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ سارا قرآن شفاء و رحمت نہیں ہے۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ قرآن کی جنس میں سے جو کچھ ہے وہ سب شفاء و رحمت ہے۔ اسی طرح اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی گروہ میں سے جو بھی ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہر حال اجر عظیم تیار فرمایا ہے۔

ان آیات کے اترنے پر نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنائی اور کہا کہ جاؤ اپنے والدین سے مشورہ کر لو تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے والدین سے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہیں کیا میں اس بارے میں والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ و رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ (بخاری کتاب المظالم باب ۳۵، ترمذی کتاب التفسیر سورہ احزاب) بعد میں آپ نے اپنی دیگر ازواج کو یہ پیغام الہی سنایا تو ان سب نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والا جواب دیا۔

اللہ تعالیٰ کو ازواج مطہرات کی یہ وفاداری و قربانی اس قدر پسند آئی کہ حضور سید کائنات ﷺ سے فرمایا: لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔ ”اے رسول ﷺ! آپ کے لیے اس کے بعد مزید بیویاں حلال نہیں ہیں، نہ یہ حلال ہے کہ ان میں سے کسی بیوی کو بدلیں، خواہ کسی عورت کا حسن آپ کو بھائے۔“ (احزاب، ۵۲)

یاد رہے یہ واقعہ غزوہ تبوک کے بعد اور حجة الوداع سے پہلے سن 10 ہجری میں پیش آیا۔ اس وقت حضور سید عالم ﷺ کے نکاح میں نو (9) ازواج پاک تھیں چھ قریش سے اور تین قریش سے باہر۔ قریش سے یہ تھیں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، ام حبیبہ بنت ابی سفیان، ام سلمہ بنت ابی امیہ، زینب بنت جحش اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، اور غیر قریش سے یہ تھیں صفیہ بنت حسی بنت اخطب خیبریہ، جویریہ بنت حارث اور میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر غصب فدک کے الزام کی تردید

ازواج رسول ﷺ نے آپ سے کچھ کپڑے اور انگوٹھی وغیرہ کا مطالبہ کیا تو اللہ و رسول کو وہ پسند نہ آیا کیونکہ رسول خدا ﷺ کے اہل بیت کے ہاں مال دنیا کا کوئی شائبہ اللہ و رسول کو پسند نہ تھا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیٹی

کو باغ فدک نامی بہت بڑی جا گیر دے دی ہو۔ لہذا اس میں جو روایات ہیں سب موضوع و باطل ہیں۔ حتیٰ کہ ایک بار سیدہ فاطمہ الزہراء ؑ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے ایک لونڈی خدمت کے لئے مانگی تو آپ نے وہ بھی عطانہ فرمائی اور اس کی جگہ ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے دے دیا لہذا ابو بکر صدیق ؓ پر سیدہ فاطمہ خاتون جنت ؑ سے فدک کے غصب کرنے کا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔ اس بارے میں ہم سورہ نساء کے دوسرے رکوع کے تحت مفصل کلام کر آئے ہیں۔

ازواج مطہرات کی رسول اللہ ﷺ سے وفاداری و محبت

انہوں نے دنیا کی ہر نعمت چھوڑ دی مگر سنگتِ رسول کا ترک گوارا نہ کیا اس کا انہیں یہ صلہ ملا کہ وہ جنت میں حضور ﷺ کی ازواج اور آپ کے درجہ میں آپ کے ساتھ ہوں گی کیونکہ ابھی ہم نے قرآنی آیت کے حوالہ سے بتا دیا کہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ نے ان میں سے کسی بیوی کو طلاق نہیں دینی اور امت کو بھی حکم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص ازواجِ رسول ﷺ سے مت نکاح کرے۔ کیونکہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ (احزاب، ۵۳) اور جو عورت جس مومن کے نکاح میں فوت ہو اور اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے وہ جنت میں اسی کی بیوی اور اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو بلاشبہ ازواجِ رسول ﷺ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں ہوں گی پھر ان کے بارے میں جو بد بخت انسان ہرزہ سرائی اور لعنت و تہرابازی کرے وہ ازلی بد نصیب اور ملحد و زندیق ہے۔

فضیلت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ

ان آیات کے نزول پر انہوں نے سب سے پہلے اللہ و رسول کی رضا اختیار کی اور اسباب دنیا سے کنارہ کر لیا تو دوسری ازواجِ مطہرات نے ان کی پیروی کی تو باقی سب کی قربانی کا ثواب بھی انہیں حاصل ہوا۔ شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی سپہر نے بھی لکھا ہے کہ ایلاء ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے گھر تشریف لائے اور انہیں اختیار دیا تو سب سے پہلے انہی نے اللہ و رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔

(ناسخ التواریخ حالات پیغمبر جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران)

اسی طرح مشہور شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتا ہے: مرویست کہ اول کے ازواج کہ اختیار بقا نمود عائشہ بود، ازواجِ رسول ﷺ میں سے جس نے سب سے پہلے اللہ و رسول کی رضا کو اختیار کیا وہ حضرت سیدہ عائشہ ؓ تھیں۔ (تفسیر منہج الصادقین جلد ۷ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ تہران ایران)

گویا ازواجِ رسول ﷺ میں سے اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ وفاداری کرنے والی حضرت عائشہ صدیقہ ؓ ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ اہل تشیع کو سب سے زیادہ دشمنی بھی انہی کے ساتھ ہے۔ اب اس بد نصیبی کا کیا علاج ہے۔

وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور نیک اعمال بجالائے تو ہم اسے دوہرا اجر دیں گے

مَرَّتَيْنِ ۱۰ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۱۱ يَنْسَاءَ النَّبِيُّ لِسْتَنْ كَا حِدٍ مِّنْ

اور ہم نے اس کے لئے عزت والی روزی تیار کی ہے [21] اے ازواجِ رسول (ﷺ) تم دوسری عورتوں

النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ

میں سے کسی جیسی نہیں ہو (تم سب سے افضل ہو) اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ لہذا بات کرنے میں لوچ نہ رکھو ورنہ جس شخص کے دل میں

مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۱۲

مرض ہے وہ طمع کرے گا اور اچھی بات کہو۔ [22]

[21] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ازواجِ رسول ﷺ اگر بالفرض تم میں سے کسی سے کوئی برا کام سرزد ہو (یہ اسی طرح ہے جیسے حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو اترا اسے لوگوں تک پہنچا دیں اگر بالفرض آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ (مائدہ: ۶۷) تو اسے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا گناہ ہوگا ایک حکمِ ربی کے توڑنے کا گناہ دوسرا اہل بیتِ رسول ﷺ ہونے کی نسبت پر دھبہ لانے کا گناہ۔ اور اے ازواجِ رسول اس کے برعکس تم میں سے جو کوئی اللہ و رسول کا حکم بجالاتے ہوئے کوئی نیک عمل کرے اسے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ایک حکمِ خدا کے بجالانے کا اجر دوسرا نسبتِ اہل بیتِ رسول ﷺ کی عظمت کو دوبالا کرنے کا اجر۔

عظمتِ اہل بیتِ رسول ﷺ

نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ سے معلوم ہوا کہ ازواجِ رسول ﷺ کو اہل بیتِ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے ساری اُمت سے دوہرا اجر دیا گیا۔ یاد رہے جس طرح ازواجِ رسول ﷺ رشتہٴ نکاح کی وجہ سے اہل بیتِ رسول ہیں۔ یونہی اولادِ رسول ﷺ یعنی حسنی و حسین ساداتِ کرام رشتہٴ ولادت کی وجہ سے اہل بیتِ رسول ہیں کیونکہ حدیث مشہور ہے کہ فرمایا: ”میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت (اولاد) جو میرے اہل بیت ہیں جب تک تم ان کا دامن پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے۔“

(مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۳۶، داری کتاب فضائل القرآن باب ۱، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴)

یہ بھی معلوم ہوا کہ سادات کرام کو اہل بیت رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہرا حصہ دینا چاہیے۔ خلفاء راشدین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو مال غنیمت اور سرکاری وظائف میں دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت کہیں زیادہ حصہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح علماء کرام سادات کا حصہ زیادہ رکھتے ہیں۔ میرے والد گرامی محقق اسلام علامہ محمد علی بن عبد اللہ اپنے دینی مدرسہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور میں سادات طلباء کو دوسرے طلباء کی نسبت دوہرا حصہ دیتے تھے۔ ایک طالب علم ہونے کا حصہ ایک اولاد رسول ﷺ ہونے کا حصہ اور یہ سلسلہ اب بھی اسی طرح جاری ہے اور جاری رہے گا ان شاء اللہ العزیز۔

یہ نظریہ کہ اہل بیت پر کوئی پکڑ نہیں، صحیح نہیں ہے

ازواج رسول ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر بالفرض ان سے گناہ سرزد ہوا تو انہیں دوہرا عذاب ہوگا۔ لہذا بعض لوگوں کا کہنا کہ اہل بیت پر پکڑ نہیں خواہ وہ جو بھی کریں قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ اہل بیت کے لیے دوسرے لوگوں کی نسبت دوہری پکڑ ہے۔ ایک گناہ کرنے کی وجہ سے، دوسرا حرمت نسبت رسول ﷺ کو پامال کرنے کی وجہ سے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۳﴾ اے رسول ﷺ! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سنا تمہیں۔“ (شعراء، ۲۱۳) کے نزول پر نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو ہاشم! خود کو نار جہنم سے بچا لو اپنی گردنیں آگ سے چھڑالو میں تمہیں (مرضی خدا کے بغیر) اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔ پھر آپ نے اپنے اہل بیت کی طرف توجہ کی اور فرمایا: اے عائشہ بنت ابوبکر، اے حفصہ بنت عمر، اے فاطمہ بنت محمد، اے ام زبیر عمتہ رسول اللہ خود کو نار جہنم سے بچا لو میں تمہیں (حکم الہی کے بغیر) اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔ (طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۲۵ حدیث ۷۸۹۰ مطبوعہ دار احیاء بیروت) لہذا بعض سادات کا یہ سمجھنا کہ وہ بخشے بخشائے ہیں خواہ وہ جو بھی کریں قطعی غلط ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نسبت رسول ﷺ کا صدقہ ضرور عطا فرمائے گا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس پہ چاہے کرے، جس پہ چاہے نہ کرے۔

[22] یعنی اے ازواج رسول ﷺ! دنیا کی کوئی عورت تمہارے اس منصب کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ تم اس رسول معظم کی ازواج ہو جن کی عظمت کا کوئی انسان اللہ نے بنایا ہی نہیں، تو اس منصب کا یہ تقاضا ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور کسی اجنبی مرد سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجے میں نرمی اور لوچ نہ رکھو ورنہ جس کے دل میں بے حیائی کا مرض ہے وہ طمع لائے گا اور آگے بڑھ کر مزید باتیں کرنے کی کوشش کرے گا اور ہمیشہ بھلائی کی بات کرو یعنی جو احادیث تم اپنے شوہر سید البشر ﷺ سے سنتی ہو وہ آپ کی امت تک پہنچاؤ اور بلاشبہ تمام ازواج رسول ﷺ نے ان ارشادات خدا کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ وہ تقویٰ کا مجسمہ بن گئیں، انہوں نے شرعی احکام بتانے کے علاوہ کبھی کسی اجنبی مرد سے بات نہ کی اور ان کے پردے کا یہ عالم تھا کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر بنی تو وہ اپنے حجرے میں

حجاب کے ساتھ آتی تھیں اور ازواج رسول ﷺ سے جو احادیث سنی انہیں امت تک پہنچایا اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کردار ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا جن سے قریباً چھ ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔

افضلیت ازواج رسول ﷺ

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ سے صاف ثابت ہوا کہ ازواج رسول ﷺ تمام مومنہ عورتوں سے افضل ہیں اور پیچھے اسی سورت میں گزر چکا ہے وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ آپ کی ازواج سب اہل ایمان کی مائیں ہیں اور اہل ایمان میں سب مومنہ عورتیں بھی شامل ہیں تاہم اس سے سیدہ مریم اور سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں۔ سیدہ مریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۱﴾ اے مریم! اللہ نے تجھے تمام خواتین عالم پر فضیلت دی ہے۔ (آل عمران، ۴۲) البتہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی خواتین سے افضل تھیں جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا: وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اور یہ فضیلت ان کے زمانہ سے خاص تھی اور سیدہ خاتون جنت کے بارے میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پہ راضی نہیں ہو کہ تمام مومنہ عورتوں کی سردار ہو یا یہ کہ اس امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۹۸)

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ سرکار ﷺ نے فرمایا تم تمام خواتین اہل جنت کی سردار ہو۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۲۰) خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا تمام خواتین اہل ایمان سے کلیتہً افضل ہیں۔

عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے غیر لچکدار لہجہ رکھنا چاہئے

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے معلوم ہوا کہ اجنبی مرد سے باتیں کرتے ہوئے عورت کو مسکرانا نہیں چاہئے کیونکہ اس طرح دل ایک دوسرے کی طرف کھینچتے ہیں اور فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا فلموں ڈراموں اور سٹیج ڈراموں میں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا اور باہم ہنسی مذاق کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مگر اب تو بات ہنسی مذاق سے بہت بڑھ گئی ہے۔ اب تو بے حیائی اپنی آخری حدیں چھو رہی ہے۔ مسلمان عورتیں مختصر لباس کے ساتھ فلموں ڈراموں میں ناچتی گاتی اور جسم کی نمائش کرتی ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دی جا رہی ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ

اور ہمیشہ بھلائی کی بات کہا کرو اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پرانی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر باہر نہ نکلو اور نماز قائم کرو،

وَاتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ

زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو [23]۔ اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر بُرائی

الرِّجْسِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۖ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي

دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے اور تمہارے گھروں میں

بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَةِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۚ

جو اللہ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہے اسے یاد رکھو بے شک اللہ لطف و کرم والا خبر رکھنے والا ہے۔ [24]

[23] یعنی اے ازواج رسول! تم اپنے گھروں میں ٹھہرو اور جس طرح پرانے دور جاہلیت میں عورتیں بن سنور کر بازاروں میں نکلتی تھیں اس طرح تم باہر مت نکلو اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو یہ حکم بظاہر ازواج رسول سے فرمایا گیا مگر اس سے تمام مومنہ عورتوں سے خطاب مراد ہے۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر گھر سے نکل کر بصرہ جانے کا اعتراض اور اس کا جواب اس جگہ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کے تحت شیعہ لوگ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ازواج رسول ﷺ کو گھروں میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ چھوڑ کر بصرہ جا پہنچیں اور جنگ جمل کی قیادت کرتی رہیں۔ یہ کیسے جائز ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ازواج رسول گھروں میں ٹھہریں اور دور جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا بلکہ بے پردگی کے ساتھ باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ازواج رسول ﷺ عہد نبوی میں اور اس کے بعد اپنی ضروریات کے لیے باہر جاتی تھیں۔ مگر مکمل پردے کے ساتھ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں میں یعنی اپنے بیٹوں میں اٹھنے والے فساد و فتنہ کو فرو کرنے کی نیت سے بصرہ گئیں اور پورے پردے میں گئیں۔ کسی اجنبی مرد کی آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکی۔ آپ کے لیے لوہے کا ہودج (کچاوہ) بنایا گیا تھا آپ اسی میں رہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ دارالریان بیروت)

اور آپ اپنے محرم حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گئیں جو آپ کے سگے بھانجے لگتے تھے، کیونکہ عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ لہذا اس بیہودہ اعتراض میں کچھ وزن نہیں ہے۔
 پھر یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بصرہ جانا کسی بھی شرعی اعتراض میں نہیں آتا اور آپ بغرض
 اصلاح ہی گئی تھیں۔ پھر بھی آپ کو اس کا عمر بھر افسوس رہا اور جب کبھی اس کو یاد کرتیں تو رورو کر اپنا دوپٹہ تر کر لیتیں اور
 حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں اس آیت کو دہراتیں: يَلَيِّنَنِي مِثُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ نَّسِيًّا ﴿۲۲﴾ اے
 کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور بھولی بسری چیز ہوتی۔“ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۰۰ بروایت ابن ابی شیبہ وابن سعد)

عورت کا مردوں کے شانہ بشانہ ان سے گھل مل کر کام کرنا جائز نہیں

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ میں یہ درس ہے کہ عورت کا کام گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنا ہے اور مرد کا کام باہر نکل کر رزق
 کمانا ہے اور کسی مجبوری کے بغیر عورت کو کسب معاش کے لئے نہیں نکلنا چاہئے اور اگر وہ مجبوراً نکلے تو لازم ہے کہ باپردہ ہو
 اور علیحدہ کام کرے کیونکہ جب وہ اجنبی مردوں میں گھل مل کر دفاتروں فیکٹریوں اور دوکانوں میں کام کرے گی تو اس کے
 لئے اپنی عصمت کا بچانا مشکل تر ہو جائے گا۔ یورپ و امریکہ میں عورتوں نے اسی طرح کیا اور آج وہاں عورت کی عزت
 و ناموس کی دھجیاں اڑ گئی ہیں اور وہاں تیس سے چالیس فی صد بچے حرامی پیدا ہوتے ہیں۔

در اصل قرآن کا حکم یہ ہے کہ مرد باہر نکل کر کسب معاش کرے اور عورت گھریلو ذمہ داریاں نبھائے۔ اسی لیے فرمایا
 گیا: فَالْصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ط ”یعنی نیک بیویاں وہ ہیں جو شوہر کی اطاعت کریں
 اور اس کی غیر موجودگی میں (اس کے گھر، مال اور اولاد کی) حفاظت کریں جیسے اللہ نے حفاظت کا حکم فرمایا۔“ (نساء، ۳۴)
 اور بیوی کے نان و نفقہ اور لباس و رہائش سب کا ذمہ دار شوہر کو بنایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ
 وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط ”اور بچوں کے باپ پہ عورتوں کا کھانا پینا اور لباس لازم کیا گیا ہے۔“ (بقرہ، ۲۳۳)

عورت کے بن سنور کر بے پردہ باہر نکلنے کا گناہ

لَا تَبْرُجْنَ تَبَرُّجُ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى سے ان عورتوں کو سبق لینا چاہیے جو چست کپڑے پہن کر زلفوں کو لہراتی
 ہوئی بازاروں میں چلتی اور فلموں ڈراموں میں بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میری امت میں ایسی عورتیں آئیں گی جو باہر
 نکلیں گی انہوں نے کپڑے پہنے ہوں گے پھر بھی تنگی ہوں گی (ان کا سر ننگا، بازو ننگے اور لباس چست ہوگا) وہ لوگوں کو
 اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی ان کے سراونٹ کی کوہان نما ہوں گے (بالوں کے اونچے سٹائل
 بنائیں گی) وہ جنت میں ہرگز نہ جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو دور دور سے آئے گی۔“
 (مسلم کتاب صفۃ الجنۃ جنت ۵۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”جب عورت خوشبو لگا کر

مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زنا کار ہے۔“ (ترمذی کتاب الادب باب ۳۵ حدیث ۲۷۸۶)

[24] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل بیت رسول یعنی اے رسول ﷺ کی گھر والیو! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر گناہ دور کر دے اور تمہیں کردار و عمل کے اعتبار سے خوب ستھرا بنا دے۔ چنانچہ اسی لئے ان کے مطالبہ کے باوجود انہیں متاع دنیا کی کوئی چیز نہ دی گئی تاکہ انکے دل حب دنیا سے پاک کر دیئے جائیں اور شیطان کا کوئی وسوسہ انکے قریب نہ بھٹکے۔ چنانچہ ازواج رسول ﷺ کو یوں پاکباز بنا دیا گیا کہ وہ شیطانی اثر و الا خواب بھی نہ دیکھتی تھیں۔ ایک بار ایک عورت (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر عورت کو سوتے میں احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں: یہ سوال سن کر ازواج رسول حیرانی سے کہنے لگیں کیا عورت کو بھی احتلام آتا ہے؟ (بخاری کتاب العلم باب ۵۰) امام سیوطی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول ﷺ احتلام سے پاک تھیں کیونکہ اس میں شیطانی اثر ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ سوال پر تعجب سے ہنس پڑیں۔

کیا آیت تطہیر کا ازواج رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں؟

علماء اہل تشیع اور بعض شیعیت زدہ سنی واعظین سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا ازواج رسول ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف سیدنا حضرت علی، سیدہ خاتون جنت اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے حق میں اتری مگر یہ جاہلانہ و متعصبانہ دعویٰ ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت اصل میں ازواج رسول ﷺ ہی کے لئے اتری اور انہی کے لئے گناہوں سے تطہیر کا اعلان کیا گیا البتہ بعد میں حضور سید کائنات ﷺ نے خصوصی دعا کے ذریعے حضرات پنجتن پاک رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے تحت داخل کیا۔ اس کے چند دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت سے قبل یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ، ”اے رسول ﷺ! آپ اپنی ازواج سے فرمادیں۔“ (احزاب: آیت ۲۸) یُنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنِ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَعَّفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (۲۹) ”اے ازواج رسول ﷺ! تم میں سے جو بھی کسی کھلے گناہ کا ارتکاب کرے تو اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔“ (احزاب: آیت ۳۰) اور یُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ۔ ”اے ازواج رسول ﷺ! تم دوسری عورتوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہو۔“ (احزاب: آیت ۳۲) فرمایا گیا۔ جس سے خوب واضح ہے کہ اس سارے رکوع میں پیچھے سے ازواج رسول ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس آیت میں بھی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں اور انہی کی پاکیزگی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۲) پھر اس آیت سے قبل لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ، وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ، أَقْمِنَّ، اَتَيْنَّ، اور أَطِيعْنَ کے الفاظ موجود ہیں اور اس آیت کے بعد وَادْكُرْنَ مَا يُثْلِي فِي بُيُوتِكُنَّ کے الفاظ ہیں جو سب صیغہ ہائے جمع مونث ہیں۔ اور خوب واضح کر رہے ہیں کہ یہ آیت ازواج رسول ﷺ ہی

کے حق میں اتری ہے۔

(۳) اسی لئے قرآن کے مفسر اول جبر امت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نزلت فی نساء النبی

خاصۃً۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے حق میں خصوصاً اتری ہے۔ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۲ حدیث ۱۷۶۷۵)

(۴) اور حضرت عکرمہ تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: من شاء باہلئہ انہا نزلت فی ازواج النبی ﷺ۔ اگر کوئی

شخص چاہے تو میں اُس شخص سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ یہ آیت ازواج رسول ﷺ ہی کے حق میں اتری ہے۔

(ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۲ حدیث ۱۷۶۷۵)

(۵) اور ہر زبان میں بیوی کو اہل بیت یعنی گھر والی کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا: رَحِمْتُ اللّٰهَ وَبَرَ كُتُّهُ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْبَيْتِ ؕ اے اہل بیت نبی تم پر اللہ کی

رحمت و برکت ہو۔ (ہود، ۷۳) لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلُ الْبَيْتِ

کے الفاظ ازواج رسول ﷺ ہی کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔

(۶) بخاری شریف میں ہے کہ جب ولیمہ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میں کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ

میں کھانا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہے تو رسول اللہ ﷺ دیگر ازواج کے حجرات میں تشریف لے گئے۔ سب سے

پہلے آپ حجرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں گئے اور فرمایا: السلام علیکم اهل البيت ورحمة الله، انہوں

نے کہا: وعلیک السلام ورحمة الله، اسی طرح آپ ہر زوجہ مطہرہ کے حجرہ میں گئے اور اسی طرح سلام فرمایا۔ یعنی

بار بار کہا: السلام علیکم اهل البيت ورحمة الله۔ (بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ احزاب حدیث ۴۷۹۳) اس

حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ہر زوجہ مطہرہ کا نام لے کر اسے اپنی اہل بیت قرار دیا اور یوں اپنی سب ازواج

کو اس آیت تطہیر کا مصداق قرار دیا۔

(۷) شیعہ مفسر فضل بن حسن طبرسی نے اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول حضرت عکرمہ کے حوالہ سے یہی ذکر کیا ہے کہ

اراد بها ازواج النبی ﷺ لان اول الآیة متوجه الیہن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ازواج رسول ﷺ کو

مراد لیا ہے کیونکہ اس سے پہلی آیات انہی کی طرف متوجہ ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۸ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ موسسۃ العلمی بیروت)

تاہم اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرات پنجتن پاک کو اس میں داخل کیا۔ ام المؤمنین ام سلمہ

رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس وقت گھر میں

سیدہ فاطمہ حضرت علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم تھے آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر کے نیچے لے لیا اور فرمایا ”اے اللہ! یہ

میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر نجس کو دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما دے۔“ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے

عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں بھی ان کے ساتھ آ جاؤں؟ آپ نے فرمایا: انت علی خیر تم پہلے ہی بھلائی پر ہو

(یعنی بحیثیت زوجہ تم پہلے ہی اہل بیت ہو اور تمہارے ہی حق میں یہ آیت اتری ہے)۔ (ترمذی کتاب المناقب باب ۶۰)
ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انت علی خیر انک من ازواج النبی۔ تم بھلائی پر ہو تم ازواج
نبی (ﷺ) میں سے ہو۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۸ حدیث ۲۸۳۹۷)

اسی لئے اس آیت کے تحت امام قرطبی فرماتے ہیں:

فهذه دعوة من النبي ﷺ لهم بعد نزول الآية احب ان يدخلهم في الآية التي خوطب بها
الازواج۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے حق میں پہلے اتری پھر اس کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے پسند کیا کہ اس
فضیلت میں حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی داخل کر لیا جائے جو ازواج رسول کے لیے نازل ہوئی۔
(تفسیر قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۴)

اسی رائے کا اظہار علامہ محمود آلوسی نے کیا وہ کہتے ہیں:

”حضور سید کائنات ﷺ کا اپنی ازواج کو چادر کے نیچے نہ لینا اس لیے نہ تھا کہ وہ آپ کے اہل بیت میں سے نہ
تھیں بلکہ اس لیے تھا کہ ان کا اہل بیت رسول میں سے ہونا خود ہی ظاہر ہے کیونکہ آیت کا سیاق و سباق انہی کے بارے
میں ہے۔ جبکہ علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو آپ نے چادر کے نیچے داخل کیا کیونکہ اگر ان کو داخل نہ کیا جاتا تو یہی سمجھا
جاتا کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح عارف باللہ امام اسماعیل حق بنی فرماتے ہیں:

وهذه كما ترى آية بينة وحجة نيرة على كون نساء النبي ﷺ من اهل بيته قاطعة ببطلان
مذهب الشيعة في تخصيصهم اهل البيت بفاطمة وعلی وابنيه الحسن والحسين رضي الله
عنهم۔ یہ آیت ازواج رسول ﷺ کے اہل بیت رسول میں سے ہونے پر واضح دلیل اور روشن حجت ہے اور شیعوں کے
اس خیال کے بطلان پر حجت قاطعہ ہے جو وہ منصب اہل بیت کو فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم سے خاص کرتے ہیں۔
(تفسیر روح البیان جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور شانِ تطہیر میں ازواجِ مطہرات بھی شامل ہیں اور اہل عبا یعنی حسنین کریمین اور
ان کے والدین عظیمین بھی۔

شیعہ لوگ الجھاؤ پیدا کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُفْمُ
جمع مذکر مخاطب کی ضمیریں ہیں لہذا ازواج رسول ان کا مصداق نہیں بن سکتیں مگر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جمع مذکر کی ضمیریں لفظ
اہل بیت کے مذکر ہونے کی وجہ ہیں اور قرآن میں اس لفظ کی وجہ سے بیوی کو جمع مذکر صیغوں سے اکثر یاد کیا گیا ہے جیسے
هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ۔ ”کیا میں تمہیں ایسے گھروالے نہ بتاؤں جو اس بچے کی کفالت کر سکتے
ہیں۔“ (قصص: ۱۲)

رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۝ ” اے زوجہ رسول! تم پہ اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔“
(ہود: ۷۳)

فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا ٹھہرو۔ (طہ: ۱۰) ان سب آیات میں لفظ اہل بیت کے ذکر ہونے کی وجہ سے بیوی کو جمع مذکر کے صیغوں سے بیان کیا گیا ہے۔ تو یہی ماجرا اس جگہ آیت تطہیر میں بھی ہے، مگر افسوس ہے کہ اہل تشیع ان باتوں کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے اور ان کی دیکھا دیکھی بعض سنی واعظین بھی ان کی بولی بولنے لگے ہیں۔ حیرت ہے کہ وہ قرآن کریم کی ان واضح نصوص کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟

آیت تطہیر سے اہل تشیع کا ائمہ اہل بیت کے معصوم عن الخطاء ہونے پر غلط استدلال اس سے بھی آگے بڑھ کر شیعہ فرقہ نے اس آیت تطہیر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت مولانا علی المرتضیٰ سیدہ فاطمہ الزہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے معصوم عن الذنب والخطاء ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور یہ ان کا عقیدہ ہے کہ بارہ امام انبیاء کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور ساری مخلوق سے حتیٰ کہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ بہر حال اس آیت سے ان کا مذکورہ استدلال قطعی بے بنیاد ہے۔

اولاً: یہ آیت ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی ہے، نزول کے اعتبار سے اس آیت کا علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں دعا کے ذریعہ انہیں اس آیت کے تحت داخل کیا جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں اس کی مکمل تحقیق لکھ آئے ہیں۔

ثانیاً: لفظ وَيُطَهِّرُكُمْ تَطْهِيرًا سے صرف طہارت ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قلبی پاکیزگی عطا فرمائی کہ وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو گئے اور یہ طہارت اللہ تعالیٰ امت کے دیگر نیک افراد کو بھی جس قدر چاہے عطا فرماتا ہے۔ جیسے ارشادِ ربانی ہے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ اے رسول آپ مومنوں کے اموال سے صدقہ لیں جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک کر دیں۔ (توبہ: ۱۰۳) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ۔ ”اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پہ اپنی نعمت کو پورا کرے۔“ (مائدہ: ۶) گویا اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوب بندوں کو نہ صرف پاک کرتا ہے بلکہ ان پہ اپنی نعمت کو تمام فرماتا ہے۔ تو کیا ایسے سب لوگ اہل تشیع کے نزدیک معصوم قرار پائیں گے؟ کیونکہ لفظ تطہیر تو ان کے لیے بھی آگیا ہے۔

ثالثاً: اس آیت میں انما حرف حصر ہے یعنی انما یرید اللہ لیزہب الخ، پھر اہل تشیع اس آیت کو پنجتن پاک سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر تطہیر بھی انہی سے خاص ٹھہری۔ پھر باقی ائمہ اہل بیت کی تطہیر کی نفی ماننا پڑے گی۔ تو بارہ ائمہ اہل بیت کرام کی معصومیت کا دعویٰ کدھر گیا۔ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔

شانِ طہارتِ ازواجِ رسول ﷺ:

جب یہ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ ازواجِ رسول کے حق میں اتری ہے تو پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما پر اہل تشیع کا کیچڑ اچھالنا قرآن سے ٹکر لینا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکی طہارت کا اعلان فرمادیا تو انکے بارے میں بدزبانی کرنے والا ناپاک دل اور ناپاک عقائد رکھتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بے خبری میں ان کی طہارت کا اعلان کر دیا ہے؟ ان کی پاکیزگی و طہارت کا یہ عالم ہے کہ وہ بُرے خواب سے بھی محفوظ ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی پیچھے اس ضمن میں بخاری کتاب العلم سے حدیث لکھ آئے ہیں کہ ازواجِ رسول ﷺ احتلام سے بھی پاک تھیں۔

اسی لیے جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے احتلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو ازواجِ رسول ﷺ سن کر ہنس پڑیں اور بڑے تعجب سے کہنے لگیں کیا عورت بھی احتلام دیکھتی ہے؟۔ اور وہ اس قدر پاک ہیں کہ انہی کے حق میں یہ آیت اتری، الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ”پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔“ (نور، ۲۶) یعنی جب رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی پاک نہیں تو آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی پاکیزگی میں کیا شک کیا جاسکتا ہے۔

شانِ طہارتِ پنجتنِ پاک

جب حضور ﷺ نے حضراتِ پنجتنِ پاک حضرت علی المرتضیٰ، سیدۃ فاطمۃ الزہراء، امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں لے کر ان کے حق میں دعاءِ تطہیر کردی اور انہیں اس آیت کے تحت داخل کر لیا تو پھر امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو واقعہ کربلا کے حوالے سے باغی کہنے اور آپ کی کردار کشی کرنے والے خوارج زمانہ کو خوفِ خدا سے کام لینا چاہئے۔

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں

آیتِ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت
لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہل بیت

خوارجِ زمانہ کا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور یزید پلید کو جنتی کہنا

دیکھیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی پاک گود میں پرورش نصیب ہوئی۔ ان کی پاکیزگی کا کیا کہنا ہے۔ اُن سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیوی اقتدار کے لیے اس قدر حُبِ جاہ میں مبتلا ہوں کہ امت میں تلوار چلا دیں اور اپنی کرسی کے لیے مسلمانوں کا خون بہائیں؟ معاذ اللہ، ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نو جوانانِ جنت کا سردار فرماتے ہیں۔ جب کہ باغی کے لیے اعلانِ جہنم ہے۔ باغیوں کے لیے صاف فرمایا گیا: ذَلِكْ لَهُمْ خِزْيٌ فِي

الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ یہ ”ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“ (مائدہ، ۳۳) تو کیا رسول اللہ ﷺ نے باغیوں کو نو جوانان جنت کا سردار قرار دیا ہے؟

پھر کس قدر شقاوت قلبی ہے خوارج زمانہ کی کہ وہ یزید کو جنتی قرار دینے پہ زور لگا رہے ہیں اور اس کو ﷺ کہتے ہیں۔ حالانکہ یزید کے سیاہ کارناموں کا تصور کر کے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اس نے آل رسول ﷺ کو بیدردی کے ساتھ دشت غربت میں ظالمانہ انداز میں قتل کیا اور جن ظالموں نے شہزادگان خاندان رسالت کے سروں کو نیزوں پہ اٹھایا ان کی نوکریاں پکی کیں۔ پھر اہل مدینہ پہ ظلم کا بازار گرم کیا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کا قتل عام کیا، اہل مدینہ کی پاک بچیوں کیساتھ زنا بالجبر کیا گیا، ایک ہزار کنواری پاک باز لڑکیوں کو زنا کا حمل ٹھہرا، مسجد نبوی کے مقدس صحن کو گدھوں اور خچروں کے بول و براز سے آلودہ کیا گیا اور کعبہ شریف کو آگ لگائی گئی۔ جس وقت یزید مردود کی شام میں موت واقع ہوئی اس وقت کعبۃ اللہ کے پردے یزیدی فوج کے ہاتھوں آگ سے جل رہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ دارالریان بیروت)

خوارج ایسے شخص کو جنتی کہنے پہ زور لگا رہے ہیں اور نو اسہ رسول ﷺ امام عالی مقام امام حسین ﷺ کو باغی سمجھتے ہیں۔ باغی کو قرآن جہنمی کہتا ہے۔ جبکہ قرآن اہل بیت کی پاکیزگی کا اعلان کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ امام حسین ﷺ کو اپنی مکمل شریف (چادر مبارک) میں لیکر انہیں آیت تطہیر میں شامل فرما رہے ہیں اور ان کو نو جوانان جنت کا سردار قرار دے رہے ہیں۔

حدیث مبارکہ سے حسنین کریمین اور پنچتن پاک کے چند فضائل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا: ہما ریحانتای من الدنیا۔ ”وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔“

(بخاری کتاب المناقب باب ۲۲ حدیث ۳۷۵۳۔ ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۷۰)

گویا جن بد بخت ترین لوگوں نے حسنین کریمین کو شہید کیا انہوں رسول اللہ ﷺ کے دو پھولوں کو مسل دیا۔ گویا انہوں نے قلب رسول اللہ ﷺ پہ دو گہرے زخم لگا دیے۔ تو ان سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے والا کون ہے اور جو آپ کو ایذا دے اللہ تعالیٰ اسے ملعون قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ ”بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پہ دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔“ (احزاب، ۵۷) تو ملعونوں کو مرحوم اور رضی اللہ عنہ کہنا کیسی الٹی سوچ ہے۔

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے سیاہ بالوں سے بنی ہوئی لکیر دار چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اتنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ آگئے، آپ نے ان کو اپنی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حسین بن علی رضی اللہ عنہ آگئے، آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں، آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا۔ پھر حضرت

مولا علی رضی اللہ عنہ آگئے، آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا، پھر فرمایا: اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ (صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۴۲۴) یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ آیت تطہیر پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین اور سیدہ خاتون جنت اور مولا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر میں لے کر ان کے لیے یہ آیت پڑھی۔ گویا دعاء کی کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہوں، یا ان کو داخل کیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنة۔ ”حسین و حسین رضی اللہ عنہما جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں۔“ (ترمذی کتاب المناقب باب ۳۰ حدیث ۳۷۶۸) امام ترمذی نے فرمایا: هذا حدیث حسن صحیح، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ”میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے کمر میں کوئی چیز اٹھا رکھی ہے۔ اسی طرح آپ باہر تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیا اٹھا رکھا ہے؟ آپ نے کمر میں اٹھایا تو اس میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما تھے۔“ پھر آپ نے فرمایا:

”یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں اور فرمایا: اللھم انی احببھما فاحببھما واحب من یحببھما۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان دونوں سے محبت رکھے تو اس سے بھی محبت رکھ۔“ (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۶۹)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حسین منی وانا من حسین احب اللہ من یحب حسینا، حسین سبط من الاسباط۔ ”حسین مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں، جو حسین سے محبت رکھے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسین نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔“ (یعنی اس کے ذریعہ میری اولاد کی ایک بڑی نسل چلے گی)۔ (ترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۷۵) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

شان اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مفسر کی لکھی ہوئی ایمان افروز منقبت

ہے درخشاں دونوں عالم میں مقام اہل بیت	مثل خورشید فلک تاباں ہے نام اہل بیت
اہل قربی کی مودت حکم ہے قرآن کا	اور جزو دیں ہے بیشک احترام اہل بیت
خود رسول اللہ نے ان کی محبت فرض کی	اور صحابہ نے سکھایا ہے مقام اہل بیت
جاں دینا دیں کی خاطر کوئی ان سے سیکھ لے	ہمت و جرأت شجاعت ہے پیام اہل بیت
وقت کے شمر و یزیدوں کے لیے ہر دور میں	صاعقہ باراں ہے تیغ بے نیام اہل بیت
ہیں اکٹھے حشر تک قرآن اور آل نبی	ہے کتاب اللہ سے یہ انضمام اہل بیت

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

اور نمازوں میں بھی شامل ہے سلام اہل بیت
شکر مولا میں بھی ہوں ادنیٰ غلام اہل بیت

ان کے ذکر خیر سے معمور ہے قرآن پاک
ہے کلید خلد طیب حب آل مصطفیٰ

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں اور اطاعت والے مرد اور اطاعت والی عورتیں

وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ

اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں اور عجز والے مرد اور عجز والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِبِينَ وَالصَّائِبَاتِ وَالْحَفِظِينَ

اور صدقہ کرنے والی عورتیں [25] اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور پاکدامنی کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی

فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ لَا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ

عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے

مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے [26]

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم

[25] گزشتہ رکوع میں ازواج رسول ﷺ کے ذریعے تمام مومنہ عورتوں کو تقویٰ، پردہ، نماز، زکوٰۃ اور اطاعت خدا و رسول کا حکم دیا گیا۔ اب اسی زمرہ میں خواتین اسلام کو مزید اسلامی احکام و آداب بتائے جا رہے ہیں اور تمہیداً ساتھ میں مردوں کا بھی ذکر لایا گیا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں مردوں ہی کا ذکر کیا جاتا ہے عورتوں کا نہیں تب یہ آیت نال ہوئی: إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِبِينَ وَالصَّائِبَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ لَا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۳ حدیث ۱۷۶۸۶) گویا عورتوں کی دل جوئی کے لئے یہاں دس صفات میں ان کا مردوں سے الگ ذکر کیا گیا۔ اسلام،

ایمان، قنوت (اطاعت)، صدق، صبر، خشوع، صدقہ، روزہ، پاکدامنی کی حفاظت اور کثرت ذکر۔

یہاں سب سے پہلے اسلام اور ایمان کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہی دو الفاظ دین کا خلاصہ ہیں۔ یاد رہے اسلام اور ایمان میں یہ فرق ہے کہ ایمان کا عقائد سے تعلق ہے اور اسلام کا اعمال سے۔ یعنی اللہ و رسول کی ہر بات کا ماننا ایمان ہے اور اس پہ عمل کرنا اسلام۔ لہذا اللہ، رسول، قیامت، قرآن، دوسری آسمانی کتابوں، رسولوں اور فرشتوں وغیرہ کا ماننا ایمان ہے اور نماز و زکوٰۃ و روزہ و حج وغیرہ کی ادائیگی اسلام ہے۔ گویا ایمان کا دل سے تعلق ہے اور اسلام کا ظاہری اعضاء سے۔ اسکے بعد قنوت کا ذکر ہوا، قنوت (اطاعت) یہ ہے کہ اللہ و رسول کے ہر حکم پر سر تسلیم خم اور اپنی مرضی کو ان کی مرضی میں گم کر دیا جائے اسی کو احسان و اخلاص بھی کہا گیا ہے یہی تصوف اور طریقت ہے۔ اس کے بعد صدق و صبر کا ذکر ہوا کیونکہ ایمان و اسلام و اطاعت کا راستہ بہت کٹھن ہے اس راستہ پر سچائی کا دامن تھامے اور صبر سے مدد لئے بغیر چلنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے ہر ماسوئی اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنا پڑتی ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت سے روکنے والی ہر طاقت سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ پھر اس راہ پر چلنے والوں کو جب کچھ کامیابی ملتی ہے تو شیطان ان کے دل میں غرور اور خود پسندی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے آگے خشوع یعنی خوفِ خدا کا ذکر کیا گیا۔ اس کے بعد صدقہ کا بیان لایا گیا جس کا مفہوم خلقِ خدا سے ہمدردی ہے۔ اور اس جذبہ کے بغیر سب عبادات ضائع ہیں۔

[26] اس کے بعد روزہ کا ذکر کیا گیا کیونکہ شیطان عبادات میں خلل ڈالتا ہے اور دل کو عبادت سے ہٹاتا ہے اور روزہ ڈھال ہے جو بندے کو شیطان اور نفس کے حملوں سے بچاتا ہے۔ روزے کے بعد پاکدامنی کی حفاظت یعنی عفت و شرم کا ذکر لایا گیا کیونکہ سچے اور مقبول روزے کا فائدہ یہ ہے کہ شہوت کا زور ٹوٹے اور پاکدامنی کی حفاظت آسان ہو اسی لئے حدیثِ رسول ﷺ میں ہے کہ ”اے نوجوانو! نکاح کرو اور جو نکاح نہ کر سکے وہ روزے رکھے۔“ (بخاری کتاب الصوم باب ۱۰) اور آخر میں کثرت ذکر الہی کی بات کی گئی کیونکہ دین پر وہی عمل کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے ورنہ شیطان کا غلبہ یقینی ہے۔

اس جگہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب شوہر بیوی کو جگائے پھر دونوں اٹھ کر دو رکعت (یعنی نماز تہجد ہے) پڑھیں تو وہ اس رات کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے شمار ہوں گے۔“ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۳۴) گویا وہ غفلت کی نیند نہیں سوئے بلکہ نیند میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا اور انہوں نے جسم کو سکون پہنچانے کے ساتھ روح کو بھی سکون پہنچایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر میں مرد اور عورت برابر ہیں، اسی لیے اس آیت میں اعمالِ صالحہ کے اندر مرد اور عورت کا ایک ساتھ برابر ذکر کیا گیا۔ البتہ مرد کی برتری صرف یہ ہے کہ اسے بعض حکمتوں کے باعث گھر کا سربراہ بنایا گیا ہے۔ اس سے ہٹ کر ثواب و عقاب اور جزاء و سزا میں دونوں برابر ہیں کیونکہ کسی کی نیکی کسی سے کم نہیں۔

اس سے اسلام میں عورت کے مقام کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اس لیے اسلام پر یہ اعتراض رکھنا کہ اس میں عورت کو لونڈی اور قیدی بنا دیا گیا ہے سراسر بہتان ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ

کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو انکے لیے

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۖ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۖ ط

اپنے معاملہ میں کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول سے نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ [27]

[27] یہ آیت حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حق میں اتری اور بتایا گیا کہ نیک عورتیں کس طرح اللہ و رسول کی اطاعت کرتی ہیں واقعہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بے حد پیار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا تھا۔ پھر آپ نے ایک دن اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش سے فرمایا کہ تم زید سے شادی کر لو وہ آمادہ نہ ہوئیں۔ آپ نے فرمایا نہیں تم ضرور شادی کرو۔ وہ کہنے لگیں آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں یہی بات ہو رہی تھی کہ یہ آیت اتر آئی: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۖ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۖ یعنی جب اللہ اور اس کا رسول کسی مومن مرد یا عورت کو کوئی حکم دے دیں تو انہیں یہ اختیار نہیں کہ وہ اس حکم سے اعراض کریں اور جو اللہ و رسول کے حکم سے نافرمانی کرے وہ کھلا گمراہ انسان ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اسی وقت عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی وقت خود کو زید کے نکاح میں دیتی ہوں۔ (ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۱ حدیث ۲۸۵۱)

مقام حدیث

إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا سے پتہ چلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم خواہ وہ بصورت قرآن ہو یا بصورت حدیث صحیح، ہر مومن مرد و عورت پر نافذ ہے اور اس سے انحراف جائز نہیں اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۖ ۱۵ ”تو آپ کے رب کی قسم! لوگ مومن نہیں کہلا سکتے جب تک وہ اپنے مابین ہر جھگڑے میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کھٹکانہ لائیں اور اسے خوب مانیں۔“ (نساء: ۶۵)

لہذا ہر حدیث صحیح اور حدیث حسن پر عمل واجب ہے اور اس سے احکام شرعیہ یعنی حلال و حرام، پاک و ناپاک اور حقوق و فرائض ثابت ہوتے ہیں۔ جبکہ حدیث ضعیف سے کوئی واجب ثابت نہیں ہوتا البتہ اس سے مندوب و مستحب

ثابت ہو جاتا ہے اور اگر حدیث ضعیف متعدد طرق سے مروی ہو کر درجہ صحت یا حسن کو پہنچ جائے تو اس سے بھی احکام ثابت ہو سکتے ہیں۔ (مقدمہ اشعة اللمعات جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ سکھر پاکستان) البتہ حدیث موضوع سے اجتناب واجب ہے اور نہ ہی اس کا بیان کرنا جائز ہے۔ الا یہ کہ اسے موضوع ثابت کرنے کے لیے بیان کیا جائے۔

شریعت پر عقل قربان ہے

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کا ہر حکم ماننا ضروری ہے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِ هُمْ ۝ سے صاف معلوم ہوا کہ مومن یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حکم میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لہذا میں اسے نہیں مانوں گا۔ وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔ فوجی کا کام ہے کمانڈر کا حکم ماننا اور جو فوجی یہ کہے کہ جب تک میری سمجھ میں اس کا مقصد نہ آئے میں یہ حکم نہ مانوں گا اسے فوج میں رہنے کا حق نہیں۔ مومن اللہ و رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اپنی عقل کا نہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشاے لبِ بام ابھی
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ختم نبوت

اس آیت میں اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَمْرًا اور وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ سے خوب واضح ہوا کہ قرآن کے مخاطبین کے لیے ایک ہی رسول ہے کیونکہ رَسُولُهُ اسم معرفہ ہے جو ایک ہی ذات پہ بولا جاسکتا ہے اور یہ آیت بتا رہی ہے کہ اب تا قیامت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ چلے گا کسی اور کا نہیں، اور جو ان کا فیصلہ نہ مانے وہ مومن نہیں ہے۔ یہ چیزیں بھی اسی امر پہ دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے لیے کوئی اور نبی یا رسول نہیں ہے کہ جس کا فیصلہ اللہ کے فیصلے کی طرح جاری ہو۔ اب صرف حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ چلے گا۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ

اور اے نبی (ﷺ) یاد کریں جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا ہے، کہتے تھے کہ

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ

اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے ڈرتے تھے

وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَهُ فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكَيْلَا

اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں [28] پھر جب زید (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بیوی کو مکمل چھوڑ دیا تو ہم نے

يَكُونَنَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ

اسکا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں حرج نہ رہے جب بیٹے ان کو مکمل چھوڑ دیں

وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۚ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا

اور اللہ کا کام ہو کر رہتا ہے [29] نبی (ﷺ) پر اس بارے میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہی اللہ کا

فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

طریقہ ان (انبیاء) میں رہا ہے جو پہلے گزرے۔ اللہ کا حکم طے شدہ تقدیر ہے یعنی وہ انبیاء جو اللہ کے

قَدَرًا مَّقْدُورًا ۚ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ

پیغامات پہنچاتے اور اللہ سے ڈرتے تھے اور انہیں اللہ کے سوا

أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۚ

کسی کا ڈرنہ تھا۔ اور اللہ حساب لینے میں کافی ہے [30]۔

[28] حضرت زید رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا باہم نکاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے ہو

تو گیا، مگر ان دونوں میں باہمی محبت پیدا نہ ہو سکی کیونکہ حضرت زینب بہت حسن و جمال والی تھیں اور جناب زید واجبی شکل

رکھتے تھے۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نسب بہت اعلیٰ تھا وہ باپ کی طرف سے قریشی قبیلہ بنو اسد سے تھیں اور ماں کی طرف

سے قریشی، ہاشمی، مطلبی خاندان سے۔ ان کی والدہ حضور سید کائنات ﷺ کی سگی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں جبکہ حضرت زید غلام تھے۔ بکتے بکاتے مکہ میں آئے تھے۔ وہاں سے ان کو سیدہ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد نے خرید لیا اور بعد میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی ملک میں دیدیا۔ اس لئے سیدہ زینب کو ان سے محبت نہ ہو سکی۔ انہوں نے صرف اللہ و رسول کے حکم پر سر جھکایا تھا، رہا یہ سوال کہ اللہ و رسول نے انہیں اس نکاح پر کیوں مجبور کیا تو اس کی حکمت آگے بیان ہو رہی ہے۔

حضرت زید اگرچہ ایک غلام تھے مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان پر اللہ نے اور اے پیارے رسول آپ نے انعام فرمایا تھا۔ اللہ کا انعام یہ ہے کہ انہیں ایمان اور غلامی رسول کا اعزاز دیا۔ اور آپ کا انعام ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کا نکاح کر دیا۔ مگر جب حضرت زینب کے دل میں جناب زید کے لئے شوہر والا مقام پیدا نہ ہو سکا تو انہوں نے حضور سید کائنات ﷺ سے ایک دن عرض کیا کہ وہ زینب کو طلاق دینا چاہتے ہیں۔

ادھر حضور ﷺ بھی دیکھتے تھے کہ زینب مجبوری کی زندگی گزار رہی ہے آپ کے دل میں آیا کہ اگر زید واقعتاً اسے طلاق دے دے تو آپ اسے اپنی زوجیت میں لے سکتے ہیں مگر آپ کو یہ ڈر تھا کہ کفار اعتراض کریں گے دیکھو انہوں نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت زید کو منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے دل کی بات کو دل ہی میں رکھتے ہوئے حضرت زید سے فرمایا کہ تم زینب کو طلاق نہ دو اسے اپنے پاس ہی رکھو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے حبیب ﷺ! آپ کفار کے اعتراض سے کیوں ڈرتے ہیں۔ وہ تو کبھی اعتراض سے باز نہ آئیں گے یعنی ہم چاہتے ہیں کہ زید اسے طلاق دے اور آپ اس سے نکاح کریں تاکہ ہماری حکمت کا تقاضا پورا ہو جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

[29] آخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک برس تک نکاح قائم رکھنے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب زید نے اپنی بیوی سے رغبت ختم کر دی یعنی اسے مزید اپنے نکاح میں نہ رکھنا چاہا اور طلاق دے دی تو اے پیارے حبیب ﷺ! ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا۔ تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے۔

در اصل ظہور اسلام سے قبل عرب میں یہ رسم جاہلانہ تھی کہ لوگ جس نو جوان کو دولت مند مدبر اور صاحب شرافت دیکھتے اسے دنیوی مفادات کے لئے اپنا منہ بولا بیٹا قرار دیتے اور اس کا نسب اپنے ساتھ ملا لیتے اور اس پر سگے بیٹے کے احکام جاری کر دیتے چنانچہ اگر ان کا منہ بولا بیٹا کسی عورت سے نکاح کر کے اسے طلاق دے دیتا تو وہ اس عورت سے اپنا نکاح حرام جانتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ اس نو جوان کی دولت پر قبضہ کریں اور اس سے دوسرے سیاسی فوائد حاصل کریں اس رسم بد کی تردید یوں بھی فرمائی گئی: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ ؕ ”اللہ نے تمہارے منہ

بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا۔“ (احزاب: ۴) تو اس رسم بد کی تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ پہلے حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کیا جائے پھر وہ انہیں طلاق دیں پھر ان سے حضور ﷺ خود نکاح کریں تاکہ مسلمانوں کو اچھی طرح سے باور ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی مطلقہ بیوی سے اس کا منہ بولا باپ نکاح کر سکتا ہے۔

اسلام میں غلاموں کی عزت افزائی

نبی اکرم ﷺ نے اپنی عالی نسب پیکر جمال پھوپھی زاد بہن سے اپنے غلام کا نکاح کر کے دنیا کو بتایا کہ غلام بھی انسان ہیں وہ دوسرے درجے کی مخلوق نہیں ہیں۔ غلام نوازی کی اس سے بہتر مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسلام سے پہلے انسانیت طبقاتی اختلاف کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، دور جاہلیت میں غلاموں کو جانوروں کی طرح رکھا جاتا تھا، لونڈیوں سے زبردستی بدکاری کروائی جاتی تھی۔ اسلام نے آکر غلاموں اور لونڈیوں کی عزت بحال کی اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا۔ گویا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ مذکورہ نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ طبقاتی اختلاف کا خاتمہ کیا جائے۔ ہندوؤں میں آج بھی شودر ہندو برہمن ہندوؤں کے ساتھ برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بھگوان نے برہمنوں کو اپنے سر سے اور شودروں کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے۔ مگر اسلام میں سب انسان برابر ہیں، ذات برادری کی وجہ سے کوئی کسی سے ممتاز نہیں ہے۔ (البتہ سادات کرام کو نسبت رسول ﷺ کی وجہ سے ایک خاص درجہ حاصل ہے کیونکہ آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز عظیم ہے اور سادات کی عظمت بھی ایسی نہیں کہ اس سے طبقاتی اختلاف پیدا ہو۔)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

قرآن مجید میں اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کسی مومن مرد کا نام لیا گیا ہے تو وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ جب زید نے اس عورت کو چھوڑ دیا تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کیا۔ انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أُنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ کہ اللہ نے بھی اس پہ انعام کیا اور اے نبی آپ نے بھی اس پہ انعام کیا۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو کبھی کسی لشکر میں مامور بنا کر نہ بھیجا ہمیشہ امیر ہی بنا کر بھیجا اگر وہ حضور ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو یقیناً آپ ان کی خلافت کا اعلان کر کے جاتے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۰) جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا اللہ کی قسم! وہ مجھے سب لوگوں سے محبوب تر تھا اور اب اس کا بیٹا مجھے سب لوگوں سے محبوب تر ہے۔ (بخاری کتاب الفضائل حدیث ۳۷۳۰) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جنگ موتی میں سن ۸ ہجری میں ملک شام میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت سیدہ زینب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذَوِّجْنٰكَهَا اے پیارے محبوب ﷺ ہم نے آپ کا زینب سے نکاح کیا۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتی تھیں میں ازواج رسول ﷺ میں نسب کے اعتبار سے آپ سے قریب تر ہوں کہ میں آپ کی پھوپھی زاد ہوں۔ میرا نکاح رحمان نے عرش کے اوپر آپ سے کیا اور اس کا سفیر حضرت جبرائیل کو بنایا۔ (متدرک) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا ذکر قرآن کریم میں وارد ہوا جو آگے اسی سورہ احزاب میں آرہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام ازواج رسول ﷺ سے بڑھ کر سخاوت کرنے والی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم میں سے مجھے سب سے پہلے وہ آکر ملے گی (فوت ہو کر جنت میں میرے پاس پہنچے گی) جس کا ہاتھ تم میں سے زیادہ لمبا ہے۔ ازواج رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہ کا ہاتھ زیادہ لمبا تھا۔ مگر ازواج میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال سب سے پہلے ہوا۔ تب انہوں نے سمجھا کہ لمبے ہاتھ سے مراد زیادہ سخاوت ہے۔ (مسلم کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۴۴) سن 20 ہجری میں ان کا وصال ہوا۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

نکاح میں اصل کفو صرف اسلام ہے

نبی اکرم ﷺ نے باپ کی طرف سے قریشی اسدی اور ماں کی طرف سے ہاشمی مطلبی خاندان کی لڑکی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر کے بتا دیا کہ لڑکی لڑکے میں شرعاً کفو (مماثلت) صرف اسلام ہے۔ نسب، مال، حسن اور دیگر چیزیں ثانوی درجہ رکھتی ہیں اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ ”ہم نے تمہارے مختلف طبقات اور قبائل بنائے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں معزز تر وہی ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے۔“ (حجرات: ۱۳)

لہذا جب کسی شخص کو اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے ایمان و عمل کے لحاظ سے اچھا رشتہ مل جائے تو پھر نسب یا مال داری وغیرہ کے اختلاف کو اہمیت نہیں دینی چاہیے، اسی پہ اکتفاء نہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کیا۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق حدیث ۳۸) اور فاطمہ بنت قیس قریش کے قبیلہ بنو فہر سے تعلق رکھتی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) جبکہ حضرت اسامہ غلام زادے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے خوب واضح کر دیا کہ اصل کفو صرف اسلام ہے، ذات پات کی وجہ سے کسی نکاح پہ پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لَارْبَعٍ لِّمَالِهَا وَلِحَسْبِهَا وَدِينِهَا، فَاُظْفِرُ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبْتُ يَدَاكَ۔
کسی عورت سے نکاح چار خوبیوں میں سے کسی ایک خوبی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کو دیکھا جاتا ہے، اس کا

نسب (خاندان) پسند آتا ہے، اس کا جمال بھا جاتا ہے، یا اس کا دین (ایمان و عمل) اچھا لگتا ہے۔ تو تم صرف دین کو اختیار کر لو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (یعنی تم خاکساری اختیار کرو)

(بخاری کتاب النکاح باب ۱۶، نسائی کتاب النکاح باب ۱۳، ابن ماجہ کتاب النکاح باب ۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اتَاكُمْ مِنْ تَرْضَوْنَ خَلْقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ لَا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔

جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے (یعنی ایسا رشتہ آجائے) کہ تم اس کے خلق اور دین کو پسند رکھتے ہو تو تم اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد بپا ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح حدیث ۱۹۶۷۔ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۸۲)

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کے رشتہ کے لیے صرف دین اور خلق کو اہمیت دی ہے۔ یعنی حسن عقیدہ و حسن عمل پہ زور دیا ہے۔ اس کے علاوہ ذات پات، حسن و جمال اور مال و دولت سب کو ثانوی چیزیں قرار دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی سگی دو بیٹیوں رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اور اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کیا اور وہ دونوں غیر ہاشمی تھے۔ یعنی نسب میں آپ کی بیٹیوں سے کم تر تھے۔

البتہ فقہاء اسلام نے کفو کا صرف اس قدر اعتبار کیا ہے کہ اگر کوئی لڑکی نسب، علم، مال یا کسب کے اعتبار سے ادنیٰ کفو میں اپنی مرضی سے شادی کر لے جو والدین کے لئے عار ہو تو وہ بذریعہ عدالت فسخ نکاح کر دے سکتے ہیں۔ اور کفو کا یہ اعتبار بھی صرف احناف نے کیا ہے۔ دوسرے فقہاء کرام اس درجہ کا اعتبار بھی نہیں کرتے۔ لیکن اگر والدین اپنی مرضی سے لڑکی کا نکاح کریں تو جہاں چاہیں کر سکتے ہیں کسی کفو کی قید نہیں۔ احناف کے ہاں بھی وہ نکاح مسلم ہے اور اسے کوئی عدالت فسخ نہیں کر سکتی۔ لہذا اگر سادات کرام اپنی بیٹی کا نکاح کسی غیر سید مرد سے کر دیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ اس سے پیدا ہونے والی اولاد اپنے والدین کی شرعی وارث ہے۔ اس نکاح کو تسلیم نہ کرنا قانون اسلام کو چیلنج کرنے کے برابر ہے۔

البتہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ سادات کرام اپنی بیٹیوں کا نکاح سادات ہی میں کریں کیونکہ میاں بیوی میں نسبی تفاوت اُن میں عدم ہم آہنگی کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہوا۔ مگر وہاں تو حکم الہی کی تکمیل ضروری تھی۔

[30] یعنی اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے لئے جتنی شادیوں کی اجازت دی ہے اس میں ان کے لئے کوئی حرج نہیں اور ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے دراصل جب آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو یہود مدینہ اور دیگر کفار نے یہ بھی کہا کہ آخر آپ اتنی شادیاں کیوں کرتے ہیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا گزشتہ انبیاء کرام میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا کہ انہوں نے بحکم الہی متعدد شادیاں کیں۔ وہ انبیاء بھی اللہ کے پیغامات پہنچاتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے

تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ (تورات کتاب سلاطین باب ۱۱ آیت ۳ ص ۳۴۰) اس کے باوجود یہود و نصاریٰ کا صرف حضور سید عالم ﷺ پر کثرت از دواج کا اعتراض کرنا ذاتی بغض و عناد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں [31] اور سب انبیاء میں سے آخری

النَّبِيِّينَ ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ع

نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ [32]

خاتم النبیین ﷺ کی شان ختم نبوت

[31] اسے آیت ختم نبوت کہتے ہیں۔ اس کا ہر جملہ ختم نبوت کا بیان ہے۔ چنانچہ جب کفار نے اعتراض کیا کہ حضور ﷺ نے زید کی مطلقہ سے نکاح کیوں کیا ہے؟ بیٹے کی مطلقہ سے تو نکاح حرام ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ۔ کہ محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں یعنی حضرت زید آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں کہ یہ اعتراض وارد ہو، وہ تو صرف منہ بولے بیٹے ہیں۔ یہاں یہ فرمایا جانا کہ ”محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں“ اس لئے ہے کہ حضور ﷺ یوں تو چار بیٹوں طیب، طاہر، قاسم اور ابراہیم کے باپ تھے مگر وہ چاروں شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے ان میں سے کوئی بھی جوان نہ ہوا کہ مرد کہلا سکتا اس لئے فرمایا گیا: مِّن رِّجَالِكُمْ۔

اور اس میں حکمت الہیہ یہ تھی کہ اگر آپ کا کوئی بیٹا جوان ہوتا تو کوئی فتنہ پرست گمراہ انسان کہہ سکتا تھا کہ اگر پہلے انبیاء کی اولاد انبیاء بنتی رہی ہے تو آپ سید الانبیاء ہیں آپ کا بیٹا بطریق اولیٰ نبی ہونا چاہئے اور یوں فتنہ انکار ختم نبوت کا دروازہ کھلتا۔ اللہ تعالیٰ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنے محبوب کے چاروں بیٹوں کو شیر خوارگی ہی میں دنیا سے اٹھالیا۔

دوسرے لفظوں میں حضور خاتم المرسلین ﷺ نے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اپنے چار بیٹوں کی قربانی دے دی۔ اگر آپ چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ آپ کے بیٹے فوت نہ ہوں مگر آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی حکمت پر راضی تھے اور صدمے پہ صدمہ اٹھائے جا رہے تھے جب آپ کا آخری بیٹا ابراہیم فوت ہوا جو صرف چھ ماہ جیا تو آپ نے اس کی لاش اپنی جھولی میں رکھی اور آپ کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے۔ آپ کی زبان مبارک سے اتنے ہی الفاظ نکلے: ”اے ابراہیم آج تیرے فراق پر ہمارا دل بہت دکھا ہے۔“ (بخاری کتاب الجنائز)

حضور ﷺ کے بعد آپ کا کوئی حقیقی بیٹا بھی ”امتی نبی“ نہیں بن سکتا

آج مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی ہے۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں آ سکتا۔ حتیٰ کہ آپ کا کوئی بیٹا بھی امتی نبی بن سکتا۔ اسی لیے آپ ﷺ کے بیٹوں کو بچپن میں اٹھالیا گیا تاکہ کوئی شخص انہیں انبیاء مان کر کفر میں مبتلا نہ ہو، چہ جائیکہ کہ چودھویں صدی کا ایک ناکام وکیل اور مراق زدہ شخص مرزا غلام احمد قادیانی امتی نبی کہلا سکے۔

آپ کے بعد تشریعی و غیر تشریعی ہر طرح کی نبوت کا دروازہ بند ہے

مرزائی گروہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد نئی کتاب اور نئی شریعت کے ساتھ کوئی نبی (یعنی تشریعی نبی) نہیں آ سکتا۔ البتہ آپ ﷺ ہی کی کتاب اور شریعت کی پیروی کرنے والا (غیر تشریعی) نبی یا امتی نبی آ سکتا ہے۔ مگر مرزائیوں کا یہ نظریہ قرآن کی روشنی میں قطعاً غلط ہے۔ دیکھئے اگر بالفرض حضور سید کائنات ﷺ کا کوئی بیٹا نبی بنتا تو کیا وہ اپنے باپ کی کتاب اور شریعت سے ہٹ کر نئی شریعت اور کتاب لے آتا؟ نہیں۔ بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اپنے باپ ہی کی کتاب کا ماننے والا ہوتا اور آپ کی امت میں سے ہوتا مگر چونکہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی تشریعی یا غیر تشریعی نبی نہیں آ سکتا اس لئے آپ کے چاروں بیٹوں کو شیر خوارگی ہی میں اٹھالیا گیا اور فرمایا گیا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ۔

گویا مرزا قادیانی وہ ظالم و سفاک انسان ہے جسے رسول اکرم ﷺ کے آنسوؤں پر بھی رحم نہ آیا اور اس نے اس عقیدہ پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جس کے تحفظ کے لئے حضور ﷺ نے اپنے چار بیٹے قربان کر دیئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ

یعنی حضور سید کائنات ﷺ جسمانی طور پر تو کسی مرد کے باپ نہیں ہیں مگر رسول اللہ ہونے کے ناطے آپ اپنی ساری امت کے ایمانی و روحانی باپ ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا: وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ آپ کی بیویاں سب مومنوں کی مائیں ہیں۔ (احزاب: ۶) اب جس طرح بچوں کا جسمانی باپ ایک ہوتا ہے اسی طرح قیامت تک آنے والے تمام مومنوں کا روحانی باپ یعنی رسول بھی ایک ہی ہونا چاہئے اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میرے حصے کی امت صرف تم ہو اور تمہارے حصے کا نبی صرف میں ہوں۔“ (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۶۶، جلد ۳ صفحہ ۷۱) اور جو شخص اپنے جسمانی باپ کے علاوہ بھی کسی کو جسمانی باپ کہے وہ یقیناً حرامی ہے۔ اسی طرح جو شخص خود کو مومن کہنے کے باوجود حضور سید کائنات ﷺ کے سوا کسی کو رسول مانے وہ مومنوں میں سے نہیں ہے بلکہ منافق و ملحد ہے۔

[32] یعنی حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے رسول ہیں کہ سب انبیاء کرام ﷺ میں سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ تو اس کی حکمت نے یہی تقاضا کیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوتا کہ قرآن اور شریعت محمدیہ میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکے۔

لفظ خاتم النبیین کی معنوی تحریف کا جواب

لفظ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے معنی میں مرزائی گروہ یہ معنوی تحریف کرتا ہے کہ اس کا معنی سب سے افضل نبی ہے یعنی وہ نبی جس پر سب انبیاء کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں جیسے خاتم المحدثین اور خاتم المحققین وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ جس پر تمام محدثین یا محققین کے مراتب ختم ہو جائیں اسی طرح خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کا بھی یہی معنی ہے کہ وہ نبی جس پر تمام انبیاء کے مراتب ختم ہو جائیں۔ لہذا اس کا معنی سب سے آخری نبی نہیں ہے مگر مرزائیوں کا بیان کردہ یہ معنی قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کا معنی آخری نبی خود حضور سید کائنات ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میری اور گزشتہ انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک پتھر نہ لگایا۔ لوگوں نے گھر دیکھ کر کہا بہت خوبصورت گھر ہے مگر یہ پتھر کی جگہ کیوں خالی ہے۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا: فَاِنَا اللَّيْنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ تو وہ آخری پتھر میں ہوں اور میں خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہوں۔“

(بخاری کتاب المناقب باب ۱۸ حدیث ۳۵۳۴۔ مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲) یعنی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے آنے سے قبل قصر نبوت میں صرف ایک پتھر کی جگہ باقی تھی میں وہ آخری پتھر بن کر آیا تو قصر نبوت پورا ہو گیا۔ تو اسی معنی میں (حضور سید عالم ﷺ) خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہیں۔

اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ ”میری امت میں تیس کذاب (نہایت جھوٹے اور مکار) لوگ پیدا ہوں گے ان میں سے ہر کوئی کہے گا کہ وہ نبی ہے مگر میں خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“

(ابوداؤد کتاب الفتن باب ۱ حدیث ۴۲۵۲، ترمذی کتاب الفتن باب ۳۳ حدیث ۲۲۱۹) اس حدیث میں واشگاف الفاظ میں نبی اکرم ﷺ نے فرمادیا کہ میں اس معنی میں خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس کے باوجود خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کے معنی میں تحریف کر کے نبوت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کسی دجال ہی کا کام ہو سکتا ہے اور یہ کام وہ تیس کذاب ہی کر سکتے ہیں جن کی پیش گوئی حدیث میں آئی ہے اور بلاشبہ

مرزا غلام احمد قادیانی انہی میں سے ایک ہے۔

خود مرزا قادیانی کی زبانی خاتم النبیین کا معنی آخری نبی

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1900ء میں دعویٰ نبوت کیا اس سے قبل وہ ختم نبوت کا داعی تھا اور اس کے منکر کو کافر اور دشمن قرآن قرار دیتا تھا۔ اس نے کہا: اے لوگو! قرآن کے دشمن نہ بنو اور خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اس خدا سے شرم کرو جس کے پاس حاضر کئے جاؤ گے۔

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۲۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ سن طباعت ۱۸۹۲ء)

وہ کہتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ ۖ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نیا رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔

(ازالہ ادہام جلد دوم صفحہ ۳۸۷ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ سن طباعت ۱۸۹۱ء)

پھر اس نے کہا: میں مدعی نبوت نہیں ہوں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۳۱۳ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ سن طباعت ۱۸۹۲ء)

مگر 1901ء کے بعد مرزا قادیانی نے کھل کر دعویٰ نبوت کر دیا اور سب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر کہا: ”مجھے خدا نے آنحضرت (ﷺ) کا وجود قرار دیا ہے پس آنحضرت (ﷺ) کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظلی طور پر میں محمد ہی ہوں اس طرح خاتم الانبیاء کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔“ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۲۱۲ سن طباعت ۱۹۰۱ء)

سوچئے یہ کتنا بڑا کفر ہے کہ ایک شخص خود کو حضور سید کائنات ﷺ کا وجود قرار دے اور کہے کہ جب میں محمد ہی ہوں تو میرے دعویٰ نبوت سے آپ کے خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ ہونے میں فرق نہیں آیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔“ (بخاری کتاب العلم باب ۳۸، مسلم کتاب الرؤیا حدیث ۱۰) یعنی شیطان کسی کے خواب میں آکر اسے نہیں کہہ سکتا کہ میں محمد (ﷺ) ہوں۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے جاگتے ہوئے دعویٰ کیا کہ میں محمد ہوں۔ (معاذ اللہ) گویا جس کفر کی جرأت شیطان سے نہ ہو سکی وہ مرزا قادیانی نے کر دکھایا۔

لفظ خاتم النبیین میں کوئی استثناء نہیں ہے

یاد رہے لفظ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ سے کوئی نبی مستثنیٰ نہیں ہے اور مرزائیوں کا کہنا کہ اب کوئی تشریحی نبی نہیں آ سکتا مگر غیر تشریحی نبی آ سکتا ہے سب دھوکہ دہی اور الحاد ہے۔ النَّبِیِّیْنَ جمع مذکر سالم ہے اور جب اس پر ال حرف تعریف ہو تو وہ برائے استغراق ہوتا ہے اور تمام افراد کو گھیر لیتا ہے۔ جیسے رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (فاتحہ: ۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ (بقرہ: ۲) اُعِدَّتْ

لِلْكَافِرِينَ (بقرہ: ۲۲) وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (آل عمران: ۸۱) وغیرہ اسی طرح خَاتَمَ النَّبِيِّينَ میں بھی سب انبیاء کرام علیہم السلام داخل ہیں خواہ وہ تشریعی ہوں یا غیر تشریعی۔ صاحب کتاب ہوں یا غیر صاحب کتاب اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے خاتم ہیں۔

اس جگہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اور رسول کے مفہوم میں یہ فرق ہے کہ رسول وہ نبی ہے جسے اللہ تعالیٰ کوئی نئی کتاب نئی شریعت یا نئے احکام دے کر بھیجے (جسے مرزائی اصطلاح میں تشریعی نبی کہا گیا ہے) اور لفظ نبی ہر اس انسان پر صادق آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خلق خدا کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو خواہ وہ نئی کتاب یا شریعت لے کر آئے یا نہ آئے (اسی لئے انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے رسول صرف تین سو تیرہ ہیں اور ایسا مضمون حدیث میں بھی وارد ہے) اب اگر اللہ تعالیٰ و خاتم الرسل یا و خاتم المرسلین کہتا تو ممکن تھا کہ آپ کے بعد کوئی غیر صاحب شریعت یا غیر صاحب کتاب نبی آ سکے مگر جب اللہ تعالیٰ نے خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کہہ دیا تو آپ کے بعد کسی بھی طرح کے نبی کا آنا ناممکن ہو گیا۔

خَاتَمَ النَّبِيِّينَ کی دونوں قراءتیں ختم نبوت پہ دلالت کرتی ہیں

خَاتَمَ النَّبِيِّينَ میں قراء سبعہ میں سے عاصم کوئی کی قرأت تاء کی زبر کے ساتھ خاتم ہے اور دوسرے چھ قرآء کی قرأت خاتم تاء کی زیر کے ساتھ، خاتم (زیر کے ساتھ) اسم فاعل ہے جس کا معنی انبیاء کے سلسلہ کا ختم کرنے والا ہے۔ اسی معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جئْتُ فُخْتَمْتُ الانبياء، میں نے آ کر سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۳) اس قرأت پہ عقیدہ ختم نبوت بہت واضح ہے۔

جبکہ خاتم (تاء کی زبر کے ساتھ) کا معنی مہر ہے۔ تو خاتم النبیین کا معنی انبیاء کی مہر ہوا۔ یعنی سلسلہ انبیاء کے لئے مہر۔ دراصل جب کوئی لفافہ یا پارسل ڈاک خانے والوں کو دیا جائے تو وہ اس کو بند کر کے اس پر مہر لگاتے ہیں جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اب اس پارسل سے کچھ نکالا نہیں جاسکتا اور نہ اس میں کچھ ڈالا جاسکتا ہے۔ اسی طرح حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نبوت پر مہر لگا دی ہے اب کسی پہلے نبی کو اس میں سے نکالا نہیں جاسکتا اور نہ ہی کسی نئے نبی کو اس میں ڈالا جاسکتا ہے۔

ختم نبوت پر قرآن کریم کی کثیر آیات دلالت کرتی ہیں میں نے اپنی کتاب ”ختم نبوت از قرآن و حدیث“ میں اس موضوع پر ایک سو پچیس آیات مبارکہ سے ختم نبوت پر استدلال کیا ہے یہاں برکت کے لئے صرف پانچ آیات لکھتا ہوں۔

ختم نبوت آیات قرآن کی روشنی میں
پہلی آیت:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ ”اور جو لوگ اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔“ (بقرہ: ۴) اگر حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی اتاری جانے والی تھی تو ضروری تھا کہ یہاں یہ بھی کہا جاتا وما يُنْزِلُ بَعْدَكَ کہ جو وحی آپ کے بعد اتاری جائے گی اس پر بھی ایمان لاتے ہیں مگر ایسا نہیں کہا گیا معلوم ہوا آپ کے بعد کسی قسم کی وحی نبوت نہیں اترے گی اور یہ ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔

دوسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حکم والے ہیں ان کی اطاعت کرو۔“ (نساء: ۵۹) معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ بلکہ آپ کی جگہ اُولِيَ الْأَمْرِ آئیں گے جو آپ کا دین نافذ کریں گے جن میں حکام، قضاة اور مفتیان دین سبھی شامل ہیں۔

تیسری آیت:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۱ ”اے رسول (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔“ (آل عمران: ۳۱)

معلوم ہوا کہ تا قیامت حضور ﷺ کی اتباع ہی نجات کی ضامن ہے اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آنے والی جس کی اتباع پر نجات موقوف ہو اگر آپ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ نئے نبی کے آنے پر حضور ﷺ کی اتباع حصولِ محبتِ الہی بخششِ معاصی اور نجاتِ اخروی کے لئے کافی نہ ہوگی بلکہ نئے نبی کی اتباع سے نجات ملے گی۔

چوتھی آیت:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پہ اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔“ (مائده: ۳) یہ آیت مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نوزی الحجہ سن ۱۰ ہجری کو میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ اس میں دین کی تکمیل کا اعلان کیا گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ تکمیل دین کے تین پہلو ہیں۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ تمام عقائد جن کے ماننے پہ نجات اخروی موقوف ہے ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔ کوئی ایسا عقیدہ بیان سے رہ نہیں گیا جسے مانے بغیر انسان کی نجات نہ ہو سکے۔

اس جگہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے یہ راز کھولا ہے کہ انبیاء سابقین کے زمانہ میں بھی دین مکمل ہی تھا۔ مگر جب

ایک نبی کے جانے کے بعد دوسرا نبی آجاتا تو حکم ہوتا کہ اب اس پہ بھی ایمان لاؤ جب تک اسے نبی نہیں مانو گے اور اسے صف انبیاء میں شامل نہیں کرو گے تمہارا ایمان ناقص رہے گا، جب اسے مانو گے تو تمہارا ایمان مکمل ہوگا، یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی بن کر تشریف لے آئے اور فرمایا گیا کہ اب دین مکمل ہو گیا ہے۔ یعنی اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا کہ جس کے ماننے کو دین میں داخل کرنا پڑے اور اسے مانے بغیر مومن کا ایمان مکمل نہ ہو۔

پانچویں آیت:

وَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾ ”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (نور، ۵۶) اس آیت میں الرسول فرمایا گیا ہے جو اسم معرفہ ہے اور وہ صرف ایک ذات پہ صادق آسکتا ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ، اگر آپ کے بعد مزید رسول آنے والے تھے تو اَطِيعُوا الرَّسُولَ کی بجائے اَطِيعُوا الرِّسَالَ کہا جاتا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آنے والا۔ اور اس مضمون کی آیات سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ جیسے قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (نور، ۵۴) إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ (نور، ۵۱) وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (نساء، ۱۳)

اس سلسلہ میں مزید تحقیق کے لئے ہماری کتاب ”دلائل ختم نبوت مع ردّ قادیانیت“ (مطبوعہ برہان القرآن، دربار مارکیٹ، لاہور) کا مطالعہ فرمائیں۔ اب حصول برکت کے لئے پانچ احادیث لکھی جاتی ہیں۔

ختم نبوت احادیث صحیحہ مشہورہ کی روشنی میں پہلی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کانت بنی اسرائیل تسوسهم الانبياء كلها هلك نبى خلفه نبى ولانه لانبى بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون، بنی اسرائیل کی سیاست (حکومت و اقتدار) ان کے انبیاء ہی کرتے تھے۔ ایک نبی کے فوت ہونے پر دوسرا نبی ان کا حاکم بن کر آجاتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور کثیر ہوں گے۔

(بخاری کتاب احادیث الانبياء حدیث ۳۴۵۵، مسلم کتاب الامارۃ، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

معلوم ہوا آپ کے بعد خلفاء اور مسلم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ آپ کی شریعت زمین پر نافذ کریں اب کوئی غیر تشریعی یعنی امتی نبی بھی نہیں آئے گا جو آپ ﷺ کی شریعت نافذ کرے کیونکہ آپ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا ہے۔ آخر مرزائی لوگ ان احادیث کو چشم عبرت ہیں کے ساتھ کیوں نہیں پڑھتے؟

دوسری حدیث:

حضرت جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماجی ہوں

جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کر دے گا اور میں حاشر ہوں جس کے بعد حشر بپا ہوگا (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت آئے گی) اور میں عاقب ہوں اور عاقب کا معنی یہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔“ (بخاری کتاب المناقب باب ۷، مسلم کتاب الفضائل حدیث ۱۲۳) یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنا نام عاقب بتایا اور اس کا معنی بھی بیان فرمایا کہ وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں یعنی سب انبیاء کے عقب میں (یعنی بعد میں) آنے والا۔

تیسری حدیث:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (بخاری کتاب المغازی باب ۷۹)

حضور سید کائنات ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ نے غزوہ تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا اور تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے علی! جیسے موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں نائب بنایا تھا اسی طرح میں تمہیں اپنا نائب بنا رہا ہوں کہ تم بھی میرے بھائی ہو۔ البتہ فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور تم نبی نہیں ہو کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی نہیں بن سکتے جو نسب میں برادرِ رسول، علم میں بابِ شہرِ حکمت اور روحانیت میں سید الاولیاء ہیں تو کوئی اور شخص کیسے نبی بن سکتا ہے؟

یہ بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد تشریعی و غیر تشریعی ہر طرح کی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی اور وہ غیر تشریعی یعنی امتی نبی تھے۔ معلوم ہوا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ غیر تشریعی نبی نہیں بن سکتے کیونکہ باب نبوت ہی بند ہے تو کوئی اور شخص کس طرح غیر تشریعی نبی بن سکتا ہے۔

چوتھی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت نہ آئے گی جب تک تیس دجال و کذاب نمودار نہ ہوں گے ان میں سے ہر کوئی کہے گا کہ وہ نبی ہے۔“ (بخاری کتاب الفتن باب ۲۵، مسلم کتاب الفتن حدیث ۸۴)

اس حدیث کی روشنی میں جب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو دجال و کذاب کہتے ہیں تو مرزائی لوگ بہت ٹپٹاتے ہیں۔ کہتے ہیں مرزا صاحب کا نام تہذیب سے لو۔ ہم کہتے ہیں حدیث کے مطابق مرزا قادیانی کے لیے دجال و کذاب کا لقب رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ ہے۔ لہذا یہ عین تہذیب کے مطابق ہے۔

پانچویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وصال میں اپنے گھر کا پردہ اٹھایا اس وقت (سر درد کی وجہ سے) آپ نے سر کو (کپڑے سے) باندھا ہوا تھا اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے

کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! نبوت کی مبشرات میں سے صرف اچھی خوابیں رہ گئی ہیں۔ جنہیں ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھائی جاتی ہیں۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث ۲۰۸) یعنی انبیاء کو جن ذرائع سے علم حاصل ہوتا تھا ان میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں ان کے سوا ہر ذریعہ بند ہو گیا ہے۔

چھٹی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا ”میری اور گزشتہ انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک پتھر نہ لگایا۔ لوگوں نے گھر دیکھ کر کہا بہت خوبصورت گھر ہے مگر یہ پتھر کی جگہ کیوں خالی ہے۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا: فَاِنَا اللَّيِّنَةُ وَاَنَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ تُوَدَّهِ آخِرِ پتھر میں ہوں اور میں خَاتَمَ النَّبِيِّينَ ہوں۔“ (بخاری کتاب النقب باب ۱۸ حدیث ۳۵۳۲۔ مسلم کتاب الفضائل حدیث ۲۲) اس حدیث سے جہاں لفظ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی معلوم ہوا وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ پہ ہر طرح کی نبوت ختم ہو گئی خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے مطلقاً فرمایا: ”انما مثلی ومثل الانبیاء من قبلی، میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال یوں ہے“ الخ، لہذا جو بھی نبی آپ ﷺ سے قبل گزرا وہ اس میں داخل ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔“

ختم نبوت پر مزید احادیث کے لئے اس جگہ ہماری تصنیف ”دلائل ختم نبوت مع ردِ قادیانیت“ ملاحظہ فرمائیں۔

ختم نبوت اور اجماع امت

قرآن وحدیث کے بعد دلائل شرعیہ میں سے تیسرا اجماع امت ہے۔ اب اسکی روشنی میں مسئلہ ختم نبوت کو دیکھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد منکرین ختم نبوت پیدا ہوئے اور انہوں نے نبوت کے دعوے کرنا شروع کر دیئے۔ یمن میں اسود عنسی اور نجد میں مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کر دیا، اسی طرح یمن ہی میں ایک عورت بھی دعویٰ نبوت لے کر اٹھی۔ ایسے میں تمام صحابہ کرام نے ان کے خلاف جہاد کا متفقہ فیصلہ کیا۔ اس عورت نے توبہ کر لی جبکہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق قتل کیے گئے۔ ان لڑائیوں میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ یہ تمام امت مسلمہ کا اس بات پہ اجماع تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا کافر اور واجب القتل ہے اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے پکڑے اور جرم ثابت ہونے پر اسے سزائے موت دے۔

پھر ہر زمانہ میں ساری امت کا اجماع رہا ہے کہ جب بھی کسی گمراہ شخص نے دعویٰ نبوت کیا اسے قتل کی سزا دی گئی۔ جیسے مختار ثقفی نے دور اموی میں دعویٰ نبوت کیا تو اسے قتل کیا گیا اسی طرح دور عباسی میں کئی مدعیان نبوت پھانسی دیے گئے۔ ہر زمانہ میں اسلامی حکومتوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ فقہاء دین کے اجماعی فتوؤں کی روشنی میں مدعیان نبوت پر

سزائے موت جاری ہوئی۔ بلکہ مرزا قادیانی نے اپنے زمانہ میں دو قادیانی مبلغ افغانستان بھیجے۔ جب انہوں نے وہاں جا کر اپنا الحاد پھیلانا چاہا تو وہاں کے علماء نے ان کے ارتداد کا فتویٰ دیا اور ان دونوں کو سزائے موت دیدی گئی۔ جس پہ مرزا قادیانی نے بڑے دردناک طریقہ سے ان کے مرثیے لکھے۔

ختم نبوت اور عقل و استدلال

دلائل شرعیہ میں اجماع امت کے بعد چوتھا قیاس ہے یعنی عقلی دلائل۔ تو عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد باب نبوت بند ہے۔ تو اب ختم نبوت پر پانچ عقلی دلائل بھی ملاحظہ کر لیں۔

پہلی عقلی دلیل:

نبی اکرم ﷺ آفتاب نبوت ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَسِرَاجًا مُنِيرًا“ کہ ہم نے آپ ﷺ کو چمکانے والا آفتاب بنایا ہے۔“ (احزاب: ۴۶) اور باقی سارے انبیاء نبوت کے ستارے ہیں۔ ستارے اس وقت تک چمکتے رہے جب تک آفتاب نبوت فاران کی چوٹیوں سے طلوع نہیں ہوا تھا۔ جب وہ طلوع ہو کر آیا تو سب ستارے چھپ گئے۔ اب کسی نئے ستارے بیچارے مصیبت کے مارے نصیب کے ہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری عقلی دلیل:

جب پُرکار سے گول دائرہ کھینچا جائے تو اس کی ایک ٹانگ کو کاغذ میں پیوست کر کے دوسری ٹانگ کو گول گھمایا جاتا ہے تو جس نقطے سے دائرہ شروع ہو وہیں آکر دائرہ ختم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا دائرہ کھینچا جو نقطہ محمدی سے شروع ہو کر اسی نقطہ محمدی پر ختم ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنَا أَوَّلُ النَّبِيِّينَ خُلِقُوا وَآخِرُهُمْ بَعَثْتُ” میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری۔“ (ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۹۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی یا روح محمدی کو تخلیق فرما کر اسے نبوت سے متصف کیا اور سب سے آخر میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور دائرہ مکمل ہو گیا۔ مزید کسی نقطے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بعثت کے لحاظ سے آخری رسول ہیں، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت بھی بطور نبی آپ سے قبل ہو چکی ہے۔ اب وہ دوبارہ بطور نبی مبعوث نہیں ہونگے بلکہ وہ بطور ولی آئیں گے اور دین مصطفیٰ ﷺ کی مدد فرمائیں گے۔ ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

تیسری عقلی دلیل:

جب مختلف اعداد جمع کئے جائیں تو انہیں ایک دوسرے کے نیچے لکھا جاتا ہے اور آخر میں ان کا مجموعی عدد لایا جاتا ہے، جیسے 10 جمع 20، 30 جمع 40، جمع 50، حاصل 150، تو اب 150 میں 10 سے لے کر 50 تک تمام گزشتہ اعداد جمع ہیں اسی لیے وہ سب سے آخر میں لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مختلف فضائل و محامد

اور معجزات دیئے اور آخر میں ان تمام فضائل و معجزات کا مجموعہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں مبعوث فرما دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: فبہداهم اقتدا۵۔ اے نبی اکرم ﷺ آپ سب انبیاء کی ہدایتوں کو جمع کر لیں۔ (انعام، ۹۱) یعنی آپ تمام انبیاء کے علوم و معارف اور اخلاق و محامد کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ لہذا جب آپ عدد جمع بن کر آگئے ہیں تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ دسین محمدی کی مدد کے لیے دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ وہ کوئی نئے نبی نہیں ہیں۔ اب نبوت کا کوئی عدد باقی نہیں رہا۔

چوتھی عقلی دلیل:

کسی جلسہ میں مختلف مقررین کو کسی موضوع پہ بیانات کے لیے بلایا جاتا ہے۔ تو ان میں سے جو مقرر اپنے علم اور زور بیان کے اعتبار سے سب سے اہم ہوتا ہے۔ اسے سب سے آخر میں دعوت خطاب دی جاتی ہے۔ اس کے خطاب کے بعد پھر کوئی خطاب نہیں ہوتا۔ بلکہ جلسہ کے اختتام کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے بزم کائنات سجائی، اس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنے اپنے خطابات فرمائے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ ان سب میں اپنے علم و فضل اور زور بیان کے لحاظ سے افضل تر ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا بیان سب سے آخر میں ہوا، اس کے بعد کسی بیان کی حاجت نہ رہی بلکہ عیسیٰ علیہ السلام آخر میں آ کر اختتام جلسہ کا اعلان کریں گے۔

پانچویں عقلی دلیل:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ شہادتیں (توحید خداوندی کی گواہی اور رسالت محمدیہ کی گواہی) اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگیِ زکوٰۃ، روزہ رمضان اور حج بیت اللہ۔ ان پانچ ارکان یعنی پانچ ستونوں پہ اسلام کا خیمہ کھڑا کیا گیا ہے۔ خیمے میں پانچ ہی ستون ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا اور سب سے مضبوط ستون درمیان میں ہوتا ہے، جس پہ خیمہ کھڑا ہوتا ہے اور چار چھوٹے ستون چار کونوں پہ لگائے جاتے ہیں جن کے ذریعہ خیمہ پھیلا یا جاتا ہے۔ اب اس خیمہ کا مرکزی اور سب سے بڑا ستون شہادتیں کا ہے اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج چھوٹے چار ستون ہیں جن پہ یہ خیمہ پھیلا ہوا ہے اور جاننا چاہیے کہ شہادتیں اس قدر مضبوط ستون ہے کہ جب تک یہ کھڑا ہے مومن کے ایمان کا خیمہ قائم ہے باقی چار ستونوں میں سے اگر کوئی گر جائے تو ایمان کا خیمہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اب منکرین ختم نبوت سے سوال ہے کہ اس خیمہ اسلام میں کسی نئی نبوت کے ستون کی کہاں ضرورت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے خیمہ غلط بنایا ہے؟ اگر مرزائی لوگ یہ باتیں سمجھ جائیں تو ان کو ہدایت مل سکتی ہے۔

ختم نبوت کا اثبات خود مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا۔ اس سے قبل وہ اپنی کتابوں، تحریروں اور اشتہارات میں اسی بات پہ زور دیتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی و رسول ہیں آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول ماننا کفر ہے اور ایسا دعویٰ

کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔ پھر اس کے خیالات میں انقلاب آنے لگا۔ اس نے کہا مجھ میں نبوت کی صلاحیت ہے، لہذا میں بالقوۃ نبی ہوں، بالفعل نہیں۔ پھر اس نے مزید جرأت کی اور کہا کہ میں بالفعل نبی ہوں۔ حتیٰ کہ اس نے کہا میرا وجود بعینہ رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے۔ لہذا میرے دعویٰ نبوت سے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر کوئی دوسرا آدمی آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرتا تو پھر فرق آسکتا تھا مگر جب آپ ﷺ ہی نے میری شکل میں دنیا میں آکر دوبارہ دعویٰ نبوت کر دیا ہے تو ختم نبوت میں کیا فرق آیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ روحانی خزائن ۱۸ صفحہ ۱۲)

بہر حال میں یہاں مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ عبارات پیش کرنا چاہتا ہوں جو اس نے ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ میں لکھی تھیں جن میں وہ عقیدہ ختم نبوت پہ بہت زور دیتا تھا۔ آج یہ عبارات قادیانیوں کے لیے گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہیں، نہ نگلتے بنے نہ اُگلتے بنے۔

(۱) ”کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آسکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو جی اور نزول جبرائیل ہے اس کے وجود کے ساتھ ہونی چاہیے؟۔ لیکن وحی نبوت پہ تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے، کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟“

(ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ لندن)

(۲) ”قرآن خاتم النبیین کے بعد کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو کیونکہ رسول کو علم بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے، اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔“ (ازالہ اوہام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۵۱۱)

(۳) ”اور جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے میں ان سب کو مانتا ہوں۔ میں سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صلی اللہ سے شروع ہو کر محمد مصطفیٰ ﷺ پہ ختم ہوگئی۔“ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ لندن)

(۴) ”ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا ہے۔ میں اس مسجد خانہ خدا میں مسلمانوں کے روبرو صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۵۵) اب مرزائیوں کو کافر کہنے کے لیے کسی مفتی کا فتویٰ درکار نہیں۔ خود مرزا قادیانی کی یہی تحریریں کافی ہیں۔

(۵) ”اے لوگو! اے مسلمانو کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا نیا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔“ (آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

مگر مرزا قادیانی نے بعد میں ساری شرم و حیا کا لبادہ اتار کر بباغِ دہل دعویٰ نبوت کیا۔ اپنی جان پہ اس سے بڑا ظلم کیا ہو

سکتا ہے۔

(۶) ”اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پہ ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت و جماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی جانب نماز پڑھتا ہوں اور میں مدعی نبوت نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں“ (آسمانی فیصلہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۱۳)

(۷) ”پھر کیونکر ممکن تھا کہ کوئی نبی حقیقی معنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے بعد تشریف لائے۔ اس سے تو تمام تار و پود اسلام درہم برہم ہو جاتا تھا۔ غرض قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرت نے لا نبی بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں آ سکتا۔“ (کتاب البریہ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۸) کتاب البریہ ۱۸۹۸ء میں لکھی گئی۔ اور اس کے تین برس بعد اسی مرزا غلام احمد قادیانی نے ”ایک غلطی کا ازالہ“ نامی کتاب لکھ کر اس میں خود کو کھلے عام نبی و رسول کہنا شروع کر دیا۔ اور یہ لحاظ نہ کیا کہ اس سے تو اسلام کا تار و پود بکھر جاتا ہے۔

(۸) وَمَنْ قَالَ بَعْدَ رَسُولِنَا وَسَيَدُنَا نَبِيٌّ أَوْ رَسُولٌ عَلَى وَجْهِ الْحَقِيقَةِ وَالْإِفْتِرَاءِ وَتَرَكَ الْقُرْآنَ وَ أَحْكَامَ الشَّرِيعَةِ الْغَرَاءَ فَهُوَ كَافِرٌ كَذَّابٌ۔ ”جس شخص نے ہمارے رسول اور سردار (محمد ﷺ) کے بعد یہ کہا کہ میں حقیقی نبی اور رسول ہوں اور یوں اس نے افتراء اور ترک قرآن و ترک شریعت سے کام لیا تو وہ کافر و کذاب ہے۔“ (انجام آتھم مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۷) اب مرزا غلام احمد کافر و کذاب ہے یا نہیں اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

(۹) ”اور اگر کوئی نیا یا پرانا نبی آئے تو ہمارے نبی محمد ﷺ کیونکر خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں وحی ولایت اور مکالمات الہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔“ (ایام الصلح مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۹) گویا اب صرف ولایت مل سکتی ہے نبوت نہیں مل سکتی اس کے باوجود مرزا نے دعویٰ نبوت کیسے کر دیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، ”جب تم میں حیاء نہ رہے تو تم جو چاہو کرو۔“

ختم نبوت پر مرزائیوں کے چند شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ:

قَوْلُ خُذَا: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ

مرزائی لوگ کہتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے۔ (ج، ۷۵) گویا اللہ تعالیٰ اب بھی انسانوں میں سے رسول چنتا ہے۔ لہذا باب نبوت بند

نہیں ہوا۔ اس مضمون کی چند اور آیات بھی ہیں، مگر یہ مرزائی استدلال غلط ہے کیونکہ ان سب آیات کا مقصد یہ ہے کہ یہود اس بات پہ حسد کرتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے باہر کیوں چلی گئی اور کفار مکہ کہتے تھے کہ مکہ کے کسی بڑے سردار پہ قرآن کیوں نہیں اتارا گیا۔ اسے ایک یتیم پیدا ہونے والے شخص پہ کیوں اتارا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے: لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾ یہ ”قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ و طائف) میں سے کسی بڑے شخص پہ کیوں نہیں اتارا گیا۔“ (زخرف، ۳۱) اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اللہ کا کام ہے کہ وہ رسول چنتا ہے، کسی انسان کو کیا حق ہے کہ اللہ کے چناؤ پہ اعتراض کرے؟ لہذا اللہ یَصْطَفِيٰ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اب بھی رسول چنتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہا ہے کہ رسول تو اللہ ہی چن سکتا ہے۔

اس کی یہ مثال ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا ولی عہد چنا اور اس کا اعلان کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس پہ اعتراض کیا تو بادشاہ کہتا ہے کہ بادشاہ ہی ولی عہد چنتا ہے وہ جسے چاہے چن لیتا ہے۔ تو اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ مزید ولی عہد چنے گا۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ ولی عہد چنے کا حق صرف بادشاہ کا ہے۔ اسی طرح اللہ یَصْطَفِيٰ کا یہ معنی ہے کہ رسول کا چناؤ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

ختم نبوت پر مفسر کی لکھی ہوئی ایک نظم

ختم نبوت کے دلائل میں سے بعض کو میں نے اپنی ایک نظم میں جمع کیا ہے۔ قارئین ضرور اس سے محفوظ ہوں گے۔

بیان اللہ نے ہے خود کیا ختم نبوت کا
کہا حق نے ہے قرآن میں و خاتم النبیین بھی
حدیث لانی بعدی ہے تفسیر خاتم کی
نبوت کی عمارت کا میں ہوں بس آخری پتھر
میرے پیچھے اگر ہوتا نبی تو وہ عمر ہوتا
وہ کافر ہے وہ مرتد ہے وہ ہے اسلام سے خارج
اُڑائے سر ہیں جھوٹے دعویدار ان نبوت کے
علیٰ ہے میرا بھائی پر نبی وہ ہو نہیں سکتا
ہے مرزا قادیانی ملحد و زندیق اور دجال
کھڑا تھا ان کے پیچھے ہر نبی اقصیٰ میں اے طیب

عقیدہ یہ پیہر نے دیا ختم نبوت کا
خدا نے یوں کیا ہے تذکرہ ختم نبوت کا
یہ کتنا واضح تر ہے فیصلہ ختم نبوت کا
بیان کس قدر روشن ہو گیا ختم نبوت کا
ہو برہاں اور کیا اس سے بڑا ختم نبوت کا
معاذ اللہ جو منکر ہوا ختم نبوت کا
صحابہ پاک نے پہرا دیا ختم نبوت کا
عیاں ہے اس خبر سے مرتبہ ختم نبوت کا
کہ حکم اس جھوٹے نے ٹھکرا دیا ختم نبوت کا
نشاں اس سے بڑا ہو اور کیا ختم نبوت کا

دوسرا شبہ

قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حضور ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو آپ نے اس کا جنازہ پڑھا اور جنازہ کے بعد فرمایا: ”جنت میں اس کے لیے ایک دودھ پلانے والی حور مقرر کی گئی ہے، ولو عاش لکان صدیقاً نبیاً، اور اگر ابراہیم زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔“ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۲۷ حدیث ۱۵۱۱) معلوم ہوا حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد باب نبوت بند نہیں ہوا اگر بند ہو گیا ہوتا تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی بنتا۔ اس شبہ کے متعدد جوابات ہیں۔

اول: یہ روایت اسناد کے اعتبار سے منکر، متروک اور سخت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابراہیم بن عثمان ہے جس کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: متروک الحدیث ہے یعنی اس کی روایت کردہ حدیث قابل ترک ہے۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں اس کی روایت کو محدثین ترک کرتے ہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں یہ شخص ساقط الاعتبار ہے۔ اس نے حکم سے ایسی روایات لی ہیں جو سب منکر ہیں (یہ حدیث بھی اس نے حکم ہی سے لی ہے، کیونکہ اس کی سند یوں ہے:

حدثنا عبد القدوس بن محمد حدثنا داود بن شبيب الباهلي حدثنا ابراهيم بن عثمان حدثنا الحكم بن عتبة عن مقسم عن ابن عباس۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں یہ شخص منکر الحدیث ہے اور ابوشیبہ کہتے ہیں اس نے حکم سے صرف ایک ہی روایت لی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۹۵ راوی نمبر ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) افسوس ہے مرزائیوں پہ کہ ختم نبوت پہ وہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث صحیحہ مشہورہ کو چھوڑ کر اس منکر و متروک روایت سے دلیل پکڑتے ہیں اور جھوٹے لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

دوم: اور اگر اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لیا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ لو عاش ابراہیم لکان اہلاً لان یکون صدیقاً نبیاً، یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ اس بات کا اہل تھا کہ نبی ہوتا یعنی اس میں نبوت کی اہلیت تھی۔ مگر چونکہ نبی اکرم ﷺ کے بعد باب نبوت بند ہو چکا ہے اس لیے بالفعل نبی نہیں بن سکتا تھا۔ چنانچہ اس حدیث سے قبل والی حدیث میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ولو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہ، یعنی ”اگر حضور سید کائنات ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہوتا تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا مگر آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۲۷ حدیث ۱۵۱۰) کاش کہ مرزائی اس حدیث کو بھی پڑھ لیتے جو ان کی نقل کردہ حدیث سے قبل وہیں لکھی ہوئی ہے۔

سوم: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ختم نبوت پہ کثیر احادیث روایت کرتے ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ ”رسول

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے قبل اپنے گھر کے دروازہ کا پردہ اٹھا کر فرمایا نبوت کے مبشرات میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔“ (مسلم کتاب الصلاة جلد اول صفحہ ۱۹۱) اسی طرح یہ کہ اے علی! تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۱۳ بحوالہ طبرانی) اسی طرح یہ حدیث کہ ”تم دنیا میں آنے والی آخری امت ہیں اور روز قیامت جنت میں جانے والی پہلی امت۔“ (ابن ماجہ کتاب الزہد صفحہ ۳۱۷) تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہیں کہ اگر ابراہیم بن محمد زندہ رہتا تو نبی ہوتا، یقیناً ان کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی گئی ہے۔

تیسرا شبہ:

قول ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: لا تقولوا الانبیاء بعدہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا الانبیاء بعدہ، یعنی ”یہ کہو کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴) مگر پہلی بات یہ ہے کہ درمنثور میں اس قول کی کوئی سند مذکور نہیں، تاکہ پتہ چلے کہ اسے کس نے روایت کیا ہے تو ایسی مجہول روایت کو قرآن و سنت کی سینکڑوں نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں پیش کرنا الحاد و زندقیت نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسری یہ بات ہے کہ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ختم نبوت کے بیان پہ مشتمل متعدد احادیث مروی ہیں۔ جیسے یہ حدیث کہ ”میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، سوا اچھے خوابوں کے۔“ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۲۹) اسی طرح یہ حدیث کہ ”میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“ (ابن عدی) اسی طرح یہ حدیث کہ ”میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد مساجد انبیاء میں سے آخری ہے۔“ (کنز العمال بروایت دیلمی وابن نجار جلد ۵ صفحہ ۳۶۱ کتاب فضائل الحرمین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ان احادیث کی موجودگی میں مرزائیوں کا یہ سمجھنا کہ حضرت عائشہ ختم نبوت کو نہیں مانتی تھیں خود فریبی کے سوا کیا ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ اگر اس قول کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بالفرض درست مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرب قیامت میں آنا ہے لہذا کوئی شخص ان کی آمد سے انکار کرنے کے لیے یہ نہ کہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ کیونکہ درمنثور کے اسی صفحہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ”ان کے سامنے ایک شخص نے کہا اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے آپ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جب تم نے خاتم الانبیاء کہہ دیا تو یہی کافی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں۔ جب وہ آئیں گے تو آپ سے پہلے بھی ہوئے اور بعد بھی۔“ (درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴) اگر مرزائیوں میں کچھ انصاف ہوتا تو وہ درمنثور کے اسی صفحہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی بیان کر دیتے۔ مگر اس

قول کو وہ کیسے بیان کر سکتے ہیں یہ تو ان کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ مرزائیوں کے دیگر شبہات کے ازالہ کے لیے میری کتاب ”ختم نبوت مع ردّ قادیانیت“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

چوتھا شبہ:

کیا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختم نبوت کے منافی ہے؟

مرزائی لوگ یہ شبہ بھی ڈالتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرب قیامت میں آسمان سے اترنا ہے اور وہ دنیا میں کچھ عرصہ رہیں گے۔ تو کیا وہ اس وقت نبی نہیں ہونگے؟ یقیناً ہونگے، تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد مزید نبی آسکتا ہے۔ اگر نہ آسکے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا انکار کرو۔

مرزائیوں کا یہ شبہ ان کے خیال میں سب سے قوی تر ہے، مگر یہ بے بنیاد شبہ ہے۔ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا معنی احادیث میں یہی آیا ہے اور ہمیشہ سے ائمہ دین یہی بیان کرتے آئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بعثت میں سب سے آخری نبی ہیں۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ پہلے سے نبی بن چکے ہیں اور بطور نبی آپ سے قبل مبعوث ہو چکے ہیں اور اپنی ڈیوٹی ادا کر کے فارغ ہو گئے ہیں۔ وہ قرب قیامت میں بطور نبی مبعوث نہیں ہونگے، نہ ہی وہ اپنی نبوت کو منوانے یا اپنی کتاب کو لوگوں سے پڑھوانے آئیں گے، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دین کی مدد کرنے آئیں گے۔

حضور خاتم الانبیاء ﷺ کا آخری نبی ہونا از روئے بعثت ہے چنانچہ اس پہ متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً
اول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں (یعنی میرا نور سب سے پہلے تخلیق ہوا اور اسے نبوت سے متصف کیا گیا) اور بعثت میں سب سے آخری۔“

(تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۹ صفحہ ۳۱۱۶ حدیث ۱۷۵۹۳ مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری، ابن مردویہ، ابن عساکر اور ابو نعیم نے بھی دلائل میں روایت کیا ہے۔

(درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۷۰)

دوم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب میں شب معراج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو صفی بنایا، ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام عطا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ بنایا تو اب میرے لیے کیا انعام ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے کثیر انعامات عطا فرمائے جن میں سے یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جعلتک اول النبیین خلقاً و آخرهم بعثاً، اے پیارے محبوب! میں نے آپ کو تخلیق میں سب سے پہلا نبی اور بعثت میں سب سے آخری نبی بنایا۔“

(تفسیر ابن جریر طبری جلد ۹ صفحہ ۱۰ سورۃ الاسراء مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ احادیث صاف بتا رہی ہیں کہ جیسے تخلیق میں نبی اکرم ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں اسی طرح بعثت میں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ اسی معنی میں آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص بطور نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے آپ کی ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ وہ بطور نبی پہلے سے مبعوث ہو چکے ہیں۔ لہذا اس معنی میں اگر تمام انبیاء سابقین دوبارہ دنیا میں تشریف لے آئیں تو بھی نبی اکرم ﷺ کی شان ختم نبوت میں کچھ اعتراض نہیں آتا۔ جیسا کہ معراج کی رات تمام انبیاء کرام نے مسجد اقصیٰ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی مگر اس سے آپ کی شان ختم نبوت میں کوئی فرق نہ آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا تقاضا یہ نہیں کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی واپس نہیں آ سکتا۔ ختم نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا شخص نبی نہیں بنایا جائے گا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ پکا کذاب و دجال ہے۔

ختم نبوت کا یہی مفہوم ہمیشہ ائمہ دین نے بیان کیا ہے چنانچہ امام علاء الدین خازن بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فان قلت قد صح ان عيسى عليه السلام ينزل في آخر الزمان بعده وهو نبى؛ قلت ان عيسى عليه السلام ممن نبى قبله وحين ينزل في آخر الزمان ينزل عاملا بشريعة محمد ﷺ. اگر تم کہو کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نبی اکرم ﷺ کے بعد نازل ہوں گے اور وہ نبی ہوں گے (تو پھر ختم نبوت کا معنی کیا ہے؟) تو میں کہتا ہوں: عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت دیدی گئی تھی اور جب وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمد ﷺ پہ عامل ہوں گے۔ (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ زیر آیت ما کان محمد پارہ ۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مفتی بغداد امام محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ختم نبوت میں اس بات سے کوئی اعتراض لازم نہیں آتا جو اُمت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس پہ وارد احادیث تواتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں اور اس پہ ایمان لازم ہے اور اس کا منکر کافر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔ لانہ کان نبیا قبل تحلی نبینا ﷺ بالنبوة في هذه النشأة ومثل هذا يقال في بقاء الخضر عليه السلام على القول بنبوته۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا میں اعلان نبوت سے قبل بطور نبی آچکے ہیں۔ اسی طرح اگر خضر علیہ السلام نبی ہیں تو ان کی موجودگی بھی اسی معنی میں ہے (کہ وہ نبی ﷺ کی آمد سے پہلے سے نبی بن چکے ہیں)۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۴ پارہ ۲۲ زیر آیت ما کان محمد مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ الاسلام والمسلمین امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ووجب حمل النفي على انشاء النبوة لكل احد من الناس لا على وجود نبى نبى قبل ذلك۔ ختم نبوت کو اس معنی میں لینا ضروری ہے کہ کسی شخص کو از سر نو نبوت نہیں دی جائے گی۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جو پہلے سے نبی

بن چکے ہیں ان میں سے کوئی اب موجود نہیں ہو سکتا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد اول صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)

مذکورہ عبارات سے جہاں حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ائمہ دین کا عقیدہ سامنے آتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ختم نبوت کا معنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور جو انبیاء آپ سے قبل آچکے ہیں اگر ان میں سے کوئی ابھی دنیا میں موجود ہو تو اس سے ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی مثال یوں ہے کہ کسی ملک کا حاکم دوسرے ملک کے حاکم کی مدد کرنے جائے اور وہاں جا کر کہے کہ لوگو اپنے حاکم کی اطاعت کرو، یہ نہایت عظیم انسان ہے، میں اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اس کی خوبیاں حد و حساب سے زیادہ ہیں۔ اب وہ حاکم دوسرے ملک میں جا کر اپنی حاکمیت اور اپنے منصب سے معزول نہیں ہو جاتا۔ وہ اپنے ملک کا حاکم ہی رہتا ہے مگر دوسرے ملک میں وہ اپنی حکومت کے منوانے اور اپنے ملک کے قانون کو وہاں جاری کرنے کے لیے نہیں جاتا، بلکہ اس ملک کے حاکم کی مدد کرنے جاتا ہے اور جب تک اس ملک میں رہتا ہے اسی ملک کے قانون کو اپناتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب واپس دنیا میں آئیں گے تو نبی ہو۔ نگے مگر وہ اپنی نبوت کا اعلان کرنے نہیں بلکہ نبوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈنکا بجانے آئیں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے چند کفریات

ختم نبوت سے انکار کر کے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے کافر تو تھے ہی، مگر مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخانہ توہین آمیز باتیں کہی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ دراصل جب ایک شخص الحاد و زندقہ کی راہ پہ چل پڑتا ہے تو اسے کسی شخصیت کی عظمت و فضیلت کا کچھ لحاظ نہیں رہتا، پھر اس کے منہ میں جو آئے کہتا جاتا ہے۔ یہی حالت مرزا قادیانی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں مرزا قادیانی کی گستاخیاں

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اللہ نے اسے وحی کی: انت منی بمنزلۃ ولدی، ”اے مرزا! تم میرے لیے میرے بیٹے کی طرح ہو۔“ (حقیقۃ الوحی باب ۴ صفحہ ۸۹ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱) گویا وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا مان رہا ہے یا خود کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتا رہا ہے، اس سے بڑا کفر کیا ہے بلکہ اس نے کہا کہ اللہ نے اسے فرمایا: انت من ماء نأوہم من فسل، اے مرزا! تم ہمارے پانی سے ہو اور دوسرے لوگ چھلکے سے ہیں (معاذ اللہ) (اشہار مبادلہ صفحہ ۴۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)

تمام انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں

مرزا کہتا ہے: میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور میں ظلی طور پر محمد و احمد ہوں (معاذ اللہ)۔ (حقیقۃ الوحی ص ۷۶ باب ۴ مندرجہ روحانی خزائن ۲۲)

مرزا قادیانی اپنے فارسی اشعار میں کہتا ہے:

آدم نیز احمد مختار، در برم جامہ ہمہ ابرار
انبیاء گرچہ بودہ اند بے من بعرفان نہ کم ترم ز کے
آنچه داد دست ہر نبی راجام، داد آں جام را مرا تمام
زندہ شد ہر نبی بآمدنم، ہر رسولے نہاں پیر ہنم
(ترجمہ) میں آدم ہوں میں ہی احمد مختار ہوں۔ میں نے تمام ابرار (انبیاء) کا لباس پہن رکھا ہے۔ ہر نبی کو جو جام
دیا گیا مجھے وہ جام مکمل دیا گیا۔ انبیاء اگرچہ بہت ہوئے ہیں میں عرفان میں کسی سے کم تر نہیں ہوں (یعنی میں سب انبیاء
کے برابر ہوں) میرے آنے سے ہر نبی زندہ ہو گیا ہے کیونکہ ہر رسول میرے لباس میں چھپا ہوا ہے۔ (معاذ اللہ)
(نزول اسح صفحہ ۷۶ ۷۷ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین

اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا قادیانی) اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی
قید سے بچا رہا مگر یوسف قید میں ڈالا گیا۔ اس امت کے یوسف کی گواہی خدا نے دی۔ مگر یوسف بن یعقوب اپنی بریت
کے لیے انسانی گواہی کا محتاج ہوا۔ (معاذ اللہ) (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۶ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۲۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شدید توہین

”اور نہایت شرم کی بات یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے، یہود کی کتاب
طالمود سے چرایا ہے۔“ (انجام آتھم ص ۲۹۰ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱) ایک نبی پہ چوری کا الزام کس قدر لرزہ خیز ہے۔ مزید
سنیے مرزا کہتا ہے: عیسائیوں نے آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے
کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے آپ نے معمولی تدبیر سے کسی شب کو رکو اچھا کیا ہو یا کسی بیماری کا علاج کیا ہو۔ مگر آپ کی بد
قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشانات ظاہر ہوتے تھے خیال ہو سکتا ہے کہ اس
تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اگر آپ سے کوئی معجزہ ظاہر بھی ہوا ہے تو اسی تالاب کا معجزہ ہے۔ آپ
کے ہاتھ میں سوا مکرو فریب کے کچھ نہ تھا (معاذ اللہ) (انجام آتھم ص ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)
مرزا نے مزید لکھا:

”آپ کا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) خاندان بھی نہایت پاک و مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کبھی
عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں کی
طرف میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں حائل ہے، ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک
نوجوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پہ اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے

سر پہ ملے اور بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چال چلن کا ہو سکتا ہے۔“ (معاذ اللہ) (انجام آتھم صفحہ ۲۹۱ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۱)

رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں

مرزا قادیانی نے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت میں نازل ہونے والی آیات کو اپنے حق میں قرار دیا اور کہا کہ اللہ نے یہ سب آیات مجھ پر اتاری ہیں، ان میں سے بعض آیات یہ ہیں: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ الْح (حقیقۃ الوحی ص ۸۲ مندرجہ روحانی خزائن ۲) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ (حقیقۃ الوحی ص ۸۳) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (حقیقۃ الوحی ص ۸۵) إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵) وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ (حقیقۃ الوحی ص ۹۹) مرزا قادیانی کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا فیض جاری کیا اور اسے کامل بنایا اور میری طرف ان کا جود و کرم کھینچا حتیٰ کہ میرا جود ان کا جود بن گیا۔ لہذا جو شخص میری جماعت میں آگیا وہ سید المرسلین کے صحابہ میں داخل ہو گیا۔ (معاذ اللہ) (خطبہ البامیہ ص ۲۰۸ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۶)

قرآن کریم کی توہین

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی من گھڑت وحی کو قرآن کی مثل قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: ”جیسا کہ میں قرآن شریف پہ ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس وحی پر ایمان رکھتا ہوں جو مجھ پر ہوئی اور میں بیت اللہ شریف میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو مجھ پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔“ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۲۱۰ مندرجہ روحانی خزائن ۱۸)

اسی طرح مرزا قادیانی اپنے فارسی اشعار میں کہتا ہے۔

آنچه من بشنوم ز وحی خدا	بخدا پاک دانش ز خطا
ہمچو قرآن مزہ اش دانم	از خطایا ہمیت ایمانم
بخدا ہست این کلام مجید	از دہان خدائے پاک و وحید

ترجمہ: میں جو کچھ وحی خدا سے سنتا ہوں خدا کی قسم اسے ہر خطا سے پاک جانتا ہوں۔ میں اسے قرآن کی طرح ہر خطا سے منزہ جانتا ہوں یہی میرا ایمان ہے۔ یہ کلام مجید ہے جو خدائے پاک و یکتا کے منہ سے نکلا ہے (معاذ اللہ)

(نزول المسح صفحہ ۷۷ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۸)

حدیث رسول ﷺ کی توہین

اور جو شخص (مرزا قادیانی) حکم بن کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا

سے علم پا کر قبول کرے اور جس دُحیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔ (ضمیمہ تھمذ گورویہ صفحہ ۱۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱) گویا کوئی حدیث خواہ بخاری و مسلم کی متعلق علیہ ہو خواہ حدیث مشہورہ و متواتر و ہومرزا قادیانی جس حدیث کو چاہے رد کر سکتا ہے۔ گویا مرزا قادیانی سارے دین ہی سے انکار کر رہا ہے، یعنی اب رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو بجائے مرزا قادیانی کی بات جائے۔ (معاذ اللہ)

وہ مزید کہتا ہے:

دو حدیثوں کے ساتھ مجھے اپنا چاہتے ہیں کہ ایک حدیثوں کو میرے ساتھ اپنا چاہیے تھا۔ تھمذ گورویہ صفحہ ۱۵ مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱ ان تمام کفریات کے بعد ہم مسلمان سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کا سرور سے کیو تعلق ہے۔ اب ہمارے تفسیر کی طرف بڑھتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور سبوح و شہد اس کی تسبیح کہو ۱۳۳

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى

اللہ وہ ہے کہ خود وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ اندھنوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی

النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ

کی طرف۔ اے وہ ایمان والو! یہ ہے [334] مؤمنوں کا اجر کہ وہ سبوح و شہد اس کی تسبیح کہو اور اس کے سرور ہوگا۔

لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝

اور اس نے ان کے لئے عزت و نوازش تیار کی ہے۔ [335]

ذکر الہی، اوصاف رسول ﷺ اور چند احکام نکاح کا بیان

[33] گزشتہ رکوع میں گذار کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا جو دو نکاح سیدہ زینب علیہا السلام کے حوالے سے حضور سید کا نبوت پر کفر ہے تھے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! تم گذار کے اعتراضات کو نشر نہ کر کے اللہ کے ذکر و تسبیح میں مصروف رہو! مشغول رہو! یہ مراد ہے کہ ہر وقت اس کی تسبیح کہو اور اس کا ذکر جا رہی رہو۔ یہاں سے دونوں اندھا عمل ہوئے:

(۱) مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے: چنانچہ اگر اسے نعمت ملے تو کہتا ہے الحمد للہ، اگر زحمت ملے تو کہتا ہے انا للہ، اگر کوئی اسے خوش کرے تو کہتا ہے جزاک اللہ اگر پریشان کرے تو کہتا ہے عفاک اللہ (اللہ تجھے معاف کرے) اگر وہ کسی کی تعریف کرے تو کہتا ہے ماشاء اللہ اگر کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہتا ہے ان شاء اللہ، اگر کسی بات پر تعجب و حیرانی کرے تو کہتا ہے سبحان اللہ الغرض ہر حالت میں اللہ ہی اللہ پکارتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کی ایک صورت نماز بھی ہے: جب صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا حکم دیا گیا تو ضروری تھا کہ اس کے لئے کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے۔ اگر اسے انسان کی مرضی پر چھوڑا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ مصروفیات دنیا کی وجہ سے ذکر و تسبیح کے لئے وقت ہی نہ نکال سکے۔ اس لئے چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور نماز اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلِّ ﴿۱۵﴾ ”اس نے اپنے رب کو یاد کیا تو نماز پڑھی۔“ (علی: ۱۵) اور نماز میں تسبیح کی کثرت ہے جیسے سبحانک اللہم و بحمدک، سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ۔

[34] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مومنو! اللہ تم پر بہت مہربان ہے وہ تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے ہیں یعنی تمہارے لئے استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۚ فرشتے مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (مومن: ۷) اللہ کی مومنوں پہ سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ وہ انہیں تارکیوں سے نکال کر نور کی طرف یعنی کفر سے نکال کر ایمان کی طرف اور برائیوں سے نکال کر نیکیوں کی طرف لاتا ہے۔

[35] یعنی دنیا کی زندگی میں فرشتے مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جب اگلے جہان میں وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو فرشتے انہیں سلام پیش کر کے ان کے لئے آداب بجالائیں گے اور جنت میں ان کے لئے عزت کی روزی تیار کی گئی ہے یعنی وہ نعمتیں کہ دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب مومن کی جان لینے فرشتے آتے ہیں تو اسے سلام پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۚ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۱﴾ فرشتے عمدہ حالت میں آکر ان کی جان لیتے اور کہتے ہیں تمہیں سلام ہو، تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں آ جاؤ۔ (نحل: ۳۲)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ

اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت سنانے والا اور اللہ کی طرف اللہ کے حکم سے بلانے والا اور چکانے والا

بِأَذْنِهِ وَبِرَاجَا مُنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا

آفتاب بنا کر بھیجا ہے [36] اور آپ مومنوں کو بشارت دیدیں کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے [37]

كَبِيرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعِ أَذْهُمُ وَتَوَكَّلْ عَلَى

اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیں اور انکی ایذاء سے درگزر کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں

اللَّهُ ۝ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

اور اللہ کارسازى میں کافی ہے [38]

[36] گزشتہ رکوع میں کہا گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی معاملہ میں فیصلہ دے دیں تو مومنوں کو اس سے اختلاف کا کچھ اختیار نہیں اب آپ کی عظمتوں سے اہل ایمان کو آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ ان کے دلوں میں آپ ﷺ کے لئے جذبہ اطاعت جاگزیں ہو جائے۔ تو آپ کی پہلی عظمت بتائی گئی کہ آپ شاہد ہیں، شاہد کا لفظ شہود سے یا شہادت سے نکلا ہے۔ شہود کا معنی حاضر ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَيَشْهَدُ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ”زنا کار مرد اور عورت کی سزا پر مومنوں کا ایک گروہ حاضر ہونا چاہئے۔“ (نور: ۲) ”إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝“ فجر کے وقت قرآن کے پڑھنے پر حاضری ہوتی ہے (فرشتے حاضر ہوتے ہیں) (بنی اسرائیل: ۷۸)

رسول اکرم ﷺ کا حاضر و ناظر اور اعمال اُمت سے باخبر ہونا

تو اگر لفظ شہود شہود سے نکلا ہو تو اس کا معنی حاضر ہونا ہے، اور جو شخص کہیں پہ حاضر ہو وہ وہاں ناظر بھی ہوتا ہے اس طرح ”إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا“ کا یہ معنی ہوا کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے۔ اب آپ کس چیز پر حاضر و ناظر ہیں تو امام محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں: اِی شَهِدًا عَلٰی مَنْ بُعِثَتْ اِلَیْهِمْ تُرَاقِبُ اَحْوَالَهُمْ وَ تُشَهِدُ اَعْمَالَهُمْ۔ ”یعنی جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ان پر آپ حاضر ہیں ان کے احوال کی نگرانی اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔“ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۴۵) امام المتکلمین علامہ بیضاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: شَهِدًا عَلٰی مَنْ بُعِثَتْ اِلَیْهِمْ بِتَصْدِیقِهِمْ وَ تَكْذِیْبِهِمْ وَ نَجَاتِهِمْ وَ ضَلَالَتِهِمْ۔ ”جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے آپ ان کی تصدیق، تکذیب، نجات اور گمراہی پر گواہ ہیں۔“

عارف ربانی امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہیں لہذا آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا مشاہدہ کیا اور جس قدر ارواح، نفوس، اجسام، اجرام، ارکان، معادن، نباتات، حیوانات، ملائکہ، جنات، شیاطین وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود کی طرف نکالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا مشاہدہ کیا تاکہ مخلوق کو جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ آپ سے مخفی نہ رہے۔“ (روح البیان سورہ فتح جلد ۹ صفحہ ۱۸)

علامہ محمود آلوسی یہ بھی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کے اعمال پر مطلع فرمایا ہے اسی لئے آپ کا نام شاہد رکھا گیا۔ اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

در نظر بودش مقامات العباد
زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

یعنی بندوں کے مقامات آپ کی نظر میں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۴۵ مطبوعہ بیروت) اس شعر کا منظوم ترجمہ مثنوی کی طرز پر میرے ذہن میں ایسے آیا ہے۔

وہ ہمارا ہر عمل ہیں دیکھتے اس لیے مولیٰ انہیں شاہد کہے

اور امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سر عرش پہ ہے تری گزر دل فرش پہ ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
اور اس مضمون پر حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور وفات بھی۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں تو میں جو بھلائی دیکھوں اس پر حمد بجالاتا ہوں اور جو بُرائی دیکھوں اس پر تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۱ مطبوعہ دارالریان بیروت)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے عرض یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ کا جسم مٹی میں مل جائے گا تب بھی آپ پر ہمارا درود پیش کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔“

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰۱، نسائی کتاب الجمعہ باب ۵، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ حدیث کے مطابق روز قیامت آپ کے پاس حوض کوثر پہ کچھ لوگ آئیں گے۔ آپ کہیں گے میرے ساتھی (میرے پیروکار) آگئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے اعمال کو جانتے ہیں تو روز قیامت آپ سے یہ کیوں کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کے علم پہ کسی حکمت کے تحت زہول طاری فرمادیتا ہے جیسے ہم جانتے ہیں کہ قبر میں تین سوال ہوں گے اور ان کے یہ جوابات ہیں مگر قبر میں یہ باتیں اسے ہی یاد رہیں گی جس

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ روز قیامت سب لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس، پھر سارے انبیاء کے پاس اور آخر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں گے۔ مگر روز قیامت اللہ تعالیٰ سب انسانوں کے علم پہ زہول طاری کر دے گا۔ تاکہ عظمتِ رسول کریم ﷺ کا اظہار ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے علم مبارک پہ بعض بدعتی لوگوں کے بارے میں زہول طاری فرما دے گا، تاکہ انہیں شرمساری و ذلت سے دوچار کروایا جائے اور انہیں حوضِ کوثر سے ناکام لوٹا دیا جائے۔

حقیقتِ محمدیہ کا ساری کائنات میں جلوہ فرما ہونا

نماز کے تشہد میں ہر نمازی یہ کہتا ہے: السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ، اے نبی اکرم ﷺ آپ پہ سلام ہو اور آپ پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ یہ خطاب کس معنی میں ہے؟ یہ خطاب تو اسے کیا جاسکتا ہے جو سامنے موجود ہو۔ تو علماء محققین فرماتے ہیں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کائنات کے ذرے ذرے میں جاری ہے کیونکہ اسی حقیقتِ محمدیہ سے سارا جہان بنایا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی جو مشہور دیوبندی علماء میں سے ہیں السلام علیک ایہا النبی کہنے کی حقیقت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال والدی العلام واستاذی المقام ادخله الله فی دار السلام فی رسالته نور الایمان بزيارة آثار حبیب الرحمان: السر فی خطاب التشهد ان الحقيقة المحمدية كانها سارية فی کل وجود وحاضر فی باطن کل عبد وانکشاف هذه الحالة علی الوجه الا تم فی حالة الصلوة فحصل محل الخطاب، میرے والد علام اور میرے استاذ محترم مرحوم نے اپنے رسالہ ”نور الایمان“ میں لکھا ہے: تشہد کے خطاب میں راز یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ گویا ہر وجود میں جاری ہے اور ہر بندے کے باطن میں حاضر ہے اور حالت نماز میں اس حقیقت کا انکشاف بدرجہ کمال ہوتا ہے اس لیے یہ خطاب کیا جاسکتا ہے۔ (السعی فی شرح الوقایہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۸)

اور غیر مقلد علماء کے لیے سند التحقیق نواب صدیق حسن بھوپالی بھی اسی حقیقت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(وبعضی از عرفاء قدس سرہ گفتہ اند کہ ایس خطاب نبیہ حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرات موجودات و افراد ممکنات، پس آل حضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود و حاضر است، پس مصلی باید کہ از ایس معنی آگاہ شود و غافل نہ بود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائز گردد۔)

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بینمت عیان و دعائے فرستمت
(ترجمہ) بعض عرفاء قدس سرہم فرماتے ہیں: یہ خطاب (ایہا النبی) اس جہت سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علیہ

الصلوة والسلام موجودات کے ہر ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں جاری و ساری ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ خود نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں، تو نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے تاکہ انوار قرب و اسرار معرفت سے منور و فائز ہو سکے۔ اسی لیے یہ شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: راہ عشق میں کچھ دور و نزدیک نہیں ہے۔ میں تجھے سامنے دیکھتا ہوں اور تجھے دعاء بھیجتا ہوں۔ (مسک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ ۴۵۹)

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بعضے از عرفاء کہہ کر شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ بعینہ یہی عبارت اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ 401 کتاب الصلوٰۃ باب التشہد میں موجود ہے۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی اور اسے دیوبندی اور اہل حدیث علماء نے بھی لکھ دیا کہ حقیقت محمدیہ کائنات کے ہر ذرہ میں جلوہ فرما ہے تو اسی معنی میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شاہد فرمایا ہے اور آپ کو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔ یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب شاہد اکو شہود سے مشتق مانا جائے اور اگر یہ شہادت سے مشتق ہو تو اس کا معنی گواہ ہے جیسے قرآن میں ہے: وَلَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔ ”جب گواہوں کو بلایا جائے تو گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔“ (بقرہ، ۲۸۲) اور یہی معنی ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے، تو اِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا کا یہ معنی ہوا کہ اے نبی اکرم ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی عظیم فضیلت ہے۔ دیکھئے سب انبیاء سب ملائکہ بلکہ ساری کائنات وحدانیت الہی کی گواہی دیتی ہے مگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں ہے البتہ سید عالم ﷺ وہ شاہد اعظم ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی گواہی دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور خاتم المرسلین ﷺ کے بعد باب نبوت بند کر دیا گیا دیکھئے کسی مقدمہ میں جب تک عینی گواہی نہ آئے، سب سماعی گواہیاں آرہی ہوں تو مقدمہ چلتا رہتا ہے، مگر جب عینی گواہی آجائے تو مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد کسی سماعی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ یونہی توحید باری تعالیٰ پر سب انبیاء کی سماعی گواہی تھی جب خاتم الانبیاء ﷺ نے تشریف لا کر عینی گواہی دے دی اور فرمایا: ”رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ“ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ہے۔“ (ترمذی) تو باب نبوت بند کر دیا گیا۔

دوسری اور تیسری عظمت یہ بتائی گئی کہ آپ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ یعنی مومنین صالحین کو جنت کی بشارت دینے اور کفار و فجار کو دوزخ سے ڈرانے والے ہیں۔ یوں تو سارے انبیاء مبشر و نذیر تھے مگر امام الانبیاء ﷺ کی شان بشارت و نذارت ہی جداگانہ ہے سب انبیاء کرام نے اللہ تعالیٰ سے جنت و نار کا تذکرہ پایا کسی نے جنت و نار کو دیکھا نہ تھا مگر آپ نے شب معراج جنت کی سیر فرمائی اور دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور سب کچھ دیکھ کر بشارت و نذارت دی۔

چوتھی عظمت یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی شان داعی اللہ بھی بہت عظیم ہے۔ آپ ایسے معاشرہ میں مبعوث ہوئے جہاں صدیوں سے اندھیرا چھایا ہوا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ ”تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا کو نہ ڈرایا گیا تھا۔“ (یسین: ۴) مگر

آپ کی دعوت سے دیکھتے ہی دیکھتے صدیوں کے اندھیرے چھٹ گئے اور آپ کی وفات سے پہلے ہی اسلام کا نور جزیرۃ العرب کی حدیں عبور کر چکا تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا سراج منیر ہونا

پانچویں عظمت یہ ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ سراج منیر ہیں یعنی چمکانے والا آفتاب، آپ ﷺ کو آفتاب سے تشبیہ دینے میں چار وجوہ ہیں۔

اول: انبیاء سابقین ہدایت کے ستارے ہیں اور حضور ﷺ آفتاب ہدایت ہیں۔ ستارے خواہ لاکھوں چمکیں ان سے اندھیرا نہیں چھٹتا۔ اندھیرا آفتاب سے چھٹتا ہے۔ یونہی انبیاء ہزاروں آئے مگر کسی پر ایک آدمی ایمان لایا کسی پر دو اور کسی پر چند افراد، کسی پہ سینکڑوں اور کسی پہ ہزاروں، مگر آفتاب ہدایت کے طلوع سے اربوں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور حدیث کے مطابق ایک وقت آنے والا ہے جس میں اسلام کے سوا دنیا میں کوئی مذہب باقی نہ رہے گا۔

دوم: ستاروں میں اپنا نور نہیں ہوتا بلکہ وہ زیرِ افق موجود آفتاب کے نور سے چمکتے ہیں۔ یونہی انبیاء کے پاس جو نور تھا وہ آفتاب محمدی ہی کا فیض تھا۔ امام بوصری رحمہ اللہ نے بجا فرمایا۔

فَإِنَّهُ شَمْسٌ فَضَّلَ هُمْ كَوَاكِبَهَا
يُظْهِرُنْ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ
وَكُلُّ أَيْ آتَى الرُّسُلَ الْكِرَامَ بِهَا
فَإِنَّهُ مَا اتَّصَلَ بِنُورِهِ بِهِمْ

یعنی حضور ﷺ آفتاب فضیلت ہیں اور انبیاء اس آفتاب کے ستارے ہیں جو تاریکیوں میں لوگوں کے لئے اس کا نور ظاہر کرتے تھے۔ اور رسولان گرامی جو معجزات لے کر آئے وہ آپ ﷺ ہی کے نور سے انہیں حاصل ہوئے۔

سوم: آفتاب زیرِ افق رہ کر آسمانی ستاروں کو چمکاتا ہے اور جب طلوع ہو کر آئے تو زمین کے ذروں کو روشن کرتا ہے۔ یونہی آفتاب محمدی طلوع سے قبل انبیاء کو چمکاتا تھا اور طلوع کے بعد اس نے صحابہ کو چمکایا، اہل بیت کو چمکایا، اغواث و اقطاب و اولیاء کو چمکایا بلکہ ہر مومن کے سینے کو نور ایمان سے چمکایا۔ امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
چہارم: آفتاب کے طلوع کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی اس کا اپنا نور ہی ہر ذرے کو چمکا دیتا ہے۔ یونہی آفتاب محمدی کے طلوع کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی آفتاب محمدی ہی ہر انسان کا سینہ نور ایمان کے ساتھ چمکانے کے لئے کافی ہے۔

[37] یعنی رسول اکرم ﷺ کو مذکورہ پانچ فضائل کے ساتھ مومنوں کے پاس بھیجا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فضل کبیر ہے۔ اور یاد رہے کہ فضل الہی کے حصول پر خوشی کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ ”فرمادیجئے کہ (قرآن کے حصول پر) اللہ کے فضل اور رحمت کے ملنے کی مومنوں کو

خوشی کرنی چاہیے۔“ (یونس: ۵۸) اب اگر قرآن فضل ہے تو حضور سید کائنات ﷺ کو فضل کبیر کہا گیا اور اگر قرآن رحمت ہے تو حضور ﷺ کو رحمتہ للعالمین کہا گیا جب قرآن کی خوشی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو سرکارِ دو عالم کی آمد کی خوشی کرنے میں کیا قباحت ہے۔ اس سے محافل میلاد النبی ﷺ کا جواز معلوم ہوا۔

[38] یہ حکم بظاہر نبی کریم ﷺ کو ہے مگر آپ ﷺ کے ذریعے تاقیامت تمام مومنین خصوصاً مبلغین اسلام کو سمجھانا مقصود ہے کہ وہ کفار کی ایذا سے صرف نظر کر کے دین کا پرچم اٹھائے رکھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ

اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھوڑنے سے قبل طلاق دے دو

أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِيتَعُوهُنَّ

تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت لازم نہیں ہے جسے تم گنو، تو انہیں کچھ سامان زندگی دیدو

وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٣٩﴾

اور بھلے طریق سے آزاد کر دو [39]

[39] چونکہ پیچھے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا بیان ہوا تو اب طلاق کا ایک حکم بتایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اگر تم اپنی بیویوں کو یوں طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ تک نہ لگایا ہو یعنی ان سے مباشرت نہ کی ہو تو ان پر کچھ ضروری نہیں کہ وہ تمہارے حق میں عدت سے بیٹھیں بلکہ طلاق کے فوراً بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ کیونکہ عدت کا مقصد یہ جاننا ہے کہ عورت کو کہیں حمل تو نہیں ہے؟ اگر حمل ہو تو عدت وضع حمل تک چلے گی اور جب مباشرت ہی نہیں ہوئی تو عدت کی کیا ضرورت۔ یاد رہے اگر ایسی عورت کو جس سے شوہر نے وطی نہیں کی شوہر نے تین طلاقیں اکٹھی دے دیں تو وہ طلاق مغلطہ ہے اور بغیر حلالہ کے واپسی ممکن نہیں اور اگر ایک طلاق دی تو وہی بائنہ ہے فوراً نکاح ختم ہو گیا رجوع کا اختیار نہیں۔ (کنز الدقائق صفحہ ۱۲۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی عورت کو کچھ سامان زندگی دے کر بھلے طریقہ سے آزاد کر دو۔ یاد رہے مباشرت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں اگر مہر مقرر ہوا تھا تو اس کا نصف دینا لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو شوہر پہ لازم ہے کہ کچھ نہ کچھ دے کر عورت کو رخصت کرے کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا

اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جنہیں آپ نے ان کا مہر دیا ہے اور آپ کی مملوک

مَلَكَتُ يَمِينِكَ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ

لونڈیاں حلال کی ہیں جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں عطا کیں [40] اور آپ کی وہ چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد

وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً

اور خالہ زاد (عورتیں نکاح کے لئے) حلال کی ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ [41]

إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً

اور کوئی بھی مومنہ عورت حلال کی ہے اگر وہ خود کو نبی (ﷺ) کیلئے ہبہ کرے اگر نبی (ﷺ) اس سے نکاح کرنا چاہیں،

لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا

یہ صرف آپ کے لئے ہے نہ کہ باقی مومنوں کے لئے۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں

مَلَكَتُ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور زیر دست لونڈیوں کے لئے ان پر فرض کیا ہے۔ تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ رہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [42]

[40] جب حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو کفار نے اعتراض کیا کہ آپ کے پاس پہلے

بھی بیویاں تھیں پھر آپ ﷺ نے مزید نکاح کیوں کیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ جس بھی عورت کو

اس کا مہر دے کر اپنے نکاح میں لاتے ہیں تو ایسی عورتیں ہم نے آپ کے لئے حلال کی ہیں اب کوئی دوسرا کون ہوتا ہے

اعتراض کرنے والا۔ اسی طرح مال غنیمت میں سے آپ جس قدر چاہیں لونڈیاں رکھ سکتے ہیں یہ ہم نے آپ کے لئے

حلال کیا ہے تاہم حضور سید عالم ﷺ نے صرف ایک ہی لونڈی سیدہ مار یہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی ملک میں لیا اور ان سے آپ

کے بیٹے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

[41] یعنی اے پیارے رسول ﷺ! آپ کی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد عورتوں میں سے جو عورت

آپ کی اتباع میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے اور آپ اسے اپنے نکاح میں لائیں تو ایسا کرنا ہم نے آپ کے لئے

حلال کیا ہے۔ جیسے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جن سے نکاح کرنے پر کفار نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا کہ آپ کی

پھوپھی زاد بہن ہیں یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہیں۔ اگر آپ نے ان سے نکاح فرمایا ہے تو اس کو ہم نے حلال کیا ہے گویا جس عورت نے ہجرت نہ کی ہو خواہ وہ مومنہ ہو اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ابو طالب کی بیٹی حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کی رغبت ظاہر کی مگر چونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اس لئے حضور ﷺ نے ان سے نکاح نہ فرمایا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورہ احزاب باب ۱۷) یاد رہے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی آپ کی پھوپھی زاد، چچا زاد، ماموں زاد یا خالہ زاد نہ تھی۔

[42] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ! اگر کوئی مومنہ عورت آپ سے درخواست کرتی ہے کہ آپ اسے اپنی ملک نکاح میں لے لیں یعنی وہ کسی حق مہر کا تقاضا نہیں رکھتی اور نہ ہی کسی اور خرچے کا تقاضا کرتی ہے اور آپ اسے کسی مہر کے بغیر اپنے نکاح میں لے آتے ہیں تو ایسا کرنا ہم نے آپ کے لئے حلال کیا ہے یہ اجازت صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے ان کی بیویوں کے لئے حق مہر اور لونڈیوں کے لئے کیا مالی حق مقرر کیا ہے۔ اور یہ ہم نے آپ کے لئے چار سے زائد شادیوں کی اور بغیر حق مہر کسی عورت سے نکاح کی اجازت اس لئے رکھی ہے تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ رہے۔ یاد رہے کہ متعدد خواتین نے مختلف مقامات پر خود کو نبی کریم ﷺ سے نکاح کے لئے پیش کیا مگر اُم المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے سوا کسی سے آپ ﷺ نے نکاح نہ فرمایا۔ یہاں سے دو فوائد حاصل ہوئے:

(۱) حضور سید عالم ﷺ کے لئے کوئی کتابیہ عورت حلال نہ تھی: **وَأَمَّا أَتَمُّ مَوَدَّةٍ** کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس سے بعض ائمہ نے استدلال کیا کہ حضور ﷺ کے لئے صرف مومنہ عورت ہی حلال تھی کتابیہ نہیں اور یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۶۱) اس طرح بغیر حق مہر کسی عورت سے نکاح کی حلت بھی آپ ﷺ کے خصائص میں سے ٹھہری۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور سید کائنات ﷺ کا مقام محبوبیت: کفار نے آپ ﷺ کے نکاح پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت اتاری اور اپنے حبیب ﷺ کا خوب دفاع کیا۔ اس سے آپ ﷺ کا مقام محبوبیت ظاہر ہے۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مِنْ

آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں پیچھے کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس بیوی کو آپ (قریب کرنا) پسند کریں

عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَّ أَعْيُنُهُمْ وَلَا يَحْزَنَ

جسے آپ نے جدا رکھا تھا تو آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح بہت متوقع ہے کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں

وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْنَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ

اور آپ انہیں جو دیدیں اس پر وہ سب راضی ہوں۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ علم والا

عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

حکمت والا ہے [43]۔ آپ کے لئے اس کے بعد مزید عورتیں حلال نہیں ہیں۔ اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے

أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَحْبَبْتَ حُسْنَهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ

دوسری ازواج لائیں خواہ آپ کو ان کا حسن بھائے۔ سوا آپ کی زبردست لونڈیوں کے اور اللہ

كُلِّ شَيْءٍ عَرِيقًا ۝

ہر چیز کا نگہبان ہے۔ [44]

[43] حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی کریم ﷺ سے زیور وغیرہ کا مطالبہ کیا اور آپ نے ان سے چند دن علیحدگی فرمائی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ مال دنیا لے کر آپ سے طلاق حاصل کر لیں خواہ فقر اختیار کر کے آپ کے ساتھ رہنا پسند کر لیں تو سب ازواج نے آپ کے ساتھ رہ کر فقر اختیار کر لیا اور عرض کیا آپ ہمیں طلاق نہ دیں ہمارا آپ سے کچھ مطالبہ نہیں۔ گویا انہوں نے کہا آپ کے ساتھ رہ کر ہمیں دنیا کی ہر تنگی و تکلیف برداشت ہے مگر آپ سے فرقت برداشت نہیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور فرمایا کہ اب آپ پر ازواج کی باری کا تقرر کچھ ضروری نہیں اور نہ ہی نان و نفقہ میں برابری کرنا ضروری ہے آپ جس کو جتنا وقت یا نفقہ دیں دوسری ازواج کو اس پر اعتراض نہ ہوگا اس طرح بہت متوقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آپ انہیں جو دے دیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس پر وہ راضی ہوں گی اور کسی کو اس پر شکوہ نہ ہوگا۔ چنانچہ سب ازواج کو یہ بات بتادی گئی اور سب نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا۔ مگر اس کے باوجود حضور سید عالم ﷺ نے ازواج مطہرات کے مابین باری کا تقرر

ہمیشہ جاری رکھا۔ (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۴)

اس آیت میں وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مَهْنًا عَزَلْتُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ کا یہ مفہوم ہے کہ اے پیارے رسول ﷺ آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کو طلاق رجعی دے کر خود سے جدا کر رکھا ہو اگر آپ چاہیں تو اسے واپس عقد میں لے لیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جس عورت نے خود کو آپ کے لئے ہبہ کیا اور آپ نے اسے قبول نہ کیا تھا اگر آپ چاہیں تو بعد میں اسے عقد میں لے لیں۔

جب یہ آیت اتری: تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنْ ابْتَغَيْتَ مَهْنًا عَزَلْتُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مَا أَرَىٰ رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ۔ میں تو یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب تیزی سے آپ کی ہر خواہش پوری کر دیتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ احزاب باب ۷) معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضا محمد [44] جب ازواج رسول ﷺ نے آپ کی خوشنودی کے لئے مال دنیا سے کنارہ کشی کر کے فقیرانہ زندگی اپنالی اور باری کے تقرر اور خرچہ کی مساوات سے دست برداری اختیار کر لی یعنی رضا خدا اور رسول عزوجل ﷺ کے لئے اپنی تمام خواہشات کو ختم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے پیارے محبوب ﷺ اب آپ کے لئے حلال نہیں کہ ان ازواج کے بعد آپ کسی اور عورت سے شادی کریں یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت لائیں خواہ آپ کو کسی کا جمال بھلا لگے۔ البتہ لونڈیاں مزید لے سکتے ہیں۔

تاہم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا: مَا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّىٰ أَحَلَّتْ لَهُ النِّسَاءُ۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے قبل آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال فرما دیا تھا کہ آپ مزید جس عورت سے چاہیں شادی فرمائیں۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ احزاب حدیث ۳۲۱۶، نسائی کتاب النکاح باب ۲ حدیث ۳۲۰۶) گویا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ۔ (احزاب، ۵۲) کا نزول پہلے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ۔ (احزاب، ۵۰) اور یہ بھی نازل فرمایا: تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ۔ (احزاب، ۵۱)

جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنے کا جواز

اس جگہ وَلَوْ اعْجَبَكَ حَسَنُهُنَّ (چاہے ان عورتوں کا حسن، جن سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کو بھلا لگے) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ہو اسے ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے بلکہ دیکھ لینا چاہیے۔ اور حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میں فلاں انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا: اسے دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کوئی چیز ہے۔ (مسلم کتاب النکاح حدیث ۷۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ

اے ایمان والو! نبی (ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے

طَعَامٍ غَيْرَ نِظْرِينَ إِنَّهُ لَا وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ

بلایا جائے، کھانے کے کپنے کے انتظار میں نہ بیٹھو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہو [45] پھر جب تم کھانا کھا چکو

فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ

تو (وہاں سے) پھیل جاؤ اور بات چیت کا مزہ لینے نہ بیٹھ جاؤ۔ یہ چیز نبی (ﷺ) کو ایذا دیتی ہے۔

فَيَسْتَحْي مِنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْي مِنَ الْحَقِّ ۖ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا

وہ تم سے حیا رکھتے ہیں اور اللہ حق کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔ اور جب تم ازواج رسول (ﷺ) سے کوئی چیز مانگو

فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۖ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا

تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزہ تر ہے [46] اور تمہارا

كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكَحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ

حق نہیں کہ رسول (ﷺ) کو ایذا دو اور نہ یہ کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج سے

أَبَدًا ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۖ إِنَّ تَبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفَوْهُ

کبھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے [47] اگر تم کوئی چیز ظاہر کرو یا چھپاؤ

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۖ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ

تو اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ازواج رسول (ﷺ) پر ان کے باپ دادا کے بارے میں کوئی گناہ نہیں، نہ ہی

وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَخَوَاتِهِنَّ

ان پر ان کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں، ان کی اپنی (مسلمان)

وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

عورتوں اور ان کی زیر دست لونڈیوں کے بارے میں کوئی گناہ ہے۔ تم اللہ سے ڈرو۔ اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

ہر چیز پر گواہ ہے۔ [48]

ازواج رسول ﷺ کیلئے پردے کا حکم اور تعظیم رسول ﷺ کا بیان

[45] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو لوگوں کو (دعوت ولیمہ پر) بلایا لوگ کھانا کھاتے گئے اور چلتے گئے آپ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ مگر تین آدمی بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ آپ واپس تشریف لائے تو وہ آدمی ابھی وہیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ پھر واپس چلے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر انہیں سلام کہا ان کا حال پوچھا اور باری باری سب ازواج کے پاس گئے اور ان کا حال پوچھا پھر واپس حضرت زینب کے حجرہ میں آئے تو وہ تین آدمی ہنوز بیٹھے تھے۔ آپ پھر واپس ہو گئے کیونکہ آپ بہت حیا والے تھے پھر آپ کو بتایا گیا کہ وہ تین آدمی چلے گئے ہیں تب آپ واپس آئے ابھی آپ نے اپنا ایک قدم اندر رکھا تھا اور دوسرا باہر تھا کہ آیت حجاب اُتر آئی اور آپ نے پردہ گرادیا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب باب ۸)

آیت حجاب یہی پیش نظر آیت ہے: لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظِيرٍ لَهُ ۖ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝ اور اس میں حکم دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے گھروں میں بے اجازت داخل نہ ہو اور آپ کی ازواج سے جو سوال کرو حجاب کے پیچھے سے مانگو اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے مومنو! حضور سید عالم ﷺ کے گھروں میں بے اجازت نہ داخل ہوا کرو، ہاں جب تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو جاؤ اور وقت سے قبل نہ جاؤ کہ وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار کرو بلکہ دعوت کا جو وقت ہو اس پر جاؤ اور کھانا کھا کر وہاں گپ شپ کرنے نہ بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ چیز حضور ﷺ کو تکلیف دیتی ہے وہ تو بہت حیا والے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ حق کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔ یہ آیت بظاہر نبی کریم ﷺ کے گھروں کے لئے اُتری مگر اس سے

تمام اہل اسلام کے گھروں میں داخلے کے آداب کا بیان مقصود ہے۔

کسی کے گھر کھانے کے لئے بن بلائے جانا جائز نہیں

إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی کھانے کے لیے کسی کو از خود دعوت نہ دے تب تک اس کے گھر میں بلا اجازت اور بلا دعوت چلے جانا جائز نہیں ہے، اس آیت کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی کے گھر بن بلائے کھانے پر پہنچ گیا وہ چوروں کی طرح داخل ہوا اور ڈاکوؤں کی طرح لوٹا۔“ (ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب ۱) بعض جہلاء کی عادت ہے کہ بن بلائے بھی دعوت میں پہنچ جاتے ہیں اور بعد میں اس بات کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس پہ شرم آنی چاہیے۔

کھانے کے لئے دیئے گئے وقت سے پہلے جانا یا کھانے کے بعد وہاں تا دیر بیٹھے رہنا جائز نہیں
إِذَا دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا سے معلوم ہوا کہ صاحب خانہ نے دعوت کا جو وقت دیا ہو اس سے قبل وہاں جانا یا کھانا کھالینے کے بعد وہاں دیر تک بیٹھے رہنا کہ جس سے صاحب خانہ کو اذیت پہنچے جائز نہیں ہے اور کسی کے پیار کا جواب آزار سے دینے والا بڑا گناہ گار ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”جب تم کسی کے گھر میں کھانا کھا چکو تو اٹھ جاؤ اور اہل خانہ کو آسانی دو۔“ (بخاری کتاب التہجد باب ۲)

دعوت کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

اور دعوت کا کسی عذر کے بغیر قبول نہ کرنا ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا۔ جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے کوئی بکری کی ٹانگ پر بلائے تو میں ضرور اس کی دعوت ضرور قبول کروں گا۔“ (بخاری کتاب الہبہ باب ۲)

نبی اکرم ﷺ کی صفت حیاء:

فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ سے آپ کی صفت حیاء کی طرف اشارہ ہوا کہ آپ خود پر تکلیف گوارا کر لیتے ہیں مگر کسی سے یہ نہیں کہتے کہ تم کھانا کھا چکے ہو لہذا اب تمہیں جانا چاہئے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”حضور ﷺ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم والے تھے۔“ (بخاری عن ابی سعید)

اللہ تعالیٰ کو آپ کا تکلیف میں پڑنا گوارا نہیں

ادھر چند لوگوں کے آپ کے گھر میں زیادہ دیر بیٹھنے سے آپ کو تکلیف ہوئی ادھر اللہ تعالیٰ نے قرآن اتار کر لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے محبوب کے لئے باعث اذیت نہ بنو۔ قربان جائیں اللہ رب العزت کس قدر آپ کی دلجوئی فرماتا ہے۔

[46] سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی مرضی کے مطابق بات کی (یعنی میری رائے کے مطابق قرآن اتر ا) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز نہ بنائیں؟ تو یہ آیت اتری: **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّیً** ۵ (بقرہ: ۱۲۵) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یَدْخُلُ عَلَیْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، آپ کے پاس (آپ کے گھر) ہر نیک و بد داخل ہوتا ہے آپ امہات المؤمنین کو حجاب کا حکم فرمائیں تو آیت حجاب اتر آئی۔ اور جب آپ اپنی بعض ازواج سے ناراض ہوئے تو میں نے آپ کی ازواج سے جا کر کہا اگر تم اپنے طریقہ سے پیچھے نہ ہئیں تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے بہتر ازواج دے کر تمہیں فارغ کر دے گا تو یہ آیت اتر آئی: **عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُمْ مَّوَدَّةَ بَيْنٍ مَّا بَيْنَ يَدَيْكِ فَتَحِلَّ لَكُنَّ وَفِي مَقَامِ عَذَابٍ عَظِيمٍ** یعنی ”اے ازواج رسول! ممکن ہے کہ اگر رسول (ﷺ) تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ آپ کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔“ (تحریم: ۵) (بخاری کتاب التفسیر سورہ احزاب حدیث ۴۷۹۰)

اس حدیث میں یدخل علیک البر والفاجر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حجاب لازم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! جب تم ازواج رسول ﷺ سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یعنی گھر کے اندر مت آؤ بلکہ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر جو مانگنا ہے مانگو۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا میں ایک پیالہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حبس (ایک قسم کا پنیر) کھا رہی تھی اتنے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے (یعنی گھر میں آگئے) آپ نے انہیں بلالیا (وہ بھی اسی پیالے سے کھانے لگے) ان کی انگلی میری انگلی سے چھو گئی ان کے منہ سے ”اوہ“ نکلا اور انہوں نے کہا اگر میری بات مانی جاتی تو تمہیں کوئی آنکھ دیکھ نہ سکتی تب یہ آیت نازل ہوئی: **وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ** ۶ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۴۸ حدیث ۱۷۷۵۴) معلوم ہوا اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ حضور سید کائنات ﷺ کے گھر کے اندر آتے اور ازواج مطہرات سے روبرو باتیں بھی کر لیتے تھے پھر اس آیت کے نزول پر انہیں دروازے پر روک دیا گیا۔

یہ آیت اگرچہ ازواج رسول ﷺ کے بارے میں اتری ہے مگر اس سے تمام خواتین اسلام کو ہدایت دینا مقصود ہے جیسا کہ اس سے قبل دعوت طعام کے احکام بظاہر گھرانہ رسول ﷺ کے بارے میں تھے مگر تمام مسلم گھرانوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہاں سے دونوں اند حاصل ہوئے:

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پر نزول قرآن:

اس آیت حجاب اور دیگر آیات کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے پر نزول بتاتا ہے کہ وہ رمز آشنائے توحید اور راز

دارِ نبوت تھے اسی لئے فرمایا گیا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ (ترمذی کتاب الناقب)

(۲) عورتوں کا مردوں سے اختلاط اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں:

اس لئے مومنوں کو ازواجِ مطہرات کے پاس جانے کی بجائے دروازے کے پیچھے سے سوال کرنے کا حکم فرمایا گیا حالانکہ ازواجِ رسول ﷺ طہارت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں انہی کے لئے فرمایا گیا: وَيُطَهِّرُكُمْ تَطْهِيرًا۔ اللہ نے چاہا کہ تمہیں خوب پاک کر دیا جائے۔ (احزاب، ۳۳) جب ان کا کسی اجنبی سے اختلاط جائز نہیں تو دوسری عورتوں کے لئے کیسے جائز ہے۔ اسی لئے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ”جب عورت باہر نکلتی ہے (مردوں کے ساتھ آزادانہ گھلتی ملتی ہے) تو شیطان اسے تاک لیتا ہے۔“ (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۸)

[47] رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات سے کسی شخص کا نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے باعثِ اذیت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہِ عظیم قرار دیا گیا۔ اس کے تین اسباب ہیں۔

ازواجِ رسول ﷺ سے حرمتِ نکاح کے تین اسباب

اول: ازواجِ رسول ﷺ مومنین کی مائیں ہیں۔ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ (احزاب، ۶) جب جسمانی ماں سے نکاح نہیں ہو سکتا تو روحانی و ایمانی ماں سے کیسے ہو سکتا ہے یہ اس سے بڑا گناہ ہے۔

دوم: نبی اکرم ﷺ اپنی قبر منور میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں کیونکہ آپ کی حیاتِ شہداء سے قوی تر ہے شہداء کی میراث تقسیم ہو جاتی ہے مگر انبیاء کی نہیں ہوتی۔ شہداء کی بیویاں عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہیں مگر انبیاء کی بیویاں نہیں کر سکتیں کیونکہ انبیاء کی حیات بعد المات جسمانی ہے۔

سوم: اگر کسی عورت کے متعدد نکاح ہوں تو وہ اپنے آخری شوہر کے ساتھ جنت میں جمع ہوگی اور اللہ رب العزت نے فیصلہ فرمایا ہے کہ ازواجِ رسول ﷺ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد آپ کی ازواج کا دوسرا نکاح حرام فرما دیا۔

یاد رہے جس عورت سے حضور سرور کائنات ﷺ صرف نکاح فرمائیں مگر وہ آپ کے گھر نہ آئے اور رخصتی سے قبل ہی آپ اسے طلاق دیدیں تو وہ امہاتِ المومنین اور ازواجِ رسول ﷺ میں داخل نہیں ہے نہ ہی اس پہ یہ پابندی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ جیسے کلبیہ نامی ایک عورت سے آپ نے شادی کی پھر اسے طلاق دیدی تو اس سے بعد میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل نے نکاح کیا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۰)

مروی ہے کہ آیت وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ط کا شان نزول یہ ہے کہ نزولِ حجاب سے پہلے ایک شخص حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کر رہا تھا وہ ان کا عمراد تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے اندازِ تکلم کو نا پسند فرمایا۔ اس نے بعد میں کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ تب یہ آیت

نازل ہوئی۔ چنانچہ اس شخص نے توبہ کے لیے کئی غلام آزاد کیے اور کثیر صدقات کیے اور پیدل چل کر حج کیا۔ (منظہری بروایت ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۳۷۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی ازواج سے شادی کرنا اللہ تعالیٰ کے بڑا گناہ اور خود آپ کے لیے بڑی ایذا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق وہ شخص حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے یہ قول صحابہ کبار سے صادر نہیں ہو سکتا وہ کوئی کم صحبت اور کم علم ہی تھا۔ (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۲۹)

[48] یعنی ازواج رسول ﷺ کے محارم جیسے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ کے بارے میں ازواج رسول پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کے پاس آئیں ان کے لئے پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ یہ پابندی غیر محارم کے لئے ہے۔ اسی طرح مومنہ عورتیں اور ازواج رسول کی لونڈیاں بھی ان کے پاس بے دھڑک آ سکتی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! آپ پر درود پڑھو

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝۵۱

اور خوب سلام بھیجو [49]

نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم

[49] اس آیت کا ماقبل سے گہرا تعلق ہے۔ اس سے دو آیات قبل فرمایا گیا کہ حضور سید کائنات ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا آپ کو اذیت دینا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم گناہ ہے اب اس آیت کے ذریعے مومنین کے دلوں میں عظمت رسول اجاگر کی جا رہی ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے مومنو! اپنے کسی عمل سے اپنے رسول کو تکلیف دینا تو درکنار رہا تمہارا تو یہ حق ہے کہ آپ پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام پڑھ کر آپ کو خوش کرو تا کہ تمہارے سلام کے بدلے تمہارے آقا تمہیں سلام کہیں اور ان کے سلام سے تمہارا بیڑا پار ہو جائے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ کا آپ پر صلوة بھیجنا یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنی شان کے مطابق آپ پر رحمت نازل فرماتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (بقرہ: ۱۵۷) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں اس نے آپ کا نور سب سے اول تخلیق فرمایا، پھر آپ کو سارے عالم کے لئے مبداء تخلیق بنایا، سب سے اول آپ کو صفت نبوت سے متصف

فرمایا اور سب انبیاء سے آپ کی مدد کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ پھر ہر نبی کو مبعوث فرمانے کے بعد اس کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو بتائے کہ اگر وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا عہد پائیں تو ان پر ایمان لائیں۔ کہا رواہ ابن جریر عن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فی تفسیرہ تحت قولہ تعالیٰ (وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ) (آل عمران: ۸۱) چنانچہ ہر نبی آپ کی عظمت کے چرچے کرتا اور آپ کی آمد کی بشارت سناتا رہا اور آپ کے تشریف لانے کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو مسلسل بڑھا رہا ہے اور ایک وقت آئے گا جب دنیا میں صرف آپ کا لایا ہوا دین ہوگا پھر روز قیامت اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت میں اضافہ فرماتا جائے گا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کا آپ پر درود بھیجنا یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک آپ کی عظمت بڑھاتا ہے اور بڑھاتا رہے گا یہ سلسلہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

اور فرشتوں کا آپ پر صلوٰۃ بھیجنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگتے اور رحمتیں اتارتے ہیں اور فرشتوں کا آپ پر درود بھیجنا یہ بھی ہے کہ روزانہ ستر ہزار فرشتہ صبح اور ستر ہزار شام آپ کی قبر انور پر اترتا اور آپ پر رحمتیں اتارتا ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ہوا۔ حضرت کعب نے کہا: ہر روز ستر ہزار فرشتہ صبح قبر رسول ﷺ پر حاضر ہوتا اور آپ پر درود بھیجتا ہے اور ستر ہزار فرشتہ شام کو حاضر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔ اور آپ روز قیامت ستر ہزار فرشتوں کے جلوس میں اٹھیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء لابن نعیم جلد ۵ صفحہ ۳۹۰) اس کا مفہوم یہ ہے کہ نئے سے نئے فرشتے صبح و شام آپ کی قبر انور پر اترتے ہیں اور تا قیامت نئے سے نئے اترتے رہیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے خوب فرمایا۔

ستر ہزار صبح تو ستر ہزار شام
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئے گا
معصوموں کو ہے عمر میں بس ایک بار
یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے
رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے
عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۵۱﴾ ”اے ایمان والو! تم حضور ﷺ پر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجو۔“ اس کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تم آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمتیں مانگو اور آپ پر سلام کہو یعنی سلامتی کی دعا کرو۔ چنانچہ اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔ اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کا یہ معنی ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی اترے۔ اور صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ وسلم کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت اتارے۔ گویا درود شریف کے ہر صیغہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

آپ پہ درود شریف کا تسلسل ازل سے ابد تک

اس جگہ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ فرمایا گیا يُصَلُّونَ عَلَى مُحَمَّدٍ نہیں کہا گیا۔ دراصل یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ ﷺ پر درود و سلام کا بھیجا جانا اس لئے ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اب جب آپ صفت نبوت کی وجہ سے درود و سلام کے مستحق ہیں تو جس وقت سے آپ نبی ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود جاری ہے اور جب تک آپ کے لئے نبوت ثابت ہے آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود جاری رہے گا۔ اب آپ ﷺ کب سے نبی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: و آدم بین الروح والجسد۔ ”جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے میں اس وقت سے نبی ہوں۔“ (طبرانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ حدیث ۴۱۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت سن طباعت ۱۴۲۰ھ) یہ حدیث ترمذی کتاب المناقب باب ۱ میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور حضور جان کائنات ﷺ کی نبوت تا قیامت اور قیامت کے بعد تک جاری ہے بلکہ قیامت ہی میں آپ ﷺ کی عظمت نبوت حقیقتاً چمکے گی تو آپ پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا درود بھی ہمیشہ تک جاری رہے گا۔

ہم حضور فخر موجودات ﷺ پر درود بھیج کر اپنے لئے رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں:

اگر کہا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں یعنی رحمتیں اتار رہے ہیں تو ایسے میں مومنوں کے آپ ﷺ پر درود بھیجنے یعنی رحمت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک آدمی صاف و شفاف پانی میں غوطے لگا رہا ہے دوسرا آدمی اس کے پاس پانی کا مشکیزہ لاتا ہے کہ لو نہالو! تو یہ کیسی عجیب بات ہے۔ حضور سید عالم و شافع محشر ﷺ تو پہلے ہی رحمت الہی کے سمندروں میں غوطہ زن ہیں حتیٰ کہ آپ خود رحمۃ للعالمین بنا دیئے گئے ہیں تو پھر آپ ﷺ کے لئے ہمارا درود و سلام بھیجنا یعنی طلب رحمت کرنا چہ معنی دارد؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو ہم آپ کے لئے طلب رحمت کرتے ہیں مگر حقیقت میں ہم اپنے لئے رحمت کا دروازہ کھولتے ہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جب ہم اس کے محبوب کے لئے رحمت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا دریا رحمت جوش میں آتا ہے اور جو رحمت آپ ﷺ پر برس رہی ہے اس کے چند چھینٹے ہم پر بھی مار دیئے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں ہے کہ حضور شافع محشر ﷺ نے فرمایا ”جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا یعنی رحمت اتارتا ہے۔“

درود سنت الہیہ ہے:

تمام احکام اسلام حضور سید عالم ﷺ کی سنتیں ہیں مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ کی سنت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُونِی أُصَلِّی، ”جیسے میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی اسی طرح پڑھو۔“ روزہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

آپ کی سنت، حج اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ ﷺ کی سنت، مگر درود شریف ایسا عمل ہے کہ حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور سنت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور سبرور عالم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی آپ پر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجو۔

افضل درود وہ ہے جس میں سلام بھی ہو:

جب اللہ تعالیٰ نے صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا فرمایا ہے تو درود شریف کا وہ صیغہ جو صلوٰۃ و سلام دونوں پر مشتمل ہو اس صیغے سے افضل ہے جس میں صرف صلوٰۃ ہو۔ سلام نہ ہو، مثلاً اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ کہا صلیت علی ابراہیم و علی آلِ ابراہیم انک حمید مجید۔ میں صرف صلوٰۃ ہے اور صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وسلم اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ میں صلوٰۃ اور سلام دونوں ہیں تو ایسے صیغے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ درود ابراہیمی اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ تو حضور ﷺ کا تعلیم کردہ ہے وہ کیسے مفصل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں یہ کہیں نہیں کہ سب سے افضل درود درود ابراہیمی ہے۔ البتہ اسے نماز میں پڑھنے کے لیے سکھایا گیا ہے اور نماز میں اس سے پہلے حضور سید کائنات ﷺ پر سلام پڑھا جاتا ہے یعنی السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اس لئے اس میں صرف صلوٰۃ پر ہی اکتفاء کیا گیا۔ گویا اگر نماز میں درود ابراہیمی سے قبل سلام نہ ہوتا تو اس درود میں بھی سلام ڈالا جاتا۔

درود شریف کی فضیلت حدیث میں

اس آیت کے تحت محدثین و مفسرین نے فضیلت درود شریف میں کثیر احادیث ذکر کی ہیں یہاں ہم ان میں سے پندرہ احادیث لکھتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا

اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشہد)

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تہمتارہا

تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابھی میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد (ﷺ) جو آپ پر ایک بار درود پڑھے

اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھتا، دس گناہ مٹاتا اور (جنت میں) اس کے دس درجے بلند فرماتا ہے۔“

(مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۴۳۳ حدیث ۲۹۴۸)

(۳) حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر جمعہ کے دن درود شریف کی

کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جیسے ہی تم درود سے فارغ ہوتے ہو فرشتے اسے مجھ تک لے آتے

ہیں۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ کے وصال کے بعد بھی ایسا ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔“ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

جمعہ والے دن درود شریف کی کثرت اس لئے بھی مفید ہے کہ حدیث کے مطابق اس دن ہر نیکی کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے گویا اس دن ایک بار درود پڑھنا ستر بار درود پڑھنے کے برابر ہے اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی بھی آتی ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے اگر وہ گھڑی درود شریف پڑھتے ہوئے آگئی تو سب حاجات پوری ہو گئیں۔

(۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہر دعا زمین و آسمان کے درمیان لٹکی رہتی ہے جب تک تم اپنے رسول (ﷺ) پر درود نہ پڑھو۔“ (ترمذی کتاب الوتر باب ۲۱)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح (میری توجہ) اس کی طرف لوٹاتا ہے اور میں اسے جواب دیتا ہوں۔“

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی قوم مجلس کرتی ہے اور وہ لوگ اس میں اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتے تو وہ محفل روز قیامت ان پر وبال بن جائے گی اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں بخشے چاہے تو انہیں عذاب میں پکڑے۔“ (ترمذی کتاب الدعوات باب القوم یجلسون ولا یدعون اللہ)

(۷) حضرت کعب بن عمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار منبر پر تشریف لے گئے آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے کہا: آمین پھر دوسری اور تیسری پہ قدم رکھتے ہوئے بھی آمین کہا۔ بعد میں صحابہ نے ایسا کرنے کا سبب پوچھا حضور ﷺ نے فرمایا جب میں پہلی سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا جو شخص ماہ رمضان پائے اور اس کی بخشش نہ ہو (یعنی وہ رمضان کا احترام نہ کرے) اس کے لئے ہلاکت ہے میں نے کہا آمین! پھر میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا جب کسی شخص کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے (نام لیا جائے) اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اس کے لئے ہلاکت ہے میں نے کہا آمین! پھر میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل آئے اور کہا جو شخص اپنے بوڑھے والدین کو پائے پھر اس کی بخشش نہ ہو (یعنی وہ اس کا حق بجا نہ لائے) وہ ہلاک ہو تو میں نے کہا آمین! (متدرک للحاکم جلد ۴ صفحہ ۷۰ حدیث ۷۲۵۶)

(۸) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بخیل ہے وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”بے شک روز قیامت میرے نزدیک تر وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے۔“ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ کے دو بندے باہم محبت و پیار سے ملتے ہوئے دونوں نبی (ﷺ) پر درود پڑھتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔“ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۶)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے اسے مجھ پر درود پڑھنا چاہیے کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“ (ترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۶۶)

(۱۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں میں سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے (میرا نام لیا جائے) اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“ (جلاء الافہام بروایت ابو نعیم صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ مصر)

(۱۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے سلام کہا آپ ﷺ نے جواب دیا اور اسے دیکھ کر آپ کا چہرہ کھل ٹھا جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! اس شخص کو روزانہ تمام اہل زمین کے اعمال کے برابر ثواب دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: وہ کس لیے؟ فرمایا: کیونکہ وہ تمام مخلوق کے درود کے برابر مجھ پہ درود پڑھتا ہے۔ میں نے پھر عرض کیا: وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہر صبح مجھ پہ یوں درود پڑھتا ہے: اللھم صل علی محمد النبی عدد من صلی علیہ من خلقتک، وصل علی محمد النبی کما ینبغی لنا ان نصلی علیہ، وصل علی محمد کما امرتنا ان نصلی علیہ۔ (اے اللہ! اپنے نبی محمد ﷺ پہ اتنا درود بھیج جتنا تیری مخلوق میں سے ان پہ درود پڑھنے والے ہیں اور ان پہ ایسے درود بھیج جیسے ان پہ درود بھیجنے کا حق ہے، اور ان پہ ایسے درود بھیج جیسے تو نے ہمیں ان درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے)۔

(درمنثور بروایت دارقطنی جلد ۶ صفحہ ۶۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۱۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس مومن کے پاس صدقہ کرنے کے لیے مال نہ ہو وہ مجھ پہ یوں درود پڑھ لے:“ اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک، وصل علی المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات۔ (اے اللہ! محمد ﷺ پہ درود بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور تمام مومنین ومومنات اور مسلمین ومسلمات پہ درود بھیج) جب وہ یہ کہے گا تو یہ اس کے لیے صدقہ کے برابر ہو جائے گا۔“ (درمنثور بروایت بخاری فی الادب المفرد جلد ۶ صفحہ ۶۵۰)

(۱۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”روز قیامت ہر مقام پہ میرے نزدیک تر وہ ہوگا جس نے مجھ پہ دنیا میں سب سے زیادہ درود پڑھا ہوگا اور جس نے مجھ پہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات سو

باردرد پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سوحاجات پوری کرے گا، جن میں سے ستر حاجات آخرت کی ہیں اور تیس دنیا کی، پھر اللہ ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کا درود (میرے وصال کے بعد) مجھے میری قبر میں پہنچائے گا جیسے کسی کو تحفے پہنچائے جاتے ہیں۔ وہ فرشتہ مجھے درود بھیجنے والے کا نام اور اس کی دس پشتوں کے نام بتاتا ہے۔ تو میں اس کے درود کو اپنے ہاں ایک سفید صحیفہ میں درج کر لیتا ہوں۔“ (درمنثور بروایت بیہقی فی شعب الایمان وابن منذر وابن عساکر جلد ۶ صفحہ ۶۵۴)

درود شریف پڑھنے کے مواقع

احادیث میں درود شریف پڑھنے کے چند مواقع بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

نماز کے آخر میں تشہد کے بعد:

امام شافعی رحمہ اللہ اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ واجب نہیں سنت ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم آپ پہ صلوٰۃ اور سلام پڑھیں، سلام کا تو ہمیں پتہ کہ کیسے پڑھا جاتا ہے (یعنی نماز میں کہا جاتا ہے السلام علیک ایہا النبی) مگر ہم درود کیسے پڑھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد حدیث ۹۷۶)

وتر میں دعائے قنوت کے بعد:

امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے جبکہ دوسرے ائمہ نے نہیں۔

نماز جنازہ میں دوسری تکبیر کے بعد:

یہ سب ائمہ کے نزدیک سنت ہے اور یہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

جمعہ وعیدین کے خطبہ میں:

امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک امام کے لیے خطبہ میں درود کا پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے اس کے بغیر خطبہ درست نہیں اور امام ابوحنیفہ و امام مالک کے نزدیک واجب نہیں سنت ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور مسجد سے نکلتے ہوئے:

اور حدیث میں اس کے مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں۔

جب بھی چند اہل اسلام کسی مجلس میں جمع ہوں تو جدا ہونے سے قبل درود شریف پڑھیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جو قوم کسی مجلس میں جمع ہو اور وہ جدا ہونے سے قبل اللہ کی حمد نہ کہیں اور مجھ پہ درود نہ پڑھیں تو وہ ان پہ وبال ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے، چاہے تو معاف فرمائے۔“ (متدرک للحاکم جلد ۱ صفحہ ۶۷۴)

جمعہ والے دن درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جمعہ والے دن مجھ پہ درود کی کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پہ پیش کیا جاتا ہے، تو جو مجھ پہ زیادہ درود پڑھتا ہے وہ میرے زیادہ قریب ہوگا۔“ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فضل یوم الجمعہ حدیث ۱۰۴۷)

وضوء سے فراغت کے بعد:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی وضوء سے فارغ ہو تو یہ کہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله، پھر وہ مجھ پہ درود پڑھے تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔“ (سنن بیہقی جلد ۱ صفحہ ۴۴ حدیث ۱۹۹)

جب کوئی اہم حاجت درپیش ہو:

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”جسے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی اہم حاجت ہو وہ اچھی طرح وضوء کرے، پھر دو رکعت پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کہنے کے بعد مجھ پہ درود پڑھے، پھر یہ کہے: لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم لا الہ الا اللہ سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین اسئلك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنیمة من کل بر والسلامة من کل ذنب ولا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا حاجة لك فیہا رضا الا قضیتہا یا ارحم الراحمین۔“ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ حدیث ۴۷۹)

نماز پنجگانہ سے فراغت کے بعد:

ابو بکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام ابو بکر بن مجاہد کے پاس تھا، وہاں شیخ شبلی آئے تو ابو بکر بن مجاہد ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور ان سے معاف کیا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا سیدی: آپ نے شبلی کا اس قدر احترام کیا اسے تو سب اہل بغداد مجنون کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگے: میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ

ﷺ تشریف فرما ہیں، اتنے میں شبلی آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر ان سے معاف کیا اور ان کی پیشانی کو چوما، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے شبلی کی اس قدر عزت افزائی فرمائی ہے، یہ کیوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ شخص جب بھی فرض نماز سے فارغ ہوتا ہے تو لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ الرَّحْ (توبہ ۱۲۸) ساری آیت پڑھتا ہے پھر کہتا ہے: صلی اللہ علیک یا محمد۔ ابو بکر بن مجاہد کہتے ہیں، اس کے بعد جب میری ملاقات شیخ شبلی سے ہوئی تو میں نے پوچھا: آپ نماز سے فارغ ہو کر کیا پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے وہی کچھ بتایا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے خواب میں بتایا تھا۔ (جلاء الافہام صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ مصر)

درود شریف پڑھنے کا شرعی حکم

یہ ہے کہ زندگی میں ایک بار درود شریف کا پڑھنا باجماع فرض ہے کیونکہ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا اَمْرٌ رَبِّیْ ہے جس کا تقاضا وجوب ہے تاہم جب بھی رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک سنا جائے تو درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ اس میں بعض ائمہ نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر ایک مجلس میں چند بار آپ کا اسم گرامی لیا گیا تو ایک بار درود شریف کا پڑھ لینا کافی ہے جیسے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کے بار بار پڑھنے پر ایک سجدہ تلاوت کر لینا کافی ہے تاہم محبت کا تقاضا یہ ہے اور یہی افضل و اولیٰ ہے کہ ہر بار آپ ﷺ کا ذکر شریف کرنے اور سننے پر درود شریف پڑھا جائے۔ نماز کے آخر میں درود شریف کا پڑھنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک سنتِ موکدہ ہے۔

غیر انبیاء پر مستقلاً (عَلَيْهِ السَّلَام) کہنے کی کراہت

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر محققین کی رائے ہے کہ غیر انبیاء پر مستقلاً صَلَوة بھیجنا مکروہ ہے۔ اور حضور ﷺ کی آل و ازواج پر جو صَلَوة پڑھی جاتی ہے وہ مستقلاً نہیں بلکہ آپ کی اتباع میں ہوتی ہے۔ رہا حضور سید کائنات ﷺ کا فرمانا: اللھم صل علی ابی اوفی یا صل علی آلِ فلان تو یہ آپ سے خاص ہے کیونکہ اس میں صرف دعا کا پہلو ہے تعظیم و تکریم کا نہیں اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ”(اے مسلمانو! رسول (ﷺ) کی پکار کو اپنے مابین یوں (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔“ (شفاء جلد ۲ صفحہ ۶۸)

اسی طرح غیر انبیاء کے لئے عَلَیْہِ السَّلَام کہنے کو بھی امام احمد بن محمد قسطلانی شارح بخاری نے اہل تشیع کا طریقہ قرار دیا ہے۔ (مواہب لدنیہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) اور یہی رائے علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ کی ہے۔

(روح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء بیروت)

اسی طرح امام سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کو غائبانہ عَلَیْہِ السَّلَام کہنا یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے ایسا ہی امام لقانی کی شرح الجوہرۃ میں ہے جو انہوں نے امام جوینی سے نقل کیا ہے۔ لہذا علی عَلَیْہِ السَّلَام نہیں کہنا چاہیے بلکہ علی رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۸۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے

وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اور اس نے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے [50] اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو

بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

کسی جرم کے بغیر جو انہوں نے کیا ہو ایذا دیتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا ہے [51]

اللہ و رسول اور مومنوں کو ایذا دینے کا گناہ

[50] یاد رہے اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا یہ ہے کہ کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا جائے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذا دیتا ہے وہ زمانے کو گالی دیتا ہے جبکہ زمانہ میں ہوں اور وہ مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ اسے ایسا کرنے کا حق نہیں یعنی وہ میرے لئے اولاد مانتا ہے اور میں اس سے پاک ہوں (بخاری) اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کی جائے یا آپ کے اصحاب و اہل بیت کی توہین کا ارتکاب کیا جائے اور ان پر بے جا الزامات لگا کر ان کی سیرت کو داغدار بتایا جائے اور یہ چیزیں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ایذا ہے کیونکہ جب اس کے رسول کو ایذا دی جائے تو وہ ان کے بھیجنے والے رب کے لئے ایذا ہے، اور اس پر شان نزول بھی دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی اسلول اور دوسرے منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت رکھی تو حضور سید عالم ﷺ کو سخت اذیت پہنچی اور آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو مجھے ایذا دینے والے کے بارے میں میرا دل ٹھنڈا کرے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۸۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر آپ کا دل ٹھنڈا کر دیا اور فرمایا کہ آپ ﷺ کو ایذا دینے والے پر اللہ دنیا و آخرت میں لعنت فرمائے گا یعنی اسے اپنی رحمت سے دور فرما دے گا اس طرح کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ مستحق نارٹھہریں گے۔

سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر بہتان بازی اللہ و رسول کو ایذا دینا ہے

منافقین نے ان پر جھوٹی تہمت رکھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے خدا و رسول کے لئے ایذا قرار دیا یہ اہل تشیع کے لئے درس

عبرت ہے وہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کبھی یہ الزام رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا پر زنا کا

بہتان لگایا (معاذ اللہ) اور کبھی یہ کہ انہوں نے اور حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور کائنات ﷺ کو زہر کھلایا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس کی تفصیل ہم پیچھے سورہ نور کو ع 2 کے تحت لکھ آئے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امہات المؤمنین پہ ایسے غلیظ الزامات رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

صحابہ و اہل بیت کو ایذا دینے والا اور اللہ و رسول کو ایذا دینے والا ملعون ہے

جس طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایذا دینا اللہ و رسول کو ایذا دینا ہے یہی حال تمام اصحاب و اہل بیت رسول کا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو انہیں نشانہ اعتراض نہ بناؤ ان سے محبت مجھ سے محبت اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے۔ ان کو ایذا دینا مجھے ایذا دینا اور مجھے ایذا دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے اور جو اللہ کو ایذا دے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے۔“ (ترمذی کتاب المناقب باب ۵۸) اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“ (بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ) صحابہ و اہل بیت کی ایذا اور گستاخی تو بڑی بات ہے۔ حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو ستانا اللہ سے دشمنی کرنا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَانِي بِالْحَرْبِ۔ ”جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“ (بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸ حدیث ۶۵۰۲)

[51] یہ آیت ماقبل سے متصل ہے یعنی منافقین نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا بہتان رکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ مسلم مرد و خواتین کو ان کے ناکردہ جرم کی وجہ سے ایذا دیتے ہیں وہ بڑے بہتان اور عظیم گناہ کے مرتکب ہیں۔ اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت پر جھوٹا بہتان لگانے کا عظیم گناہ معلوم ہوا اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت کا پامال کرنا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا“ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۳ حدیث ۱۷۷۷۸) حضرت عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حاسد، چغل خور، خیانت اور اہانت کا رہم میں سے نہیں ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا“ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۸ بروایت طبرانی)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ

اے نبی اکرم (ﷺ) آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی چادروں کو (اپنے چہروں پر)

مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ط وَكَانَ اللَّهُ

لٹکالیں [52] اس طرح متوقع ہے کہ وہ (اپنی شرافت کیساتھ) پہچانی جائیں پھر انہیں ایذا نہ دی جائے اور اللہ

غَفُورًا رَحِيمًا ۵۹ لِّئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

بخشنے والا مہربان ہے [53] اگر منافقین اور جن کے دلوں میں مرض ہے

وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا

اور مدینہ (طیبہ) میں دہشت پھیلانے والے لوگ باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر غلبہ دیں گے پھر وہ تھوڑے عرصہ کے

قَلِيلًا ۶۰ مَلْعُونِينَ ۷۱ أَيْنَمَا تُقِفُوا أَخِذُوا وَقْتِكُمْ لِقَائِهِ سُنَّةَ اللَّهِ فِي

سوا یہاں آپ کے ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ ملعون ہوں گے جہاں پائے جائیں پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے۔ اللہ کا

الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۷۲

یہی طریقہ ان لوگوں میں رہا جو پہلے گزرے ہیں اور آپ اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ پائیں گے [54]

خواتین اسلام کو سروں پہ موٹی چادریں رکھنے کا حکم

[52] يُدْنِينَ کا معنی چادر کا لٹکانا ہے عربی میں کہتے ہیں اَدْنَى السُّنَّةِ اس نے پردہ لٹکایا۔ یعنی مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے سروں کی چادروں کو اپنے چہروں یعنی ماتھے پر لٹکائیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت میں مسلم خواتین کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دوپٹے کے اوپر ایک جلاباب (چادر) اوڑھیں اور اسے چہرے پر لٹکائیں اور کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ اسے اجنبی شخص یوں دیکھے کہ اس نے اپنے دوپٹے کے اوپر چادر نہ اوڑھ رکھی ہو اور اس کا سر اور سینہ ڈھکا ہوا نہ ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۵۵ ۱۳۵۵ حدیث ۱۷۷۸۹) حضرت امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے صحابی رسول حضرت عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی: يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط انہوں نے چادر اوڑھ رکھی تھی وہ انہوں نے سر پر ڈال لی اور اسے لٹکا کر آنکھوں تک لے آئے پھر

انہوں نے اسے چہرے پر لپیٹ لیا اور ان کی صرف آنکھیں نظر آنے لگیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۲ حدیث ۲۸۶۳۹، ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۵ حدیث ۱۷۷۸۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ مسلم خواتین گھر سے باہر نکلتے ہوئے چادروں سے اپنے سر اور چہرے چھپا کر نکلیں اور صرف ان کی آنکھیں نظر آئیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۲۶)

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چادر کو سینے پر ڈالنا بھی عورت کے لئے ضروری ہے تاکہ اس کا جسم ڈھکا ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔ ”عورتیں اپنی چادریں اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالیں۔“ (نور: ۳۱)

کیا عورت کے لیے چہرے کا پردہ فرض ہے؟

اس آیت يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ سے بعض فقہاء احناف نے عورت پر چہرے کا پردہ فرض قرار دیا ہے وہ اس کا معنی منہ کا ڈھانپنا لیتے ہیں مگر اکثر فقہاء احناف بغیر خوف فتنہ چہرے کا پردہ فرض نہیں گردانتے اور وہ اس آیت سے سر کا ایسا پردہ مراد لیتے ہیں جس سے چہرے کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے جب یہ آیت اتری: يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان سے اوڑھنیاں سر پر لے لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (اپنے حجروں میں) انہوں نے یوں نماز پڑھی جیسے ان کے سروں پر کوئے ہوں (یعنی ان کے سروں پر کالی چادروں سے یہ منظر بنتا تھا) (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت) گویا اس آیت سے خواتین انصار نے سر کا پردہ مراد لیا، نہ کہ چہرے کا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ عورت اپنے سر کی چادر اپنی آنکھوں تک لے آئے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۲) یعنی ماتھا چھپائے، گویا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سارا چہرہ چھپانا ضروری نہیں۔ اور یہی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی تفسیر کا مفہوم ہے۔ تاہم خوف فتنہ کے باعث نوجوان عورت پر چہرے کا پردہ بھی لازم ہے حضرت امام ابن عابدین شامی فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں جوان عورت کو مطلقاً چہرہ چھپانے کا حکم دیا جائے گا۔ اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے (یعنی وہ حصہ جسم جس کا چھپانا فرض ہے) بلکہ خوف فتنہ کے باعث۔

(رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مصر)

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے کیا: الا اریک امرأۃ من اهل الجنة؟ قلت بلی قال هذه المرأة السوداء۔ کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا ضرور، فرمایا: یہ سیاہ رنگ والی عورت ہے۔ آگے بتایا کہ یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، کہنے لگی مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لیے دعاء فرمائیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کر لو اور تمہیں جنت ملے گی اور اگر

چاہو تو میں دعاء کردوں اور اللہ تمہیں عافیت دیدے۔ وہ کہنے لگی میں صبر کرتی ہوں مگر میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ بس دعاء فرمائیں کہ میں برہنہ نہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعاء فرمادی۔ (بخاری کتاب الرضی حدیث ۵۶۵۲)

اس حدیث میں مذکورہ عربی الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس عورت کا چہرہ خود بھی دیکھا اور اپنے غلام عطاء کو بھی دکھایا۔ اسی لیے اس کے سیاہ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اگر عورت پہ چہرے کا پردہ فرض ہوتا تو وہ عورت خود بھی پردہ کرتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے قصداً نہ دیکھتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد ففقدها رسول الله ﷺ فسأل عنها، ایک سیاہ رنگ عورت مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں سوال فرمایا۔ بتایا گیا کہ وہ فوت ہو گئی ہے، تو آپ اس کی قبر پہ تشریف گئے اور اس کے لیے دعاء فرمائی۔ (مسلم کتاب الجنائز حدیث ۹۵۶)

یہ حدیث بھی بتا رہی ہے کہ اس سیاہ رنگ والی عورت کو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ دیکھتے تھے۔ اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سیاہ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ عورت پہ چہرے کا پردہ فرض نہیں، البتہ جوان عورت پہ خوف فتنہ کے باعث چہرے کا پردہ لازم ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے ردالمحتار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ان احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں بعض لوگوں کی ذاتی قیاس آرائیوں میں کچھ وزن نہیں ہے۔

پھر اگر عورت پہ چہرے کا پردہ فرض ہو تو چہرے کو چھپائے بغیر اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ مرد یا عورت کی جو جائے ستر ہے اس کا نماز میں چھپانا فرض ہے

نبی اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں

قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ سے معلوم ہوا جیسے آپ کی ازواج متعدد تھیں آپ کی بیٹیاں بھی متعدد تھیں کیونکہ ازواجك اور بناتك صیغہ ہائے جمع ہیں اور اس پر تمام اہل سنت اور پرانے اہل تشیع علماء کا اتفاق ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کی چار حقیقی بیٹیاں تھیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جن کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما جن کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اور سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا جو مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ دور حاضر کے اہل تشیع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی کوئی بیٹی نہیں مانتے اور یہ آفتاب نیمروز سے انکار کے مترادف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی چار حقیقی بیٹیاں تھیں نہ کہ سوتیلی۔ کتب شیعہ سے دلائل

دور حاضر کے علماء شیعہ کے مطابق سیدہ زینب سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم (رضی اللہ عنہن) حضور ﷺ کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں

بلکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے تھیں اور آپ کی سوتیلی بیٹیاں تھیں۔ ہم کتب شیعہ سے چار بنات رسول کے ثبوت پر چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اصول کافی اہل تشیع کے نزدیک، اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری کی طرح ہے۔ اس میں لکھا ہے: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر بیس برس سے زائد تھی۔ فُولد له منها قبل مبعثہ ﷺ القاسم ورقية وزينب وام كلثوم، وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة۔ تو ان سے آپ کے ہاں بعثت سے قبل قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم کی ولادت ہوئی پھر بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) پیدا ہوئے۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۴۳۹ کتاب الحج باب مولد النبی مطبوعہ تہران) کیا فُولد له منها۔ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی یہ اولاد پیدا ہوئی) کے الفاظ کے بعد بھی شیعہ لوگ یہی کہتے رہیں گے کہ زینب رقیہ اور ام کلثوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں۔

۲۔ قدیم علماء شیعہ میں سے عبد اللہ بن جعفر حمیری صرف ایک واسطہ مسعدہ بن صدقہ کے ذریعہ امام جعفر سے روایت کرتا ہے: وُلد لرسول الله ﷺ من خديجة القاسم والطاهر وام كلثوم ورقية وفاطمة وزينب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ اور زینب پیدا ہوئے۔ (قرب الاسناد صفحہ ۹ مطبوعہ موسسة اہل البیت، قم ایران)

۳۔ مشہور شیعہ مورخ و محقق ملا باقر مجلسی لکھتا ہے: در قرب الاسناد میں حضرت امام جعفر صادق سے سند معتبر کے ساتھ مروی ہے کہ سیدہ خدیجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب پیدا ہوئے۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۶ مطبوعہ تول کثور دہلی) گویا ملا مجلسی نے قرب الاسناد کی مذکورہ روایت کی سند کو معتبر قرار دے کر مسعدہ بن صدقہ کی ثقاہت کو تسلیم کر لیا ہے۔

۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بچپن میں لڑکھڑاتے مسجد میں آگئے آپ نے انہیں اٹھا کر گود میں بٹھالیا اور فرمایا یہ حسین ہے اس کا نانا محمد مصطفیٰ ہے جو اولاد آدم کا سردار ہے اس کی نانی خدیجہ الکبریٰ ہے جو ساری امت سے پہلے ایمان لائی۔ اس کا ماموں ابراہیم بن محمد ہے اور اس کی خالائیں زینب، رقیہ اور ام کلثوم ہیں۔ (ذبح عظیم صفحہ ۲۴ مطبوعہ لاہور مصنفہ سید اولاد حیدر) اس شیعہ روایت کے مطابق جس طرح ابراہیم بن محمد امام حسین رضی اللہ عنہ کے سگے ماموں ہیں اسی طرح زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کی سگی خالائیں ہیں۔ تو پھر ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی بیٹیاں ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ شیعہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی بیٹیوں سے صرف اس بغض کی بناء پر انکار کر دیں کہ ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا؟

۵۔ شیعہ محدثین و مورخین نے امام جعفر سے روایت کیا ہے کہ ایک بار ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

سے کہا کہ تمہاری والدہ خدیجہ کو ہم پہ کیا فضیلت ہے؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس عورت کو برکت دیتا ہے جو زیادہ بچے پیدا کرے اور شوہر سے محبت کرے۔ پھر فرمایا:

ان خدیجۃ رحمہا اللہ ولدت منی طاہرا والقاسم وفاطمۃ ورقیۃ وام کلثوم وزینب، وان من اعقم اللہ رحمہ فلم تلد شیئاً۔ بیشک خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے طاہر، قاسم، فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینب کو پیدا کیا اور تیرے رحم کو اللہ نے بانجھ رکھا تو تم نے کچھ پیدا نہ کیا۔

(خصال صدوق جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران ایران۔ حیات القلوب جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ باب ۵ مطبوعہ کتاب خانہ ملی، قم ایران) اس روایت میں اگرچہ شیعہ راویوں نے اُم المومنین کی شان میں گستاخی کے نشتر بھی چلائے ہیں۔ مگر بہر حال اس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن رسول اکرم ﷺ کی سگی بیٹیاں تھیں نہ کہ سوتیلی، تو کیا شیعہ لوگ اب بھی حق بات کو قبول نہیں کریں گے؟

۶۔ شیعہ علماء کے سرخیل محمد بن یعقوب کلینی نے روایت کیا کہ امام جعفر صادق نے جارود بن منذر سے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور تجھے وہ پسند نہیں۔ حالانکہ وہ بچی تجھ پر بوجھ نہیں ہے وہ تو ایک پھول ہے جس کی خوشبو تجھے ملے گی جبکہ اس کا رزق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ آخر میں آپ نے فرمایا:

وقد کان رسول اللہ ﷺ اباً بنات، کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی کئی بیٹیوں کے باپ تھے۔

(فروع کافی کتاب العقیدہ صفحہ ۷ روایت ۷۶۰۳ مطبوعہ دار مجتبیٰ، نجف اشرف)

جب امام جعفر صادق ایک شخص کے ہاں بیٹی کے پیدا ہونے پر اسے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے ذریعہ تسلی دے رہے ہیں تو پھر کیا شک ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کو آپ کی حقیقی صاحبزادیاں سمجھتے تھے۔ اگر شیعہ نہ سمجھیں تو پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت کا دعویٰ محض جھوٹ ہے۔

شیعہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حقیقی بیٹی تھی تو آپ دوسری بیٹیوں کو مباہلہ میں ساتھ کیوں نہ لے گئے۔ وہاں آپ صرف حضرت فاطمہ کو ساتھ کیوں نہ لے کر گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ مباہلہ بلا اختلاف ۹ ہجری میں ہوا۔ جبکہ بقول ملا باقر مجلسی بنات رسول ﷺ میں سے حضرت رقیہ ۲ ہجری میں فوت ہوئیں اور سیدہ ام کلثوم کا وصال ۷ ہجری میں اور سیدہ زینب کا وصال ۸ ہجری میں ہوا۔ (حیات القلوب جلد ۴ صفحہ ۱۵۰۵ مطبوعہ قم ایران) جب ۹ ہجری میں حضرت فاطمہ کے سوا کوئی بنت رسول ﷺ موجود ہی نہ تھی تو مباہلہ میں ان کی عدم شمولیت کے حوالہ سے اعتراض کا کیا معنی ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ سورہ احزاب ۵ ہجری میں نازل ہوئی، لہذا ملا مجلسی کی اس بات کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ کے نزول کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تین حقیقی بیٹیاں موجود تھیں۔ فاطمہ، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔ اس لیے اس آیت میں لفظ بناتک کا حقیقی مصداق موجود تھا۔

شیعہ لوگوں کا یہ سوال بھی ہے کہ روایات کے مطابق زینب بنت رسول کا نکاح ایک کافر ابو العاص سے ہوا (بعد میں وہ اسلام لایا) اور رقیہ وام کلثوم کا نکاح ابو لہب کے دو بیٹوں سے ہوا۔ اگر وہ حضور ﷺ کی حقیقی بیٹیاں ہوتیں تو ان کا نکاح کفار سے کیوں ہوتا؟ اس کا جواب شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی نے دیدیا ہے کہ یہ نکاح کفار سے نکاح کی حرمت سے قبل تھا۔ اس وقت کفار سے مسلمان عورتوں کا نکاح حلال تھا۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ انتشارات اسلامیہ ایران)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مبلغ کو تبلیغ کا کام اپنے گھر سے شروع کرنا چاہئے۔ اس لئے فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ۔

[53] حضرت سدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کے بعض منافقین رات کا اندھیرا چھانے پر راستوں میں آکر بیٹھ جاتے اور عورتوں کو تنگ کرتے۔ اس وقت تنگ گھرتے عورتیں قضاء حاجت کے لئے رات کو باہر جاتی تھیں منافقین جب کسی عورت کو چادر اوڑھے دیکھتے تو کہتے یہ آزاد (معزز) عورت ہے اسے کچھ نہ کہو (ورنہ اس کی قوم کے لوگ انتقام لیں گے) اور جب وہ چادر کے بغیر کسی عورت کو دیکھتے تو اس پر حملہ آور ہوتے (اور سمجھتے کہ یہ لونڈی ہے) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵۵ حدیث ۱۷۷۸۸) گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلم خواتین! اگر تم گندے لوگوں سے اپنی عزت بچانا چاہتی ہو تو سر پر چادریں لو اور انہیں اپنے چہرے پر لٹکاؤ۔ اس طرح بد نظر و بد فطرت لوگ پہچان لیں گے کہ تم شرافت مآب ہو تو وہ تمہارے پیچھے نہیں پڑیں گے۔ دور حاضر کے بعض ملحدین کہتے ہیں یہ ایک وقتی حکم تھا منافقین سے بچنے کے لئے عورتوں کو سر پہ چادر لینے کا حکم دیا گیا اب ایسا کرنا ضروری نہیں مگر یہ کس قدر جاہلانہ بات ہے کیا اب بد کردار لوگ بغیر پردہ کے چلنے والی عورتوں کے پیچھے نہیں پڑتے؟ ضرور پڑتے ہیں تو ان سے بچنے کے لئے عورت کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

پردہ عورت کی حفاظت ہے:

فَلَا يُؤْذِنَنَّ سَے معلوم ہوا کہ پردہ اس لیے لازم کیا گیا تا کہ عورت کو ستایا نہ جائے۔ کیونکہ عورت کا ننگے سر زلفیں بکھیر کر باہر نکلنا بد کردار لوگوں کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کی دعوت دینا ہے۔ ہمارے پاس اگر ہزار کانوٹ ہو تو ہم اسے ہتھیلی پر رکھ کر بازار میں نہیں چلتے بلکہ اسے جیب میں ڈال کر چوروں ڈاکوؤں سے چھپاتے ہیں جبکہ عورت کی عزت و عفت وہ قیمتی ہیرا ہے کہ ساری دنیا اس کی قیمت نہیں بن سکتی اس کے بچانے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اسے شرعی پردے میں چھپایا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ (بن ٹھن کر) نکلتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے (اور بد فطرت لوگوں کو اس پر حملہ آور کر دیتا ہے)“ (ترمذی عن ابن مسعود) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوشبو سونگیں تو وہ زنا کار ہے“ (حاکم عن ابی موسیٰ) حضور

ﷺ نے فرمایا: ”کچھ عورتیں آئیں گی جو لباس پہننے کے باوجود نکلی ہوں گی (مثلاً ان کے سر اور بازو ننگے ہوں گے، لوگوں کی طرف کھنچیں گی اور انہیں کھینچیں گی ان کے سراونٹ کی کوہان نما ہوں گے) (بالوں کے سائل بنائیں گی) وہ جنت میں نہ جائیں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی۔“ (مسلم عن ابی ہریرہ)

[54] یعنی اللہ تعالیٰ نے وارنگ دیتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے منافقین اور جن کے دلوں میں بے حیائی کی مرض ہے اور وہ خواتین کا پیچھا کرتے ہیں اور مدینہ میں دہشت پھیلانے والے لوگ (جو حضور ﷺ کے ساتھ جنگ پر نہ جاتے اور پیچھے رہ کر کمزور مسلمانوں یعنی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں میں دہشت انگیز خبریں پھیلاتے تھے کہ مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوگئی ہے اور دشمن لوگ مدینہ پر خوفناک حملہ کرنے والے ہیں) اپنی اسلام دشمن حیا سوز حرکات سے باز آجائیں ورنہ وہ مدینہ طیبہ میں زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں گے ان کے قتل عام کا حکم ہو جائے گا کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو اور ایسے اسلام دشمن تہذیب کش عناصر کے بارے میں ہمیشہ سے اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ انہیں تادیب کھلی چھٹی نہیں دی جاتی۔ اور اللہ کا طریقہ بدلتا نہیں۔ چنانچہ منافقین مدینہ پر اس خدائی وارنگ کا خاطر خواہ اثر ہوا وہ متنبہ ہو گئے۔ آخر 10ھ میں ان کے لیڈر عبداللہ بن ابی ابن سلول کی موت کے بعد اس کی قوم کے ایک ہزار منافقین صدق دل سے اسلام لے آئے اور جو نہ لائے وہ مدینہ چھوڑ کر بھاگ گئے یوں سرزمین طیبہ جماعت منافقین سے پاک ہو گئی۔

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیں اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور تم کیا جانو

يُذَرِّكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ وَاعْدَدَ

ممکن ہے کہ قیامت قریب ہو [55] بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لئے بھڑکتی آگ

لَهُمْ سَعِيرًا ۖ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ يَوْمَ

تیار کی ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کوئی حمایتی نہ پائیں گے نہ مددگار۔ جس دن

تَقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَّا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا

ان کے چہرے دوزخ میں الٹائے جائیں گے۔ تب وہ کہیں گے ہائے افسوس! ہم نے اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کی

الرَّسُولَ ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ۖ

ہوتی اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی پیروی کی تو انہوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔

رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَّهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۖ

اے ہمارے رب! انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما [56]۔

[55] کفار و منافقین اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کو فکر آخرت دلانے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ کفار حضور شافع محشر

ﷺ سے پوچھتے تھے قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ فرمادیں اس کا حقیقی علم تو اللہ کے

پاس ہے البتہ قیامت بہت دور نہیں ممکن ہے وہ قریب ہی ہو دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ

الْقَمَرُ ① ”قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔“ (قرآن: ۱) اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ ”لوگوں کا وقت حساب

قریب آ گیا ہے۔“ (انبیاء: ۱) اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے قبل جو زمانہ گزر گیا وہ ایسے ہے جیسے صبح

سے عصر اور میرے بعد اتنا زمانہ بچا ہے جیسے عصر سے غروب آفتاب۔“ (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۹)

[56] یعنی کفار کو قیامت کے بارے میں سوال کرنے سے کیا فائدہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں لعنت ہی تیار کی

ہے یعنی رحمت سے دوری۔ اور ان کے لئے وہاں بھڑکتی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے انہیں کوئی نکالنے والا نہ

آئے گا اس آگ میں انہیں الٹا کر کے منہ کے بل گھیٹا جائے گا یا انہیں آگ میں یوں الٹایا جائے گا جیسے کباب کو آگ

میں بھونتے ہوئے اُلٹا سیدھا کیا جاتا ہے۔ تب وہ کہیں گے کاش ہم اللہ و رسول عزوجل ﷺ کی اطاعت کرتے اور ہم اپنے خاندانی سرداروں اور مذہبی لیڈروں کی پیروی نہ کرتے۔ اے اللہ! ان سرداروں اور لیڈروں کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما۔ کیونکہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔

جس شخص کا کفر پہ مرنا معلوم ہو اس کے سوا کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں جیسا کہ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ (احزاب، آیت ۶۳) سے معلوم ہوا۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا گیا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ (بقرہ: ۱۶۱) لہذا کسی مومن پہ اور کسی کافر پہ اس کی موت سے قبل لعنت کرنا سخت گناہ ہے۔ البتہ کسی کا نام لیے بغیر کافروں، فاسقوں وغیرہ پہ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے کہ جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت ہے۔ کافروں پہ اللہ کی لعنت ہے وغیرہ۔

اب تا قیامت ایک ہی رسول ہے

يَلَيِّتُنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿۱۶۱﴾ ”اے کاش! ہم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے“ سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے بعد ایک ہی رسول ہے جس کی اطاعت سے نجات وابستہ کردی گئی ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ۔ اور قیامت کے دن ہر کافر انہی کی اطاعت نہ کرنے کو اپنے لئے سبب جہنم قرار دے گا۔ اسی لئے آپ کو البرسول معرف باللام کہا گیا جو صرف ایک ذات پہ دلالت کرتا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہذا یہ آیت ختم نبوت کی بین دلیل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذُوا مُوسَىٰ فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دی تو اللہ نے آپ کو ان کی

قَالُوا ط وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ط يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا

کہی ہوئی بات سے بری کیا اور آپ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں [57] اے ایمان والو اللہ سے ڈرو

قَوْلًا سَدِيدًا ط يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط وَمَنْ

اور سیدھی بات کہو تو اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا [58] اور جو اللہ

يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ط

اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ [59]

تَعْظِيمِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَوْرِ تَقْوَىٰ كَا حَكَم

[57] اس سے قبل آیت 57 میں فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے اللہ کے ہاں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ پھر مومنوں کو ایذا دینے کی بُرائی بتائی گئی پھر مومنہ عورتوں کو پردے کا حکم فرمایا گیا تاکہ وہ منافقین اور مریض دل والے (یعنی بدکردار) لوگوں کی ایذا سے بچ جائیں۔ اب اللہ اس کے رسول کو ایذا دینے کی بُرائی پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے تو فرمایا گیا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذا دینے والے لوگوں کی طرح نہ بنو کہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) پر الزام رکھا تو اللہ تعالیٰ نے وہ الزام دور کیا۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کس طرح ایذا دی گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بہت حیا والے تھے چنانچہ وہ اپنے جسم کو چھپا کر رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا ضرور ان کے جسم میں کوئی عیب ہے برص وغیرہ کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الزام دور کرنا چاہا۔ ایک دن آپ اکیلے نہا رہے تھے کہ وہ پتھر جس پر آپ نے اپنے کپڑے رکھے تھے وہ کپڑے لے کر بھاگ نکلا (فرشتے اسے لے اڑے) آپ اس کے پیچھے عصا لے کر بھاگے آپ فرما رہے تھے او پتھر! میرے کپڑے۔ پتھر بھاگتے ہوئے بنی اسرائیل تک جا پہنچا۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ کا جسم تو سب مخلوق سے خوبصورت ہے اور اس میں کوئی عیب (برص وغیرہ) نہیں ہے۔ پتھر کھڑا ہو گیا آپ نے کپڑے پہنے اور پتھر کو مارنے لگے۔ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا

تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَى فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۖ (بخاری کتاب الانبیاء باب ۲۸ حدیث ۲۷۷۷) (ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام نے زیر جامہ یا تہبند پہن رکھا ہو)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم فرمایا: ایک (منافق) شخص نے کہا۔ واللہ اس تقسیم میں اللہ کی رضا مد نظر نہیں رکھی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سنی تو آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی تو انہوں نے صبر کیا (تو میں بھی صبر کروں گا) (بخاری کتاب الخمس باب ۱۹، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۱۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے مومنو! جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا عیب ڈھونڈھنے کی کوشش کی اور انہیں ایذا دی۔ تم اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات میں عیب ڈھونڈھنے اور آپ کو ایذا دینے کی کوشش مت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے الزام کردہ عیب سے بری کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر الزام سے بری فرمایا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاں بڑی عزت والے تھے کہ ان پر لگنے والے الزامات کو اللہ دور فرماتا تھا۔ حضرت حسن تابعی فرماتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر دعا قبول فرماتا تھا (ابن ابی حاتم) اور بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بڑی دعائیں قبول ہوئیں ان کی دعا پر ان کے بھائی کو نبوت دی گئی۔ سمندر کو پھاڑا گیا، من و سلویٰ اتارا گیا، ستر بنی اسرائیل افراد کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا گیا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عیب ڈھونڈنا مومن کا کام نہیں

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عیب ڈھونڈنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا اور اسے بڑی مثال کے طور پر پیش کیا۔ مومن کا یہ کام ہے کہ اپنے رسول میں معاذ اللہ عیب ڈھونڈھنے کی بجائے ان کی عظمتیں ڈھونڈے۔ آج بعض لوگ ایسی باتیں ڈھونڈتے ہیں جن سے عظمت نبوت کو گھٹائیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی عظمتیں بڑھانے والا ہے۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھاتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر
ذکر اونچا ہے تیرا بول ہے بالا تیرا

انبیاء جسمانی عیوب سے پاک ہوتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں بنی اسرائیل کوئی عیب نہ ڈھونڈ سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو کسی ایسی بیماری یا جسمانی عیب سے پاک رکھتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں ان کی عظمت کم ہو۔ اسی لئے کوئی نبی معاذ اللہ کانا، اندھا، لنگڑا، بہرا گونگا اور پاچ نہ بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپن سے ایک لکنت تھی جب آپ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا

تو فوراً اسے دور کر دیا گیا۔ اسی لئے محققین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے سامنے والے دانت شہید نہیں ہوئے کیونکہ یہ ایک جسمانی عیب اور حسن میں بڑا نقص ہے اور اللہ تعالیٰ کو آپ میں کوئی عیب و نقص گوارا نہیں۔ ہاں جھوٹا نبی مرزا قادیانی کی طرح مراق زدہ اور دبی آنکھ والا ہو سکتا ہے۔ سچے نبی میں کوئی جسمانی عیب نہیں ہوتا۔

ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ہاں چہار سے ذلیل تر کہنے کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا کہ ”وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت والے تھے۔“ لہذا یہ کہنا کہ ہر چھوٹی بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں چہار سے ذلیل تر ہے انبیاء و صالحین کی تنقیص ہے بلکہ حدیث مبارکہ میں تو یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے ہاں بندہ مومن کی عزت کعبہ سے بڑھ کر ہے۔“ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب ۲) تو پھر یہ کہنا کہ اللہ کے ہاں ہر چھوٹی بڑی مخلوق چہار سے ذلیل تر ہے۔ جیسا کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں کہا سخت غلط ہے بلکہ انبیاء و اولیاء اور جملہ مقربین کی شان میں بڑی تنقیص ہے۔

[58] سیدھی بات کہنے کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی سچے عقائد اختیار کرو بنی اسرائیل کی طرح انبیاء صالحین میں عیوب نہ ڈھونڈو۔ اسی طرح سچی بات کہو، جھوٹ غیبت، بہتان اور دل آزاری کی باتیں زبان پر نہ لاؤ۔ اور جس نے زبان کو سپرہا کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعمال سنوار دے گا۔

[59] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے جب تک امت مسلمہ اس طریقہ پر چلی کامیابی ہر طرف ان کے قدم چومتی تھی۔ جب سے یہ راستہ چھوڑا، ناکامی ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے۔

ذلیل ختم نبوت

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ سے معلوم ہوا اب تا قیامت ایک ہی رسول ہے اور اسی کی اطاعت سے کامیابی وابستہ ہے۔ گویا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی ماننا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے اور یہ اس آیت کی صریح مخالفت ہے۔ لہذا یہ آیت ختم نبوت کی اعلیٰ دلیل ہے۔ افسوس! مرزائی لوگ اتنی سادہ باتوں کو بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب کسی شخص کی محبت میں انسان اندھا ہو جائے تو پھر کوئی دلیل کام نہیں دیتی۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں کوئی شخص معصوم یا منصوص من اللہ نہیں ہے

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ہی مطاع مطلق ہیں۔ انہی کی اطاعت مطلقاً فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ کا مقرر و منصوص کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بذیہ وحی احکام حاصل کرتا ہے اور وہ معصوم ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے اللہ رب العزت اپنی اطاعت کی طرح اپنے رسول کی اطاعت کو مطلقاً فرض قرار دیتا ہے۔

اگر رسول معصوم نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں اس کی مطلق اطاعت کا حکم نہ فرماتا، مگر رسول کے بعد جس کی بھی اطاعت کی جائے وہ اللہ و رسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کے بعد امت میں نہ کوئی منصوص من اللہ ہے نہ معصوم۔ مگر شیعہ فرقہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بارہ (12) اماموں کو بھی منصوص من اللہ اور معصوم مانتا ہے، مگر یہ قرآن سے مخالفت ہے۔

ہم اہل تشیع سے پوچھتے ہیں کہ اگر بارہ (12) اماموں کی اطاعت بھی اسی طرح مطلقاً فرض ہے جس طرح رسول کی اطاعت مطلقاً فرض ہے تو کیا وجہ ہے کہ اللہ نے سارے قرآن میں کسی جگہ یہ کیوں نہیں فرمایا: وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْإِمَامَ مِنْهُ، یعنی جو شخص اللہ کی، اس کے رسول کی اور اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرے الخ۔ کیا یہ بات اہل تشیع کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝۶۰

انکار کیا اور اس سے گھبرا گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم و نادان ہے۔ [60]

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ

تاکہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے

اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۶۱

اور مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [61]

[60] اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پہ یعنی زمین و آسمان کی ہر مخلوق پہ ایک بھاری امانت پیش کی کہ اسے اٹھاؤ، مگر وہ اس کو اٹھانہ سکے، اس سے انکار کر دیا، مگر انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ گویا انسان ارض و سما میں بسنے والی تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اس کے بعد اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝۶۰ ایک الگ مستقل جملہ ہے، اس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں اور اس جملہ کی وضاحت آگے آرہی ہے، یعنی آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ چونکہ انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا اس لیے وہ ظلم و جہول ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یوں کہا جاتا

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ لِأَنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝۶۰ یعنی انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا کیونکہ وہ ظالم و جاہل ہے،

مگر ایسا نہیں کہا گیا۔ لہذا انسان کے ظالم و جاہل ہونے کا امانت کے اٹھانے سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ دو الگ الگ جملے ہیں، اسی لیے ان دونوں کے درمیان وقف کی نشانی موجود ہے جو ان کو الگ الگ کر رہی ہے۔

انسان نے کوئی امانت کو اٹھایا جسے ارض و سمانہ اٹھا سکے؟

حکیم ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام ہم نے آسمانوں اور زمین پر امانت پیش کی مگر وہ اس کے اٹھانے سے ڈر گئے تو کیا تم اسے اٹھاؤ گے؟ انہوں نے کہا اے اللہ! اس میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس امانت کو پورا کرو گے تو اجر پاؤ گے اگر اسے ضائع کرو گے تو عذاب میں پڑو گے، انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی پھر وہ فجر سے لے کر عصر تک کے برابر وقت بھی جنت میں نہ ٹھہر سکے اور شیطان نے انہیں وہاں سے نکلوا دیا۔“ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو چند فرائض و احکام (شریعت) کی پابندی پیش کی کہ ان کے بجالانے میں ثواب اور نہ بجالانے میں عذاب ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز نے یہ پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اسے اٹھا لیا۔“ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۸)

حضرت مجاہد، ابن جریج، ابو العالیہ، قتادہ، سعید بن جبیر، ضحاک اور دیگر تابعین سے اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں۔ (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۷۰)

یہاں آدم علیہ السلام کی طرف روئے سخن ہے مگر آپ مراد نہیں ہیں۔ مراد آپ کی اولاد ہے کیونکہ آپ نبی ہیں اور نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی ہر مخلوق کے سامنے یہ بات رکھی کہ اسے اوامر و نواہی کا مکلف کیا جائے، تاکہ اگر وہ ان کی پابندی کرے تو اسے جنت کا حقدار بنایا جائے اور اگر نافرمانی کرے تو جہنم میں جلے۔ تو آسمان و زمین کی ہر مخلوق نے یہ پابندی اٹھانے سے انکار کر دیا، مگر اسے انسان نے اٹھا لیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان بڑا ظالم و جاہل ہے یعنی وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوتاہی کر کے اپنے لئے عذاب کا راستہ اپناتا اور ظالم و جاہل بنتا ہے یعنی وہ فطرتاً تو ایسا ہی ہے مگر جب وہ اپنی طبیعت کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی شریعت پر چلتا ہے تو وہ ظالم و جاہل نہیں بلکہ عالم و کامل اور عادل و عاقل بن جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِئِ خُسْرٍ ۖ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (عمر: ۲)

[61] یعنی انسان کو فرائض کی ادائیگی کی امانت اس لئے سپرد کی گئی کہ جو لوگ اس امانت میں خیانت کریں وہ منافقین و مشرکین ٹھہریں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور عذاب میں جا پڑیں اور جو لوگ اس امانت کا حق ادا کریں وہ مومنین ٹھہریں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور اللہ ان پر انعام فرمائے اور اگر ان سے غلطی ہو جائے تو وہ اللہ سے توبہ مانگیں اور اللہ ان کی

توبہ قبول فرمائے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سے خطا ہوئی تو انہوں نے اللہ سے معافی مانگی اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف فرمادی۔

معلوم ہوا منافق و مشرک اپنی غلطی پر اڑ جاتا ہے اور مومن غلطی ہو جانے پر توبہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منافق مشرک سے بدتر ہے اسی لئے منافق کا ذکر مشرک سے قبل کیا گیا۔

الحمد للہ آج 18 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 23 مئی 2008ء بروز جمعۃ المبارک نماز فجر کے بعد سورہ احزاب کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

سورۃ سبا

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 34 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 58 ویں سورت ہے۔ اسے سورۃ سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں قوم سبا کی ترقی و تنزلی کا بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۚ (سبا: ۱۵) اس قوم کا مفصل تعارف اسی آیت کے تحت آئے گا۔ اس سورت میں 6 رکوعات، 54 آیات 833 کلمات اور 1512 حروف ہیں۔

مضامین

یہ مکی سورت ہے دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی توحید باری تعالیٰ، ردّ شرک، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، حقانیت نبوت محمدیہ اور صداقت قرآن کا بیان ہے۔ اس میں حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور مقامات کا بیان بھی ہے تاکہ اس کے آئینے میں کفار نبوت محمدیہ کی حقانیت جان سکیں۔ پھر قوم سبا پہ جو نعمتیں کی گئیں ان کا ذکر ہے اور ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پہ آنے والے عذاب کا بیان ہے۔ اسی طرح اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ پہ نص فرمائی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ روز قیامت کفار کو ان کے اموال و اولاد نہ بچا سکیں گے۔ پھر بت پرستوں اور مشرکوں کی روز قیامت حسرت و درماندگی بتائی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف کافر جو جنون کی نسبت کرتے تھے اس کا رد کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورت میں قیامت کی حقانیت پر کھل کر روشنی ڈالی گئی ہے اور احوال قیامت بیان کئے گئے ہیں۔

ما قبل سے مناسبت

ما قبل سورت احزاب اور اس سورت دونوں میں رسالت محمدیہ کے اثبات پہ قاہر دلائل ذکر کیے گئے ہیں اور دونوں میں قرآن کریم کی صداقت بیان کی گئی ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

ایاتھا ۵۴ ﴿۳۲﴾ سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ۵۸ ﴿۲﴾ رکو عاتھا ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی ملک میں ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کے لئے آخرت میں

الْآخِرَةُ ۖ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلْجُرُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ

سب حمد ہے اور وہ حکمت والا خبر والا ہے [1] وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے باہر آتا

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝

اور جو آسمان سے اترتا اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ رحمت والا بخشش والا ہے [2]۔

عظمت باری تعالیٰ اور اثبات قیامت

[1] قرآن کریم کی چار سورتیں اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سے شروع ہوتی ہیں اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (فاتحہ) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورہ انعام) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (سورہ سبا)

اور اَلْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورہ فاطر) گویا ان چاروں میں اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کے بعد تخلیق ارض و سماء اور

تخلیق کائنات کا بیان ہے یعنی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر تعریف اس لئے ہے کہ کائنات کی جس چیز میں جو خوبی

ہے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے تو وہی تعریف کا حقدار ہے جس نے ہر خوبی پیدا کی اور جس چیز کی بھی تعریف کی جائے وہ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ ہم ایک گھڑی ایک کار یا ایک کرسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں اس

گھڑی، کار یا کرسی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی بنانے والی کمپنی کی تعریف ہے۔ یونہی کائنات کی ہر چیز کی تعریف حقیقت

میں اس کے خالق کی تعریف ہے اس لئے فرمایا گیا: اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔

آگے وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ کا یہ معنی ہے کہ دنیا میں کئی کفار اللہ تعالیٰ کے لئے ہر حمد نہیں مانتے وہ اللہ تعالیٰ کے

وجود ہی سے منکر ہیں یا اللہ تعالیٰ کے لئے شریک مانتے ہیں مگر روز قیامت وہ بھی مانیں گے کہ اللہ ہی کے لئے ہر تعریف ہے۔ تو روز قیامت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی۔

یہاں سے دونوں اند حاصل ہوئے۔

(۱) انسان کو اپنی کسی خوبی پر اترانا نہیں چاہئے:

جب ہر خوبی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ و عطا کردہ ہے تو انسان میں جو بھی کمال ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے لہذا جب اس کی تعریف کی جائے تو اسے متکبر بننے کی بجائے عاجز ہو کر کہنا چاہئے کہ یہ میرا کمال نہیں میرے رب کا فضل ہے۔

(۲) نعت رسول ﷺ حقیقت میں حمد خدا ہے:

نبی اکرم ﷺ کے فضائل و محامد پر ہر زبان میں اس قدر نعتیں لکھی گئی ہیں کہ حمد باری تعالیٰ پر اس قدر منظور کلام وجود میں نہیں آیا۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، نہ ہی اس میں یہ پہلو ہے کہ اہل اسلام معاذ اللہ حضور سید کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا رہے ہیں۔ بلکہ حضور ﷺ کی نعت بھی حقیقت میں آپ کے پیدا کرنے والے اور آپ کو خوبیاں دینے والے رب ہی کی حمد ہے۔

[2] زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جیسے بارش کے قطرے، دفنائے جانے والے مردے، تباہ ہونے والے شہر اور ان کے خزانے، اور بوئے جانے والے بیج وغیرہ۔ اور زمین سے جو نکلتا ہے وہ بھی اللہ کو معلوم ہے جیسے پودے، درخت، چشمے، خزانے اور آج کل گیس پٹرول وغیرہ اور ہر انسان کا خمیر بھی زمین سے نکالا گیا۔ اسی طرح اللہ رب العزت جانتا ہے جو آسمان سے اترتا ہے جیسے فرشتے، بارش، وحی، برکات و تقادیر اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمان میں داخل ہوتا ہے جیسے مردوں کی روئیں، فرشتے، بندوں کے افعال کی خبریں اور ان کی دعائیں جو فرشتوں کے ذریعے اٹھائی جاتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ** ”اللہ ہی کی طرف اچھے کلمات اٹھتے ہیں اور ہر نیک عمل کو اللہ اپنی طرف اٹھاتا ہے۔“ (فاطر: ۱۰)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ^ط قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ لَا

کافروں نے کہا قیامت نہیں آ سکتی۔ آپ فرما دیں کیوں نہیں مجھے اپنے رب کی قسم

عِلْمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي

جو دانائے غیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی، کوئی ذرہ برابر چیز اللہ سے نہ آسمانوں میں چھپ سکتی ہے نہ زمین میں،

الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ^٣ لِيَجْزِيَ

اور کوئی ذرہ سے چھوٹی یا اس سے بڑی چیز ایسی نہیں جو روشن کتاب میں لکھی نہ ہو۔ [3] تاکہ اللہ

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ^ط أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ^٤

ایمان لانے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو جزا دے، ان لوگوں کے لئے بخشش اور عزت والی روزی ہے

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزٍ

اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش میں ہیں ان کے لئے دردناک سزا کا

الِيمٌ^٥ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ

عذاب ہے [4] اور جنہیں علم دیا گیا وہ جانتے ہیں کہ آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے جو کتاب اتاری گئی وہ

الْحَقُّ لَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ^٦

حق ہے اور وہ غلبہ والے حمد والے خدا کی طرف راہ دکھاتی ہے [5]

[3] بیان توحید کے بعد بیان قیامت لایا گیا کیونکہ عقائد اسلامیہ توحید سے شروع ہو کر قیامت پہ ختم ہوتے ہیں اسی

لئے فرمایا: آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ (بقرہ: ۸) تو فرمایا گیا کہ کفار قیامت کا آنا نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے میرے محبوب! آپ فرمادیں کہ اے قیامت کے منکرو! مجھے میرے رب کی قسم! قیامت تم پر ضرور آئے گی اور تم

اس رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس کی نگاہ قدرت سے آسمان وزمین کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور اللہ نے ہر چیز خواہ

ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی، لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔

[4] قیامت کیوں آئے گی اور اس کا آنا کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان لانے اور اچھے

اعمال کرنے والوں کو قیامت میں جزا دینا اور انہیں مغفرت اور جنت میں عزت والی روزی سے نوازنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی نازل کردہ آیات یعنی اللہ کی کتابوں کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اُس کا اگر قیامت نہ آئے تو گویا خالق کائنات کے ماننے اور نہ ماننے والے دونوں کا ایک ہی انجام ہو گیا کہ مر کر ختم ہو گئے، یہ نا انصافی ہے۔ ضروری ہے کہ ماننے والوں کو جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا دی جائے۔ اسی طرح ظالموں کو عذاب اور مظلوموں کو ثواب دیا جائے اگر قیامت نہ آئے تو ظالم و مظلوم دونوں کا ایک ہی انجام ہو گیا یہ خلاف عقل ہے۔

[5] جن کو علم دیا گیا یعنی اہل ایمان وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جو کتاب اتاری گئی وہ حق ہے اور وہ خدائے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتی ہے۔ گویا جو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں مانتا وہ خواہ کتنا پڑھا لکھا ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اہل علم میں سے نہیں بلکہ جاہل ہے کیونکہ علم وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق کی معرفت دلائے اور جو علم انسان کو اپنے خالق سے دور کر دے وہ جہالت ہے۔

علمی کہ راہ حق نہ نماید جہالتست

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ إِذَا مَرَّ قُتُمُ كُلِّ

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتائیں جو تمہیں بتاتا ہے کہ جب تم (قبر میں) پارہ پارہ

مَزَّقٍ ۱۰ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ

ہو جاؤ گے تو تم نئی تخلیق میں اٹھائے جاؤ گے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے

جِنَّةٌ ۖ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ

جنون ہے؟ (نہیں) بلکہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے عذاب میں اور کھلی گمراہی میں

الْبَعِيدِ ۱۱ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ

بتلا ہیں۔ [6] کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے آسمان اور زمین کو (گھیرے ہوئے)

وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّ نَسْأَنخَسِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ

نہیں دیکھتے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا

السَّمَاءِ ۖ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۚ

گرادیں بے شک اس میں ہر توبہ کرنے والے بندے کے لئے بڑی نشانی ہے [7]

[6] منکرین قیامت نے نبی اکرم ﷺ کی باتیں سن کر کہا: دیکھو یہ شخص کہتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد پارہ پارہ

ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے تو تمہیں نئی تخلیق میں پھراٹھایا جائے گا۔ یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اسے اللہ

نے یہ باتیں بتائی ہیں یا یہ شخص مجنون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ (میرے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ نہ تو اللہ پر

جھوٹ باندھتے ہیں نہ انہیں جنون ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں مگر معاملہ یہ ہے کہ قیامت کے

نہ ماننے والے اللہ کی پکڑ میں ہیں اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ حق کو سمجھنے کے باوجود اس سے منکر ہیں۔ معلوم ہوا کہ

ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید المرسلین ﷺ اللہ رب العزت کے ایسے محبوب ہیں کہ کفار ان پہ اعتراض کرتے ہیں تو ان کا

چاہنے والا رب ان کی طرف سے کفار کو جواب دیتا اور ان کا دفاع کرتا ہے۔

[7] یعنی اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کا مذاق اڑانے والے کفار کیا دیکھتے نہیں کہ انہیں آسمان و زمین نے آگے

پیچھے سے گھیر رکھا ہے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا کر انہیں تباہ کر دیں۔ (مگر

ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے تاکہ ہمارے محبوب کے دامنِ رحمت پر داغ نہ آئے کہ ان کی وجہ سے لوگوں پر عذاب آیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس میں دور حاضر کی اسلام دشمن مسلم کش طاغوتی طاقتوں کے لئے خدائی وارنگ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حلم سے مغرور نہ ہوں اللہ تعالیٰ جب چاہے انہیں پکڑ سکتا ہے۔ مثلاً جس رب نے ظالم و جابر روس کے ٹکڑے کر دیئے وہ امریکہ کے بھی کر سکتا ہے بس اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالُ أَوَّيُّ مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَأَلْنَا لَهُ

اور بلاشبہ ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو بڑا فضل دیا (کہ فرمایا) اے پہاڑوں اور اے پرندو! ان کے ساتھ اطاعت بجالاؤ۔ [8] اور ہم نے

الْحَدِيدَ ۚ أَنْ اَعْمَلْ سِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ إِنِّي

ان کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ اے داؤد! زرہیں بنائے اور بنانے میں اندازہ رکھیے۔ اور تم سب اچھے اعمال کرو۔ میں

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ

تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔ [9]

داؤد و سلیمان علیہما السلام پر انعامات الہیہ

[8] بتایا جا رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے نبی نہیں ہیں کہ آپ کی نبوت پر تعجب کیا جائے اور آپ کے معجزات کو جادو کہا جائے جیسا کہ کفار مکہ نے سمجھ رکھا تھا آپ ﷺ سے قبل بھی ہزاروں انبیاء آئے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے معجزات دیئے۔ ان میں سے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام بھی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ عظمت ہے کہ جب وہ اپنی پیاری آواز میں تسبیح کہتے تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کے ساتھ تسبیح کہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۚ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۚ ”بے شک ہم نے پہاڑوں اور جمع کئے ہوئے پرندوں کو مسخر کر رکھا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کہیں۔“ (ص: ۱۸)

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مسحور کن آواز سن کر پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور تسبیح کہتے۔ حتیٰ کہ ان کی خوش آوازی ضرب المثل بن گئی۔ جیسے ایک بار نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت قرآن پڑھتے سنا تو دیر تک سنتے رہے پھر فرمایا: ”اے ابو موسیٰ! تجھے داؤد کے مزامیر (لہجوں) میں سے ایک مزار (لہجہ) دیا گیا ہے۔“ (بخاری کتاب فضائل القرآن ۳۱، مسلم کتاب المسافرين حدیث ۲۳۵)

حضرت داؤد علیہ السلام کے موسیقار ہونے کا رد

اس حدیث کے لفظ مزامیر سے بعض گمراہ لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام موسیقار تھے اور انہوں نے موسیقی کی دھنیں ایجاد کی تھیں اور یہی ان کی مزامیر تھیں مگر یہ قطعی جھوٹ اور باطل ہے کہ وہ موسیقار تھے، جس کا کوئی ثبوت نہیں، کسی حدیث میں ایسا نہیں آیا کہ داؤد علیہ السلام ڈھول، باجا یا دیگر آلات موسیقی کا استعمال کرتے تھے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی شخص کسی حدیث صحیح سے ایسا ثابت کرے تو منہ مانگا انعام پائے۔ مزامیر سے ان کے خوبصورت لہجے مراد ہیں۔ معلوم ہوا خوش آوازی خدائی نعمت ہے اگر یہ ملے تو اسے حمد و نعت کے فروغ پر صرف کرنا چاہئے۔ مگر افسوس! آج جس کی آواز اچھی ہو وہ گویا ہو جاتا ہے اور ڈھول باجے کے ساتھ عشقیہ گانے گانے لگتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے۔ یہ بھی انسان کی ایک بدنیتی ہے۔

[9] حضرت داؤد علیہ السلام کفار سے جہاد کرتے تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ ”داؤد (علیہ السلام) نے جالوت (کافر بادشاہ) کو قتل کیا۔“ (بقرہ: ۲۵۱) تو آپ (علیہ السلام) کو جہاد کے لئے اسلحہ کی ضرورت تھی چنانچہ اللہ نے آپ کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ آپ اسے موم کی طرح جیسے چاہتے ڈھال لیتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ زرہیں بناؤ جن کو مجاہدین اپنے سینوں پر باندھ لیا کریں تاکہ دشمن کا کوئی تیر نیزہ یا تلوار انہیں زخمی نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! زرہیں بنانے میں اندازہ رکھو یعنی نہ وہ بڑی ہوں کہ سینوں پر جھولتی رہیں نہ چھوٹی کہ سینے چھپ نہ سکیں نہ زیادہ وزنی ہوں کہ اٹھائی نہ جائیں نہ بہت تپلی کہ غیر موثر رہیں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا: وَعَلَّلْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ۔ ”اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ گری سکھائی۔“ (انبیاء: ۸۰) آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب اچھے اعمال کرو یعنی زرہیں پہن کر یا مروجہ اسلحہ اٹھا کر راہِ حق میں جہاد کرو میں تمہارے اعمال کو دیکھتا ہوں۔

لوہار یا بڑھئی وغیرہ ہونا کوئی عیب نہیں

اِنْ اَعْمَلْ سَبِيغًا سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ گر تھے۔ آج جہالت کے سبب بعض لوگ کچھ اہل پیشہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر میں حجام، موچی وغیرہ ہونا ایک عیب ہے۔ حالانکہ یہ سب پیشے ہیں، جن کے ذریعہ ایک انسان حلال روزی حاصل کرتا ہے اور ہاتھ سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم فضیلت ہے۔ حضرت مقدم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدُهُ، وَاَنْ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَأْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلٍ يَدُهُ، ”کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور بیشک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی سوا کچھ نہ کھاتے تھے۔“

(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعمل يده حدیث ۲۰۷۲)

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر رات کو بازاروں میں نکلتے اور لوگوں سے اپنے بارے میں رائے

پوچھتے۔ تو ہر کوئی آپ کی تعریف کرتا۔ ایک بار اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بصورت انسان بھیجا آپ نے اس سے پوچھا کہ داؤد کیسا انسان ہے؟ اس نے کہا وہ بہت اچھا انسان ہے، سوا ایک خصلت کے۔ آپ نے پوچھا وہ کونسی خصلت؟ اس نے کہا: داؤد بیت المال سے تنخواہ لیتا ہے۔ تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ آپ آئندہ تنخواہ نہیں لیں گے، بلکہ ہاتھ سے محنت کر کے اہل خانہ کو کھلائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا اور آپ ﷺ زرہیں بنانے لگے۔

(تفسیر ابن کثیر بروایت ابن عساکر جلد ۳ صفحہ ۵۳۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ

اور ہم نے سلیمان (ﷺ) کے لیے ہوا مسخر کر دی کہ اس کی صبح کی سیر مہینہ (بھری) تھی اور شام کی سیر مہینہ (بھری) تھی [10] اور ہم نے

الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنَّ مَن يُعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَن يَزِغُ

ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا [11] اور بعض جنات انکے آگے انکے رب کے حکم سے عمل کرتے تھے اور جو ان میں سے

مِنْهُمْ عَنِ أَمْرِ نَا نُنِزُّهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۚ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ

ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے [12] سلیمان (ﷺ) جو چاہتے جنات ان کیلئے بناتے تھے

مِنْ فَخَّارٍ يُّبَ وَتَمَائِيلَ وَجِفَانَ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّسِيتَ ۖ اِعْمَلُوا

جیسے عبادت گاہیں، صورتیں، حوضوں جیسی لگئیں، اور بھاری دیگیں [13] اے آل داؤد

اَلْ دَاوُدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۚ

شکر بجالاؤ اور میرے بندوں میں سے تھوڑے ہی شکر گزار ہیں [14]

[10] حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت بتائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ جدھر حکم دیتے وہ ادھر چلتی اور آپ کے تخت کو لے کر اڑتی تھی اور صبح سے دوپہر تک ایک ماہ کا سفر اور دوپہر سے شام تک ایک ماہ کا سفر طے کرتی تھی۔

تخت سلیمانی کی اڑان کیسی تھی

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت آپ کو لے کر صبح کے وقت اصطر (عراق) سے اڑتا اور آپ ﷺ دوپہر کا کھانا بیت المقدس میں جا کر کھاتے اور رات کا کھانا واپس اصطر میں آ کر کھاتے (درمنثور)

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

جلد ۶ صفحہ ۶۷۷) گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت موجودہ ہوائی جہازوں سے طاقتور تھا۔ ہوائی جہاز کو ہوا چلاتی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو چلاتے تھے۔ ہوائی جہاز پٹرول سے چلتے ہیں اور تخت سلیمانی حکم الہی و اعجاز نبوی کے پٹرول سے اڑتا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ عَاصِفَةٌ تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۚ ”اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا مسخر کر دی جو حکم الہی سے اس زمین (بیت المقدس) کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔“ (انبیاء: ۸۱)

[11] حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی کی طرح اسلحہ جہاد تیار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین سے تانبے کا چشمہ جاری کیا کہ آپ جب چاہتے زمین سے تانبہ ابل آتا تاکہ اس سے آلات حرب بنائے جائیں اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں۔ زمین میں کئی گیسیں اور مائع چیزیں ہیں جو اللہ رب العزت ہی جانتا ہے آج زمین سے قدرتی گیس اور پٹرول نکل رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے آگے چل کر کیا کیا نکلے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۖ اور زمین اپنے بوجھ نکال پھینکے گی۔“ (زلزال: ۲)

[12] جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے اور حضرت سدی سے مروی ہے کہ جب کوئی جن آپ کے حکم سے سرتابی کرتا تو ایک فرشتہ مقرر تھا جو اسے آگ کا کوڑا مار کر جلا ڈالتا۔ (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۷۱)

[13] جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر عبادت گاہیں بناتے تھے جیسے انہوں نے مسجد اقصیٰ بنائی اور وہ پتھر اور لوہے کی تصاویر بناتے تھے جو بعض روایات کے مطابق غیر جاندار چیزوں کی تصاویر ہوتی تھیں (اور اگر بالفرض جاندار چیزوں کی تصاویر تھیں تو یہ ان کی شریعت کے مطابق تھا۔ ہماری شریعت میں یہ حرام ہے۔

جاندار چیز کی تصویر بنانا ہر شریعت میں حرام رہا ہے

اور قریب حق یہ ہے کہ وہ غیر جاندار چیزوں کی تصاویر تھیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام تورات کی شریعت کے ماننے والے تھے اور تورات میں بھی جاندار کی تصویر کا بنانا حرام بتایا گیا ہے۔ چنانچہ تورات میں لکھا ہے، ”کسی مرد، عورت، حیوان یا ہوا میں اڑنے والے پرندے یا مچھلی کی تصویر نہ بنائی جائے۔“ (تورات کتاب الاستثناء باب ۴ آیت ۱۶) مزید تورات میں لکھا ہے: تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پہ یا زمین کے نیچے پانی میں ہو (یعنی کسی پرندے، جانور یا مچھلی کی تصویر نہ بنانا)۔ (تورات کتاب خروج باب ۲۵ آیت ۴) اور حدیث مبارکہ میں جاندار کی تصویر بنانے پر بڑا عذاب وارد ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تصویر بنانی ہو تو بے روح چیز کی تصویر بنا لو۔ (مسلم کتاب اللباس حدیث ۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت ایک گردن نمودار ہوگی جس کی دو

آنکھیں، دوکان اور بولنے والی زبان ہوگی، وہ کہے گی مجھے ظالموں، مشرکوں اور تصویریں بنانے والوں پہ مسلط کیا گیا ہے۔“ (ترمذی کتاب صفۃ جہنم باب ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے تصویر بنائی روز قیامت اسے کہا جائے گا کہ اس میں روح ڈالو اور وہ نہ ڈال سکے گا۔“ (بخاری کتاب التعبير باب ۳۵)

تصویر کی حرمت پہ بعض شبہات کا رد

آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیمرہ کی تصویر حلال ہے تصویر وہ حرام ہے جو ہاتھ سے بنائی جائے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہاتھ سے تصویر بنائی جاتی تھی۔ ہم کہتے ہیں، کیا کیمرہ پاؤں سے چلایا جاتا ہے؟ کیمرہ بھی تو ہاتھ ہی سے چلایا جاتا ہے۔ یعنی قلم ہو یا کیمرہ دونوں ہاتھ ہی سے چلتے ہیں اور دونوں سے ایک ہی چیز بنتی ہے، پچھلے زمانہ میں تلوار سے قتل کیا جاتا تھا، اب بندوق سے کیا جاتا ہے۔ تو کیا بندوق سے قتل کرنا حلال ہے؟ نہیں، کیونکہ تلوار یا بندوق کا ایک ہی مقصد اور ایک ہی تاثیر ہے۔ لہذا حکم بھی ایک ہی ہے اسی طرح قلم یا کیمرہ دونوں کی ایک ہی تاثیر اور ایک ہی حکم ہے۔ کہ ان کی بنائی ہوئی تصویر حرام ہے۔

یاد رہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے سے۔ تاہم آج شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لیے تصویر بنوانا ضروری ہے اور یہ ایک مجبوری ہے۔ والضرورات تبیح المحضورات، ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز بنا دیتی ہیں۔ لہذا پاسپورٹ یا شناختی کارڈ جیسی شرعی ضرورت کے سوا شوقیہ تصویر بنانا بہر حال حرام ہے۔ اس سے بچنا لازم ہے۔ البتہ مووی کا حکم جداگانہ ہے۔ یعنی تصویر وہ حرام ہے جو کسی کاغذ وغیرہ پہ جمی ہو، مگر متحرک تصویر جو صرف ٹی وی سکرین ہی پہ نظر آسکتی ہے، اس کی حالت کاغذ پہ جمی ہوئی مستقر تصویر سے مختلف ہے۔ کاغذ کی تصویر کا مستقل وجود ہے۔ مگر مووی تصویر کا مستقل کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کی حالت آئینہ کے عکس کے مشابہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجِئَانِ كَالْجَوَابِ وَقُدُورِ رُسُلِنَا ۖ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِهِ يَتَوَلَّوْنَ ۚ (سورۃ الاحزاب) یعنی اس کے علاوہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے لوہے کی بڑی بڑی حوض نما لگئیں اور دیگیں بناتے تھے جن میں ہزاروں مجاہدین کے لئے کھانا تیار اور تقسیم کیا جاتا تھا۔

[14] مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میں ہر نعمت پر تیرا شکر کیسے کروں جبکہ خود شکر بھی تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا جب تم نے جان لیا کہ ہر نعمت میری طرف سے ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ

پھر جب ہم نے سلیمان (ﷺ) پر حکم موت جاری کیا تو ان کی موت پر لوگوں کو زمین کے ایک

تاکل منساتہ^ج فلما خرت بينت الجن أن لو كانوا يعلمون الغيب

کیڑے ہی نے آگاہی دی جو ان کی لاٹھی کو (نیچے سے) کھا رہا تھا۔ پس جب وہ گرے تو جنوں پر

مَا لِبَشَرٍ فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ^ط

حقیقت کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اہانت آمیز عذاب میں نہ جتے رہتے۔ [15]

[15] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! میری موت کو جنات سے مخفی رکھ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جنات غیب نہیں جانتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا واقعہ

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام عصا پر ٹیک لگا کر (نماز میں) کھڑے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں ان کی جان قبض کر لی اور وہ ایک برس تک اسی حالت میں کھڑے رہے اور جنات کام کرتے رہے (روایات کے مطابق جنات ان کے حکم سے مسجد اقصیٰ تعمیر کر رہے تھے) جب ان کی لاٹھی کو نیچے سے دیمک نے کھا لیا تو وہ گر گئی اور آپ کا جسم مبارک بھی زمین پر آ گیا۔ تب لوگوں کو یقین ہوا کہ اگر جنات غیب جانتے ہوتے تو وہ ایک برس تک سخت مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

(طبرانی کبیر جلد ۱۱ حدیث ۱۲۲۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے بھی کئی ماہ تک نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ انہوں نے جنات کو مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں لگایا اور خود نماز میں کھڑے ہو گئے۔ ایسے میں انہوں نے بغل کے نیچے لاٹھی رکھ لی اسی حالت میں وہ فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو ایک برس تک کھڑے رکھا تا کہ جنات مسجد کی تعمیر ادھوری چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ اور جنات نے لوگوں کو بتا رکھا تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مغالطہ کو بھی دور کرنا چاہا۔

زمین نبی کے جسم کو نہیں کھاتی

چنانچہ دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کو تو کھا لیا مگر آپ کے جسم کو کچھ نہ کہا جب لاٹھی گری تو وہ گرے اسی لئے حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی (قبر میں) زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ۶۵)

یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی۔ اس میں نماز کی عظیم فضیلت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی شخص کی اپنے گھر میں نماز ایک ہی نماز ہے اور مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے

برابر ہے اور جامع مسجد میں ایک نماز ایک سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا درجہ رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز میں ایک لاکھ نماز کا ثواب ہے۔ (ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب ۱۹۷) اسی لیے حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر کر کے نہ جاؤ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔ (بخاری کتاب فضل الصلوٰۃ باب ۱)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتِْنِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا

بے شک قوم سبا کے لئے ان کی جائے سکونت میں بڑی نشانی تھی، وہ دو باغ تھے دائیں اور بائیں، کہ اپنے

مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبُّ غَفُورٌ ۝۱۵ فَأَعْرَضُوا

رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو، یہ پاکیزہ شہر ہے اور رب بخشنے والا ہے۔ [16] پھر انہوں نے

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِي

روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کا سیلاب بھیجا اور ان کے دو باغات کی جگہ انہیں دوسرے دو باغ دیدیے

أَكْلِ خَمْطٍ وَأَثَلٍ ۚ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝۱۶ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا

جو کڑوے پھل، خشک جھاڑیوں اور بیری کے کچھ درختوں پر مشتمل تھے، یہ ہم نے انہیں انکی

كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝۱۷

ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں [17]

[16] حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر خیر کے بعد قوم سبا کا عروج و زوال بتایا جا رہا ہے کیونکہ یہ قوم حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی۔ جب ان کی ملکہ سبا بلقیس کا تخت آپ نے ان کے علاقہ یمن سے اٹھوا کر آن واحد میں اپنے پاس عراق میں منگوایا تھا تو بلقیس اپنے رفقاء سمیت آپ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لائی۔ (نمل: ۴۴) اور آپ نے اس سے شادی بھی فرمائی یوں اس کی ساری سلطنت یمن آپ کی سلطنت کا حصہ بن گئی۔ اس قوم پر رحمت الہیہ کی کثرت تھی ان کے پاس دو بڑے باغات تھے جن میں پھلوں کی کثرت تھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ذریعے انہیں تعلیم دی کہ اللہ کا رزق کھا کر اس کا شکر بجالاؤ۔ تمہارا شہر کس قدر پاکیزہ ہے اگر تم اللہ کی اطاعت بجالاؤ تو اللہ بخشنے والا ہے یعنی وہ تمہیں آخرت میں بھی ایسے ہی باغات دے گا اس قوم کا پایہ تخت شہر ”مارب“ تھا۔

قوم سبا کی خوش حالی اور ان کا تعارف

حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے ملک میں کوئی مچھر مکھی کیڑا اور سانپ وغیرہ نہ تھا اگر کوئی شخص اپنے سر میں جوئیں لے کر وہاں جاتا تو آب و ہوا کی خنکی و عمدگی اس کی جوئیں مار دیتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبُّ غَفُورٌ** ⑤ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۱۹)

ایک حدیث میں ہے کہ سبا ایک شخص تھا جس کے دس بیٹے تھے جن سے اہل عرب پھیلے، چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں (ترمذی کتاب التفسیر سورہ سباء باب ۱) محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قوم سبا کے جد اعلیٰ کا اصل نام عبد شمس بن یثجب بن یعرب بن قحطان تھا اور مروی ہے کہ وہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتا تھا وہ یہ شعر کہتا تھا کہ ہمارے بعد ایک نبی آنے والا ہے جو حکمران ہوگا اور اس کے خلفاء بھی حکمران ہوں گے (تفسیر ابن کثیر)

[17] قوم سبا نے پہاڑوں کے درمیان دیواریں بنا کر ایک بڑا ڈیم تعمیر کر دیا تھا اور اس میں بارہ (12) سوراخ بنا دیئے تھے کہ جتنی ضرورت ہوتی اسی قدر سوراخ کھولے جاتے اور پانی لیا جاتا جب اس قوم نے انبیاء کا راستہ ترک کر کے گمراہی کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے (وہ ڈیم توڑ کر) ان پر سیلاب بھیجا اور یہ قوم ڈبودی گئی۔

یہ ڈبوئے جانے کا واقعہ قریباً 100ء قبل مسیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چوہے بھیجے جنہوں نے ڈیم کی دیوار کے نیچے سوراخ کر دیئے جب پانی کا زور آیا تو دیوار ٹوٹ گئی اور وہ سیلاب آیا کہ ساری قوم کو بہا لے گیا اور ان کی بستیاں ریت میں غرق ہو گئیں۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۲۸۸) اور ان کے پھلوں سے بھرے باغات کی جگہ بیری کے درخت جھاڑیاں اُگ آئیں۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَرْنَا

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے دوسری کھلی بستیاں بنائی تھیں اور ان میں

فِيهَا السِّرُّ سِيرُوا فِيهَا لِيَالِيَ وَأَيَّامًا أَمِينِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدُ بَيْنَ

سیر کی منزلیں بنائی تھیں کہ ان میں راتوں اور دنوں میں پر امن چلا کرو، تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمارے سفر

أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ

لبے کر دے، انہوں نے خود پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں قصے کہانیاں بنا دیا اور ان کے خوب

مُزَقِّقٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ

نکڑے کر ڈالے، اس میں ہر صبر و شکر والے شخص کے لئے بڑی نشانیاں ہیں [18] اور لوگوں پر

عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ

ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا ہے۔ انہوں نے اس کی پیروی کی۔ مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، اور ابلیس کو ان پر

عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي

کوئی اختیار تو نہ تھا مگر یہ اس لئے ہوا تاکہ ہم آخرت پر ایمان رکھنے والے کو اس سے جدا کر دیں جو آخرت کے بارہ میں

شَكٍّ ۖ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ ﴿٢١﴾

شک میں ہے اور تمہارا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ [19]

[18] قوم سبا جزیرہ عرب کے انتہائی جنوب یعنی حدود یمن میں آباد تھی تو یہ لوگ تجارت کے لئے شمالی ممالک شام

فلسطین اور اردن وغیرہ کا رخ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان شمالی علاقوں کو برکت والی بستیوں کے نام سے یاد فرمایا ہے

کیونکہ شام و فلسطین بہت زرخیز علاقے ہیں اور یہاں کثیر انبیاء کا تشریف لائے۔ تو قوم سبا نے یمن سے شام تک اپنے

تجارتی راستہ میں ہمدان الہی بستیاں بنا رکھی تھیں جہاں وہ جا بجا پڑاؤ کرتے تھے اور اندازہ رکھتے تھے کہ دوپہر کا کھانا فلاں

بستی میں کھائیں گے اور شام کا فلاں میں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ انبیاء فرمایا کہ ان بستیوں میں دن رات بے خوف و

خطر سیر کرو یعنی ان نعمتوں پر شکر الہی بجالاؤ۔ مگر ان لوگوں نے اپنی بربادی کو خود دعوت دی اور کہا اے اللہ! ہمارے سفر

تفسیر برہان القرآن

منزل ۵

جلد پنجم

لبے کر دے یعنی یہ راستے کی جا بجا بستیاں تباہ کر دے تاکہ ہمیں سفر کی کچھ صعوبت اٹھانے کا مزہ بھی ملے۔ جیسے بنی اسرائیل نے من و سلویٰ کی جگہ پیاز اور دالیں مانگیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ناشکری ناپسند آئی اور انہیں تباہ کر دیا گیا اور جب یہ سیلاب میں تباہ ہوئے تو ان کے بچے کھچے لوگ پورے عرب میں پھیل گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے ٹکڑے کر دیئے۔ مروی ہے کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ (مظہری جلد ۸ صفحہ ۲۲) تو قوم سبا کے واقعہ میں صبر و شکر بجالانے والوں کے لئے درس عبرت ہے۔

[19] یعنی شیطان نے کہا تھا کہ میں انسانوں کو گمراہ کروں گا مگر اللہ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہ کر سکوں گا تو شیطان نے اپنا یہ گمان سچ کر دکھایا ہے اور قوم سبا کی طرح لوگ واقعتاً اس کے پھیلانے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں سوا مومنوں کے ایک چھوٹے گروہ کے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین۔ اور شیطان کو لوگوں پر یہ غلبہ اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ آخرت پہ یقین رکھنے والا کون ہے اور اس کے متعلق شک میں پڑنے والا کون؟ چنانچہ مومنین صالحین جزا و سزائے آخرت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم اور شیطان سے دور رہتے ہیں اور شک میں پڑنے والے شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

آپ فرما دیں (اے مشرک) جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا) سمجھتے ہو انہیں پکارو، وہ نہ آسمانوں میں

السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرْكِ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ

ذره برابر کے مالک ہیں نہ زمین میں اور نہ انہیں ان دونوں میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے [20]

ظَهِيرٌ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ

اور اللہ کے ہاں کوئی شفاعت نفع نہیں دے سکتی مگر اسی کی جسکے لئے اللہ اذن دے [21] یہاں تک کہ جب ان (فرشتوں) کے

عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقُّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا؟ دوسرے کہتے ہیں کہ حق کہا اور وہ سب سے بلند ہے بڑا ہے [22]

توحید و رسالت اور قیامت کا اجمالی بیان

[20] یعنی اے بت پرستو! تم جن بے جان بتوں کو اللہ کا شریک مانتے ہو وہ آسمان و زمین میں ایک ذرہ کے مالک

نہیں ہیں نہ انہیں آسمان وزمین میں اللہ کے ساتھ کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی نظام ارض و سما کی تدبیر میں اللہ کا مددگار ہے۔ دراصل کفار عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا عزی و ہبل اللہ کے مددگار ہیں اگر وہ نہ ہوں تو اللہ اپنی خدائی نہ چلا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ کوئی اللہ کا مددگار نہیں نہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ یہاں سے شرک کا حقیقی تصور معلوم ہوا۔

مَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ سے معلوم ہوا کفار مکہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے مددگار سمجھتے تھے تو ان الفاظ میں ان کا رد کیا گیا اور یہی وہ تصور شرک ہے جس کے رد میں قرآن کا بڑا حصہ نازل ہوا آج بعض اہل غلو اپنے من گھڑت مفہوم شرک کی بنیاد پر مسلمانوں کو مشرک و بت پرست قرار دیتے ہیں حالانکہ مسلمان کا شرک سے کیا تعلق ہے نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ ”میری امت میں سے کسی کے مشرک ہونے کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔“ (بخاری کتاب الجنائز)

[21] کفار مکہ سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا روز قیامت ان کی شفاعت کریں گے وہ کہتے تھے: هُوَ لَا يَشْفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ”یہ بت اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“ (یونس: ۱۸) اللہ تعالیٰ اس کا رد فرما رہا ہے کہ روز قیامت اللہ کے ہاں کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا سوا اس کے جس کے لئے اللہ اجازت دے اور اللہ تعالیٰ نے بتوں کو شفیع نہیں قرار دیا تو پھر کفار کا بتوں کو شفیع ماننا اللہ پر افتراء ہے کہ اللہ نے تو انہیں یہ منصب نہیں دیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار سے فرمایا کیا تم اللہ کو وہ چیز بتاتے ہو جو وہ آسمان وزمین میں نہیں جانتا۔ (یونس: ۱۸) جبکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو منصب شفاعت دیا ہے وہ فرماتا ہے: اَلَا خِلَآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾ ”اس دن گہرے دوست باہم دشمن ہوں گے سوا متقین کے۔“ (زخرف: ۶۷)

[22] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا مفہوم یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی بڑا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے خوف سے کانپنے اور اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگتے ہیں پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور ہوتا ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ اس نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اور وہ علی و کبیر ہے پھر شیاطین اس کا سراغ لگانے کے لئے اوپر جاتے ہیں تو انہیں شعلے مارے جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ سبأ) آیت کا مقصد یہ ہے کہ جب فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے تھر تھراتے ہیں تو بے جان بتوں کی کیا حیثیت ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ سے زبردستی چھڑائیں۔ اور مروی ہے کہ بعض کفار عرب فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، تو اس لیے بھی اس آیت میں فرشتوں کا خوف خدا سے تھر تھرانا بیان کیا گیا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ قُلِ اللّٰهُ ۚ وَاَنَا۠ اَوْ اِيَّاكُمْ

آپ فرمائیں تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہہ دو کہ اللہ دیتا ہے۔ اور ہم یا تم (میں سے کوئی ایک)

لَعَلِّيْ هُدًى اَوْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ قُلْ لَا تَسْـَٔلُوْنِ عَمَّا اَجْرَمُنَا

ضرور ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے [23] آپ فرمادیں جو جرم ہم نے کیا اسکا سوال تم سے نہ کیا جائے گا اور تمہارے عمل کے

وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۚ

بارے میں ہم سے نہ پوچھا جائیگا۔ آپ فرمادیں کہ ہمارا رب ہمیں جمع کریگا پھر ہمارے درمیان سچائی سے فیصلہ کریگا اور وہ فیصلہ

وَهُوَ الْفَتّٰحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۵﴾ قُلْ اَرُوْنِى الْذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاءَ كَلَّا ۚ بَلْ

کرنے والا علم والا ہے [24] آپ فرمائیں (وہ جھوٹے خدا) مجھے دکھاؤ جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے، ہرگز نہیں

هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

بلکہ اللہ ہی غالب ہے حکمت والا ہے [25]

[23] یعنی بت پرستوں سے پوچھو کہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے یعنی آسمان سے بارش برسا کر زمین سے اناج کون اُگاتا ہے؟ اگر وہ کوئی جواب نہ دیں تو تم کہو کہ اللہ ہی رزق دیتا ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کا کیا معنی ہے۔ لہذا ہم اور تم میں سے کوئی ایک گروہ تو ضرور ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی پر ہے۔ تو تم خود ہی بتاؤ کہ ہدایت پر کون ہے؟ کیا وہ جو اللہ کا رزق کھا کر اسی کو حقّار عبادت سمجھتا ہے یا وہ جو رزق اللہ کا کھائے اور سجدے دوسروں کو کرے؟

[24] یعنی اے کفار! ہمارے لئے ہمارا دین ہے اور تمہارے لئے تمہارا۔ اگر ہمارا دین غلط ہے تو اس کی سزا ہم بھگتیں گے تم نہیں۔ اور اگر تمہارا دین غلط ہے تو اس کا سوال تم سے ہوگا، یعنی پھر جب ہم ایک خدا کی عبادت کی بات کرتے ہیں تو تم ہمارے عقیدے سے بیزار کیوں ہوتے ہو اور غریب مسلمانوں پر ظلم کیوں ڈھاتے ہو تم اپنا عقیدہ رکھو ہمیں اپنے عقیدے پر چلنے دو۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کر کے ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا کون باطل پر اور اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا علم والا ہے۔ مگر کفار مکہ اس منصفانہ دعوت کو کیسے قبول کرتے ان کا شرک ایک ظلمت تھا اور مومنوں کا عقیدہ توحید ایک نور اور ظلمت کے لئے نور ایک موت

ہے۔ آخر نور توحید غالب آیا اور سرزمین مکہ سے ظلمت شرک کا فوز ہو گئی۔

[25] اے کفار! ذرا ہمیں دکھاؤ تو سہی جن بتوں کو تم پوجتے ہو اور اللہ سے ملاتے ہو ان میں سے کون سن، دیکھ یا پکڑ سکتا ہے، تو اللہ ہی غالب ہے اور وہی مستحق عبادت ہے اور اگر وہ غالب ہو کر تم پر اپنی پکڑ نہیں اتار رہا تو یہ اس کی حکمت ہے کیونکہ سب حکمتوں کا وہی مالک ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اور ہم نے تو آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ

نہیں جانتے [26] کفار کہتے ہیں یہ وعدہ (قیامت) کب آئے گا اگر تم سچے ہو؟ آپ فرمائیں

لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝

تمہارے لئے اس دن کی ميعاد مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ [27]

[26] اللہ تعالیٰ اپنی توحید کے بعد اپنے حبیب لیبی ﷺ کی رسالت بیان فرما رہا ہے کہ اے حبیب! ہم نے آپ کو رہتی دنیا تک تمام نسل انسانی کے لئے یہ بشارت و نذرات سنانے بھیجا ہے کہ جو آپ کی اطاعت کرے وہ نجات پا گیا اور جو آپ کا راستہ چھوڑ دے وہ ہلاک ہو گیا۔ مگر اکثر لوگ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے اور واقعتاً نزول قرآن کے وقت اکثر انسان کافر ہی تھے اور آج بھی کفار ہی کی اکثریت ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے جب حضور ﷺ کا لایا ہوا دین سب ادیان پر غالب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ ۝ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے۔“ (فتح: ۲۸)

رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ

ہر رسول و نبی کسی خاص قوم، علاقہ اور وقت کے لئے بھیجا گیا مگر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کو تمام اقوام عالم کے لئے تاقیامت بھیجا گیا۔ دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ”آپ فرمادیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“ (اعراف: ۱۵۸) تَبَرُّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ ”برکت والا ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندہ خاص (محمد مصطفیٰ ﷺ) پر فرقان (قرآن) اتارا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو۔“ (فرقان: ۱) اِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ”آپ تو ڈرانے

والے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہیں۔“ (رد: ۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَ بُعِثَ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ ”ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے سب انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔“ (بخاری کتاب التیمم باب ۱ حدیث ۳۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی۔ مجھے جوامع الکلم (مختصر جامع انداز ہائے کلام) دیئے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا، میرے لئے ساری روئے زمین (تاقیامت) جائے سجدہ بنا دی گئی اور اسے (بطور تیمم) پاک کرنے والی بنایا گیا: و ارسلت الی الخلق كافة و ختم بی النبیون اور مجھے تمام مخلوق خدا کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔“ (ترمذی ابواب السیر باب ۵ حدیث ۱۵۵۳)

مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں مکہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔ ایک بار ہم مکہ کی کسی جانب میں نکلے، فمما استقبلہ جبل ولا شجر الا قال السلام علیک یا رسول اللہ، تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا وہ عرض کرتا السلام علیک یا رسول اللہ۔ (ترمذی کتاب المناقب ۳۶۲۶) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا اونٹ ہمارے باغ میں سرکش ہو گیا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور اسے اپنی طرف بلایا، وہ سر جھکا کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے نکیل ڈالی اور اس کے مالکوں کے سپرد کر دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ گویا اونٹ جانتا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ما بین لا بتیہا احد الا یعلم انی نبی الا کفرة الجن والانس، ”مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان جو بھی مخلوق ہے وہ جانتی ہے کہ میں نبی ہوں سوا کافر جنوں اور انسانوں کے۔“ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۷ باب ادب الحيوانات مع مطبوعہ مؤسسة المعارف بیروت)

اسی لیے امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے
چنین وچناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
اصالت کل رسالت کل سیادت کل امامت کل
حکومت کل ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

ختم نبوت

جب آپ کی رسالت تاقیامت ہر انسان کے لئے ہے تو آپ کے بعد کسی نئے نبی کی کچھ ضرورت نہیں اس لئے آپ پر نبوت ختم کر دی گئی اور ابھی حدیث گزری کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلہ

انبیاء کو ختم کر دیا گیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ باقی انبیاء نجوم نبوت ہیں اور آپ آفتاب نبوت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَسِرَاجًا مُنِيرًا**۔ ”آپ چمکانے والا آفتاب ہیں۔“ (احزاب: ۴۶) آفتاب سارے جہان کو روشن کرنے آتا ہے اور اس کے آنے پر سب ستارے چھپ جاتے ہیں اور کسی نئے ستارے کی ضرورت نہیں رہتی۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
[27] توحید و رسالت کے بعد اب قیامت کی حقانیت بتائی جا رہی ہے۔ کفار پوچھتے تھے قیامت کا وعدہ کب آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب ﷺ آپ فرمادیں اے کفار! اس کے لئے ایک دن مقرر ہے جب وہ آجائے گا تو تم اس سے ایک لمحہ آگے پیچھے نہ ہو سکو گے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے منکرین اس کی جلدی چاہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھنے والے اس سے ڈرتے ہیں۔ (شوری: ۱۸)

اس رکوع میں چھ بار لفظ قُلْ وارد ہوا ہے۔ حالانکہ اس رکوع کے تمام مضامین (مثل توحید و رسالت و قیامت) لفظ قل کے بغیر بھی درست ہیں۔ یہ امر اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی باتیں اپنے حبیب لبیب ﷺ کی زبان سے سننا چاہتا ہے، اس سے آپ کا مقام محبوبیت ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی کی آپ کی حدیث کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مرتبہ ثقاہت ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ط

اور کفار نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے تھی۔ [28]

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ

اور کبھی تم وہ حالت دیکھو جب ظالم لوگوں کو ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو وہ

بَعْضِ الْقَوْلِ ۚ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ

ایک دوسرے پر الزام ڈالیں گے۔ جن کو (دنیا میں) دبایا گیا تھا وہ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم

لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ

ایمان لے آتے (تو) جنہوں نے تکبر کیا وہ دبائے جانے والوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں

صَدَدْنَكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ۝ وَقَالَ

ہدایت سے روکا تھا جب تمہارے پاس ہدایت آ گئی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود مجرم تھے [29] اور جن کو

الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ

دبایا گیا تھا وہ متکبرین سے کہیں گے بلکہ وہ رات دن (ہمیں تمہارا) فریب دینا تھا جب تم

تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۖ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا

ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے انکار کریں اور اسکے لئے شریک ٹھہرائیں [30] اور کفار اپنی ندامت چھپاتے پھریں گے جب

الْعَذَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَلَ فِي آعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ

عذاب دیکھیں گے اور ہم کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، انہیں اسی عمل کی سزا دی جائے گی

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو وہ کرتے تھے؟ [31]

2011

۱۔ یہ کہ وہ اپنے ہر کام میں اپنے لیے ایک خاص وقت مقرر کرے اور اس وقت میں اس کا دل صرف اس کام پر مرکوز رہے۔
 ۲۔ یہ کہ وہ اپنے ہر کام میں اپنے لیے ایک خاص جگہ مقرر کرے اور اس جگہ میں اس کا دل صرف اس کام پر مرکوز رہے۔
 ۳۔ یہ کہ وہ اپنے ہر کام میں اپنے لیے ایک خاص طریقہ مقرر کرے اور اس طریقہ میں اس کا دل صرف اس کام پر مرکوز رہے۔
 ۴۔ یہ کہ وہ اپنے ہر کام میں اپنے لیے ایک خاص وقت، جگہ، طریقہ مقرر کرے اور اس وقت، جگہ، طریقہ میں اس کا دل صرف اس کام پر مرکوز رہے۔

۱۹۱۱ء میں ان لوگوں کے خلاف یہ غیر متشدد تحریکیں اُبھریں۔ جب روزنامہ "مستقیم" کے مدیر نے ان کے خلاف ایک
 نمبر کا شمارہ نکالا تو ایک روز کے اندر اس کے خلاف ہزاروں خط لکھے گئے۔ ان کے خلاف ایک کتاب لکھی گئی۔ ایک روز کے مدیر نے اس
 پر جواب دیا کہ میں اس کتاب کو دیکھ کر خوش ہوں کہ ان لوگوں نے اس کتاب کو لکھا ہے۔ ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے
 ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے
 ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے ان کے خلاف ایک کتاب لکھنے کے لیے

۱۵۱۔ عادی ہر سال شہر کے ایک حب روز قیامت چنے پیدائیں گا یہ متعلقہ نہ ہو ب شہر گے تو پھر شہر سے
انہیں کے لفظوں و باتوں سے دل رات میں کھڑا کھڑا ہو گیا جب تمہیں حکم دیتے تھے کہ بندہ کو یک مت ، نو دراز کے
سے شریک غلام و توہم کے تہہ کے کہنے پر شہر کے ہر تھوکی شریک ٹھہرے ب تمہارے ہی پھر ہو۔ معصوم ہو کر کے
نہ پر کسی ہر عقیدہ کی یا گناہ میں جہنم میں ہوتا چہ روز قیامت کوئی کسی کا ہر تھو نہ دے گا بھڑک کر نہ خوشنود کے کے
بہی نہ تہت پر ہر سال شہر کے رہا ہے۔

بلا جہاں جہنم کے مذہبی وسیع کی بیحد روز قیامت جہنم میں جہنم کی خدمت چھپتے پھریں گے مگر وہ چھپ نہ سکے گا اور جہنم میں ان کے کھوکھوں میں زنجیریں ڈالے جائیں گے تاکہ وہ اپنے پیچ و کاروں کے سرے سے خوب ذلیل و سوا ہوں، اور نہ جہنم میں زنجیریں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اس کے تحت اہل ماسما علی ملکی فرماتے ہیں کہ کسی مجرم کے گتے میں زنجیریں نہیں ڈالنا چاہیے یہ اہل جہنم کا عذاب ہے۔ البتہ اگر کسی مجرم کے بھگنے کا ذرہ ہو تو اس کے پاؤں میں بیرونی ڈالی جا سکتی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

اور ہم نے جس بھی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ تمہیں جو دے کر بھیجا گیا ہے ہم

كُفِرُونَ ﴿٣٢﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿٣٣﴾

اس کے منکر ہیں اور وہ کہتے تھے ہم مال و اولاد میں ہم تم سے بڑھ کر ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا [32]

قُلْ إِن رَّيِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

آپ فرما دیں کہ میرا رب جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے مگر اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾

نہیں جانتے۔ [33]

[32] انبیاء کرام ﷺ میں سے جو بھی اپنی قوم میں اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا تو وہاں کے سرمایہ داروں اور وڈیروں نے سب سے اول اس کی مخالفت کی۔ اور انہوں نے مومنوں سے کہا اللہ ہم پر مہربان ہے اس لئے اس نے ہمیں تم سے بڑھ کر اموال و اولاد سے نوازا ہے لہذا وہ آخرت میں بھی ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔

اللہ رب العزت نے اپنے دین کو ہمیشہ غرباء سے مدد دی:

إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا سَے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی مخالفت کرنے والے اکثر بڑے لوگ اور اطاعت کرنے والے اکثر غرباء تھے۔ بخاری شریف کے پہلے صفحہ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ طویل حدیث ہے جس کے مطابق جب شاہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں ظاہر ہونے والے نبی کے پیروکار ضعیف و کمزور لوگ ہیں یا شرفاء؟ تو ابوسفیان نے کہا: وہ ضعیف لوگ ہیں۔ شاہ ہرقل نے کہا ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے۔ (بخاری کتاب بدأ الوحی حدیث ۷) اور آج بھی دین کا مالی و جانی تعاون عموماً غرباء ہی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال رضی اللہ عنہ نے جواب شکوہ میں فرمایا:

زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب

پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب

زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے

[33] یعنی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر رزق تنگ کر کے ان کا صبر آزما تا اور آخرت میں ان کے درجات بڑھاتا

ہے اور کبھی اپنے دشمنوں پر رزق کشادہ کر کے ان پر درتوبہ بند فرما دیتا ہے مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں سمجھتے اور فراخی رزق ہی

کو سب سے بڑی نعمت گردانتے ہیں۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ

اور نہ تمہارے اموال کی اور نہ تمہاری اولاد کی یہ حیثیت ہے کہ تمہیں ہمارے قریب کریں، سوا اس کے جو ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي

اور نیک عمل کرے تو انہی لوگوں کے لئے ان کے عمل کے سب کئی گنا جزا ہے اور وہ (جنتی) بالا خانوں

الْغُرُفِ آمِنُونَ ﴿۳۴﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي

میں امن سے رہیں گے [34] اور جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں

الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ﴿۳۵﴾ قُلْ إِنْ رَأَيْتُمْ الرَّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ

حاضر کئے جائیں گے [35]۔ آپ فرمادیں کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ

عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ

یا تنگ کر دیتا ہے اور تم جو بھی (راہ خدا میں) خرچ کرو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر

الرَّزَقِينَ ﴿۳۶﴾

رزق دینے والا ہے [36]

اللہ کے ہاں ذریعہ قرب کی نشاندہی اور کفار کی گمراہی

[34] گزشتہ رکوع کے آخر میں یہ مضمون تھا کہ کفار نے مومنوں سے کہا: نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا کہ

ہمارے پاس اموال و اولاد کی کثرت ہے۔ اب اللہ رب العزت اس کا جواب دے رہا ہے کہ اے لوگو! تمہارے اموال

اور تمہاری اولاد تمہیں ہمارے ہاں کچھ قرب نہیں دلا سکتی، ہمارے ہاں صرف انہی کے لئے قرب ہے جو ایمان لائیں اور

نیک عمل کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے کئی گنا جزا ہے اور وہ جنتی بالا خانوں میں امن سے رہیں گے، إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ

صَالِحًا ۖ کا یہ معنی بھی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے اموال و اولاد انہیں ہمارے ہاں ضرور

قرب دلاتے ہیں کیونکہ وہ ان چیزوں کو ہماری رضا کے لئے صرف کرتے ہیں تو انہیں ہمارا قرب میسر آتا ہے۔

جنتی بالا خانوں کے بارے میں اس جگہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے روایت کیا کہ حضور سید کائنات ﷺ نے فرمایا جنتی بالا خانوں کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس شخص کے لئے ہیں جو عمدہ کلام کرے (جھوٹ غیبت اور دل آزاری سے بچے) کھانا کھائے، کثرت سے روزے رکھے اور جب لوگ سوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے۔ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۴۹ عن ابن ابی حاتم) معلوم ہوا کسی کے نیک اعمال پر رشک کرنا چاہیے اس کے اموال پر نہیں۔ خوش نصیب ہے وہ جو اپنی زندگی کو اموال کی بجائے نیک اعمال کے کمانے پر لگائے اور بد نصیب ہے وہ جو نیک اعمال کی بجائے ناجائز ذرائع سے اموال کمائے اور خالی ہاتھ دنیا سے جائے۔

[35] یعنی جو لوگ اللہ کی آیات (قرآن کریم) کی مخالفت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قرآن کا نور نہ پھیلے دیں وہ بزم خود اللہ پر غالب آنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ عذاب میں حاضر کر دے گا اور قرآن کا نور پھیل کر رہے گا۔
يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ۔ (صف: ۸)

[36] رزق کا تنگ یا کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے یعنی اس کا رزق کشادہ کر دیتا ہے کہ وہی بہتر رزاق ہے۔ اس کے سوا باقی روزی رساں سب مجازی ہیں حقیقی روزی رساں وہی ہے۔ تو جو اس کی راہ میں خرچ کرے وہ اس پر رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ (خواہ دنیا میں کرے یا آخرت میں) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تم (ہماری راہ میں) خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ ہود باب ۲) اسی طرح حدیث میں ہے کہ ”ہر روز دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اے اللہ! جو شخص (تیری راہ میں) خرچ کرے اسے مزید عطا کر اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! جو مال کو روک لے (تیری راہ میں خرچ نہ کرے) تو اس کا مال تلف کر۔“ (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ۲، مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث ۵۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب رزق کا کھولنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو جھوٹ اور فراڈ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے رزق کمانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ سچائی اور صبر کا دامن تھامنا چاہیے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَكَةِ أَهْلُكُمْ أَتَاكُمْ كَانُوا

اور یاد کرو وہ دن جب وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہیں

يَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلَيْنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا

پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے اے اللہ! تیرے لئے پاکیزگی ہے، ان کی بجائے تو ہمارا محبوب ہے۔ بلکہ وہ

يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۳۸﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُم

جنات کو پوجتے تھے ان میں سے اکثر انہی پہ ایمان رکھتے تھے [37] تو اس دن تم میں سے کوئی کسی کے لیے

لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ

نہ نفع کا مالک ہو گا نہ نقصان کا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو

الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۳۹﴾

جسے تم جھٹلاتے تھے [38]

[37] بعض کفار عرب فرشتوں کی پرستش کرتے تھے اسی لئے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جیسا

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا کیا تمہارے رب نے تمہیں

بیٹے دیئے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ (بنی اسرائیل: ۴۰) تو روز قیامت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ان کے سامنے کھڑا کر

کے ان سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری مرضی سے تمہاری عبادت کرتے تھے؟ یہ اسی طرح ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ

قیامت میں فرمائے گا کیا تم نے لوگوں کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم دیا تھا؟ فرشتے اس سوال کے جواب میں کہیں

گے اے اللہ! یہ مشرکین ہماری نہیں جنات (شیاطین) کی پرستش کرتے تھے یعنی انہوں نے شیاطین کی اطاعت کر کے

ہماری پرستش کی۔ گویا انہوں نے ہماری نہیں شیاطین کی پرستش کی۔

بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ مشرکین عرب اپنی جہالت کے سبب شیاطین کو فرشتے تصور کرتے تھے۔

اس لئے فرشتے قیامت میں کہیں گے کہ یہ لوگ ہماری نہیں جنات کی عبادت کرتے تھے اور ممکن ہے کہ جنات ان کے

سامنے فرشتوں کے روپ میں آتے ہوں،۔ بلکہ قرآن کا مطالعہ تو یہ بتاتا ہے کہ کفار عرب جنات ہی کی عبادت کرتے

تھے۔ قرآن میں ہے: وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ۔ ”انہوں نے جنات کو اللہ کے لئے شریک بنا لیا۔“ (انعام: ۱۰۰)

وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ۔ (مائدہ: ۶۰) وغیرہ۔

[38] یعنی اے مشرک! تمہارے جھوٹے خدا روز قیامت تمہارا کچھ نفع نہ کر سکیں گے اور جب تم ان سے انکار کرو گے تو وہ تمہارا کچھ نقصان بھی نہ کر سکیں گے اور نہ تم ان کا کچھ نقصان کر سکو گے لہذا آج ہی ان سے پیچھا چھڑالو۔ اس دن شرک جیسے ظلم عظیم کے مرتکبین سے کہا جائے گا کہ جس عذاب نار سے تم انکار کرتے تھے کہ وہ تمہیں نہیں ہو سکتا، آج اس کا مزہ چکھو۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ

اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ تو بس ایسا شخص ہے جو تمہیں ان خداؤں سے

يَصَّدِّكُمْ عَمَّا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا آفَكٌ مُّفْتَرٍ ط

روکنا چاہتا ہے جنکی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے تھے [39] اور وہ کہتے ہیں یہ (قرآن) من گھڑت جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ لَا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

اور جب کافروں کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے اسے بارے میں کہا کہ یہ تو بس کھلا جادو ہے۔

وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ

اور ہم نے انہیں کوئی کتابیں نہ دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے اور نہ ہم نے آپ سے قبل انکی طرف کوئی ڈرانے والا

نَذِيرٌ ۝ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا بَلَغُوا مِيعَادَ مَا آتَيْنَهُمْ

بھیجا تھا [40] اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی (انبیاء کی) تکذیب کی اور جو (دبدبہ) ہم نے انہیں دیا تھا یا اسکے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے،

فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝

انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھو ہماری نفرین (نفی) کیسی تھی۔ [41]

[39] حضور ﷺ سے قرآن کریم سن کر کفار مکہ باہم کہتے تھے یہ شخص صرف یہ چاہتا ہے کہ جن خداؤں کی تمہارے

باپ دادا صدیوں سے عبادت کرتے آئے ہیں ان سے تمہیں روک دے، تو تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر قائم رہو اس

سے مت ہٹو۔

حضور سید عالم ﷺ کے باپ دادا مشرکین نہ تھے

اگر حضور سید عالم ﷺ کے باپ دادا معاذ اللہ مشرک ہوتے تو کفار مکہ آپ کو عار دلانے کے لئے ضرور کہتے: یرید ان یصدکم عما کان یعبد آباءہ کہ یہ شخص ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی پرستش خود اس کے باپ دادا کرتے آئے ہیں، مگر اس کی بجائے انہوں نے کہا: یُرِیدُ أَنْ یُصَدَّکُمْ عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ آبَاؤُکُمْ ۚ یہ تمہیں ان خداؤں سے روکتا ہے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ معلوم ہوا آپ ﷺ کے والدین اور باپ دادا مشرک نہیں موحّد تھے اور کیوں نہ ہو آپ کی شان تو وَتَقْلِبُکَ فِی السُّجُودِ ۝۲۱۹ ہے یعنی آپ کے نور کو سجدہ گزاروں میں منتقل کیا گیا۔ (شعراء: ۲۱۹)

[40] کفار مکہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ اسے محمد (مصطفیٰ ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے کبھی کہتے یہ کھلا جادو ہے کبھی وہ اسے شاعری اور کبھی مجنون کی بڑ قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس پہلے سے کوئی کتاب کبھی نہیں آئی تھی اور نہ کوئی نبی آیا تھا اس لئے وہ قرآن پر ایمان لانے کی بجائے اسے مختلف نام دے رہے ہیں۔ دراصل حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے بعد مکہ کی سرزمین میں نہ کوئی نبی آیا نہ کسی نبی کی تعلیم پہنچی۔

[41] یعنی کفار مکہ کا رسول ﷺ کو جھٹلانا نئی بات نہیں پہلے انبیاء کو بھی ان کی قوموں نے جھٹلایا اور ان قوموں کو اللہ نے جس قدر قوت و شوکت دی تھی کفار مکہ کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا مثلاً کہاں فرعون و نمرود کی طاقتور سلطنتیں اور کہاں بستی مکہ کے چند ہزار کفار مگر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو کفار کی عظیم سلطنتیں حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ گئیں لہذا اللہ کے رسول اور اس کی کتاب سے ٹکر نہ لی جائے۔ اس میں دورِ حاضر کی اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کے لئے بھی وارننگ ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَعْظُمُ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِي وَفَرَادَى ثُمَّ

آپ فرما دیں اے لوگو! میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ خوف خدا کیساتھ دو دو ہو کر یا اکیلے وقوف کرو پھر

تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۖ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ

فکر کرو کہ تمہارے ساتھی (نبی ﷺ) کو کوئی جنون نہیں ہے، وہ تو تمہیں سخت تر عذاب سے قبل

عَذَابٍ شَدِيدٍ ۚ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا

ڈرانے والے ہیں [42] آپ فرما دیں میں تم سے جو اجر مانگوں تو وہ تمہارے لئے ہے، میرا اجر صرف اللہ کے

عَلَى اللَّهِ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ

ذمے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے [43] آپ فرما دیں میرا رب حق اُتارتا ہے،

عَلَامُ الْغُيُوبِ ۚ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۚ

وہ سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیں کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ ابتداء کرے گا نہ لوٹ کر آئے گا

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَى نَفْسِي ۚ وَإِنْ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحَىٰ

آپ فرمائیں اگر میں گمراہی پر ہوں تو اپنے ہی نقصان کو گمراہی پر ہوں اور اگر ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی وجہ سے ہوں

إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۖ

جو میرا رب مجھے فرماتا ہے، وہ سننے والا ہے قریب ہے۔ [44]

توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان کی دعوت

[42] کفار مکہ حضور ﷺ کو معاذ اللہ مجنون کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٤٢﴾ وہ کہتے ہیں کہ آپ مجنون ہیں، (معاذ اللہ) (نون: ۵) اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: اے محبوب! آپ کفار سے فرمائیں میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے خوف سے دو دو یا اکیلے ہو کر بیٹھو پھر غور کرو کہ کیا تمہارے ساتھی (تمہارے نبی) میں کوئی جنون ہے؟ دراصل جب کفار قرآن کی ایک سورت کی مثل بھی نہ لاسکے تو انہوں نے اپنی خفت

مٹانے کے لئے قرآن کو مجنون کی باتیں کہنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا تعصب کا کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سید کائنات ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ آپ پر اعتراض آئے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کفار نے آپ کو جنون کا طعنہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا دفاع کیا۔ جبکہ پہلے انبیاء اپنا دفاع خود کرتے تھے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور ﷺ عذاب شدید سے قبل کھلا ڈرانے والے ہیں۔

حضور سید کائنات ﷺ کی شانِ نذارت

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ میں رسول اللہ ﷺ کی شانِ نذارت بیان کی گئی ہے اور یہ آپ کی عظیم فضیلت ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ ایک بار تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: یاد رکھو میری مثال اس قوم کی طرح ہے جنہیں کسی دشمن کے حملے کا خطرہ ہوا نہوں نے ایک شخص کو خفیہ معلومات کے لئے بھیجا، وہ گیا، اسے دشمن نظر آیا، وہ بھاگتا ہوا لوٹا، اسے ڈرتھا کہیں اس کے پہنچنے اور مطلع کرنے سے قبل دشمن نہ پہنچ جائے، اس نے فضا میں کپڑا لہرانا شروع کر دیا کہ لوگو تم پر حملہ ہو گیا ہے لوگو تم پر حملہ ہو گیا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۳۸)

یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتانے آئے ہیں کہ لوگو تم پر شیاطین کی فوج حملہ آور ہو گئی ہے جو تمہیں پکڑ کر جہنم میں گرا دے گی جہاں سے تم کبھی نہ نکل سکو گے اب جو آپ کی بات مان لے وہ نجات پا گیا جس نے نہ مانی وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے پہلا وعظ فرمایا تو کہا اے لوگو! اگر میں تمہیں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ تو سب اہل مکہ نے کہا: اے محمد! ہم ضرور آپ کی تصدیق کریں گے، کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ لہب)

دلیل ختم نبوت

نَذِيرٌ لَّكُمْ میں تا قیامت ہر انسان سے خطاب ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ قیامت تک ہر انسان کے لئے نذیر ہیں آپ کے بعد کوئی نذیر نہ آئے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ ”اور اے پیارے نبی! کہہ دیں کہ میں ہی کھلا ڈرانے والا ہوں۔“ (حجر: ۸۹) یعنی اب میرے سوا کوئی نیا نذیر نہیں آئے گا۔

[43] اے پیارے نبی (ﷺ)! آپ فرمادیں کہ میری دعوت کا مقصد مال کمانا نہیں بلکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ میں تم سے اس پر کوئی اجرت (تنخواہ) نہیں مانگتا۔ اگر مجھے کوئی اجرت ملتی ہو تو وہ تم لے لو۔ میرا اجر تو مجھے میرا رب دے گا کیونکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ معلوم ہوا بلا معاوضہ تبلیغ ہی طریقہ انبیاء ہے۔ اور علماء اور ائمہ جو اپنی امامت و خطابت اور درس و تدریس کی تنخواہ لیتے ہیں وہ اپنے وقت کا معاوضہ لیتے ہیں نہ کہ تبلیغ و تدریس کا۔

[44] یعنی اللہ تعالیٰ باطل پر حق کی چوٹ لگاتا ہے کیونکہ اب حق آ گیا ہے اور باطل کے مقدر میں جانا اور پسپا ہونا ہے چنانچہ جب سے اسلام ظاہر ہوا وہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ اہل اسلام کو بارہ صدیوں تک تمام اقوام عالم پر سیاسی غلبہ حاصل رہا

پھر ان کی اپنی غفلتوں کی وجہ سے ان پر زوال آیا جو تادیر نہیں رہے گا اور اخلاقی غلبہ تو اسے اب بھی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ حدیث مبارکہ میں ہے: **يَهْلِكُ اللَّهُ الْهَلَلُ** کُلُّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ ”اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ادیان مٹا دے گا۔“ (ابوداؤد کتاب الملاحم باب ۱۴، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَافُوتَ وَأَخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ وَقَالُوا آمَنَّا

اور کبھی آپ وہ منظر دیکھیں جب کفار خوفزدہ کر دیے جائیں گے تو وہ بھاگ نہ سکیں گے اور قریبی جگہ سے پکڑے جائیں گے [45] اور وہ کہیں گے ہم (قرآن

بِهِ ۚ وَآنَىٰ لَهُمُ التَّنَافُوسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ

پر) ایمان لاتے ہیں۔ اور اتنے دور کے مقام سے ان کے لئے ایمان کا پانا کیسے ممکن ہے جبکہ اس سے قبل وہ اس سے انکار کرتے

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ

اور دور سے اس پر تہمت زنی کرتے تھے [46] اور ان کے اور ان کی خواہش کے مابین رکاوٹ ڈال دی جائے گی

كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ۖ

جیسے کہ ان جیسوں پر اس سے قبل کیا گیا وہ پیچیدہ شک میں مبتلا تھے [47]

[45] جب صور پھونکا جائے گا یا جب قیامت میں دوزخ کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اس وقت کفار کی گھبراہٹ دیدنی ہوگی اس وقت ان کو بھاگنے کی طاقت نہ ہوگی اور انہیں یوں پکڑ لیا جائے گا جیسے کوئی مجرم قریب ہی کھڑا ہو اور اسے آسانی سے پکڑ لیا جائے۔

[46] روز قیامت جہنم کو دیکھ کر کفار ایمان قبول کریں گے مگر اس وقت وہ اتنے دور کے مقام سے ایمان کا دامن کیسے پکڑ سکیں گے جب وہ دنیا میں تھے تو ایمان ان کے بہت قریب تھا اور وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اسے پکڑ سکتے (یعنی ایمان لا سکتے تھے) اس وقت انہوں نے اسے پکڑنے کی بجائے اس سے انکار کیا بلکہ دور سے اس پر تہمت زنی کرتے رہے۔

[47] روز قیامت کفار قبول ایمان کی بہت خواہش کریں گے اور حصول شفاعت کے لئے بہت مارے مارے پھریں گے مگر ان کے اور ان کی ان خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی۔ یہی کچھ پہلی قوموں کے کفار سے کیا جائے گا کیونکہ وہ دنیا میں پیچیدہ شک میں مبتلا تھے یعنی انہیں اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں ایسا شک تھا کہ وہ اس کے ازالہ کے لئے اٹھنے والی کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے۔

الحمد للہ آج 23 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 28 مئی 2008ء بروز بدھ نماز عصر سے قبل سورہ سبأ کی تفسیر مکمل ہوئی۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

سورة فاطر

ترتیب تلاوت کے اعتبار سے یہ قرآن کریم کی 35 ویں سورت ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے 42 ویں سورت ہے۔ یہ سورہ فرقان کے بعد اور گھٹیا حص سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ مکمل مکی سورت ہے اس کی کوئی آیت مدنی نہیں۔ اس میں پانچ (5) رکوعات، پینتالیس (45) آیات، نو سو ستر (970) کلمات اور تین ہزار ایک سو اسی (3180) حروف ہیں۔ اسے سورہ فاطر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے شروع ہوئی ہے۔ تو پہلی آیت میں موجود اللہ تعالیٰ کے اسم فاطر کی مناسبت سے اسے سورہ فاطر کہا گیا۔ علاوہ ازیں اسے سورہ ملائکہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ملائکہ کا ذکر ہے یعنی جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اٰجِنَعَهُ مِّثْلٰنِیْ وَثَلٰثَ وَرُبْعَ ۝

مضامین

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرتیں حکمتیں اور نعمتیں بیان کی گئیں۔ قرآن پاک کی حقانیت پر زور دیا گیا۔ رسالت محمدیہ پر روشنی ڈالی گئی، قیامت کے احوال بتائے گئے، اہل جنت کو دی جانے والی نعمتوں اور اہل جہنم کے عذابات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے علاوہ ردّ شرک اور بیان توحید بھی اس سورت کا ایک موضوع ہے۔

ما قبل سے مناسبت

اس سے قبل سورت سبا ہے۔ جس میں گزشتہ نافرمان قوموں پہ آنے والے عذابات کا ذکر تھا۔ جیسے قوم سبا پہ یل العرم کا آنا بتایا گیا اور اس سورت میں ان عذابات کا اجمالی ذکر ہے۔ جیسے فرمایا گیا: جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيرِ ۝ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ (فاطر، ۲۶) علاوہ ازیں دونوں سورتوں میں انعامات الہیہ اور صفات خداوندی کا تذکرہ جمیلہ ہے۔

راجی رحمۃ الرب عبدہ المذنب قاری محمد طیب غفرلہ

۲۵ آیاتہا ۳۵ سُورَةُ فَاطِر مَكِّيَّةٌ ۲۳ رُكُوعَاتُهَا ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے

أَجْنَحَةٍ مَّشْنٰی وَثُلُثَ وَرُبْعَ ۖ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والا ہے۔ وہ تخلیق میں جو چاہے بڑھادیتا ہے بے شک اللہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۱ مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ

ہر چیز پر قادر ہے۔ [1] اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو وہ روک دے

وَمَا يُمْسِكُ ۖ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ۲

تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں۔ اور وہ سب پر غالب ہے حکمت والا ہے [2]

اللہ کی نعمتوں اور قدرتوں کا بیان

[1] اللہ تعالیٰ نے کائنات ارضی و سماوی کو پیدا فرمایا اور اس نظام کے چلانے کے لئے اس نے فرشتے مقرر فرمائے یہ فرشتے ہی ہیں جو تمام سیاروں کو اپنے اپنے مدار میں چلا رہے ہیں پھر فرشتوں میں سے بعض کو اس نے رسول بنایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو دوسرے فرشتوں تک پہنچاتے اور انسانوں میں سے انبیاء و مرسلین پر وحی اتارتے ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نورانی پر (wing) لگائے ہیں جن کی طاقت سے وہ زمین و آسمان کے درمیان اڑتے ہیں بعض کے دو پر ہیں بعض کے تین اور بعض کے چار اور اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں جس قدر چاہے اضافہ فرما سکتا ہے چنانچہ اس نے بعض فرشتوں کو کئی سو پر لگائے ہیں یعنی اللہ اپنی تخلیق میں کسی قانون کا پابند نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہے اور جیسے چاہے

پیدا کرے۔

فرشتوں کے پروں کا بیان

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر (600 wings) دیکھے اور ان سے آسمان کا سارا اُفق چھپ گیا تھا۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ النجم حدیث ۳۲۷۶) امام زہری روایت کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ دیکھیں تو اسرائیل کے بارہ ہزار پر ہیں ان کا ایک پر مشرق میں ہوتا ہے تو دوسرا مغرب میں۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۰)

امام اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ فرشتوں کے پر پرندوں جیسے ہوں بلکہ ان کے پر ان کے حسب حال ہیں کیونکہ فرشتے نورانی مخلوق ہیں تو ان کے پر بھی جسمانی نہیں روحانی و نورانی ہیں۔ (روح البیان جلد ۷ صفحہ ۳۱۳)

[2] کفار عرب سمجھتے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا، خدائی خزانوں کے مالک ہیں وہ جس سے بگڑ جائیں اس کا رزق بند کر دیتے ہیں اسی ڈر سے وہ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے آج ہندوؤں کے نزدیک بھی کئی دیوتاؤں کا ہواؤں پر قبضہ ہے بعض کے قبضے میں بارش ہے۔ اور بعض کے اختیار میں بیماریاں ہیں۔ بارش نہ برے تو وہ بارش کے دیوتا کو پکارتے ہیں آندھی آجائے تو ہواؤں کے دیوتا سے رحم کی فریاد کرتے ہیں وغیر ذالک۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہر طرح کی رحمت اللہ کے قبضہ میں ہے جس کے لئے وہ رحمت کھول دے اسے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جس کے لئے وہ بند کر دے اسے کوئی کھول نہیں سکتا وہ غالب و حکیم ہے اپنی حکمت سے جسے جس قدر چاہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

بندے کی ہر نعمت کا مالک صرف اللہ ہے

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت کا عطا کرنے والا ہے۔ اگر وہ اپنی رحمت و نعمت کو روک لے تو کوئی اسے اس کی مرضی کے خلاف کھول نہیں سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نوازنا چاہے تو کوئی اسے منع نہیں کر سکتا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ یوں دعا فرماتے تھے: اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ ”اے اللہ! جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کسی کوشش والے کی کوشش تیرے مقابلہ میں نفع مند نہیں ہو سکتی۔“ (بخاری کتاب الدعوات باب ۱۷)

معلوم ہوا مرضی مولیٰ تعالیٰ کے خلاف کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ ہر رحمت اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ اور اسی کے قبضہ میں ہے خواہ مال ہو اولاد ہو صحت ہو یا عزت لہذا مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کرنی چاہئے البتہ اس کی بارگاہ میں اس کے نیک بندوں کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے اور اگر نیک بندوں سے مدد لینا مقصود ہو تو ان سے دعا کی درخواست کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں کیونکہ صالحین کی دعا ہم سے زیادہ مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَئِنْ سَأَلْنِي لِأَعْطِيَنَّهُ ”میرا ولی اگر مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔“

(بخاری کتاب الرقاق باب ۳۸ حدیث ۶۵۰۲)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ

اے لوگو! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے؟

يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنِي تُوفُّكُونَ ۝۳۰ وَإِنْ

وہ تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو تم کہاں بھٹکائے جاتے ہو [3] اور اگر

يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝۳۱

وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے قبل بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں [4]۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَلَا

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو تمہیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور یہ دھوکہ باز

يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝۳۲ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۖ

(شیطان) تمہیں دھوکہ نہ دے دے [5] بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو۔

إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۖ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ

وہ اپنے گروہ کو یہی دعوت دیتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے

عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ

سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور وہ اچھے اعمال کرتے تھے ان کے لئے بخشش اور بڑا

کَبِيرٌ ۝۳۳

اجر ہے [6]

[3] یعنی اے مشرک! کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے اور کیا اس کے سوا کوئی ہے جو تمہیں آسمان سے بارش برسا کر اور

زمین سے اناج اُگا کر روزی دے تو پھر اسے چھوڑ کر تم دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور اسی کے آگے سر جھکاؤ۔

[4] مگر کفار نبی اکرم ﷺ کی اس حکیمانہ وعادلانہ دعوتِ توحید کے جواب میں آپ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جس سے آپ کے قلب اطہر و انور پر بوجھ آتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے فرمایا اے محبوب ﷺ! آپ سے پہلے بھی رسولوں کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا اور سب کام اللہ کی طرف لوٹتے ہیں وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں حضور ﷺ کے مقامِ محبوبیت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دلجوئی فرماتا ہے۔

[5] یعنی اللہ کے وعدے سچے ہیں کہ قیامت نے آنا ہے وہاں اطاعت گزاروں کو ثواب ملے گا اور نافرمانوں کو عذاب۔ لہذا اے انسانو! تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز شیطان تمہیں فریب دے پائے۔ شیطان انسان کے دل میں گناہوں کے جواز کے لئے وسوسے پیدا کرتا اور دھوکے میں ڈالتا ہے۔

[6] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے وہ تمہیں ہر صورت جہنم میں گرانا چاہتا ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو اس کی باتوں میں نہ آؤ یاد رکھو جس نے اس کے کہنے پر کفر کیا اس کے لئے آخرت میں صرف عذاب ہے اور جو لوگ شیطان سے منہ موڑ کر اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لائیں اچھے اعمال کریں اور بُرے اعمال سے بچ جائیں ان کے لئے بخشش ہے اور جنت میں بڑا اجر ہے۔

أَفَمِنْ زِينَةٍ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۚ فَإِنْ أَلَّهُ يُضِلُّ مَنْ

تو کیا جس کے لئے اس کا بُرا عمل آراستہ کیا گیا اور وہ اسے اچھا جاننے لگا (وہ ہدایت پر ہو سکتا ہے؟)

يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۚ إِنَّ

تو اللہ جسے چاہے گمراہ رکھے اور جسے چاہے ہدایت دے، تو کہیں ان پر حسرتوں میں آپ کی جان نہ چلی جائے، بیشک

اللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا

اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں [7] اللہ وہ ہے جس نے ہوائیں بھیجیں جو بادل کو اُبھارتی ہیں

فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأُحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَلِكَ

پھر ہم اسے مردہ علاقہ کی طرف لے چلتے ہیں پھر زمین کو اس کی موت کے بعد اس بادل کے ذریعے زندہ کر

النُّشُورُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ

دیتے ہیں [8] اسی طرح (قیامت میں) اٹھنا ہے۔ جو شخص عزت چاہتا ہے (وہ جان لے) کہ اللہ ہی کے لئے سب عزت ہے۔ اسی کی

الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ

طرف پاکیزہ کلمات اٹھتے ہیں اور عمل صالح کو اللہ بلند فرماتا ہے اور جو لوگ بُرے

السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يُبْورُ ۝

مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر ہی تباہ ہوگا۔ [9]

اللہ رب العزت کی مزید نعمتوں اور احسانات کا بیان

[7] تمام گمراہ فرقوں کو شیطان نے ان کے بُرے عقائد عمدہ کر دکھائے ہیں اور وہ اپنی گمراہی کو ہدایت اور کفر کو

ایمان سمجھتے ہیں اور جو شخص گمراہی کے اس درجہ پر پہنچ جائے اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے حضور سید عالم ﷺ

جب کفار کی یہ حالت دیکھتے تو آپ کو سخت حسرت آتی اور آپ کا قلب انور دکھ سے بھر جاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی

خاطر کے لئے فرمایا کہ ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہی میں بھٹکنے دے لہذا

آپ کفار پر حسرت اور افسوس کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھوئیں۔ اللہ کو ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے اور وہ ان سے جو معاملہ فرماتا ہے بہتر فرماتا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کسی پر ہدایت کا دروازہ تب ہی بند کرتا ہے جب وہ حق کو اچھی طرح جان لینے کے باوجود خود پر ہدایت کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ جو شخص چراغ دیکھ کر آنکھیں بند کر لے یا ان پر تعصب کی پٹی باندھ لے اسے راہ کیسے دکھائی جاسکتی ہے۔

[8] اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ارشاد فرما رہا ہے کہ دیکھو اللہ ہوا کو حکم دیتا ہے کہ لاکھوں ٹن وزنی بادل کو اٹھا لو اور اسے فلاں خطہ زمین کی طرف لے چلو کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ خطہ مُردہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب وہاں بارش ہوتی ہے تو وہ خطہ اپنی موت کے بعد زندہ ہو جاتا ہے یعنی زمین سے فصلیں پودے اناج پھول اور پھل نکل آتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا دوبارہ اٹھنا ہے یعنی جو خدا مُردہ زمین کو بارش سے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ روز قیامت ایک مخصوص بارش کے ذریعے مُردہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب دنیا تباہ ہو جائے گی پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش اُتارے گا جو نمی کی طرح پڑے گی جس سے تمام انسانوں کے اجسام پودوں کی طرح زمین سے اُگیں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو وہ زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے (اور ایک روایت کے مطابق صور کے سوراخ میں سے سب ارواح نکلیں گی اور ساری دنیا میں پھیل کر اپنے اپنے جسموں میں داخل ہوں گی۔“ (مسلم کتاب الفتن حدیث ۱۱۶) تو جس رب کی یہ قدرت ہے وہی مستحق عبادت ہے نہ کہ کوئی اور۔

[9] کفار عرب کو ایمان لانے سے ان کی جھوٹی عزت نے روک رکھا تھا عرب قبائل کے سرداران سمجھتے تھے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کی سرداری ختم ہو جائے گی اسی طرح یہود کے مذہبی پیشوا ایمان سے دور رہے تاکہ ان کی مذہبی قیادت اور عزت قائم رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عزت ساری اللہ کے قبضہ میں ہے اس کے آگے سر جھکاؤ اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو تمہیں دنیا و آخرت میں عزت دے دی جائے گی۔ چنانچہ دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو کر کوئی صدیق اکبر و فاروق اعظم تو کوئی ذوالنورین و حیدر کرار جی اللہ بن گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام پاکیزہ کلمات یعنی قولی عبادات من جملہ تلاوت، درود اور تمام اذکار اور تمام اعمال صالحہ یعنی بدنی عبادات اللہ کی طرف بلند ہوتی ہیں بلند ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ بندے کی قولی و بدنی (عملی) عبادات کے ذریعے اللہ رب العزت بندے کو بلندی یعنی عزت عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ ساری عزت کا مالک ہے۔ دوسرا یہ معنی ہے کہ بندوں کی عبادات کو فرشتے کسی مخصوص شکل میں لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندہ جب یہ پانچ کلمات کہتا ہے: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر و تبارک اللہ۔ تو ایک فرشتہ انہیں اٹھا کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور وہ جس جماعت ملائکہ کے پاس سے گزرتا ہے وہ

اس بندے کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ کلمات بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ. (تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۸) اور دونوں معانی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے بنایا پھر تمہارے جوڑے بنائے اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ

اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اللہ ہی کے علم کے ساتھ۔ اور کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ اس کی عمر میں سے

عُمُرَةٌ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۱۰ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۚ

کچھ کم کیا جاتا ہے مگر وہ کتاب میں لکھا ہے، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے [10] اور دو سمندر باہم برابر نہیں ہیں

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَمِنْ كُلِّ

یہ بہت میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے اس کا پینا خوش گوار ہے اور یہ نمکین کھاری ہے۔ اور ہر ایک سے تم

تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتُسْتَخْرِجُوْنَ حَلِيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرٰى الْفُلْكَ

تازہ گوشت کھاتے اور زیور نکال کر پہنتے ہو، اور تم پانی میں کشتیاں دیکھتے ہو

فِيْهِ مَوَآخِرٌ لِّتُبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۱

کہ اسے چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ [11]

[10] اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا پھر تمام انسانوں کو نطفہ سے بنایا۔ یا یہ معنی ہے کہ ہر انسان زمین سے اُگنے والا رزق کھاتا ہے جس سے اس کے جسم میں خون اور خون سے نطفہ بنتا ہے اور نطفہ سے اس کی اولاد بنتی ہے یوں ہر انسان مٹی اور نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے جوڑے بنائے جیسے مرد و عورت، عالم و جاہل، مومن و کافر، نیک و بد وغیرہ۔ اور ہر عورت اور ہر مادہ کے پیٹ میں جو حمل بنتا ہے اور اس سے جو ذی روح دنیا میں آتا ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم اور حکم سے آتا ہے اور کسی کو جو لمبی عمر دی جاتی یا اس کی عمر گھٹا دی جاتی ہے یعنی عمر میں جو کمی بیشی کی جاتی ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ اگر فلاں شخص نے یہ کام کیا تو اس کی عمر میں اتنا اضافہ یا کمی

کردی جائے گی۔

انسان کی عمر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ط سے معلوم ہوا کہ انسان کی عمر میں کمی بیشی کر دی جاتی ہے، یعنی اللہ و رسول کی اطاعت کی برکت سے عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور نافرمانی سے عمر گھٹائی جاسکتی ہے جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قضا کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں اضافہ نیکی ہی سے ہو سکتا ہے۔ (ترمذی کتاب القدر باب ۶) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے رزق اور اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔“

(بخاری کتاب الادب باب ۱۲)

[11] سمندروں میں دنیا کے مختلف مقامات پہ یہ کیفیت پائی جاتی ہے کہ ایک طرف میٹھا پانی ہوتا ہے ایک طرف کھاری اور دونوں پانی الگ الگ بہتے ہیں اور دونوں سے مختلف مچھلیاں اور جواہر ملتے ہیں۔ یہاں دو سمندروں کی مثال سے مومن اور کافر میں فرق بھی بتایا جا رہا ہے کہ مومن میٹھے پانی والے سمندر کی طرح ہے جو لوگوں کی پیاس بجھاتا ہے اور کافر کھاری پانی والے سمندر کی طرح ہے جو کسی کو سیراب نہیں کر سکتا بلکہ جو اسے پی لے اس کا مزاج خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اندر آب ایمان ہے اور جو بھی اس سے ایک گھونٹ پیئے گا ایمان سے سیراب ہوگا اور کافر کے اندر آب کفر ہے جو اس قدر کھاری ہے کہ جو پیئے گا اس کا کفر مزید بڑھے گا۔ البتہ میٹھے اور کھاری دونوں سمندروں سے مچھلی کا گوشت اور ہیرے موتی نکلتے ہیں لوگ یہ گوشت کھاتے اور یہ ہیرے پہنتے ہیں۔ اسی طرح کافروں کی پشت سے بھی کبھی مومنین پیدا ہو جاتے ہیں جیسے ولید بن مغیرہ جیسے کافر کی پشت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کی پشت سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ جیسے ایمانی ہیرے اُمت کو حاصل ہوئے۔ اسی طرح بھی کفار سے اہل ایمان کو دنیوی فوائد ملتے رہتے ہیں یہ بھی کھاری سمندر سے مچھلیاں ملنے کی طرح ہے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز بیکار نہیں ہے۔

اس کلام میں یہ اشارہ بھی کہ اللہ کی قدرت کاملہ دیکھو کہ دو سمندر اکٹھے بہتے ہیں ایک میٹھا ہوتا ہے دوسرا کھاری ایک سے طبیعت سیراب ہوتی ہے ایک سے خراب، یہ اختلاف اللہ کے سوا کس نے پیدا کیا تو پھر اس کے سوا کون مستحق عبادت ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے سفر کر کے تجارت کرو اور اللہ کا فضل کماؤ۔ تو جس رب نے تم پر یہ احسانات کئے اگر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرو تو یہ ظلم عظیم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال کے لئے تگ و دو کرنا، اور سمندروں کو عبور کر کے اس مقصد کے لیے لمبے سفر کرنا بُرا نہیں اور نہ ہی یہ توکل کے خلاف ہے۔ توکل کے خلاف یہ چیز ہے کہ رزق حرام کی طرف توجہ کی جائے۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے شمس و قمر کو تابع

وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ

نظام کیا ہے، ہر سیارہ ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یہ تمہارا رب اللہ ہے اسی کے لئے سب حکومت ہے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۚ إِنَّ تَدْعُوهُمْ

اور جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں [12] اگر تم ان کو پکارو

لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۖ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ

تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن لیں تو تمہاری بات مان نہیں سکتے اور روز قیامت

يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۚ

وہ تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور تمہیں خدائے خیر کی طرح کوئی آگاہ نہیں کر سکتا۔ [13]

[12] اللہ تعالیٰ رات کو دن اور دن کو رات بناتا ہے کیونکہ اس نے شمس و قمر کو ایک نظام کے تابع کر رکھا ہے جس میں

رات دن کا سلسلہ جاری ہے بلکہ ہر سیارہ اللہ کے حکم سے ایک مدت مقررہ یعنی قیام قیامت تک چل رہا ہے۔ اللہ کی تو یہ

قدرت ہے اور اے مشرک! جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو قطمیر یعنی کھجور کی گٹھلی پر لگے ہوئے چھلکے جیسی حقیر چیز کے

بھی مالک نہیں ہیں، یعنی وہ اس قدر حقیر چیز بھی نہیں بنا سکتے، پھر اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرنا کس قدر خسارہ عظمیٰ ہے،

اس آیت میں یہ ہدایت بھی ہے کہ ستارے اور سیارے قابل عبادت نہیں ہیں بلکہ وہ تو حکم ربانی کے پابند اور انسان کی

خدمت پر مقرر ہیں۔

[13] امام قرطبی، امام رازی، امام بغوی اور امام خازن وغیرہم نے اس کی تفسیریوں کی ہے کہ اے بت پرستو! جن

بتوں کو تم پوجتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے اور اگر بالفرض سن لیں تو تمہاری کوئی مشکل کشائی و حاجت روائی نہیں کر سکتے

بلکہ وہ روز قیامت تمہاری عبادت سے انکار کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے روز قیامت ان کے جھوٹے خدا ان

سے کہیں گے: اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ﴿۲۹﴾ ”بے شک ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔“ (یونس: ۲۹)

بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء پہ لگانے کی گمراہی

بعض اہل غلو و تجدید زدہ لوگ اس آیت کو جو تمام مفسرین کے مطابق بتوں کے لئے اتری، انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو مدد کے لئے پکارنا بھی اس آیت کے تحت داخل ہے کیونکہ جب وہ فوت ہو گئے ہیں تو وہ کسی کی فریاد نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو اسے پورا نہیں کر سکتے اور روز قیامت وہ انہیں مدد کے لئے پکارنے والوں کے شرک سے بیزاری ظاہر کر دیں گے مگر اس آیت کی یہ تفسیر اور یہ استدلال قطعی غلط ہے۔ انبیاء و اولیاء کی تو بڑی بات ہے حدیث مبارکہ کے مطابق ابو جہل اور عتبہ و شیبہ جیسے دشمنان اسلام بھی مرنے کے بعد سن سکتے ہیں جیسے کہ حضور ﷺ نے مقتولان بدر سے خطاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بالکل تمہاری طرح سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔“ (بخاری کتاب المغازی باب ۸ حدیث ۳۹۷۶)

جب ابو جہل جیسے کفار بعد از موت سنتے ہیں تو انبیاء و اولیاء کیوں نہیں سن سکتے اور جب وہ سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے ہماری مشکل کیوں نہیں حل کروا سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۴۰﴾ ”اور جب لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کر لیں تو اے نبی (ﷺ) آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول (ﷺ) ان کے لئے سفارش کر دیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔“ (نساء: ۶۴)

علامہ حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ (جنہیں علماء اہل حدیث سب سے معتبر مفسر قرار دیتے ہیں) اس آیت کو قیامت تک معمول بہا قرار دیتے ہیں چنانچہ اس کے تحت انہوں نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک دیہاتی نے قبر رسول ﷺ پر حاضر ہو کر یہی آیت پڑھی پھر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے شفاعت کی درخواست کی اور واپس چل دیا تو حضور سید کائنات ﷺ ایک شخص (حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ) کو اسی وقت خواب میں ملے اور فرمایا جاؤ اس دیہاتی کو بشارت دو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی طرح صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دور عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں وہ دعا سکھائی جو حضور سید کائنات ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو سکھائی تھی اور اس کے پڑھنے سے اس کی بینائی لوٹ آئی تھی دعا یہ تھی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتُوْجِّهُ اِلَیْكَ بِبَیِّنَاتِ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ اِنِّیْ اَتُوْجِّهُ بِكَ اِلَی رَّبِّیْ فَتُقْضِیْ لِیْ حَاجَتِیْ۔ ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا اور ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کے حضور توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔“ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے کہنے پر یہ دعا کی تو اس کی مشکل حل ہو گئی۔ (طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۱ حدیث ۸۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء بیروت) اب اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو یا محمد (ﷺ) کہہ کر مدد کے لیے

پکارا گیا ہے۔

معلوم ہوا دور خلافت راشدہ میں صحابہ کرام حضور سید عالم ﷺ کی روح مبارک سے مدد لیتے تھے۔ اس حدیث کے تحت حاشیہ میں شیخ حمیدی سلفی نے لکھا ہے: الحدیث صحیح یہ صحیح حدیث ہے بلکہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر میں روایت کرنے کے بعد خود فرمایا: والحدیث صحیح۔ (طبرانی صغیر صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) اب اگر نجدیت زدہ لوگ اس آیت سے انبیاء و اولیاء سے مدد چاہنے کو شرک قرار دیتے ہیں تو انہیں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول کو بھی مشرک کہنا پڑے گا۔ تو بہتر یہی ہے کہ وہابی علماء بتوں کے حق میں اترنے والی آیات کو بتوں ہی کے لیے رہنے دیں اور انہیں انبیاء و اولیاء پہ لاگو کر کے امت مسلمہ میں فتنہ و فساد پیدا نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۱۵

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ ہے سب تعریف کا مالک ہے۔ اگر

يَسْأَلُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝۱۶ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝۱۷

وہ چاہے تو تمہیں (دنیا سے) لے جائے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں [14] اور کوئی

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۝۱۸ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَآ لَا يَحْمِلُ مِنْهُ

بوجھ اٹھانی والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی جان اپنے بوجھ کے لئے پکارے گی تو اس سے کچھ نہ اٹھایا

شَيْءٌ ؕ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۝۱۹ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ

جائے گا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہو [15] آپ تو انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈریں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۝۲۰ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۝۲۱ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝۲۲

اور نماز قائم کریں، اور جو شخص ستھرا ہوا وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ [16]

کفار کو حکیمانہ دعوت ایمان

[14] اللہ تعالیٰ وہ قادر مطلق ہے کہ ہر مخلوق یا ہر شے اپنے وجود، اپنی تخلیق، اپنی صحت، اپنی زندگی، اپنے رزق بلکہ ہر نعمت اور مفاد کے حصول میں اس کی طرف محتاج ہے۔ وہ جب چاہے ہماری صحت کو مرض، تو نگری کو فقیری، خوشی کو غمی اور

زندگی کو موت سے بدل سکتا ہے لہذا اسے چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کرنا اور اس سے اپنی حاجات وابستہ کرنا پرلے درجے کی حماقت، نااہلی اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ ہر چیز سے بے پرواہ ہے، اس پر کسی کا زور، دھونس اور دباؤ نہیں چل سکتا اور اسے ہماری عبادات اور حمد و تسبیح کی بھی ضروری نہیں وہ اپنی ذات میں قابلِ حمد ہے جیسے سورج اپنی ذات میں روشن ہے اسے یہ ضرورت نہیں کہ کوئی اسے روشن مانے، اور کسی کے نہ ماننے سے اس کی روشنی میں فرق نہیں آتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں عبادت کا حکم دیتا ہے تو ہمارے بھلے کے لئے دیتا ہے، اپنے بھلے کے لئے نہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ انسان ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کیونکہ اسے نجات اخروی کی بھی ضرورت ہے جو مرضی مولیٰ تعالیٰ پر منحصر ہے۔

[15] قبائل عرب کے سرداروں نے اپنے پیروکاروں کو باور کرا رکھا تھا کہ اگر کوئی قیامت آئی تو وہ ان کا بوجھ اپنے سر اٹھالیں گے لہذا وہ محمد (ﷺ) پر ایمان لانے کی بجائے اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہیں۔ اسی طرح عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری انسانیت کے گناہ اپنے سر لے کر سب کو گناہ کے عذاب سے آزاد کر دیا اور وہ سب کی طرف سے سولی پر لٹک گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرما رہا ہے کہ روز قیامت کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی یعنی اسے یہ نہ کہے گی کہ تمہارے بوجھ میں اٹھالیتا ہوں تاکہ تم آزاد ہو جاؤ۔ ہاں یہ ممکن ہے اگر ایک شخص دوسروں کو گمراہ کرے تو اسے اپنے تمام پیروکاروں کے گناہوں کے برابر عذاب دیا جائے اور ہر پیروکار اپنی جگہ خود بھی عذاب پائے گا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ”وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔“ (عنکبوت: ۱۳)

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، کا معنی

روز قیامت ایسا نہیں ہوگا کہ ایک شخص کسی کے کفر یا اس کے گناہ کو اپنے سر پہ اٹھالے اور اسے نجات دے دے اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے گناہ یہود و نصاریٰ پر ڈال دیئے جائیں گے اور ان کے سروں پر گناہوں کے پہاڑ بن جائیں گے۔ (مسلم کتاب التوبہ) تو اس کا یہ معنی ہے کہ کفار کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے اور مسلمانوں کے بخش دیئے جائیں گے اور یوں نظر آئے گا جیسے کفار نے گناہوں کے پہاڑ اٹھا رکھے ہیں اور یہ کہ ہر گناہ کفار ہی نے کیا مومنوں نے کیا ہی نہیں۔ (نودی علی مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی قریبی عزیز بھی اپنے عزیز کے بوجھ میں سے کچھ نہ اٹھائے گا۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ باپ اپنے بیٹے سے کہے گا مجھے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے اگر تم مجھے ایک نیکی دے دو تو میں بخشا جاؤں گا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے دنیا میں تم پر کس قدر احسانات کئے تھے؟ بیٹا کہے گا مجھے سب کچھ یاد ہے مگر میں تمہیں نیکی نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی تمہیں۔ پھر وہ اپنی بیوی سے یہی فریاد کرے گا وہ بھی یہی

جواب دے گی۔ (ابن ابی حاتم جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۷۸)

روز قیامت کوئی حسب و نسب کام نہ آئے گا

جب قیامت میں کوئی نسب رشتہ کام نہیں آئے گا تو پھر حسب و نسب پر فخر کرنے کا کیا معنی ہے؟ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔ ”اس دن ان کے درمیان کوئی نسب باقی نہ رہے گا۔“ (مومنون: ۱۰۱) یعنی نسب کی بنیاد یہ کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔ مومن کو چاہیے کہ صرف حسن ایمان اور حسن عمل پہ فخر کرے اور وہ فخر بھی تکبر کی صورت میں نہیں ہونا چاہیے اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے نسب کی بنیاد پہ دوسرے مسلمانوں کو خود سے حقیر جانے، یہ جاہلانہ و کافرانہ سوچ ہے۔

رشتہ داروں کے حق میں جھوٹی گواہیاں اور جھوٹے ووٹ دینے کی مذمت

اور جب روز قیامت کوئی رشتہ دار کام نہ آئے گا تو ان کی خوشنودی کے لئے اپنی عاقبت برباد کرنا عظیم خسارہ ہے۔

آج لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت میں جھوٹی گواہیاں یا ان کو ووٹ دیتے ہیں، ان کے لیے عبرت ہے۔

[16] یعنی اے پیارے رسول! آپ انہی لوگوں کو عذاب آخرت سے ڈرا سکتے ہیں جن کے دلوں میں یہ خوف ہے کہ ان کا رب انہیں دیکھ رہا ہے اور وہ ان سے حساب لے گا۔ تو ایسے خوف والے لوگ ہی ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جس نے بھی خود کو کفر اور گناہ سے پاک کیا اس میں اسی کا فائدہ ہے کیونکہ سب نے اللہ ہی کے پاس واپس لوٹنا ہے اور وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ اس جگہ یُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ سے معلوم ہوا نماز کا خوف خدا سے گہرا تعلق ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: **وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ** (بقرہ: ۴۵)

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۚ وَلَا الظِّلُّ

اور اندھا و بینا برابر نہیں ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی اور نہ سایہ

وَلَا الْحَرُورُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ

اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے باہم برابر ہیں [17] بے شک اللہ جسے چاہے سنا

يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ ۚ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ إِنَّا

سکتا ہے۔ اور آپ انہیں نہیں سنا سکتے جو (گویا) قبروں میں ہیں آپ تو بس (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں [18] بیشک

أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہر امت میں ایک ڈرانے والا (نبی) ضرور گزرا ہے [19]

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اُن سے پہلے لوگوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۚ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا

واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ پھر میں نے کفر والوں کو پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۚ

تو میرا عذاب کیسا سخت تھا۔ [20]

[17] یعنی جس طرح اندھا و بینا، تاریکی و روشنی، سایہ و دھوپ اور مردہ و زندہ برابر نہیں ہیں، اسی طرح کافر و مومن بھی

برابر نہیں ہیں۔ کافر مردہ ہے اور مومن زندہ، کافر کے پاس تاریکی ہے اور مومن کے پاس روشنی، اسی طرح کافر اندھا ہے

اور مومن بینا، تو وہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کافر اللہ کے غضب میں ہے اور مومن اللہ کی رحمت میں، اگر کافر بھی

رحمت خداوندی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ایمان کی روشنی میں آنا ہوگا۔

[18] یعنی اللہ جس گمراہ انسان کو جس کا دل مرچکا ہے حق سنانا چاہے سنا سکتا ہے اور اس کے مردہ دل کو زندگی بخش سکتا

ہے مگر اے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کو اپنی مرضی سے کچھ نہیں سنا سکتے کیونکہ یہ ایسے ہیں جیسے قبروں میں مردے یعنی

ان کے دل مردے ہیں اور ان کے سینے قبریں۔ اب اللہ ہی جس مردے کو چاہے زندہ کر دے جبکہ آپ کا کام ڈرانا ہے آپ ڈرائیں، رہا ہدایت دینا اور مرے ہوئے دلوں کو زندہ کرنا تو یہ اللہ کا کام ہے۔ اسی معنی میں فرمایا گیا: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ، آپ جسے چاہیں اپنی مرضی سے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ (نقص، ۵۶)

سماع موتی کی تحقیق، اور اس بارے میں شبہات کا ازالہ

وَمَا أَنْتَ بِمُصْبِحٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ ۝ سے کچھ لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب حضور سید کائنات ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو کوئی دوسرا کیسے سنا سکتا ہے لہذا انبیاء و اولیاء سے ان کے وصال کے بعد وسیلہ طلب کرنا یا ان سے کوئی مدد طلب کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ جب وہ سن ہی نہیں سکتے تو ان سے بات کرنے کا معنی ہی کیا ہے؟ مگر یہ استدلال باطل ہے کیونکہ اس آیت سے مردہ دل کفار مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے نبی اکرم ﷺ! آپ ان مُردہ دلوں کو اپنی مرضی سے زندہ نہیں کر سکتے جن کے لیے سینے قبریں بن گئے ہیں، اور وہ ان میں دفن ہو گئے ہیں۔ اسی معنی میں کفار کو صُحْمٌ بُكْمٌ عُمٌ۔ ”بہرے گونگے اور اندھے کہا گیا۔“ (بقرہ: ۱۸) یعنی وہ دل کے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ یا یہ معنی ہے کہ ان ضدی کفار کی حالت ایسی ہے جیسے وہ کفر پر مکر ہمیشہ کے لیے قبروں میں چلے گئے ہیں یعنی آپ ان کی ہدایت کی توقع نہ رکھیں اور سمجھیں کہ ان کی موت کفر پر ہو چکی اور وہ اپنے کفر کے ساتھ قبروں میں جا چکے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی مسلسل ضد کی وجہ سے اس کے دل پہ کفر کی کچی مہر لگا دیتا ہے تو اسے کوئی توڑ نہیں سکتا اور ایسے لوگ اپنے کفر ہی پہ اپنی قبروں میں جاتے ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ حضور ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو یہ حدیث صریح صحیح کے خلاف ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ واقعہ بدر کے بعد جب ابو جہل عتبہ و شیبہ اور دیگر مقتولان اہل کفر کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تم نے اپنا انجام دیکھ لیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ سنتے ہیں؟ فرمایا: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعُ لَهَا أَقُولُ مِنْهُمْ، غیر انہم لا يستطيعون ان یردوا علی شیء۔ جتنا تم سن رہے ہو اتنا ہی یہ سن رہے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری کتاب المغازی باب ۸، کتاب الجنائز باب ۸۶، مسلم کتاب الجنۃ حدیث ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۱۷)

اس جگہ سوال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دینا خود ایک دلیل ہے کہ مردے نہیں سن سکتے، یعنی فرمایا گیا کہ کفار ہدایت کی بات اسی طرح نہیں سن سکتے جس طرح قبروں میں مردے نہیں سن سکتے، اگر اہل قبور سنتے ہوں تو ان کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو مردوں کی ظاہری حالت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہر میں مردہ کی یہی حالت ہوتی

ہے جیسے وہ کچھ نہیں سن سکتا، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الميت يعرف من يغسله ويحمله ويكفنه ومن يدليه في حفرة - بیشک مردہ جانتا ہے کہ اسے کون نہلا رہا ہے، کون اٹھاتا اور کفن دیتا ہے اور کون اسے لحد میں اتارتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان العبد اذا وضع في قبره وتولى عنه اصحابه حتى انه ليسمع قرع نعالهم - جب بندے کو اس کے ساتھی قبر میں دفن کر لوٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب ۶۷ حدیث ۱۳۳۸، ابوداؤد کتاب الجنائز باب ۷۶، نسائی کتاب الجنائز باب ۱۰۸، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۲۶)

اور قرآن مجید میں اس کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری حالت سے تشبیہ دیتا ہے جبکہ حقیقت کچھ اور ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿٥﴾ خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ - ”تو بد بخت لوگ ہمیشہ جہنم میں چیختے چلاتے رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہیں۔“ (ہود، ۱۰۷) اور فرمایا: وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فِي الْجَنَّةِ خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ - تو جو سعادت مند ہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین ہیں۔“ (ہود، ۱۰۸) اب چونکہ ظاہری طور پہ انسان یہی دیکھتا ہے کہ آسمان وزمین ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے تو اس سے اہل جنت و نار کی ہمیشگی کو تشبیہ دیدی گئی۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اسی طرح کفار کی ہدایت کی بات نہ سننے کو مردوں کے نہ سننے سے تشبیہ دے دی گئی۔ حالانکہ مردے حقیقت میں سنتے ہیں۔ اس موضوع پہ سورہ روم آیت نمبر ۵۲ کے تحت بھی ہم کلام کر چکے ہیں وہاں بھی دیکھ لیں۔

[19] دوسری جگہ فرمایا گیا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا - ”اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا۔“ (نحل: ۳۶) مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم اور ہر بستی میں ہر وقت کسی نبی کی موجودگی ضروری تھی بلکہ مختلف علاقوں کے کسی مرکزی شہر میں کوئی رسول بھیجا جاتا تھا اور اس پاس کے تمام شہر اور بستیاں اس کے تابع قرار پاتی تھیں۔ اللہ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا - ”اور آپ کا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہ کرتا تھا جب تک ان کے مرکزی مقام میں کوئی رسول نہ بھیجتا۔“ (قصص: ۵۹) اور جب تک کسی رسول کی تعلیمات کے اثرات موجود ہوتے وہ اس رسول کا موجود ہونا متصور ہوتا تھا۔ اگر کہا جائے کہ اہل فترت میں کسی رسول کی تعلیمات بھی نہ ہوتی تھیں پھر ان میں کسی رسول کی بعثت اور موجودگی کیسے مانی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل فترت بھی پہلے گزرے ہوئے رسول ہی کے زیر اثر قرار دیئے جاتے ہیں البتہ اس کی تعلیمات کے مندرجہ ہو جانے کی وجہ سے ان سے اس رسول کے بارے میں روز قیامت سوال نہیں کیا جائے گا۔

[20] گزشتہ قوموں کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے تھے مگر قوموں نے انہیں جھٹلایا تو ان پر اللہ کی سخت پکڑ آگئی۔ لہذا اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کفار کا جھٹلانا نئی بات نہیں۔ آپ

اس سے پریشان نہ ہوں۔

الْمُتَرَّانَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ساتھ مختلف رنگوں والے پھل (زمین سے)

الْوَانِهَاتِ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ

پیدا کئے اور پہاڑوں میں رنگا رنگ سفید اور سرخ ٹکڑے ہوتے ہیں اور سخت

سُودٌ ۚ وَمِنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۚ

کالے بھی [21] اور (اسی طرح) انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے مختلف رنگ ہیں [22]

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۚ

اور اللہ کے بندوں میں سے علم والے ہی اس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ غالب ہے اور بخشنے والا ہے۔ [23]

اللہ کی قدرتوں اور جنت و نار کا بیان

[21] بارش کے ذریعے زمین سے رنگا رنگ پھل پیدا ہوتے ہیں بلکہ ہر پھل میں کئی رنگ ہوتے ہیں۔ مثلاً کھجور کا عمومی رنگ سرخ کیلجی ہے لیکن اگر درجنوں اقسام کی کھجوریں جمع کی جائیں تو ہر کھجور کا اپنا ہی رنگ نکلے گا۔ اسی طرح انار میں کئی رنگ ہوتے ہیں۔ گہرا سرخ، ہلکا سرخ، سفید اور زرد وغیرہ، مالٹے میں کتنے ہی رنگ ہوتے ہیں، خربوزے کے رنگوں میں بھی بہت رنگارنگی ہے، پھر ہر رنگ میں اتنے رنگ ہیں کہ انسان انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح پہاڑوں میں مختلف رنگوں والے حصے ہوتے ہیں، ایک پہاڑ کو کاٹا جائے تو اس میں رنگوں کی کہکشاں نظر آتی ہے، سرخ، سفید، سیاہ زرد وغیرہ۔ آخر یہ رنگارنگی اور بوقلمونی اللہ کے سوا کون بنانے والا ہے جب اللہ ہی ہے تو پھر وہی مستحق عبادت ہے غَرَابِيبُ غریب کی جمع ہے جس کا معنی سخت کالا ہے یہ غَرَابِيبُ بمعنی کو اسے تشبیہ ہے کیونکہ کو اسخت کالا ہوتا ہے۔

[22] انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ دو سگے بھائیوں میں سے ایک بہت سفید اور دوسرا گہرا گندمی ہوتا ہے یہ اللہ کی قدرت ہے یہی رنگارنگی دواب اور انعام میں ہے۔ انعام صرف بکریوں، گائیوں اور اونٹوں کو کہتے ہیں جبکہ دواب تمام حیوانات کے لئے عام ہے۔

[23] تو جو لوگ اللہ کی ان قدرتوں میں غور کر کے اس کی عظمت، طاقت اور اس کے مستحق عبادت و اطاعت ہونے کا

علم حاصل کر لیتے ہیں وہی اس سے ڈرتے ہیں۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ کے کسی حکم سے مخالفت ان کے لئے باعثِ ہلاکت اور اللہ کی مکمل اطاعت ہی ان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

علم خشیتِ الہی کا سبب ہے

اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار بہت بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اگر تم جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو۔ یہ سن کر صحابہ کرام کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۲۸) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار نبی اکرم ﷺ نے خطبہ میں حمدِ الہی کے بعد فرمایا اللہ رب العزت کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں اس لئے تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (بخاری کتاب الایمان باب ۱۳) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی خشیت کا کچھ حصہ عطا فرمادے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خشیت کے بغیر علم بیکار ہے۔ جب علم کا ثمرہ خشیتِ الہی کو قرار دیا گیا تو اس کے بغیر علم بے ثمر ٹھہرا۔ حضرت مسروق (تابعی) فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے کہا اے عالم! مجھے یہ فتویٰ دیں۔ انہوں نے فرمایا میں عالم نہیں ہوں عالم تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ (تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۲) اسی لئے حدیث ہے: رَأْسُ الْعِلْمِ خُفَاةُ اللَّهِ ”علم کا سب سے بلند حصہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔“ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۵۸۷۳)

فضیلتِ علماء دین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو آدمیوں پر حسد (رشک) کرنا چاہئے ایک وہ جسے اللہ مال دے اور وہ اسے راہِ خدا میں لٹائے۔ دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اسے آگے بڑھائے اور اس کے مطابق فیصلے دے۔“ (بخاری کتاب العلم باب ۱۵ حدیث ۷۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس کے لئے بھلائی چاہے اسے دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے اور میں تو قاسم ہوں جبکہ اللہ عطا فرماتا ہے۔“ (بخاری کتاب العلم باب ۱۳ حدیث ۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی راہِ علم پر نکلا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا ایک راستہ آسان کر دے گا۔“ (ترمذی کتاب العلم باب ۲ حدیث ۲۶۳۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔“ (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ حدیث ۲۶۸۱) ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عالم کی عابد پر فضیلت ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔“ (ترمذی کتاب العلم باب ۱۹ حدیث ۲۶۸۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور نماز قائم کرتے اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۚ لِيُوفِّيَهُمْ أَجُورَهُمْ

خفیہ و علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو خسارے میں نہ رہے گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے پورے اجر دے

وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ

اور ان پر اپنا فضل بڑھا دے، بے شک وہ بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔ اور ہم نے آپ کی طرف جو کتاب

الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ

وحی کی وہی حق ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خبردار

بَصِيرٌ ۝

وگہدار ہے۔ [24]

[24] اللہ رب العزت سے ڈرنے والے اہل علم کون ہیں اس کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب

قرآن کی تلاوت کر کے اس پر عمل پیرا ہو کر نماز قائم کرتے اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے ہماری راہ میں خرچ

کرتے ہیں جہاں خفیہ دینا بہتر ہو وہاں خفیہ اور جہاں دکھا کر دینا بہتر ہو وہاں دکھا کر خرچ کرتے ہیں ان لوگوں کی

تجارت میں خسارہ نہیں کیونکہ اللہ انہیں ان کی محنت کا پورا اجر دے گا بلکہ انہیں محنت سے زائد دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا

جزا دینے والا ہے۔

تلاوت قرآن کی اہمیت

الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ کہہ کر یہاں علماء کی پہلی صفت تلاوت قرآن بتائی گئی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ

کی پہلی صفت تلاوت قرآن بتائی گئی: اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ۔ (آل

عمران: ۱۶۴) مگر افسوس! آج ہمارے بہت سے گھروں میں قرآن صرف برکت کے لئے رکھا ہوتا ہے پڑھنے کے لئے

نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان بالقرآن کا پہلا تقاضا اقامتِ صلوٰۃ ہے: جیسا کہ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا

الصَّلَاةَ سے ظاہر ہے۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً سے معلوم ہوا اگر راہِ خدا میں اس لئے چھپ کر دیا جائے تاکہ غریب کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو تو یہ بہتر ہے اور اگر اس لئے دکھا کر دیا جائے تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو تو یہ بہتر ہے، الغرض نیت پر مدار ہے۔ اسی لیے آقائے دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اعمال کا مدار نیت پہ ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔ تو جس کی ہجرت اللہ و رسول کے لیے ہو اسے اللہ و رسول کی رضا ملے گی، اور جس کی ہجرت حصولِ دنیا یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہو تو اسے وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی۔“ (بخاری کتاب الایمان باب ۴۱، مسلم کتاب الامارۃ حدیث ۱۵۵)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا [25]۔ تو ان میں سے کوئی خود پر

لِنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ ذَلِكَ

ظلم کرنے والا ہے اور کوئی میانہ رو ہے اور کوئی حکم الہی سے نیکیوں میں بڑھنے والا ہے۔ یہ

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۖ جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّلُونَ فِيهَا مِنْ

بڑا فضل ہے [26] وہ بیشک کے جنتی باغات میں داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگن اور ہیرے

أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ

پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا [27] اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لئے جس نے ہم سے

الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۚ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ

ہرغم دور کر دیا بے شک ہمارا رب بخشنے والا جزا دینے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس دائمی آرام گاہ میں

الْمُقَامَةَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۚ

اتارا ہے، نہ ہمیں یہاں کوئی تکلیف آئے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ پہنچے گی [28]

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے نار جہنم ہے نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے

عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۚ وَهُمْ يَصْطَرِّخُونَ

جہنم کا عذاب کم کیا جائے گا، ہم ہر ناشکرے کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں [29] اور وہ وہاں چیخ و پکار کریں گے

فِيهَا ۚ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ أَوْ لَمْ

کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال، ہم اچھے اعمال کریں گے اس سے مختلف جو ہم پہلے کرتے تھے (کہا جائے گا) کیا ہم نے

نَعْمَرُكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا

تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ سکے اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا

لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۚ

تو اب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ [30]

[25] یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا جو اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور پہلی آسمانی کتابوں تورات و انجیل وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس کتاب کا وارث بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے لئے اس امت کو چن لیا۔ امت کو کتاب کا وارث بنانا اس معنی میں ہے کہ اب یہ امت ہی اس کی تبلیغ کرے گی اور اس کا پیغام ساری انسانیت تک پہنچائے گی کیونکہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ امت ہی اپنی کتاب کا علم بلند رکھے گی۔ معلوم ہوا امت محمدیہ کی فضیلت قرآن کے حوالے سے ہے جب تک اہل اسلام قرآن سے وابستہ رہے باعزت رہے جب قرآن کو چھوڑا بے عزت ہو گئے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

[26] حالمین و وارثین قرآن یعنی امت محمدیہ کے لوگ تین طرح کے ہیں۔ (1) ظالم (جس کو حقوق اللہ یا حقوق العباد کی پرواہ نہیں)، (2) میانہ رو (صرف حقوق و فرائض کی تکمیل کرنے والا) اور (3) نیکوں میں آگے بڑھنے والا (فرائض کے ساتھ نوافل ادا کرنے والا، جو نماز پنجگانہ کے ساتھ تہجد، زکوٰۃ کے ساتھ نفلی صدقات اور مزدور کو اس کی مزدوری سے زیادہ دینے کا جذبہ رکھنے والا)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ظالم وہ ہے جس کی برائیاں غالب ہوں۔ مقتصد (میانہ رو) وہ ہے جس کی برائیاں اچھائیاں برابر ہوں اور سابق بالخیرات وہ ہے جس کی اچھائیاں غالب ہوں۔“ بعض نے کہا جس کا ظاہر باطن سے اچھا ہو وہ ظالم ہے۔ جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہو وہ مقتصد (میانہ رو) ہے اور سابق بالخیرات وہ ہے جس کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہو (یعنی جسے لوگ اچھا نہ کہیں اور وہ اچھا ہو ایسا شخص تکبر سے دور ہوتا ہے) بعض نے کہا ظالم وہ ہے جو مومن ہو اور اچھے اعمال نہ کرے۔ مقتصد وہ ہے جو مومن ہو اور اچھے اعمال بھی کرے اور سابق بالخیرات وہ ہے جو ایمان اور اچھے اعمال کے ساتھ اخلاص بھی رکھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ”ظالم وہ مومن ہے جو قرآن سے جاہل ہو۔ مقتصد وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سابق بالخیرات وہ ہے جو قرآن سیکھ کر دوسروں کو سکھائے۔“ کیونکہ اس سے قبل فرمایا گیا: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ اور یہ سارے معانی اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور یہ قرآن کی جامعیت ہے کہ اس کی ایک آیت کے کئی معانی و مفاہیم بن جاتے ہیں۔

اس آیت کی روشنی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت

اس آیت میں مومنین کے تین گروہ بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے افضل سابق بالخیرات ہے۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سابق بالخیرات ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ہی السابقون رکھا ہے۔ پھر ان میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بقول صحابہ کرام سب صحابہ سے بڑھ کر خیرات میں سبقت لیجانے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لم ارد خيرا قط الا سبق اليه ابو بكر۔ ”میں نے کبھی کسی نیکی کا ارادہ نہیں کیا مگر یہ کہ ابو بکر اس میں مجھ سے ضرور سبقت لے گئے۔“ (کنز العمال بروایت مسند بزار جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰ حدیث ۳۵۶۲۳) معلوم ہوا کہ ایمان لانے میں بھی وہی سب پہ سابق ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: والذي نفسي بيده ما استبقنا الى خيرا الا سبقنا اليه ابو بكر۔ ”اس رب کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے ہم نے جب بھی کسی نیکی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہا تو ضرور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سابق بالخیرات ہیں اور صحابہ ساری امت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل ہیں اور یہ امت ساری امتوں سے بلاشبہ سابق بالخیرات ہیں تو پھر کیا شک رہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے افضل ہیں۔

[27] امت محمدیہ کے مذکورہ تینوں طبقات (ظالم، مقتصد اور سابق بالخیرات) جنت میں جائیں گے (گویا ظالم طبقہ بھی بالآخر جنت میں جائے گا خواہ کچھ عرصہ جہنم میں سزا پا کر جائے) اسی لئے اس آیت کے تحت امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سابق بالخیرات تو بلا حساب جنت میں جائے گا، مقتصد کا آسان حساب ہوگا اور ظالم کو کچھ دیر ٹھہرایا جائے گا اور اسے غم آئے گا پھر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔“ (بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۲)

دنیا میں مومن مردوں کے لیے زیورات اور ریشم کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امت محمدیہ کے یہ تینوں طبقات جنت میں پہنچ کر جنتی زیورات اور جنتی ریشم زیب تن کریں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل جنت کو جو تاج پہنائے جائیں گے ان کے ایک ہیرے کی چمک اس قدر ہوگی کہ اس سے مشرق و مغرب تک سارا جہان روشن ہو جائے۔“ (ترمذی کتاب الجنۃ باب ۲۳) یاد رہے دنیا میں مسلمان مردوں پر سونا چاندی اور ریشم اسی لئے حرام کیا گیا کہ انہیں یہ نعمتیں جنت میں دی جائیں گی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ریشم کا لباس مت پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں مت کھاؤ یہ چیزیں کفار کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں۔“ (بخاری کتاب اللباس باب ۲۵) حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اسے نہ پہنے گا۔“
(بخاری کتاب اللباس باب ۲۵)

[28] امت محمدیہ جنت میں جا کر کہے گی اللہ تعالیٰ کے لئے سب حمد ہے جس نے ہم سے دنیا کا ہر غم دور کر دیا ہمارا رب ایسا غفور و شکور ہے جس نے ہمیں اس دائمی آرام گاہ میں ٹھہرایا ہے یہاں ہمیں کوئی تکلیف اور تھکاوٹ کبھی نہ آئے گی۔
أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ سے بعض نے موت کا غم مراد لیا ہے، بعض نے جنت سے نکالے جانے کا غم مراد لیا ہے اور بعض نے اسے گناہ میں مبتلا ہونے کا غم قرار دیا ہے جبکہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس سے روٹی کمانے کا غم مراد ہے اور یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ جنت میں ایسا کوئی بھی غم نہ ہوگا۔“

[29] پہلے قرآن کے ماننے والوں کا ثواب بتایا گیا اب کفر کرنے والوں کا عذاب بتایا جا رہا ہے کہ کفار کو جہنم میں نہ موت آئے گی کہ ان کی جان چھوٹ جائے اور نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا کہ آرام آجائے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے:
وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَخْيَى ۝ ”سب سے بد بخت انسان (کافر) جنت سے الگ رہے گا وہ بڑی آگ میں جائے گا جہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا۔“ (اعلیٰ: ۱۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ روز قیامت جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو جنت و نار کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے اہل جنت و نار! اب کوئی موت نہیں تو اس وقت اہل جنت کی خوشی اور اہل جہنم کی تکلیف کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۵۱)

[30] کفار دوزخ میں چیخ و پکار کریں گے کہ انہیں ایک بار واپس دنیا میں جانے دیا جائے تو وہ کفر کی بجائے ایمان اور بُرے اعمال کی جگہ اچھے اعمال بجالائیں گے۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ کیا تمہیں دنیا میں اتنی عمر نہ دی گئی تھی کہ اگر تم نصیحت پکڑنا چاہتے تو پکڑ سکتے تھے اور تمہارے پاس ڈرانے والے نبی (محمد مصطفیٰ ﷺ) تشریف لائے مگر تم نے انہیں جھٹلایا اب اس کا مزہ چکھو اب تمہارے جیسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ معلوم ہوا کفار کے وہ بچے جو شعور کی عمر میں پہنچنے سے قبل مر گئے وہ جہنم میں نہ جائیں گے کیونکہ انہوں نے وہ عمر نہ پائی جس میں نصیحت پکڑنے والا نصیحت پکڑ سکے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمُ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۳۱

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی چیز کا جاننے والا ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں کی (چھپی) باتیں جانتا ہے [31]

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں (پہلی قوموں کا) جانشین بنایا، تو جس نے کفر کیا اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور

وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ

کافروں کے لئے ان کا کفر ان کے رب کے ہاں کچھ نہیں بڑھاتا سوا نفرت کے اور کافروں کے لئے

كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۝۳۲

ان کا کفر کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا سوا خسارے کے۔ [32]

دلائل توحید، رد شرک اور فکر آخرت

[31] پچھلی آیت میں کہا گیا کہ کفار دوزخ سے نکل کر واپس دنیا میں جانے کی درخواست کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ وہ دنیا میں جا کر ایمان لائیں گے اور اچھے اعمال کریں گے مگر انہیں یہ موقع نہیں دیا جائے گا اب اس کی وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ آسمان و زمین کی ہر چھپی چیز سے واقف ہے اور دلوں کے بھید جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ اگر کفار کو واپس دنیا میں بھیجا جائے تو وہ کفر ہی کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَیْہَا نُهْوَ اَعْنٰہُ۔ ”اگر انہیں واپس لوٹایا جائے تو جس چیز سے انہیں روکا گیا وہ پھر وہی کریں گے۔“ (انعام: ۲۸) یہاں إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اللہ ہی غیب داں ہے البتہ وہ انبیاء و اولیاء کو جس قدر چاہے علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو تمام کائنات کے غیوب پر مطلع فرمایا مگر یہ اس کی عطا ہے وہ جب چاہے اپنے بندے پر ذہول طاری کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَیْنِ شِئْنَا لَنُذْهِبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحٰیْنَآ اِلَیْکَ۔ ”اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اسے واپس لے لیں۔“ (بنی اسرائیل: ۸۶) لہذا حضور سید کائنات ﷺ کے لیے سارے جہان کا علم غیب مان لینے کے باوجود إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ کی نفی یا اس سے معارضہ لازم نہیں آتا۔

[32] یعنی اے قرآن کے مخاطب لوگو (مراد امت محمدیہ ہے) اللہ نے تمہیں پہلی سب امتوں کا زمین میں نائب بنایا

ہے اور تمہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم میں سے جو کفر کرے اس کا وبال اسی پر گرے گا اور وہ جوں جوں کفر کرے گا اللہ کے ہاں اس کے لئے نفرت بڑھتی جائے گی اور اس کے لئے خسارہ بڑھتا جائے گا۔

اُمّتِ محمدیہ سب سے آخری امت ہے

جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ۖ سے معلوم ہوا امت محمدیہ کو ساری زمین میں سب امتوں کا خلیفہ اور ان سب کے بعد آنے والی امت بنایا گیا ہے۔ اور اسی لئے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ ”میں انبیاء میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب امتوں میں سے آخری امت ہو۔“ (ابن ماجہ کتاب الفتن صفحہ ۲۹۷ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّالِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ”ہم سب سے آخری لوگ ہیں اور روز قیامت سب سے اول ہوں گے۔“

(بخاری کتاب الجمعہ جلد اول صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ کراچی، مسلم کتاب الجمعہ جلد اول صفحہ ۸۳۲ مطبوعہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ آخِرُ الْأُمَمِ وَأَوَّلُ مَنْ يُحَاسَبُ۔ ”ہم سب سے آخری امت ہیں اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔“

(مسند احمد جلد اول صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا

آپ فرمائیں (اے کافرو) ذرا مجھے اپنے جھوٹے خدا تو دکھاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ مجھے دکھاؤ انہوں نے

خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُم كِتَابًا فَهُمْ

زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا ان کے لئے آسمانوں میں کوئی شراکت ہے؟ کیا ہم نے کافروں کو کوئی کتاب دی ہے کہ وہ

عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَّعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝

اللہ کی طرف سے کوئی واضح دلیل رکھتے ہیں؟ (نہیں) بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو پر فریب وعدے ہی دیتے ہیں۔ [33]

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو گر جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ گریں تو

أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

اللہ کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ بردبار ہے بخشنے والا ہے [34] اور کفار نے

بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَىٰ

اللہ کے نام پر مضبوط قسمیں اٹھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (نبی) آیا تو وہ کسی بھی قوم سے بڑھ کر ہدایت یافتہ

الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝

ٹھہریں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو ان کے کفر ہی میں اضافہ ہو گیا [35] تاکہ وہ زمین میں

الْأَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ

تکبر اور بُراداؤ کریں اور بُراداؤ اپنے چلانے والے ہی کو گھیر لیتا ہے تو کیا کفار پہلے لوگوں کے طریقے ہی کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو

يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ

تم اللہ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ کے طریقہ

لِسَنَةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝

میں کوئی ادل بدل نہ دیکھو گے [36]

[33] مطلب یہ ہے کہ اے بت پرستو! کیا تمہارے جھوٹے خداؤں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کر دی ہے یا آسمان میں ان کی کوئی شراکت ہے جس کے سبب تمہیں ان کے خدا ہونے کا گمان ہوا ہے؟ جب ایسی کوئی بات نہیں بلکہ تم نے خود انہیں اپنے ہاتھ سے تراشا ہے تو پھر تمہارا انہیں معبود ماننا کس قدر جہالت ہے اور کیا اللہ نے تمہیں کتاب دی ہے جو قرآن سے بڑھ کر پختہ دلیل ہے؟ نہیں بلکہ تمہارے پاس ایک دوسرے کی دلائی ہوئی طفل تسلیاں اور جھوٹے وعدے ہیں۔

[34] یعنی اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور اسی نے انہیں روک رکھا ہے اور اگر وہ گریں تو انہیں اللہ کے سوا کوئی تھام نہیں سکتا اور اللہ بہت بردبار ہے کہ کفار اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان پر آسمان گرا دے یا ان کے نیچے سے زمین کھینچ لے مگر وہ انہیں آسمان و زمین سے مسلسل نعمتیں دیئے جا رہا ہے اور جب اللہ چاہے گا کہ آسمان گر پڑے تو وہ ٹوٹ کر گر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ ”جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے۔“ (انفطار: ۱)

[35] مروی ہے کہ کفار مکہ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل کہتے تھے اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے ان کے پاس اللہ کے رسول کتابیں لے کر آئے تو انہوں نے انہیں جھٹلایا۔ اللہ کی قسم! اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا تو ہم سب سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ٹھہرتے۔ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آیا تو ہم ضرور اس کی اتباع کریں گے مگر جب رسول اکرم ﷺ ان میں مبعوث ہوئے تو وہ تکذیب پر اتر آئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ۔

(تفسیر بغوی جلد ۵ صفحہ ۳۰۶)

[36] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار مکہ کی یہ تکذیب ان کا تکبر ہے اور وہ اسلام کے خلاف برادار کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کے خفیہ منصوبے بنائے مگر حق کے خلاف ایسا داؤ خود داؤ کرنے والوں کے گلے کا پھندا بن جاتا ہے تو انہیں چاہیے کہ پہلی اُمتوں کی تباہی سے سبق لیں جب وہ اسلام کا چراغ بجھانے کا منصوبہ کرتی تھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے چراغ بجھا دیتا تھا اور اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی اور ادل بدل نہیں ہے جب بھی کوئی طاغوتی طاقت اہل اسلام کا قلع قمع کرنے کے خط میں مبتلا ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ چنانچہ اس سے قبل کفار مکہ، قیصر و کسریٰ، تاتاری قوم، فرقہ باطنیہ، قرامطہ اور دین اکبری کا عبرت ناک انجام ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھیں ان سے پہلے لوگوں کا کیا

قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي

انجام ہوا؟ وہ قوت میں ان سے سخت تر تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی

السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝ وَلَوْ يَوَّاخِذُ اللَّهُ

نہ آسمانوں میں نہ زمین میں، بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے [37] اور اگر اللہ لوگوں

النَّاسِ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُوَخِّرُهُمْ

کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑتا تو زمین کی پشت پر چلنے والی کوئی چیز زندہ نہ چھوڑتا، مگر وہ انہیں مقررہ مدت

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

تک مہلت دیتا ہے پھر جب ان کی مہلت آ جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے [38]

[37] یعنی کفار مکہ سے کہیں زیادہ طاقتور قومیں انبیاء کے مقابلہ میں آئیں جیسے فرعون و نمرود کی بڑی بڑی سلطنتیں، مگر

اللہ رب العزت نے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار مکہ نے شام و یمن اور مصر کی طرف سفر

کرتے ہوئے عاد و ثمود اور فراعنہ مصر کے تباہ شدہ کھنڈرات نہیں دیکھے تو پھر وہ ان سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ اور اللہ

کو آسمان و زمین میں کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کے سامنے عاجز و بے بس ہے لہذا اس

خداے علیم و قدیر کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

[38] یعنی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے اگر وہ ہر قوم اور ہر فرد کو گناہوں کے بدلے پکڑنے لگتا تو

زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق باقی نہ رہتی کیونکہ جب انسانوں پر عذاب آتا ہے تو وہ ان کے ساتھ جانور بھی ہلاک ہو جاتے

ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دی ہوئی ہے جب ان کا وقت آ جائے گا تو وہ اللہ کی پکڑ

میں آ جائیں گے کیونکہ اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

الحمد للہ آج 28 جمادی الاول 1429ھ بمطابق 2 جون 2008ء بروز پیر وارظہر کی نماز سے قبل سورہ فاطر کی تفسیر مکمل ہوئی

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

شیخ و نقیب سیدی و سندی حضور قبلہ پیر سینہ
 محمد باقر علی شاہ کینانی مجددی نقشبندی
 تفسیر قرآن علامہ و فاضل قاری
 محمد طیب نقشبندی

مکتبہ عربیہ اسلامیہ
0321-4298570

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
 وَ عَلٰى اٰلِهِٖ وَسَلِّمْ

بَرَکَاتُ الْاَلَم

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی

مدرسہ جامعہ رشیدیہ اسلام آباد نمبر ۱۰۸ گلیف

جلد پنجم

مکتبہ برکات القرآن